

سید غوث علی شاہ صاحب قلندری قادری قدس سرہ کی تعلیم

مِرَاةُ الْوَحْدَانِ

المعروفیہ

تعلیم غوثیہ

سید شاہ گل حسن قلندری قادری

شعبہ برادرز

مرأة الوحده

المعروف به

تعلیم فریضہ

تالیف

سید گل حسن قلندر قادری

جدید ترتیب و تدوین

محمد عبدالستار طاہر

ناشر

شیر برادرز

40 اردو بازار لاہور فون 7246006

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

تعلیم غوثیہ	نام کتاب
سید گل حسن قلندر قادری	تالیف
محمد عبدالسار طاہر	ترتیب و تدوین
محمد عبدالسار طاہر	پروف ریڈنگ
WORDS MAKER	کیوزنگ
760	صفحات
گیارہ سو	تعداد
اگست 2003ء	اشاعت
ملک شہیر حسین	باہتمام
شہیر برادرز لاہور	ناشر
200 روپے	قیمت

ملنے کے پتے

۱- شہیر برادرز 40 اردو بازار لاہور فون 7246006

۲- ادارہ پیغام القرآن 40 اردو بازار لاہور

۳- مکتبہ اشرفیہ مرید کے (ضلع شیخوپورہ)

مشمولات

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۵۱	حمد باری تعالیٰ	۲۱	ابتدائیہ
۵۵	وحدت و حقیقت رسول مقبول ﷺ	۳۱	تعارف سید گل حسن شاہ قلندر قادری
۵۶	پیر کامل کے اوصاف (حقیقت انسانی)	"	تحصیل علم
۶۰	غزل	"	ملازمت
۶۲	کتاب لکھنے کی وجہ	۳۲	دینی تعلیم کی رغبت
۶۶	قارئین کو نصیحت	"	پیر و مرشد سید غوث علی شاہ قلندر
۶۹	تعارف "تعلیم غوثیہ"	"	سے ملاقات
"	و مرآة وحدت	"	فیضانِ محبت و باطنی تربیت
۷۰	باب اول..... علم ائقین	۳۵	حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات
"	باب دوم..... عین ائقین	۳۷	زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
"	باب سوم..... حق ائقین؛ اقلیم حقیقت	۳۸	حج کی سعادت
	مقدمہ کتاب	۴۱	بیعت و ارادت
	۱- تصوف کی دین سے نسبت	۴۲	سید صاحب کے احباب
"	استفسارات جبرئیل علیہ السلام	۴۳	سیر و سیاحت کا شوق
۷۲	دین کے بنیادی ارکان	۴۴	تصانیف
۷۳	درجات بندگی	"	۱- تذکرہ غوثیہ
۷۵	حضرت امام مالک کا ارشاد	"	۲- تعلیم غوثیہ
"	ظاہر و باطن کی آرائش	۴۷	تمہید تمہید

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۰۰	امام غزالی راہ سلوک کے مسافر	۷۶	۲ - ارکان تصوف کی تحقیق
"	علم و حکمت سب سے بڑھ کر	"	تصوف کیا ہے؟
۱۰۳	مرتبہ یقین	۷۷	دو برس رسالت میں صوفیا کرام
۱۰۵	۴ - فقراء اور ان کی پہچان	۷۸	تصوف کا پہلا سلسلہ
"	علامات اولیاء	"	علم و حکمت میں تصوف
۱۰۶	علمائے معرفت	۸۰	فلسفہ و تصوف
۱۰۷	عارفوں کی شان	۸۱	تصوف اک بے کنار سمندر
۱۰۸	اللہ کے دوست	"	تصوف کے اصول و ارکان
۱۰۹	خدا کو یاد کرنے والے کی فضیلت	۸۲	مدارج تصوف
۱۱۲	۵ - صحبت فقراء کی فضیلت	"	صوفیاء کے گروہ
"	جنتوں کے رسول اکرم ﷺ	۸۳	صوفیاء کے اصول
"	اصحاب صفہ اور غیرت الہی	"	مذہب کے لیے ظاہر و باطن
۱۱۳	کیسے عالم کی صحبت اختیار کی جائے	"	صوفی کون ہے؟
۱۱۶	اللہ جن سے راضی ہو	"	تصوف کیا ہے؟
	۶ - صوفیاء اور علمائے	۸۵	تصوف کے درجے
۱۱۷	ظواہر میں اختلاف	۹۱	اقسام عالم
"	قرآن پاک کے باطن	۹۳	سلوک بقتیمین راہ رفتن
۱۱۸	مولانا روم فرماتے ہیں	۹۳	۳ - تصوف کی فضیلت
۱۱۹	سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد	"	علم و عالم کی فضیلت
	۷ - تصوف کی تعلیم عام	۹۵	عرش الہی کی سیر حیاں
۱۲۰	نہیں خاص ہے	۹۶	علماء کا اختلاف رحمت ہے
"	تصوف خاص علم کیوں؟	"	جن کا اختلاف رحمت ہے
"	اللہ اور بندے کا حق	۹۸	راہ راست کیا ہے؟

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۳۳	اسرار فقر	۱۲۲	مرتبہ نبوت و مرتبہ ولایت
۱۳۴	اسرار القرآن والحدیث	"	سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باطنی راز
۱۳۶	جیسی عقل ویسا علم	۱۲۳	دل جلوہ گاہ تجلیات انوار الہی
۱۳۷	فقر ایک راز ہے	۱۲۴	اہل بیت سفینہ نجات ہیں
"	بندوں کی اقسام		۸- تصوف کی عطا
۱۳۸	دنیا کے مسافر	۱۲۷	دامن کے مطابق
۱۳۹	بے نظیر بدلہ	"	شرک کی اقسام
"	گمراہ میں پڑتی ہے محنت زیادہ	۱۲۸	توحید کی اقسام
۱۵۱	نفس مطمئن	۱۲۹	اسرار جو معراج میں عطا ہوئے
"	خاص بندے خاص جنت	۱۳۱	فخر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۳	اپنے نفس کی شناخت	۱۳۲	سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم باطن
۱۵۴	جلوہ طور کا نظارہ		سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم باطن
"	جلوہ معراج کی بات کچھ اور ہے	۱۳۳	علمائے ظواہر سے چند سوال
۱۵۵	امہات اسماء الہی	۱۳۵	اسرار الہی کے مخزن
۱۵۶	دارہ بسم اللہ	"	(اللہ کے رازوں کے خزانے)
۱۵۷	طالب مولیٰ کے راہ مستقیم	"	علم کشف
	۹- تصوف کی تعلیم		سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا حال مولانا روم
۱۵۸	کیسے حاصل کی جائے	۱۳۶	کی زبانی
"	شریعت کیا ہے؟	۱۳۷	رازی علی اور کنواں
"	طریقت کیا ہے؟	"	سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال
"	ملک شریعت	۱۳۱	شیخ عطار کی زبانی
۱۵۹	توحید شریعت	۱۳۲	زبوت بیت ایک راز ہے
۱۶۱	اصل مقصود کیا ہے؟	۱۳۳	عرفاء کے علوم

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۹۶	اور ان کی ضروریات	۱۶۲	اخلاص کے معنی
"	سچے طالب کی ضرورتیں:	۱۶۳	کلمہ طیبہ سے مراد
۱۹۷	◆ زہد	"	محبوب و مکروہ افعال
"	◆ زہد کے قواعد ضروری	۱۶۷	۱۰ - اقلیم طریقت میں قیام
۱۹۸	◆ توبہ	"	طریقت ایک بادشاہی
۲۰۰	◆ توکل	۱۶۸	شاعر کہتا ہے
"	◆ قناعت	۱۶۹	سات ہولناک وادیاں
"	◆ تنہائی (عزالت)	۱۷۰	وادئ طلب میں آنے والے
"	◆ صبر		۱۱ - سات وادیاں اور
"	◆ رضا	۱۷۲	<u>پیر کامل کی جستجو</u>
"	◆ توحید	"	فلاح کی جستجو
۲۰۱	✦ توحید اسمائی	۱۷۳	بے مرشدے کا حال
"	✦ توحید انعالی	۱۷۴	مولانا روم فرماتے ہیں
"	✦ توحید صفائی	"	شیخ عطار فرماتے ہیں
"	✦ توحید ذاتی	۱۷۶	ولی کون ہے؟
"	◆ مراقبہ و توجہ الی اللہ	۱۷۷	بیعت کی اہمیت
"	◆ ذکر الہی	"	اللہ سے بیعت کرنے والے
"	◆ فقر و فقیر	۱۷۸	ملا حسین کاشفی فرماتے ہیں
۲۰۲	مال کا فقیر	۱۸۵	عقل کی شان
"	مال کے فقیر کی اقسام	۱۹۳	پیر کامل مل جائے تو!
۲۰۲	✦ مضمحل	۱۹۳	پیر سے توقعات
"	✦ حریص	۱۹۵	اہل طریقت کا مذہب
۲۰۳	✦ قانع		۱۲ - راہ طریقت کے مسافر

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۰۱	صوفی اور ہمہ اوست	۲۰۳	✦ راضی
"	عبادت کس لیے؟	"	✦ زاہد
۲۱۱	معرفت نامہ کے بعد عبادت	"	✦ مستغنی
"	شاعر کہتا ہے	"	بندے کا اللہ سے قرب
۲۱۳	امید جنت اور خوف دوزخ میں عبادت	۲۰۴	<u>۱۳- اشکالات مع جوابات</u>
۲۱۴	خواص کی عبادت	"	شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت
۲۱۵	عوام کی عبادت:	"	کیا ہیں؟
"	✦ صاحب مشاہدہ	۲۰۵	سلوک کیا ہے؟ سالک کون ہے؟
۲۱۶	✦ صاحب مراقبہ	"	تزکیہ نفس کیا ہے؟
"	✦ عالی	"	تصفیہ قلب کیا ہے؟
۲۱۷	اسلام و ایمان کیا ہے؟	"	تخلیہ سر کیا ہے؟
"	مسلم و مومن کون ہے؟	۲۰۶	تجلیہ روح کیا ہے؟
"	مومن کون ہے؟	"	مقصد کے کہتے ہیں؟
۲۲۰	کس کی نفی..... کس کا اثبات!	"	جذبہ کے کہتے ہیں؟
"	جنت دوزخ کس کے لیے!	"	وصول بہ حق کیا ہے؟
۲۲۱	جنت دوزخ ہیں کیا!	"	فکر و نظر کیا ہے؟
"	تقدیر کیا ہے؟	۲۰۷	صحو کیا ہے؟
۲۲۳	تدبیر کیا ہے؟	"	خود محویت کیا ہے؟
۲۲۴	کیا انسان مختار ہے؟	"	سکر کیا ہے؟
۲۲۷	جب ہر بات طے ہے تو پھر.....	"	بط کیا ہے؟
۲۲۹	سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے	"	قبض کیا ہے؟
۲۳۰	ایک سربستہ راز ہے کہ جو کھلتا نہیں	۲۰۸	وحدت سے کثرت میں آمد کیوں؟
۲۳۵	کیا غلق کو فنا ہے؟	۲۰۹	فقر و فقیر کیا ہیں؟

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۶۲	درجات مکملین :	۲۳۹	شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
"	✦ سالک مطلق	۲۴۰	تصوف میں فنا کی اقسام
۲۶۶	✦ مجذوب مطلق	"	✦ فنا و جودی
۲۶۷	رسول رب العالمین کے کہتے ہیں؟	۲۴۱	✦ فنا عدی
"	✦ دل مومن عرش الہی	"	✦ فنا الفنا (فناء اتم)
"	✦ ارشاد سیدنا غوث الاعظم	۲۴۲	توحید کیا ہے؟
۲۶۸	رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۴۵	فناء نفس کلی
۲۶۹	✦ تنبیہ	۲۴۶	معرفت کیا ہے؟
۲۷۰	✦ مولانا روم فرماتے ہیں	"	منزل توحید میں کیا سیر ہے؟
۲۷۵	اصطلاح صوفیاء میں رسول سے مراد	۲۴۷	تصوف میں قرب نوافل:
۲۷۸	روح کی شے ہے؟	۲۴۹	تصوف میں قرب فرائض
۲۷۹	خوشی غمی کا احساس روح کو ہوتا ہے یا جسم کو	۲۵۰	طہارت و فرائض اور اہل طریقت
۲۸۰	قلب کیا ہے؟	۲۵۱	شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
۲۸۲	قلب عارف	۲۵۳	مراتب کے لحاظ سے اقسام آدمی:
"	مولانا عطار فرماتے ہیں	"	◆..... اول : اعم
۲۸۶	مولانا روم اور دل	"	◆..... دوم : عام
۲۹۳	عشق و محبت کیا ہیں؟	"	◆..... سوم : خاص
۲۹۶	عالم امکان کیا ہے؟	"	◆..... چہارم : اخص
		۲۵۹	درجات عرفان
۳۰۰	فصل (۱۷):	"	درجات اکملین
		"	✦ طالب صادق
		۲۶۰	✦ مجذوب سالک
۳۰۲	احسن التقویم کی ازلی تصویر کا نقشہ	۲۶۱	✦ سالک مجذوب

پہلا باب - علم الیقین

تمہید تنزیلات و تعینات

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	فصل (وز):	۳۰۲	سراپائے انسان میں ظہور الہی:
		"	+ چہرے میں ظہور
۳۳۹	صوفیاء کرام کے دو گروہ	۳۰۶	+ رگ رگ میں ہے تیری پکار
۳۳۹	اصطلاح صوفیا میں نسبت کیا ہے؟	"	+ آنکھوں میں ہے جمال تیرا
۳۳۷	علم کی اقسام	۳۰۷	+ حالت نماز میں شان الہی
۳۵۰	حضرت مجدد کا انکار	"	+ حالت تشہد (التحیات)
۳۵۱	حضرت مجدد کا کشف	۳۰۹	میں جلوہ گری
۳۵۲	ہبی اعتقاد	"	+ سفینہ سینہ میں رونق افروزی
"	حضرات مجددیہ کے مذاہب	۳۱۱	+ ہاتھ پاؤں میں تصویر یار
		"	+ ہر شے اسی کے قبضہ قدرت
		۳۱۳	میں ہے
		"	ظہور انسان صورت الہی پر
۳۵۳	مکتوب: قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۳۱۶	تحلیق آدم علیہ السلام
	بنام حضرت غلام علی	۳۱۹	خلیفہ کے کہتے ہیں؟
	مکتوب نمبر ۲: قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۳۲۱	کیا سیدنا آدم علیہ السلام غیر اللہ ہیں؟
۳۷۰	بنام حضرت غلام علی	۳۲۲	خلافت آدم پر عہد و پیمان
	مکتوب قاضی ثناء اللہ پانی پتی بنام	۳۲۳	بار خلافت انسان ہی کے لیے خالص ہے
۳۸۹	قاضی شیخ محمد	۳۲۴	جب بار امانت اٹھا چکا
	مکتوب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بنام	۳۲۶	بار امانت کا صلہ
۳۹۷	شاہ ابوسعید	"	انسان کے گروہ
	مکتوب عبدالرزاق احمد قادری بنام	۳۳۱	مزید مدارج و مراتب کے لیے تحریریں
۴۰۱	شیخ حسین شاہ	۳۳۳	عطاے خلافت کے بعد رخصت
۱۱	حاصل مطالعہ	۳۳۴	جدہ آدم علیہ السلام میں کیا راز تھا؟
۴۱۷	شیونہات کیا ہے؟		
۴۱۹	نعرہ منصور کی حقیقت		

مکتوبات گرامی

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۵۵	ایجاد عالم فصل پنجم:	۳۲۳	کیا ہمہ اوست والے غلطی پر ہیں؟ کیا ہر روح قدسی ممکنات و مخلوقات میں شمار ہے؟ فصل سو:
۳۵۹	تنزلات بطریق قدمائے سالکین رحمہم اللہ علیہم	۳۲۷	
۳۵۹	تعیین اول فصل ششم:	۳۳۱	تنزلات و تعینات
۳۶۳	تنزلات بطریق دیگر بالتفصیل	"	خمسہ ذات بحث بالا جمال
"	توحید و اہل توحید	"	♦..... ذات بخت یا عالم لاہوت
۳۶۳	خمسہ تنزلات	"	♦..... وحدت یا عالم جبروت
"	وجود مطلق کے لباس	۳۳۲	حقیقت محمدی ﷺ
۳۶۵	♦..... لباس اول: لا تعین	۳۳۷	واحدیت کیا ہے؟
"	♦..... مرتبہ احدیت میں	"	♦..... تعین روحی و عالم ملکوت
۳۶۶	اسامی ذات	۳۳۸	♦..... تعین مثالی و عالم مثال
"	✦ لا تعین	"	♦..... تعین جسدی و عالم ناسوت
"	✦ ازل الآزال	۳۳۹	خلاصہ کلام تعینات
"	✦ غیب الغیوب	۳۴۰	ایمان ثابت کیا ہے؟
"	✦ وجود الحجت	۳۴۲	محققین اہل وجود اور اہل شہود فصل چہارم:
"	✦ مجہول النعت	۳۴۵	تنزلات بطرز دیگر
"	✦ عین الکافور	"	ہویت حق
۳۶۷	✦ ذات سازج	"	احدیت ذات و عالم لاہوت
"	✦ منقطع الاشارات	۳۵۱	عالم ارواح
"		"	عالم مثال
"		"	عالم حس و شہادت

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۷۴	✦ حضرت جمع والوجود	۳۶۷	✦ منقطع الوجدانی
	✦ حضرت الاسماء الصفات	"	✦ غیب الہویت
"	✦ حضرت الالوہیت	"	✦ عین مطلق
۳۷۵	✦ قابلیت الکثرت	۳۶۸	✦ ذات بلا اعتبار
"	✦ احدیت الکثرت	"	✦ مرتبہ الہویت
"	✦ فلک الحیات	"	✦ لباس دوم: تعین اول ہے
"	✦ قابلیۃ الظہور وانشاء کثرت	"	✦ تعین اول میں اسامی ذات:
"	✦ نفس رحمانی	"	✦ تعین اول
"	✦ شہمی العابدین	۳۶۹	✦ علم مطلق اور وجود مطلق
۳۷۶	✦ اسامی کلیات: اسمائے الہی ارباب	"	✦ وحدت حقیقی
۳۷۷	✦ اسامی کلیات: اسمائے کوئی مربوب	"	✦ فلک ولایت مطلقہ
۳۸۲	✦ وجود مطلق کے کمالات	"	✦ تجلی اول: حقیقت محمدی
۳۸۳	✦ لفظ "شکن" پر اعتراض	"	✦ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۳۸۵	✦ وجود عالم کی نمو	"	✦ رابطہ بین الظہور والہطون
۳۹۱	✦ ہر شے میں ہے جلوہ تیرا	"	✦ محبت حقیقت
۵۰۶	✦ اے زائرِ طلسم کدہ ہوش میں آ	۳۷۰	✦ قابلیت اول
۵۰۷	✦ دل محبوب ہے کہ.....	"	✦ مقام او اذنی
	✦ فصل ہفتم:	"	✦ برزخ البرازخ، برزخ کبریٰ
		"	✦ احدیت الجمع
۵۱۱	✦ ہندسہ الہیہ	۳۷۳	✦ لباس سوم: تعین ثانی ہے
"	✦ نقطہ کیا ہے؟	۳۷۳	✦ تنزل ثانی میں اسامی ذات
"	✦ نقطے کی شرح	"	✦ تعین ثانی
۵۱۸	✦ دیگر الہیہ ہندسے	"	✦ معدن الکثرت
۵۱۹	✦ اصول موضوعہ	"	✦ فشاء سوا
"	✦ علوم متعارف		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	فصل (ور):	۵۲۰	اشکال
			دوسرا باب
۵۲۲	ذکر کے طریقے	۵۲۲	عین الیقین
"	قرب الہی کا حصول	"	وادی طلب سے اگلی منزلیں:
۵۲۵	کلمہ طیبہ کے فرائض	"	وادی عشق کا سفر
"	ذکر کے طریقے	"	شیخ عطار فرماتے ہیں
"	+ ذکر لسانی یعنی ناسوت	۵۲۳	ملاحسین کا شفی فرماتے ہیں
"	+ ذکر قلبی یعنی ملکوت	۵۲۸	وادی عرفان کا سفر
"	+ ذکر رومی یعنی جبروت	"	وادی عرفان کیا ہے؟
"	+ ذکر سری یعنی لاہوت		فصل (ور):
۵۲۶	+ ذکر خفی یعنی باہوت		ذکر اذکار کیا ہیں؟
"	+ خفی الاخفی		
"	طریقہ ذکر نفی و اثبات چہار ضربی:	۵۳۱	ذکر کی تعریف
۵۳۷	+ ضرب اول	"	ایک عارف کہتا ہے
"	+ ضرب دوم	"	ارشادات باری تعالیٰ
"	+ ضرب سوم	"	ارشاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
"	+ ضرب چہارم	"	غیر حق کی رغبت
"	طریقہ ذکر نفی و اثبات دو ضربی	۵۳۲	+ حدیث نفس
۵۳۸	صفات سلویہ و ایجابیہ	"	+ خطرہ
"	ایک ذکر سے دوسرے ذکر کی	"	+ علم اشیا پر دل کی نظر
۵۳۹	طرف منتقلی	۵۳۳	+ امہات صفات
"	طریق ذکر نفی و اثبات	"	+ اسماء امہات صفات
۵۴۰	+ وقوف ثلاثہ	"	
"	+ اسمائے صفات خمسہ	"	
۵۴۲	ذکر نفی و اثبات دو حلقی	"	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۵۵۳	تعلیم خمسہ اذکار	۵۴۲	ذکر نفی و اثبات اور لطائف قلب
۵۵۴	ذکر سہ پایہ دورہ قادری	۵۴۳	ذکر نشست مربع
"	ذکر اسم ذات	۵۴۴	یاد رہے کہ.....
۵۵۵	ذکر قلندری	۵۴۵	ذکر آورڈ برد
"	ذکر قلبی اسم ذات	۵۴۶	ذکر مکاشفہ
"	ذکر ازہ جلسہ مربع	۵۴۷	ذکر بارہ تسبیح
۵۵۶	ذکر اسم ذات یک ضربی	"	ذکر کڑکا حیدری
"	ذکر روح	"	ذکر حدادی
"	ذکر پاس انفاس اسم ذات	۵۴۸	ذکر آیت الکرسی
۵۵۷	ذکر سہ پایہ دورہ قادریہ -- اول	"	ذکر پاس انفاس
"	ذکر سہ پایہ دورہ قادریہ -- دوم	۵۴۹	ذکر فنا و بقا
۵۵۸	اقسام برزخ		ذکر برائے کشف روح مبارک
۵۵۹	اقسام محاربہ	۵۵۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
۵۶۰	سلطان الاذکار		ذکر برائے کشف ملائکہ و ہر روعے کہ باشد
"	اذکار میں احوال کی رونمائی	۵۵۱	کشف ارواح
۵۶۱	دل کی آنکھیں فصل سوم:	"	ذکر برائے کشف قبور
			ذکر برائے کشف دقائق آئندہ و حصول
۵۶۳	ذکر صلوة دائمی	۵۵۱	امور مشککہ
"	صلوة دائمی کیا ہے؟	۵۵۲	اول خمسہ اور اذکار قادریہ غوثیہ:
"	اقسام نماز	"	✦ بعد نماز فجر
۵۶۳	فضائل صلوة دائمی	"	✦ بعد نماز ظہر
۵۶۷	ذکر صلوة دائمی کے پانچ وجود:	"	✦ بعد نماز عصر
"	✦ واجب الوجود	۵۵۳	✦ بعد نماز مغرب
"	✦ ممکن الوجود	"	✦ بعد نماز عشاء

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۵۷۹	◆ شغل نیم خوابی	۵۶۸	◆ متنع الوجود
•	◆ شغل صوت سردی	•	◆ عارف الوجود
۵۸۰	◆ شغل میت	•	◆ واحد الوجود
•	◆ شغل بساط	•	جمود فی القلب
۵۸۱	◆ شغل آور برد	۵۷۰	جمود فی القلب کی حالتیں:
•	جس دم		فصل چہارم:
	◆ شغل مقاماً محموداً	۵۷۲	اشغال
۵۸۳	و سلطاناً نصیراً	•	شغل کیا ہے؟
۵۸۴	◆ مَقَامًا مَحْمُودًا	•	اقسام اشغال
•	◆ ادخالِ صدق	۵۷۳	◆ شغل دینی
•	◆ اخراجِ صدق	•	◆ شغل لسانی
۵۸۸	◆ سُلْطَانًا نَصِيرًا	•	◆ شغل سمعی
	ترکیب شغل	•	◆ شغل نظری و بصری
•	مقاماً محموداً و سلطاناً نصیراً	۵۷۳	تعلیم اشغال:
	فصل پنجم:	۵۷۴	◆ شغل آفتابی
۵۹۲	مراقبات	•	◆ شغل ماہتاب
•	مراقبہ کیا ہے؟	۵۷۵	◆ شغل منصوری
۵۹۳	مراقبہ کی اقسام	•	◆ شغل روحی
•	مراقبہ کا انحصار	•	◆ شغل برزخ اکبر
۵۹۴	مراقبہ کے دوران	۵۷۶	◆ شغل برزخ کبیر
۵۹۵	فرمانِ الہی ہے	•	◆ شغل اسم ذات
۵۹۶	مختلف مراقبات:	۵۷۷	◆ شغل شطاری
•	◆ مراقبہ قدس	۵۷۸	◆ شغل معیت
۵۹۶	◆ مراقبہ ہفت گام پنج مراتب	•	◆ شغل آمینہ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۶۱۳	♦ حرف ہ	۵۹۷	♦ مراقبہ بحری
۶۱۵	♦ حرف و	"	♦ مراقبہ قرب نوافل
"	♦ حرف ن	"	♦ مراقبہ قرب فرائض
"	♦ حرف م	۵۹۸	♦ مراقبہ عین
"	♦ حرف ل	"	مراقبات خمسہ قادریہ محبوبیہ غوثیہ
"	♦ حرف ک	"	اذکار و اشغال و مراقبات میں
۶۱۶	حجلی چہارم یہ تعین ممکن الوجود	۵۹۹	درپیش کفریات
"	قلب نیب	"	+ کفر شرعی
"	مقبوم وہم	"	+ کفر نفسی
۶۱۸	♦ توحید افعالی	۶۰۰	+ کفر قلبی
"	♦ تجرید	"	+ کفر رومی
۶۱۹	♦ تفرید		فصل منہم:
"	♦ مراقبہ طریقت	۶۰۳	تجلیات الہی و تنزلات و تعینات
"	♦ مشاہدہ طریقت	"	تجلیات الہی سے ظہورات عالم:
۶۲۰	شہادت و جدا	۶۰۷	معرفت واجب الوجود بہ تعین اجسام
۶۲۱	♦ شہادت و جداری	۶۱۱	شہادت مبداء
"	♦ شہادت و جدا یعنی	"	♦ شہادت مبداء رومی
"	حجلی چہارم میں ہفت شغل بہ ہفت حروف	"	♦ شہادت مبداء یعنی
"	♦ حرف ق	۶۱۲	ممكن الوجود مسلکوئی کا حصول
"	♦ حرف ف	"	♦ طریقہ حصول
"	♦ حرف ع	"	♦ جیسی نیت ویسا پھل
"	♦ حرف غ	۶۱۳	حجلی پنجم میں ہفت شغل بہ ہفت حروف:
"	♦ حرف ظ	"	♦ حرف ی

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۶۳۷	مرتبہ جمال کی تجزیہ	۶۳۱	♦ حرف ط
"	مرتبہ جمال کی تجزیہ	۶۳۲	♦ حرف ض
"	مرتبہ جمال میں مراقبہ	"	وصل طریقت
۶۳۸	ذکر سری	۶۳۳	تجلی سوم پہ تعین متنوع الوجود
"	منزل لاہوت میں داخل	۶۳۴	ظلمت کیا ہے؟
۶۳۹	شہادت شہیدا	۶۳۸	توحید احوالی
۶۴۰	شہادت شہیداری	۶۳۹	حقیقت کیا ہے؟
"	شہادت شہیدای عینی	"	عارف کے کہتے ہیں؟
"	تجلی دوم میں ہفت شغل پہ ہفت حروف	۶۴۰	عاشق کے کہتے ہیں؟
"	♦ حرف خ	۶۳۲	تجلی سوم میں شہادت عمارگی
۶۴۱	♦ حرف ح	"	تجلی سوم میں شہادت عمار عینی
"	♦ حرف ج	"	تجلی سوم میں ہفت شغل پہ ہفت حروف:
"	♦ حرف ٹ	"	♦ حرف ص
"	♦ حرف ت	"	♦ حرف ش
"	♦ حرف ب	۶۳۳	♦ حرف س
۶۴۲	♦ حرف ا	"	♦ حرف ز
"	تجلی اول واحد الوجود پہ تعین اطلاق	"	♦ حرف ر
"	+ تجلی جلالی (مرتبہ عاشقیت)	"	♦ حرف ذ
۶۴۳	+ تجلی جمالی (مرتبہ معشوقیت)	"	♦ حرف د
"	اقسام نظر:	۶۳۴	تجلی دوم پہ تعین عارف الوجود
"	+ نظر ظاہری	"	نفس ملہمہ یعنی قلب شہید
"	+ نظر باطنی	۶۳۵	بشارت اور ہاتف
۶۴۴	وجدان	۶۳۶	روح قدسی
"	♦ وجدان اول: دونظری	"	فہم آگاہ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۶۵۲	♦ لاہوت	۶۳۵	♦ وجدان دوم: توحید و قرب
"	♦ جبروت	۶۳۶	اقسام ذکر
"	♦ ملکوت	"	✦ لقلقہ
"	♦ ناسوت	"	✦ وسوسہ قلبی
"	علم الیقین	"	✦ مشاہدہ روحی
"	عین الیقین	"	✦ محاسبہ سری
۶۵۵	حق الیقین	۶۳۷	✦ ذکر خفی و مغایبہ
"	مرتبہ واحد الوجود باعتبار مراتب	"	♦ وجدان سوم: نور
"	صورت مراقبہ	۶۳۷	♦ وجدان چہارم: لباس باعتبار صفات
"	درء الوراء کیا ہے؟	"	واحد الوجود نقطہ ذات
۶۵۷	مراقبہ واحد الوجود	۶۳۸	♦ مرتبہ واحد الوجود
	بارسوح	"	♦ مرتبہ توحید ذاتی
۶۵۹	حق الیقین، قیام اقلیم حقیقت	"	♦ مرتبہ خفی
"	اقلیم حقیقت کیا ہے؟	"	♦ مرتبہ قرب
"	فصل اول:	"	♦ مرتبہ نور
	تفکرات	"	♦ مرتبہ درء الوراء
۶۶۰	ارشاد باری تعالیٰ	۶۳۹	♦ مرتبہ احدیت
"	ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	"	♦ مرتبہ لا ینین
۶۶۱	ارشاد حضرت یحییٰ علیہ السلام	۶۵۰	ابوبکر دقاق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
۶۲	ارشاد حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ	۵۱	منصور حلاج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
"	ارشاد ابوسلیمان علیہ الرحمہ	"	اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں
"	ارشاد حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ	۶۵۲	دعائے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
"	شاعر کہتا ہے	"	مقامات راہ سلوک
"		"	سلطان عشق کے تحت:

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۸۱	آئینہ مشابہت	۲۶۵	امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
۲۸۳	انسان ہی شک و شبہ سے بالا کتاب ہے		دنیا کی نسبت آخرت اختیار کرنا
۲۸۸	اپنے نفس کا عرفان کافی ہے	"	کس طرح بہتر ہے؟
۲۹۰	مولانا روم اور حقیقت انسان	۲۶۶	اعتبار
۲۹۱	ذات واحد کی دو صفات	"	تذکر
۲۹۳	شیخ عطار فرماتے ہیں	"	نظر و تفکر
۲۹۵	فصل (۵):	"	تذکر و تفکر میں فرق
	تفکر کی صورت کیا ہو؟	"	سب معارف دل سے تعلق رکھتے ہیں
		۲۶۷	معرفت در معرفت
۷۰۶	تفکر کا انداز	۲۶۸	تفکر کے معنی اور اس کے درجے
۷۰۷	تفکر و تصور کی وادیاں:	"	مرکز فکر کیا ہو؟
۷۰۸	♦..... وادی استغناء	۲۶۹	اپنے آپ کو پہچانو
۷۰۹	♦..... وادی توحید	۲۷۲	فصل (۶):
۷۱۰	♦..... گرداب حیرت		
۷۱۲	♦..... وادی فقر و فنا		
۷۱۳	فصل (۷):		
	اقلیم معرفت، فنا و بقاء سا لک	"	مقام الہی
"	معرفت کیا ہے؟	۲۷۳	انسان کی اصل کیا ہے؟
"	وادی بقا	۲۷۶	اپنا مطلوب اپنے ہی میں طلب کر
۷۱۷	فصل (۸):	۲۷۷	انسان میں عالم اکبر ہے
	خلاصہ ما تقدم بطرز تمثیل	۲۷۸	کتابیں دو عالم بھی دو
	وبقیہ حالات ظلم مذکور	۲۸۰	قلم أم الکتاب 'لوح محفوظ کتاب بین
		"	عرش أم الکتاب 'کری کتاب بین
	جلوہ گاہ معرفت	۲۸۱	ذات انسان بالفعل کامل ہے

تعلیمات سیدنا علی مرتضیٰ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	مرتبہ واحدیت میں اس محبوب	۷۱۸	طلم کدہ انسان
۷۲۸	کی جستجو	"	شہر انساں کی فصیلیں
۷۳۰	مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں	۷۱۹	◆..... فصیل ظاہر
۷۳۲	رب دو جہاں کی سائی	"	◆..... فصیل باطن
۷۳۳	شیخ نابینا کی بایزید علیہ الرحمہ کو تعلیم	"	فصیل ظاہر کے دروازے:
۷۳۸	پھر وہی تکرار کہ "انسان کیا ہے؟"	"	◆..... دروازہ لمس
۷۴۰	مولانا روم فرماتے ہیں	"	◆..... دروازہ بصر
"	شیخ عطار کے کلام پر	"	◆..... دروازہ سح
۷۴۲	خاتمہ کتاب	"	◆..... دروازہ ذوق
		۷۲۰	◆..... دروازہ شمع
		"	فصیل باطن کے دروازے:
		"	◆..... حس مشترک
		"	◆..... خیال
		"	◆..... وہم
		۷۲۱	◆..... فکر
		"	◆..... حفظ
		"	چار مقام اور ہیں
		۷۲۲	ہفت واویٰ خونخوار
		"	قصہ انسان کا لب لباب
		۷۲۳	ایک شب خیال ہوا
			مرتبہ واحدیت میں اس بے نشان
		۷۲۵	کی تلاش
			مرتبہ وحدت میں اس مطلوب
		۷۲۶	کی تلاش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتدائیہ

یہ کتاب ”تعلیم غوثیہ“ سلسلہ قادریہ غوثیہ کے معروف بزرگ حضرت مولانا سید غوث علی شاہ قلندری علیہ الرحمہ کی تعلیمات کا مجموعہ ہے — جسے ”مرآة الوجدت“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ”آئینہ وحدت“ — گویا یہ کتاب وحدت کا آئینہ ہے — اس آئینے میں جمال وحدت کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔



سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی علیہ الرحمہ کا اصل نام ابوالحسن خورشید علی تھا۔ لیکن سید غوث علی شاہ قلندر قادری کے نام سے معروف ہوئے — آپ کا سلسلہ نسب سترہ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے جا کر ملتا ہے — محبوب سبحانی غوث صمدانی قدس سرہ العزیز سے ۳۲ ویں پشت میں یہ سلسلہ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے جا ملتا ہے۔

نوویں پشت میں آپ کے جد امجد سید مبارک حقانی علیہ الرحمہ کے بڑے بھائی سید عبدالقادر ثانی علیہ الرحمہ اوج شریف ضلع بہاولپور میں مدفون ہیں۔ جہاں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت غوث علی شاہ علیہ الرحمہ کی ولادت صوبہ بہار میں ۱۲۱۹ھ میں ہوئی — ۱۲۹۷ھ میں پانی پت میں ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

۱۔ محمد افضل میاں: دیباچہ ”تذکرہ غوثیہ“ مطبوعہ مکتبہ شاہکار لاہور فروری ۱۹۷۷ء

”تعلیم غوثیہ“ کے مرتب آپ کے ایک خلیفہء خاص اور جانشین طریقت مولانا سید گل حسن شاہ قادری علیہ الرحمہ ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے زیر نظر کتاب میں ”سبب تالیف کتاب“ کے زیر عنوان وضاحت کی ہے۔

قبل ازیں سید غوث علی شاہ علیہ الرحمہ کے ملفوظات و ارشادات کا ایک مجموعہ ”تذکرہ غوثیہ“ بھی انہی سید گل حسن شاہ قادری علیہ الرحمہ نے مرتب کیا تھا — جسے منفرد طرز بیان اور دلچسپ واقعات کے تناظر میں بہت پذیرائی ہوئی۔ اس کتاب کے برصغیر پاک و ہند میں بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

کتاب کے نام ”تعلیم غوثیہ“ سے ذہن میں فوراً یہ خیال ابھرتا ہے کہ یہ کتاب سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی تعلیمات و فرمودات پر مبنی ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔

اسی انداز پر تصوف کے باب میں کئی کتب معروف ہیں۔ مثلاً

سلسلہ عالیہ چشتیہ میں ”ہششت بہشت“ ہے۔ جو کہ اس سلسلے کے سرکردہ بزرگوں کے ملفوظات و ارشادات کا عطر مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں:

۱- انیس الارواح: ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ

مرتبہ: حضرت خواجہ غریب نواز چشتی اجیری علیہ الرحمہ

۲- دلیل العارفین: ملفوظات خواجہ غریب نواز چشتی علیہ الرحمہ

مرتبہ: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ

۳- فوائد السالکین: ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ

مرتبہ: حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمہ

۴- بابا فرید الدین علیہ الرحمہ کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں:

● — راحت القلوب: مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ

• — اسرار الاولیاء: مرتبہ خواجہ بدراسحاق علیہ الرحمہ

۵- خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے ملفوظات کے تین مجموعے ہیں جبکہ
”فوائد الفواد“ کے پانچ حصے ہیں:

• — افضل الفوائد: مرتبہ- خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ

• — راحت المحبین: مرتبہ- خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ

• — فوائد الفواد: مرتبہ- خواجہ میر حسن سنجری علیہ الرحمہ

۶- مفتاح العاشقین: ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ
”ہشت بہشت“ کے علاوہ:

۷- ملفوظات مہرہ: ملفوظات حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ
سلسلہ عالیہ قادریہ کے بزرگوں میں:

۸- الملفوظ: ملفوظات امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ

مرتبہ: مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ

۹- ملفوظات: حضرت خواجہ سید بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ

۱۰- فاضلی انوار السہی: ملفوظات حضرت فضل شاہ قطب عالم علیہ الرحمہ

مرتبہ: حافظ نذرا لاسلام

اسی طرح سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اکابرین کے ملفوظات:

۱۱- دُر المعارف: ملفوظات شاہ غلام علی دہلوی نقشبندی علیہ الرحمہ

مرتبہ: شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ

۱۲- ملفوظات خواجگان نقشبندیہ: مرتبہ میاں محمد صادق قصوری نقشبندی

ان کے علاوہ ملفوظات کے اور بھی گراں قدر ذخائر ہوں گے۔ یہ ذخائر

زندگی آمیز بھی ہیں اور زندگی آموز بھی۔



تعلیمات تصوف میں بھی متعدد کتب شائقین کے ذوق کا سامان کر رہی ہیں۔

جن میں سے اکثر کتب مستقل اہمیت کی حامل ہیں اور جو ہر دور میں مقبول عام رہی ہیں۔ مثلاً:

- ۱- کتاب اللمع فی التصوف ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی
- ۲- التعرف لمذہب اہل التصوف ... ابوبکر بن ابواسحاق بخاری کلاباؤزی
- ۳- قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ابوطالب محمد بن علی بن عطیہ مکی حارثی
- ۴- الرسالة القشیریہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری
- ۵- غنیۃ الطالبین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز
- ۶- کشف المحجوب حضرت علی ہجویری داماد گنج بخش علیہ الرحمہ
- ۷- کیمیائے سعادت حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمہ
- ۸- احیاء العلوم حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمہ
- ۹- عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ
- ۱۰- فصوص الحکم محی الدین اکبر ابن عربی علیہ الرحمہ
- ۱۱- فتوحات مکیہ علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ
- ۱۲- لوائح جامی مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ

خواجہ نظام الدین محبوب الہی دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اگر کسی کا مرث نہ ہو تو اسے کشف المحجوب کے مطالعہ سے مل جائے گا۔“

ان کتب کے علاوہ دنیائے تصوف میں شہرہ آفاق ”مکتوبات مجدد الف ثانی“ علیہ الرحمہ ہیں۔ جس کی تین مجلدات معرفت حق کے عظیم خزانہ ہیں۔



تصوف کیا ہے؟ — تصوف کے موضوع پر کتاب دیکھ کر یہ سوال عموماً سامنے آتا ہے — تصوف کی تعریف و تعارف بہت سے حضرات نے بیان کیا ہے۔ یہاں پر عام فہم انداز پر تصوف کے بارے میں رائے اظہار شامل کیا گیا ہے:

(۱)

سید علی ہجویری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت مرقد علیہ الرحمہ نے فرمایا: تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے — اور اچھے اخلاق تین قسم کے ہیں:

- — اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں کسی قسم کی ریا کاری اور دکھلاوانہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے فرائض اور حقوق ادا کئے جائیں۔
- — مخلوق خدا سے اچھی طرح پیش آئے — بڑوں کی عزت کرے — چھوٹوں پر رحم کرے — ہر معاملہ میں انصاف پسند ہو اور ان معاملات میں کسی قسم کا معاوضہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔
- — اپنے آپ کو ہر قسم کی شیطانی اور نفسانی خواہشات اور حرص سے پاک صاف رکھے۔^۱

(۲)

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد الآذن (م-۳۰۹ھ) معاصر حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”جس نے اپنے اوپر آداب شریعت لازم کر لیے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو معرفت کے نور سے منور فرما دے گا“ اور حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام، افعال اور اخلاق کی پیروی سے افضل کوئی مقام نہیں ہے۔“^۲

(۳)

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”باطن ظاہر کو مکمل کرنے والا ہے — ان میں بال برابر آپس میں مخالفت نہیں ہے۔ مثلاً

زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے — اور دل سے جھوٹ کے تصور کی نفی

^۱ علی ہجویری سید امام الاولیاء: کشف الکجب ترجمہ: علامہ ابوالحسنات (ص ۱۳۶)

^۲ عبدالکریم قشیری امام ابوالقاسم رسالہ قشیریہ (طبع مصر) ص ۲۵

کرنا طریقت اور حقیقت ہے — یہ نفی اگر تکلف اور کوشش سے ہے تو یہ طریقت ہے — اور اگر تکلیف کے بغیر ہے تو یہ حقیقت ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ باطن یعنی طریقت، ظاہر یعنی شریعت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔^۱

وہ مقدس و مبارک علم جو قلب کو زمام کی نجاست سے پاک بنانے کی ترکیب سکھائے — اور صفائے باطن کا طریق بتا کر روح کو اس کی معراج کمال تک پہنچائے؛ — اور رفیقِ اعلیٰ سے وصالِ حقیقی پانے کی طرف دال ہو، تصوف کہلاتا ہے۔

تزکیہ و عروج کے طریقہ کو سلوک — اور اس راہ کے چلنے والے کو سالک یا متصوف — اور منتہی کو صوفی کہتے ہیں۔^۲

(۵)

تصوف کا اصل منبع و ماخذ قرآن پاک اور حدیث شریف ہے — اس کے بعد صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور اہل سنت بزرگان دین ہیں جن کے اقوال و اعمال صالحہ اخلاق عالیہ اور اخلاص سے صوفیاء کرام نے رہنمائی حاصل کی — سب سے پہلے بزرگ جنہیں صوف کا لقب دیا گیا ابو ہاشم کوفی (م۔ ۱۶۰ھ) ہیں۔^۳

(۶)

تصوف کی ایک تعریف یہ ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کی شدید محبت کے ذریعے اپنے آپ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنا ہے۔“

— قرآن پاک کے مطابق کائنات اور اپنے اندر غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر اس کے لیے ایک شارٹ کٹ بھی ہے وہ

۱۔ مکتوبات امام ربانی و فتاویٰ ازل حصہ دوم ص ۳

۲۔ عبد العظیم صدیقی قادری شاہ: کتاب التصوف، ص ۳۹، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

۳۔ محمد حسن ڈاکٹر: حقیقت تصوف ماہنامہ ضیاء حرم، ماہور شمارہ مئی ۱۹۹۰ء، ص ۶۳-۵۹

ہے!

”کسی اہل دل یا کشتہء محبت الہی کے پاس بیٹھنا“۔^۱

(۷)

معروف دانشور اشفاق احمد فرماتے ہیں:

(۱) یہ جو زندگی ہے اس میں ایک تو معلوم کی سطح ہے اور دوسری نامعلوم کی سطح ہوتی ہے:

● — معلوم کی سطح وہ ہوتی ہے جیسے آپ ہیں، میں ہوں، دنیا میں

پاکستان ہے اور پاکستان میں ایک شہر لاہور اور ملتان ہے۔

● — جو حقیقی عمل ہوتا ہے وہ نامعلوم سے آتا ہے اور مفت میں آتا

ہے۔ اس میں ہمیں کچھ سوچنا نہیں پڑتا۔

نامعلوم کی دنیا وہ ہے جہاں اللہ کا براہ راست عمل کارفرما ہوتا ہے —

جتنی بھی ایجادات ہیں اور اختراعات ہیں وہ نامعلوم کی دنیا سے آتی ہیں۔

(۲) دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی نظر میں روپے پیسے کی نسبت اخلاقیات

اور انسانیت کی اہمیت ہوتی ہے —

جو انسانیت کے درجہء اوج پر ہوں وہ روحانیت میں بھی اونچے درجہ پر ہوتے ہیں

— وہ باتیں جن سے ہم چڑتے ہیں وہ باتیں جو ہم اپنی ذات اور وجود میں

سے نہیں نکال سکتے جیسے:

نفرتیں، تعصب، لالچ، منافقت — وہ انہوں نے اپنی زندگی سے بالکل نکالی

ہوئی ہوتی ہیں۔

(۳) روحانیت میرے خیال سے محنت سے نہیں ملتی ہے۔ تھوڑا بہت محنت سے ہو جاتا

ہوگا — یہ خدا جس کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے —

ایک آدمی جو بہت مزے سے عیش و عشرت میں رہتا ہو، خدا اسے بھی دے سکتا

ہے۔

۱۔ عبدالرشید میاں: ”اکسیر محبت“ کالم ”نور بصیرت“ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ جنوری ۲۰۰۳ء

(۴) مومن کی نشانی کیا ہے؟ —

”جو پابند صوم و صلوة ہو اور خدائے واحد کو مانے“ —

”نہیں! — مومن کا ٹریڈ مارک ہے:

”اپنی ذات کے لیے صبر اور مخلوق کے لیے بھلائی“۔



زیر نظر کتاب کی زبان ۱۹ ویں صدی عیسوی کی ہے — مصنف نے کتاب کا آغاز ”تمہید و تمہید“ سے کیا ہے — پھر حمد و نعت کے اشعار شامل کیے ہیں — ”پیر کامل کے اوصاف“ بیان کرنے کے بعد کتاب کا تعارف کرایا ہے — پھر کتاب کا مقدمہ پیش کیا ہے۔

مقدمہ کتاب میں تصوف اور اس کی اصطلاحات کے بارے میں بحث کی ہے — مقدمہ میں تیرہ بیان پیش کئے گئے ہیں — ان بیانات کو آسان فہم سادہ الفاظ سے بدل دیا گیا ہے — مقدمہ کے آخر میں تصوف کے حوالے سے مختلف اشکالات کو سوال و جواب کی صورت میں پیش کیا ہے — اس کے بعد پہلے باب ”علم الیقین“ کا آغاز ہوتا ہے۔

آج کے قاری کے مطالعہ و دلچسپی کے لیے درج ذیل تبدیلیاں لائی گئی ہیں:

● — نفس مضمون کی تسہیل

● — پیرابندی

● — آسان فہم عنوانات

گزشتہ اشاعتوں کی نسبت اس اشاعت میں قاری کے لیے موضوع سے دلچسپی کا سامان موجود ہے — جدید خطوط پر مرتب کردہ اس کتاب کے شائقین میں بفضلہ اضافہ ہوگا۔

آداب زندگی میں یہ کتاب اپنے طرز کی منفرد کتاب ہے۔

ملک شبیر حسین صاحب مالک شبیر برادرز لاہور لائق تحسین و مبارکباد ہیں کہ جو بڑے ذوق و شوق سے تصوف کی یہ خوبصورت کتاب منظر عام پر لا رہے ہیں — اس سے قبل وہ تصوف پر کئی کتابیں شائع کر چکے ہیں:

- ————— کیمائے سعادت مترجم: علامہ محمد منشاء تائبش قصوری
- ————— احیاء العلوم فی الدین مترجم: علامہ فیض احمد اویسی
- ————— منہاج العابدین امام غزالی علیہ الرحمہ
- ————— مکاشفۃ القلوب امام غزالی علیہ الرحمہ
- ————— خطبات غزالی امام غزالی علیہ الرحمہ
- ————— ہشت بہشت
- ————— شمس المعارف شیخ ابوالعباس احمد بن علی بونی علیہ الرحمہ
- ————— نجات الانس مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ
- ————— سلوک صوفیاء و فقر نغمہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور تصانیف حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ قابل ذکر ہیں — برادر ملک شبیر حسین صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ ”تعلیمِ غوثیہ“ شبیر برادرز کے زیر اہتمام شائع ہو — ان کی خواہش کے احترام میں احقر حتی المقدور مساعی بروئے کار لایا۔

اس کتاب کے سلسلے میں اوائل فروری میں آغاز کار کیا اور بفضلہ تعالیٰ ۲۴ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۷ اپریل ۲۰۰۳ء بروز اتوار عصر سوا پانچ بجے تکمیل سے ہمکنار ہوا — اس دوران احقر کو علالت سے بھی دوچار ہونا پڑا، بینائی بھی متاثر ہوئی اور بعض معمولات کو بھی ترک کرنا پڑا —

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مرشد کریم مخدوم زماں مجدد دوراں عالی مرتبت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالی کی نگہ التفات سے یہ سب کچھ ممکن ہو سکا — ادیب ملت حضرت علامہ محمد منشاء تائبش قصوری صاحب زید لطفہ کی محبتیں شفقتیں رہنمائی فرماتی رہیں — محسن الہست حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف

قادری صاحب مدظلہ العالی کی دعائیں رفیق سفر ہیں — ان کے ساتھ ساتھ برادرِ ملک محمد سعید صاحب مجاہد آبادی زید مجدہ (ناظم ادارہ مظہر اسلام لاہور) کا تعاون شامل حال رہا — تب ہی اتنے قلیل عرصے میں یہ سب ممکن ہو سکا۔

— مولیٰ کریم اپنی اور اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت سے ہمارے دلوں کو روشن و منور فرمائے، اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صدقے خاتمہ بالا ایمان فرمائے اور ہم سب کو شیطان کے شر سے بچائے، ہم سب کو انسان کے شر سے بچائے، ہم سب کو نفس کی شرارتوں سے بچائے اور اپنے محبوب بندوں کی راہ پر چلنے کی خیر رفیق صدیق عطا فرمائے جسے اس نے اپنی کتاب مستطاب قرآن کریم میں ”صراط مستقیم“ فرمایا ہے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین والحمد للہ رب العالمین

خاک پائے صاحبِ دلاں

محمد عبدالستار طاہر

E111/A - پیر کالونی - والن

لاہور کینٹ - کوڈ 54810

۲۳ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ / ۲۷ اپریل ۲۰۰۳ء

بروز اتوار بوقت عصر سواپانچ بجے

تعارف:

سید گل حسن شاہ قلندری قادری

از۔ محمد عبدالستار طاہر مسعودی

حضرت مولانا سید گل حسن شاہ قلندری قادری علیہ الرحمہ اپنے پیر و مرشد سید غوث علی شاہ قلندری قادری پانی پتی علیہ الرحمہ کے چہیتے مرید تھے۔ کتاب ”تذکرہ غوثیہ“ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ان کے مخصوصین میں سے تھے۔

آپ کی داستانِ حیات اپنے مرشد گرامی کی داستانِ حیات کی مانند نہایت دلچسپ ہے۔ ایک عمر سیر و سیاحت میں گزری — اوائل عمری میں آپ سیر و شکار کے شوقین تھے اور بقول خود کہ لہو و لعب کے سوا کچھ مشغلہ نہ تھا۔

تحصیل علم:

آپ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں۔ تیرہ برس کی عمر تک لکھنے پڑھنے کی طرف مطلق توجہ نہ تھی۔ آپ کی لا ابا لی طبیعت کے پیش نظر اصلاح احوال اور رائج علوم کی تحصیل و تکمیل کے لیے والد ماجد نے مدرسۃ التعليم للمعلمین، راولپنڈی روانہ فرمایا۔ یہاں ان اساتذہ کرام سے سال بھر تعلیم پائی:

☆ — مولوی عبدالغنی صاحب، مدرس اعلیٰ

☆ — مولوی احمد حسن صاحب، نائب مدرس

سالانہ امتحان میں کامیاب ہو کر سند حاصل کی۔

ملازمت:

راولپنڈی مدرسہ سے سند فراغت پانے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔
سات برس سرکاری نوکری کی۔
دینی تعلیم کی رغبت:

دوران ملازمت عمر اکیس سال ہوئی تو ایک روز خیال آیا کہ
دنیا کا علم حاصل کر کے ملازمت اختیار کی۔ مگر دینی علوم سے دامن خالی ہے۔
ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ نامنظوری کے باوجود ملازمت کو خیر باد کہہ دیا۔ پھر
مستقبل کی رہنمائی کے لئے حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری دی۔
حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ کے مزار کے بارے میں مشہور ہے کہ:
”جو شخص اپنے مطلب کے حل کے لئے سوال کرتا ہے تو اسے کچھ اشارہ ہو
جاتا ہے۔“

چودہ روز کے بعد خواب میں ارشاد ہوا کہ ہندوستان جاؤ تمہارے سب مقاصد
وہاں حاصل ہوں گے۔ وہاں سے ملتان کے راستے دہلی پہنچے۔ دہلی سے لاہور کے
ارادے سے سفر اختیار کیا۔ مگر پانی پت میں آ کر مولوی فتح محمد صاحب سے میزان و
مشعب کا سبق شروع کیا۔

چھ سال کے عرصہ میں طالب علمی کی کیفیت یہ تھی کہ:

☆ — منطق میں: ملاحسن

☆ — فقہ میں: کنز شرح وقایہ ہدایہ

☆ — تفسیر میں: تفسیر جلالین، پانچ پارہ بیضاوی، اصول شاشی، نور الانوار

☆ — مشکوٰۃ شریف اور کچھ حصہ بخاری شریف۔

پیر و مرشد سید غوث علی شاہ قلندر سے ملاقات:

دینی تعلیم کے حصول کے بعد جب پانی پت آتا ہوا تو یہاں کے درو دیوار سے

دلکش و دل آویزی جھلکتی پائی۔

گفت از جاہا کدای خوش تراست

گفت آں شہرے کہ در و دل براست

شب قلندر صاحب کی خانقاہ میں بسر کی — چند دن کے بعد خواب میں سفید داڑھی نورانی چہرے والے ایک بزرگ ملے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم قلندر صاحب کی درگاہ میں جایا کرو — انہوں نے اسے وہم و خیال جانا — دو تین دن کے وقفوں میں وہ بزرگ خواب میں پھر دوبار ملے۔ تیسری بار خواب میں انتہائی سختی کا اظہار کیا کہ اگر ہماری بات پر عمل نہ کیا تو یہ نہ ہو کہ ہم تیری گردن توڑ ڈالیں — یہ بڑے پریشان اور خوفزدہ ہوئے — ناچار عصر کے وقت قلندر صاحب کے حزار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی — تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا سید محمد غوث علی شاہ صاحب مسجد مبارز خاں سے تشریف لائے۔ سلام و دعا کے بعد استفسار فرمایا کہ:

”تم کہاں کے رہنے والے ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟“

طبیعت میں چونکہ ایک وحشت تھی اس لیے عرض کیا کہ آپ کیوں پوچھتے ہیں

آپ کو اس سے کیا؟ — فرمایا:

”تمہاری صورت مسافرانہ معلوم ہوتی ہے، ہم بھی نو وارد ہیں۔ چھ ماہ سے یہاں

ہیں — قاعدہ ہے کہ مسافر کو دیکھ کر مسافر خوش ہوتا ہے۔ اَلْجِنْسُ يَمِيلُ اِلَى

اَلْجِنْسِ ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہارا حال سنیں اپنا کہیں تاکہ غم غلط ہو۔“

انہوں نے پہلو تہی کرتے ہوئے عرض کیا:

”حضرت کیا میں ہی مسافر ہوں۔ اس شہر میں اور بہت سے مسافر ہوں

گے۔ کسی کو بلا لیجئے اور غم غلط کیجئے۔ میں ہی باتیں کرنے کے لیے یہاں

نہیں آیا ہوں۔“

آپ نے ہنس کے فرمایا:

”اب تو ہماری مورچہ بندی ہو گئی۔ جب تک فیصلہ نہ ہو لے گا، ہم تم کو

چھوڑیں گے نہیں۔ چلو حجرے میں بیٹھیں اور خوب لڑیں۔“

چنانچہ حجرے میں بیٹھ کر گفتگو ہونے لگی۔ آخر آپ نے یہ شعر پڑھا :

رات تھوڑی، حسرتیں دل میں بہت

صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی

میں اپنے دل میں بہت نادم ہوا کہ یہ بزرگ تو بڑے مہربان ہیں اور تو سخت کلامی

کرتا ہے۔ ناچار اپنی تمام سرگزشت بیان کر دی۔ فرمایا کہ :

”ہم سے ہر روز ایک دفعہ مل جایا کرو تو تمہارا کچھ حرج نہ ہوگا۔“

تمہارے دل پر گرمی ہے یہ درود شریف پڑھا کرو :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَابِقًا

نُوْرًا وَّ اٰخِرًا ظَهُوْرًا وَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَّ جُوْدَةً وَعَلٰى اٰلِهِ وَّصَحْبِهِ

وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

پھر اپنی گستاخی کا قصور معاف کرا کے رخصت لی — اس روز سے یہ معمول ہو

گیا کہ ہر روز خدمت میں دوبار حاضر ہوتا — روز بہ روز محبت زیادہ ہونے لگی۔

ایک روز آپ کے ارشاد کے مطابق راج گڑھ علاقہ بندیل کھنڈ کے نواب

صاحب کے روحانی علاج کے لیے جانا ہوا — مشیت ایزدی سے نواب صاحب کو

تندرستی ہوئی۔ واپسی پر جناب قبلہ نے اپنے دسترخوان پر شام کا کھانا مقرر فرمایا —

اور کرم یہ فرمایا کہ وصال تک ہمیشہ اپنے ساتھ کھلاتے رہے۔

روز اوّل سے جس ناز و نیاز کے ساتھ حضرت کے دیدار کی دولت حاصل ہوئی،

آخر تک وہی طریقہ رہا — غالباً مہینے میں ایک بار وہی صورت پیش آتی تھی۔ میں خفا

ہو کر چلا جاتا تو آپ نہایت شفقت و محبت سے کسی خادم کو بھیج کر بلواتے اور فرماتے کہ :

”میاں ہم بھی مسافر ہیں، تم بھی مسافر ہو — مسافروں کو لڑنا نہیں

چاہئے۔ صلح و سلوک سے رہنا مناسب ہے۔“

غرض کہ مجھے اس بامزہ جنگ اور پر لطف صلح کے بغیر چین نہیں پڑتا تھا۔ اب

سوائے آہ و زاری اور لطفِ یادگاری کے کچھ باقی نہ رہا۔ اب کس سے لڑیں اور کس سے صلح کریں۔

فیضانِ صحبت و باطنی تربیت:

پیر و مرشد سید غوث علی شاہ علیہ الرحمہ کے فیضانِ صحبت سے پیری مریدی کا نتیجہ اور بیعت و ارادت کی حقیقت منکشف ہوئی۔ کترین نے بیعت کی درخواست کی۔ بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ ابھی وقت نہیں آیا ابھی صبر کرو۔ — البتہ کمال مہربانی سے بیعت سے قبل ہی تعلیم فرمانا شروع کر دیا۔ مثلاً:

(۱) فرمایا: حزبِ البحر کی زکوٰۃ دو۔ حسبِ ارشاد زکوٰۃ دے دی۔ فرمایا کہ اسے ہمیشہ پڑھا کرو۔

(۲) میں نے درخواست کی کہ حضرت کوئی وردِ تعلیم فرمائیے۔ ارشاد کیا کہ میاں تم تو اجاڑ گاؤں میں رہا کرو۔ — میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ:

”آج رات کو قلندر صاحب کے مزار کے دروازے پر بارہ بجے کے بعد پڑھنا۔ کیونکہ دس گیارہ بجے تک تو ہمارے پاس آدمی ہوتے ہیں۔ اس وقت تمہاری خبر نہ ہو سکے گی۔ وہ ورد یہ ہے:

حَسْبِي رَبِّي جَلَّ اللهُ مَا فِي قَلْبِي غَيْرُ اللهِ

نُورِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ

حسب الارشادات بارہ بجے قلندر صاحب کے مزار کے دروازے پر بیٹھ کر یہ ورد شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بے ہوشی طاری ہوئی۔ اس حالت میں ایک بڑا کالا سانپ جس کے سر پر بالشت بھر لے سیاہ بال اور آنکھیں شمع کی طرح روشن میرے گرد تین چکر دیئے اور ران پر سر رکھ کر سو گیا۔ لیکن مجھے بالکل خبر نہ ہوئی۔ جب اس کے سر کی گرمی ران کو پہنچی تو میری آنکھ کھلی۔ چراغ روشن تھا۔ اژدھے کی صورت دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ تسبیح ہاتھ سے گر پڑی۔ سکتے کا عالم ہو گیا۔ اب کیا کروں؟ — خیال آیا کہ یہ تو آخر کار اٹھے گا اور جو ہونا ہے وہ ہو کے رہے گا۔ — میں نے ران کو حرکت

دی تو وہ گھبرا کر اٹھا اور پھن اٹھا کر میرے سر کے مقابل کھڑا ہو گیا اور باشت بھر کی زبان نکالنے لگا۔ یہ دیکھ کر حواس جاتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد کن اکھیوں سے دیکھا کہ وہ بدستور کھڑا ہے اور بار بار زبان نکالتا ہے۔ پھر میں نے دل کو مضبوط کیا اور سیدھے ہو کر اس سے کہا:

”یہاں میں از خود نہیں آ بیٹھا۔ مجھے تو کسی نے بٹھایا ہے۔ اگر تجھے کاٹنا ہے تو کاٹ کھا، ورنہ چلا جا۔ ناحق ستانے کا کیا فائدہ!“

اتنا کہتے ہی وہ سانپ اپنے چکر کھول کر قلندر صاحب کے روضہ میں چلا گیا — حاجی سید فرید الدین مرحوم میرے قریب ہی سو رہے تھے۔ آواز سن کر جاگ اٹھے پوچھا: کیا ہے؟ — میں نے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ لکڑی لے کر اٹھے اور سانپ کو ڈھونڈا لیکن پتہ نہ ملا۔

پھر تسبیح سنبھال کر سیدھا ہو بیٹھا اور ورد شروع کیا۔ صبح کا وقت جب قریب آیا تو تسبیح رکھ کر دوپٹہ باندھنے لگا۔ پھر جو تسبیح اٹھاتا ہوں تو ایک سانپ میرے ہاتھ کو لپٹ گیا۔ میں نے حاجی صاحب کو پکارا کہ دوڑو مجھے سانپ نے کھالیا — حاجی صاحب لاشی لے کر دوڑے۔ میں نے بمشکل تمام سانپ کے بل پہنچے اور بازو سے کھولے اور ہاتھ جھٹک دیا۔ سانپ گرا، حاجی صاحب نے لاشی ماری وہ تڑپنے لگا۔ جب غور سے دیکھا تو وہی تسبیح ہے اور اس ضرب سے کئی دانے ٹوٹ گئے ہیں۔ حاجی صاحب بھی حیرت میں رہ گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا بھید ہے؟ میں نے کہا کہ میں تو خود حیران ہوں۔ پھر مسجد میں آیا نماز پڑھی۔ کچھ دیر بعد خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ جناب قبلہ دروازہ کھول کر کواڑ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا:

— بانہی پانی بھر گیو اور سر پر لاگی آگ

باجن لگی بانسری اور نمسن لاگے ناگ

پھر فرمایا: ”ارے میاں! رات یہ کیا شور و غل تھا؟“ — میں نے تمام ماجرا عرض کیا۔ فرمایا کہ ہاں تم نے بانسری بجائی تو سانپ بھی بھی نکلا — عرض کیا کہ

حضرت اگر یہی بانسری اور یہی سانپ ہیں تو ایک نہ ایک دن میری روح تحلیل ہو جائے گی۔ آپ ہنسنے لگے۔ پھر عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات تھی؟ — فرمایا کہ یہ قلندر صاحب کے بہروپ ہیں — عرض کیا کہ حضور مجھے تو یہ بہروپ زندہ قلندر صاحب کے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات:

ایک روز پیر و مرشد سے عرض کیا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا بھی کوئی عمل ہے؟ — فرمایا کہ ہاں بہت عمل ہیں، لیکن ہم کو تو کوئی نہیں آیا — چند روز بعد مجھے ایک ضخیم کتاب عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ اس کا مطالعہ کرو اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہے؟ — دوران مطالعہ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کے لیے یہ عمل نظر سے گزرا:

”اول دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد:

☆ — تین بار آیت الکرسی

☆ — تین بار سورہ الم نشرح

☆ — گیارہ بار سورہ اخلاص

پڑھے۔ پھر سلام کے بعد سات بار یہ دعا پڑھ کر سینے پر دم کرے۔ اور بصورت محمد قبلہ رخ شمال کو سر کر کے زمین پر سو رہے — یہ عمل تین دن بدھ، جمعرات و جمعہ کرے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ دعایہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حُبُّ قُبِّ طَبَّابِیْقِ طَاعِ طَبِّ شَافِعٍ وَشَفِیْعٍ وَمُجْتَمِعٍ وَحِرْزِ

وَحَرِیْزِ وَجَنَّةٍ بِحَقِّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

اس ترکیب کے مطابق عمل کیا تو پہلی رات میں خضر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا اور جو کچھ دیکھ گیا بیان میں نہیں آ سکتا۔ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت

قلب مثل آئینہ ہو گیا تھا۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیزی کنی

زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جن دنوں آپ اپنے پیرومرشد سید غوث علی شاہ علیہ الرحمہ کی کمال عنایات سے فیضانِ صحبت و باطنی تربیت سے بہرہ ور ہو رہے تھے اسی دوران مختلف ریاضتوں سے گزرتے ہوئے دولتِ عظمیٰ زیارتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار بار سرفراز ہوئے، تین بار مسلسل حالتِ خواب میں اور ایک بار حالتِ بیداری میں — اور ہر بار خوانِ کرم سے جمہولی بھر بھر کے پایا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے مشرف ہونے کے بعد سید گل حسن صاحب نے اپنے پیرومرشد سے بیعت کے لیے اصرار کیا تو فرمایا گیا کہ قصیدہ بردہ شریف حفظ کر لو۔

جب حفظ کر لیا تو اس کی ترکیب سے آگاہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد کے مطابق رات کو پڑھ کر سو رہا۔ خواب میں دیکھا کہ جناب رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلندر صاحب کی مسجد میں نماز عصر پڑھاتے ہیں۔ میں بھی وضو کر کے جماعت میں شریک ہو گیا۔ سلام کے بعد قدم بوس ہوا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن شریف کا آخری پارہ عنایت فرمایا۔ بیدار ہوا تو یہ کیفیت پیرومرشد سے عرض کی۔ فرمایا کہ: ”آج پھر پڑھو“۔

حسب ارشاد پھر پڑھا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مسجد میں نماز فجر پڑھاتے ہیں میں بھی وضو کر کے شامل ہوا۔ سلام کے بعد آپ نے تمام قرآن مجید من اولہ الی آخرہ عنایت فرمایا۔ بیداری کے بعد یہ خواب بھی حضرت قبلہ سے عرض کیا۔ حکم ہوا کہ پھر پڑھو۔

تیسرے روز حسب الارشاد پھر پڑھ کر سویا۔ دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں دریا و صحرا اور کوہ و بیابان طے کرتا ہوا ایک ریگستان میں پہنچا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا ہوں۔ اور ریت میں پڑا تڑپتا ہوں کہ ناگاہ محبوب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کثیر جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور میرا سر اٹھا کر اپنے زانوئے مبارک پر رکھا اور اپنی چادر شریف سے میرے چہرے کا گردوغبار صاف کیا۔ میں ہوش میں آیا تو حضرت کے روئے منور پر نظر پڑی۔ رو کر عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میری داد رسی فرمائیے!“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بیٹا گھبرامت۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے گا۔ تیرے سارے مقاصد

حاصل ہو جائیں گے۔ خاطر جمع رکھ۔ بے قراری مت کر، ابھی وقت نہیں

آیا۔ تھوڑے عرصے میں منزل مقصود کو پہنچ جائے گا۔“

اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اس وقت ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی کہ تحریر میں

نہیں آ سکتی —

صبح کو یہ تمام حال پیر و مرشد کی خدمت میں عرض کیا۔ فرمایا:

”تم کو مبارک ہو مبارک ہو۔ میاں یہ حال تو ہم پر بھی نہیں گزرا تھا جو تم پر گزرا

— تم کو حج بھی نصیب ہوگا اور مدینہ منورہ کی راہ میں تم اپنی آنکھوں سے حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھو گے۔ خواب کی یہ واردات تم پر بیداری میں بھی

گزرے گی، لیکن تم پہچانو گے نہیں۔“

پہلے حج کے دوران مکہ مکرمہ سے فارغ ہونے کے بعد قافلہ مدینہ الرسول کی

زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ خیال آیا کہ مدینہ شریف کی زیارت کو سوار ہو کر جانا تو بے

ادبی ہے، پا پیادہ جانا چاہئے۔ چنانچہ پیدل روانہ ہوا۔ دوران سفر پاؤں میں ایک ذہل

نکل آیا۔ تمام ٹانگ سو جھ گئی۔ چلنا دو بھر ہو گیا۔ درد کی شدت نے بے تاب کر دیا۔ ناچار

ایک لقمہ ودق ریگستان میں بے ہوش کر گر پڑا۔

تو دنگیر شوائے خضر بے بختہ کہ من

پیادہ می روم و ہمراہ سوارا نند

کچھ ہوش آیا تو خیال گزرا کہ بس اب تیری مدت حیات پوری ہو چکی۔ اس بے

آب و دانہ بیابان میں زندگی معلوم نہیں۔ افسوس کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

روضہ کی زیارت بھی نصیب نہ ہوئی۔ اس حسرت و اندوہ میں بے اختیار آنکھوں سے

آنسو ٹپکنے لگے۔ اسی اثناء میں گوشہء بیابان سے ایک غبار بلند ہوا۔ گرد چھٹی تو ترک

سواروں کی ایک جماعت نمودار ہوئی۔ وردی پہنے ہتھیار لگائے عربی گھوڑوں پر سوار

ان کی زرق و برق کو دیکھ کر حیرت میں تھا کہ وہ جماعت میری طرف متوجہ ہوئی۔

سردار خیل نے میرے پاس آ کر فرمایا:

یا شیخ قم قافلہ راح

میں نے جواب دیا:

یا سیدی انا مریض فی مرض شدید وداع کثیر

یہ بات سن کر وہ گھوڑے سے اتر پڑے اور میرے سر کو زانو پر رکھا۔ ایک رومال

سے چہرے کی گردوغبار کو صاف کیا اور فرمایا:

فین مرضک

میں نے ذہل کی طرف اشارہ کیا کہ شف ہذا — انہوں نے میری ٹانگ پر

ہاتھ پھیرا درد فوراً جاتا رہا۔ اس کے بعد بہت تسلی و تشفی کے الفاظ فرمائے اور ایک ناقہ

سوار کو حکم دیا کہ تم اسے قافلے میں پہنچا دو اور فلاں شخص کو تاکید کر دو کہ بے آرام تمام مدینہ

تک لے جائے۔ وہ ناقہ سوار صبار قنار مجھ کو لے کر چلا۔ راہ میں بار بار کہتا کہ:

”یا شیخ میرے لئے دعا کر“

آخر کار قافلہ میں جا ملا اور ایک اونٹ پر سوار کرا کے معلوم نہیں کدھر گیا۔ اہل قافلہ

نے نہایت خاطر و مدارت کی۔ میں سمجھا کہ یہ سامان و اسباب اسی ترک سردار کا ہے

جس کے حکم سے میری خاطر داری ہوتی ہے۔ میرے خیال کو اس بات سے اور بھی تقویت ہوئی کہ جب قافلہ منزل پر مقیم ہوا تو ایک عمدہ خیمہ نصب کیا گیا اور سب سامان اپنے اپنے موقع پر لگا دیا گیا۔ میں اس خیمہ کے زیر سایہ منتظر رہا کہ شاید وہ سردار اب آئے گا۔ مگر کوئی نہ آیا اور وہ خیمہ یوں ہی خالی پڑا رہا۔ اس وقت وہاں موجود منتظم سے استفسار کیا مگر اس نے کچھ نہ بتایا۔ اصرار کیا تو کہا کہ تم کو اس سے کیا مطلب!

تیسرے روز قافلہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے مجھے شہر سے باہر اتار دیا۔ پھر اس کا پتہ نہ لگا کہ کہاں گیا۔ جب مدینہ منورہ میں پہنچ گیا تو مجھے وہ خواب یاد آیا جو حضرت قبلہ کے زور و بیان کیا تھا۔ کفِ افسوس مل کر رہ گیا کہ اب کیا ہو سکتا ہے!!

حج کی سعادت:

سید گل حسن شاہ صاحب کوچ کی سعادت دو بار حاصل ہوئی — لکھتے ہیں کہ حج بیت اللہ کا ارادہ ہوا۔ ایک دن کمر باندھ کر (پیر و مرشد کی) خدمت مبارک میں جا کھڑا ہوا۔ پوچھا کہ خیر ہے! — میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، فرمایا کہ ابھی ایک مہینہ اور ٹھہر جاؤ — اس روز تو زبردستی ٹھہرا۔ اگلے روز پھر وہی اُمتگ آئی۔ اور کمر باندھ کر پھر اجازت کا طلب گار ہوا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ یہ ٹھہرے گا نہیں۔ اسی وقت یہ شعر ارشاد فرمایا:

ب تو عزم سفر کر دی و رفتی ز بر ما

بستی کمر خویش شکستی کمر ما

جاؤ رخصت اللہ حافظ! — مگر یہ بات یاد رکھنا!

ب گفت حق اندر سفر ہر جا روی

باید اول طالبِ مردے شوی

یہاں سے روانہ ہو کر بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اتمام حج کے بعد چالیس دن تک مدینہ منورہ میں رہا۔ پھر واپس بمبئی پہنچ کر قیام کیا — دوسرے

سال پھر حج کیا۔

بیعت و ارادت:

مولانا سید گل حسن شاہ صاحب نے مختلف اوقات میں مختلف حضرات سے متعدد سلاسل میں بیعت کی:

(۱) — دوران ملازمت سوات ہنیر میں اخوند عبدالغفور صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲) — دوسرے سفر حج کے دوران جرم مکہ میں مولانا ابراہیم رشید صاحب محدث مصری سے خاندانِ خضریہ میں بیعت کی اور اس خاندان کے تمام مراتب و دقائق کی تعلیم پائی۔

(۳) — دوسرے حج سے واپسی پر سید غوث علی شاہ قلندر صاحب کی خدمت میں مولوی فتح محمد صاحب کی معرفت بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے شرف قبولیت فرماتے ہوئے شب جمعہ بیعت فرمایا اور جدی خاندانِ قادریہ کی تعلیم فرمائی۔

(۴) — سفر کابل سے واپسی پر عرصہ چار سال بعد سید غوث علی شاہ صاحب نے خاندانِ نقشبندیہ میں بیعت فرما کر اس خاندان کے مراتب و معمولات تعلیم فرمائے۔

سید صاحب کے احباب:

”تذکرہ غوثیہ“ میں آپ کے احباب و رفقاء میں یہ نام ملتے ہیں:

(۱) حاجی سید فرید الدین

(۲) میر نصیر الدین دہلوی ماشی بخاری

(۳) غشی ڈپٹی نجم الدین فاروقی

(۴) مولوی عبدالکلیم میر غشی

(۵) مولوی محمد اسماعیل صدیقی میرٹھی ۱

(۶) قاضی فتح محمد ۲

سیر و سیاحت کا شوق:

جیسا کہ شاہ صاحب نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے کہ:

”سیر و شکار کے سوا کسی چیز کی رغبت نہ تھی۔“

چنانچہ اسی شوق کی تکمیل میں زندگی گزری — آپ کی خودنوشت وغیرہ سے

مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کا پتہ چلتا ہے:

۱- دوران ملازمت سوات بنجر جانے کا اتفاق ہوا۔

۲- ملتان سے شمال مغربی جانب تیس کوس پر واقع خانقاہ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ

پر حاضری دی۔

۳- وہاں سے براستہ ملتان، پاک پتن، بنگلہ، فتح آباد، حصار روہنگ، بہادر گڑھ سے دہلی

آنا ہوا۔

۴- دہلی سے لاہور کے لئے نکلے تو پانی پت میں ڈیرا جمالیہ۔

۵- حج بیت اللہ شریف کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ آنا جانا ہوا۔

۶- دوسرے حج کے بعد مدینہ طیبہ سے بمبئی واپسی ہوئی۔

۷- بمبئی سے جزیرہ سراندیپ یعنی لنکا کی خوب سیر کی۔

۸- راج گڑھ علاقہ بندیل کھنڈ بھی جانا ہوا۔ ۲

۹- ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ / ۹ اپریل ۱۸۵۵ء کو بغداد شریف روانگی ہوئی۔ اس سفر

میں بصرہ، کاظمین و کربلائے معلیٰ و نجف اشرف کی زیارت کے بعد میرٹھ واپسی

ہوئی۔ ۲

۱۔ بچوں کے معارف شاعر — ان کے بارے میں سید غوث علی شاہ صاحب نے فرمایا:

”اسما کیل فرشتہ ہے۔ ہر وقت سکوت کے عالم میں رہتا ہے۔“ (تذکرہ غوثیہ، ص ۲۷۲)

۲۔ ماخوذ از ”تذکرہ غوثیہ“ ص ۲۷۲ تذکرہ غوثیہ، مطبوعہ لاہور (خودنوشت) ص ۲۷۲ مطبوعہ لاہور

تصانیف:

آپ کی تصانیف میں دو کتب خواص و عوام میں مقبول و معروف ہیں:

۱- تذکرہ غوثیہ

۲- تعلیم غوثیہ

(۱) تذکرہ غوثیہ:

سید گل حسین شاہ صاحب اپنے مرشد گرامی سید غوث علی شاہ کی مجالس میں سب سے زیادہ رہے۔ تمام مریدوں میں آپ سب سے بڑھ کر مقرب و محترم تھے۔ صحبت مرشد میں مستقل طور پر رہنے سے کئی مخصوص مریدوں سے رابطہ ہوا۔ سب عقیدت مندوں نے پیر و مرشد کا تذکرہ مرتب کرنے کے لیے آپ کو ترغیب و تحریک دی۔ پیر و مرشد کے ملفوظات اور ان کی زبانی سیرت و سوانح اور کرامات کو بڑے دلپذیر انداز میں قلم بند کیا۔

البتہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سرحدی علاقے سے تعلق ہونے کے باعث آپ کو اردو زبان پر زیادہ قدرت حاصل نہ تھی۔ اس تذکرے کو صاف اور شستہ زبان میں منتقل کرنے کے لیے مولوی اسماعیل میرٹھی صاحب نے تعاون فرمایا۔ ”تذکرہ غوثیہ“ کی حکایات اور واقعات میں ادبی دلچسپی پیدا کرنے میں مولانا میرٹھی کا بڑا کردار ہے۔ انیسویں صدی کی محرزہ یہ کتاب اپنے طرز بیان اور انداز تحریر سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔

(۲) تعلیم غوثیہ:

یہ کتاب سید غوث علی شاہ صاحب کے ان ارشادات و تعلیمات پر مشتمل ہے جو کہ علم تصوف کے مباحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اپنی انفرادیت کے اعتبار سے خاصی مقبول ہے اور موضوع کے اعتبار سے ایک گراں قدر تحریر ہے۔ اس کتاب کے محرکین میں دو احباب کا خصوصاً ذکر فرمایا ہے:

☆ — میرے دلی دوست محبت قلبی ڈپٹی مجم الدین فاروقی

☆ — میر نصیر الدین ہاشمی بخاری

☆ — مولوی محمد اسماعیل صدیقی صاحب

کہ راقم کے پیر بھائی اور حضرت معلیٰ کے مرید خاص و نظریافتہ ہیں۔ اس

بات کے درپے ہوئے کہ اہل جہان کو اس فیض سے محروم رکھنا مردوں کی

ہمت سے بعید ہے“۔

”تعلیم غوثیہ“ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے حضرت اقدس کا اثر تعلیم اور آپ کے فیضانِ صحبت کا

نتیجہ ہے۔ ورنہ میں کہاں اور بحر لائقین کی غواصی کہاں — اور پھر اس میں سے

دریائے معارف کا نکالنا اور عرصہ شہود میں لا کر ان کو پیش کرنا میری تاب و طاقت سے

باہر ہے۔ یہ تو اسی سحابِ گہر بار کے رشحات اور اسی بحرِ مواج کے قطرات ہیں“۔

اس کتاب کو یکم رجب ۱۳۰۳ھ / ۲۷ مارچ ۱۸۸۷ء کو شروع کیا اور ۱۳ ربیع الاول

۱۳۰۵ھ کو مکمل کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید تحمید

اَيُّمَا مَا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

یہ نام آں کہ اونامے ندارد بہرنامے کہ خوانی سر برآرد
کہ ذات اوست در ہر ذات ساری کہ نام اوست در ہر اسم جاری
بہر ذاتے کردانی ذات اوخوان بہر اسمے کہ خوانی اسم او داں
”اس مقدس ہستی کے نام سے جو کہ کوئی نام نہیں رکھتا اور جس نام سے بھی
اسے یاد کرو وہ سن لیتا ہے۔ اس کی ذات ہر ایک ذات میں طاری و ساری
ہے اور اس کا نام ہر ایک اسم میں جاری ہے۔ ہر اس ذات کو جس کو تو جانتا
ہے اسی کی ذات سے جان اور جس اسم کو بھی تو پڑھے اسی کے نام سے
جان۔“

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ رَسُوْلًا كَرِيْمًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نَبِيًّا
كُلُّ اَمْرٍ ذِي نَبَاٍ لَّمْ يُبْدِ اِبْحَمِدِ اللّٰهُ فَهُوَ اَقْطَعُ

یعنی ”کوئی شاندار کام جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بغیر شروع کیا جائے اس
میں برکت نہیں ہوتی یعنی وہ مقطوع البرکت ہے۔“

حمد کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی بزرگی یا تعریف یا صفت و ثناء بیان کرنا — اور یہ
دوئی میں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ

○ — ایک وصف ہو ایک موصوف

○ — ایک حامد ہو ایک محمود

لہذا شریعت میں اس دوئی کے بغیر چارہ نہیں۔ اسی لئے عبد و معبود خدا اور رسول صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثبات واجب ٹھہرا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ -

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔“ (پ ۵ ع ۱۶) اور
یعنی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہ یقین دل مان لو اور جو ان دونوں کو
نہ مانے وہ کافر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَيَقُولُونَ نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ
يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا
لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا۔ (پ ۶ ع ۱)

”جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یہ ارادہ
کرتے ہیں کہ اللہ اور رسولوں کے درمیان جدائی ڈالیں اور کہتے ہیں کہ ہم
ایمان لائے ہیں بعض کے ساتھ اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ۔ اور
یہ چاہتے ہیں کہ پڑیں اس کے درمیان کچھ راہ۔ یہ وہی ہیں اصل
کافر اور ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے لئے ذلت کی مار۔“

یعنی جو اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے اور جدائی ڈالتے
ہیں وہ کافر مطلق ہیں۔ غرض کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں پر کوئی فرق
کئے بغیر ایمان لانا عین فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَمْ يَفْرِقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ
سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔ (پ ۶ ع ۱)

”اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا کسی کو
ان میں سے ان کو دے گا اجر و ثواب اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اور اسی پر کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ گواہ ہے۔ مگر طریقت
میں دوئی شرک ہے اور شرک سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُشْرِكْ بِبِي شَيْئًا

”یعنی کسی شے کو میرے ساتھ مت شریک کر۔“

اور یہ بھی فرماتا ہے کہ جو شریک کرے گا اس کو کبھی معافی نہ ہوگی — اور یہ بھی

ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا لَا يُبْعِدُهَا -

”تحقیق اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک لایا جائے اس کے ساتھ اور بخشتا ہے سوا
اس کے جس کے لئے چاہے۔ اور جو کوئی شریک لائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ
پس گمراہ ہوا۔“

گمراہی دور کرنا شریعت میں عبدیت و معبودیت کو ثابت کرنا ہے جب کہ طریقت
میں دونوں کو منانا — وہ شریعت کا حکم یہ طریقت کا حکم۔

ع گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

لیکن اہل طریقت وہ لوگ ہیں کہ شرک کی جڑ و بنیاد کو تختہ دل سے اکھاڑ کر توحید کا
باغ لگاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرتبہ وحدت میں نزول اول قرار
دیتے ہیں۔ ان کو خدا سے جدا نہیں جانتے بلکہ مرتبہ احدیت میں اسم و مسکنی کا فرق بھی
اٹھا دیتے ہیں اور شریعت کو طریقت کے لئے پردہ پوش اور لباس سمجھتے ہیں — اگرچہ
شریعت کا نزول آخر میں ہوا مگر عروج میں مقدم۔ چنانچہ تقدیم شریعت کو پیش نظر رکھنا
ضروری ہے۔

شریعت را مقدم دار انکوں طریقت از شریعت نیست بیروں
کے کو در شریعت راح آید حقیقت را بروئے خود کشاید
یعنی ”تو پہلے شریعت حقہ کو لازمی سمجھ۔ طریقت شریعت سے باہر گز نہیں
ہے۔ وہ کہ جو شریعت میں پختہ ہوگا اس پر حقیقت کی راہ خود بخود کشادہ ہو
جائے گی۔“

الْكُنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ التَّضْرِيحِ.

خوش تر آں باشد کہ سز دلبراں

گفتہ آید در حدیث دیگران

”وہ بڑی خوشی کی ہے جس میں محبوب کا راز ہو اور دوسروں کی زبانی بیان ہو۔“

پس میں بھی آداب شریعت کے مطابق اول حمد میں رطب اللسان ہوتا ہوں:

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
”میں خدا تعالیٰ سے ادب کی توفیق کا طلب گار ہوں۔ کیونکہ بے ادب
لطف ربانی سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب اکیلا اپنی ہی ذات کے
لئے خود بد انجام نہیں ہوتا بلکہ اس سے سارے جہاں میں فتنہ و فساد کی
آگ پھیل جاتی ہے۔“

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

حمد باری تعالیٰ

الْحَمْدُ لِمَنْ هُوَ الْأَوَّلُ بِالْبَاطِنِ وَالْآخِرُ بِالظَّاهِرِ وَهُوَ وَاحِدٌ
الْوُجُودِ غَيْرُهُ لَيْسَ بِمَوْجُودٍ لَوْ كَانَ فِيهِمَا إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا
هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

حمد و ثنا کمال و جمال پر نظر کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مرتبہ احدیت میں وحدت
و واحدیت اور صفات و اسما سب گم ہیں —

○ — نہ علم ہے نہ خبر

○ — نہ بے علمی کا علم نہ بے خبری کی خبر

○ — نہ حمد ہے نہ محمود نہ خدا نہ رسول

○ — نہ عبارت نہ اشارت نہ بیان ہے نہ زبان۔

کیونکہ احدیت حقیقت ہستی ہے۔ جس کے ساتھ کئی شریک نہیں۔ وہ اور اس کی
حقیقت بھی جدا نہیں بلکہ متحد ہے — نہ کل ہے نہ جزو نہ عام ہے نہ خاص ہے۔ اسی
کا نام ذات مطلق ہے بلکہ اطلاق سے بھی پاک — مجال ہے کہ عقل اس کو پا
سکے — نہ اس کا اثبات کر سکتی ہے نہ نفی — وہ خود شاہد و خود مشہود ہے خود ظاہر و
خود مظہر۔ اپنے ظہور کی شدت میں آپ مخفی و مستور ہے — کوئی غیر نہیں جو باعث
ظہور ہو۔ ماسوا نہیں جو اس کا حجاب ہو سکے۔ وہ اپنا حجاب آپ ہی ہے۔ اس لئے
حجابات میں ظاہر تر ہے اور بے حجابی میں پنہاں تر — ظہور عین خفا ہے اور خفا میں
عین ظہور — اطلاق میں مخفی تعینات میں ظاہر — چنانچہ عقل و فہم تقریر و تحریر
حقیقت ہستی کا نقشہ نہیں کھینچ سکتی تا وقت کہ حامد کو محمود سے آگاہی نہ ہو حمد و ثنا ممکن
نہیں — اگر آگاہی اجمالی حاصل ہوئی تو احدیت نہ رہی مرتبہ وحدت میں نزول

ہوا۔ جہاں سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں — سب کچھ اس اعتبار سے کہ جمع و اجمال محیط کل ہے اور کچھ بھی نہیں اس لحاظ سے کہ نہ تفرقہ ہے نہ تفصیل۔ حامد و محمود جدا نہیں — اس لئے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ اور سُبْحٰنِیْ مَا اَعْظَمُ شَآئِیْ یہی اس مرتبہ کی حمد ہے — اور اگر آگاہی تفصیلی ہے تو مرتبہ وحدت سے واحدیت میں نزول ہوا — جہاں عابد و معبود ساجد و معبود حامد و محمود میں فرق و امتیاز ہے — اس لئے یہاں کی حمد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔

○ — اگر کمال و جمال محمود کو ملاحظہ کر کے صرف اس کے بیان پر اکتفا کیا اور اس کے اوصاف حمیدہ کے مناسب کوئی عمل نہ کیا تو یہ حمد قول ہے

○ — اور اگر ایسے اعمال و افعال بجالایا جو اس کے کمال اوصاف کے شایاں ہوں تو یہ حمد فعلی ہے۔

○ — اور اگر ان اوصاف کاملہ سے جو محمود پاتا ہے خود بھی متصف ہو گیا اور تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے رتبہ پر پہنچا تو یہ حمد حالی ہے۔

— حمد قولی پخصیت اقرار زباں

— حمد فعلی طاعت و اعمال داں

”زبانی حمد کیا ہے ایک اقرار زبانی ہے اور حمد فعلی طاعت و عبادت اور اعمال ظاہری ہیں۔“

— حمد حالی اتصاف جان و دل

— برصفت پاک و برتر ز آب و گل

”حمد حالی جان و دل کی صفائی ہے۔ جس سے انسان اپنی پاک صفتوں کی وجہ سے پانی اور مٹی کی کثافتوں سے برتر ہو جاتا ہے۔“

— درحقیقت حمد آں باشد کہ تو

— بودہ باشی در کراں از غیر اور

”درحقیقت حمد وہی ہے کہ تو اس کے غیر سے بے نیاز ہو جائے۔“

گفت پیغمبر کہ لا احصی ثنا

حامد تو ہم توئی یاربنا

”پیغمبر خدا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس کی حمد و ثنا کا حد و احاطہ نہیں کر سکتا۔ لہذا اے رب تو خود ہی اپنا حقیقی حامد ہے۔“

• چوں بہ عالم نیست غیر یار کس

حامد و محمود خود بود و بس

”چونکہ عالم میں سوائے اس یار کے اور کوئی نہیں ہے لہذا وہی حامد بھی ہے محمود بھی ہے۔“

• جملہ ذرات جہاں مرآت اوست

ہر چہ بنی مصحف آیات اوست

”اور تمام جہان کے ذرات اس کے جمال ذات کا آئینہ ہیں۔ اس لئے جو کچھ بھی تو دیکھتا ہے اسی کے مصحف مقدس کی آیات اور اسی کے رخ زیبائی پر انوار نشانیاں ہیں۔“

خدایا اول و آخر بھی تو ہے خدایا باطن و ظاہر بھی تو ہے
وہ اول تو کہ ہے آخر سے آخر وہ آخر تو کہ ہے اول سے فاخر
وہ اول تو کہ نامحرم بدایت وہ آخر تو کہ ناپیدا نہایت
نہیں اول کو آخر سے جدائی ورائے عقل ہے تیری خدائی
جو آخر ہے وہی اول بھی تھا تو وہی جو آج ہے سوکل بھی تھا تو
ہے تیرا اول و آخر مطابق نہ تیرے ساتھ لاحق ہے نہ سابق
جو اول ہے تو پہلے اور تھا کون جو آخر ہے تو پیچھے رہ گیا کون
جو باطن ہے تو باطن کا پتہ کیا جو ظاہر ہے تو ہے تیرے سوا کیا
ہے تو باطن میں ظاہر بلکہ اظہر بظاہر بن گیا تو عین مظہر
ترا اخفا ہے گویا عین اظہار ترا اظہار ہے اخفائے اسرار

کھلا جتنا ہوا اتنا ہی مستور
 ازل سے تابد ہے ایک ہی شان
 چھپا جتنا رہا کھلا بدستور
 مہرِ اطلاق اور اطلاق سے تو
 تراطرا ہے الان کما کان
 مگر مطلق میں ہے تو عین مطلق
 منزہ نفس و آفاق سے تو
 ہے اصل روح تو روحانیوں میں
 نہ جامد ہے نہ مصدر ہے نہ مشتق
 اگر ناسوت میں ہے موج پر جوش
 ہے قید جسم تو جسمانیوں میں
 تو ہے لاهوت میں دریائے خاموش
 صف ارواح میں حمد و ثنا ہے
 اگر جبروت میں بانگِ انا ہے
 تو ہی ہے علم و عالم بلکہ معلوم
 توجہ نسبت ہے لاشئ سے نہ شے سے
 تیری وحدت ہے کثرت میں نمودار
 نہ ہو وحدت تو کثرت بھی عدم ہے
 زمین و آسمان کا نور ہے تو
 سوا تیرے نہیں موجود کوئی
 ازل سے دائم المعروف ہے تو
 تری رحمت ہے یہ جلے دکھاتی
 مسلم ہے تجھ ہی کو حکمرانی
 ہو الموجود ہے تجھ سے عبارت
 احد ہے تو نہیں زہار معدود
 عیاں دیکھا تو پہنچا غیب ہو میں
 نہ پایا ہے نہ پائے گا کبھی تو
 تصور قرب کا دوری ہے تجھ سے
 نہ دوری ہے نہ نزدیکی نہ مابین
 حقیقت سے نہیں ہے کوئی آگاہ
 عبادت منقطع لا غیر ولا عین
 مشتبہ اور موحد سب ہیں گمراہ
 صمد ہے تو نہ والد ہے نہ مولود
 نہاں ڈھونڈا تو آیا رنگ و بو میں
 کہ ہے معروف عارف آپ ہی تو
 خیالِ دوری مجھوری ہے تجھ سے
 عبادت منقطع لا غیر ولا عین
 مشتبہ اور موحد سب ہیں گمراہ

نہ ہو جب فرق ہی تو راہ کیوں ہو نہ ہو کوئی تو پھر آگاہ کیوں ہو
 پتہ لگتا نہیں تزیہہ میں بھی خبر ملتی نہیں تشبیہ میں بھی
 یہ ہنگامہ اور اس پر بے نشانی ہوا ہے عقل کل کا خون پانی
 تیمم کر کہ خاکستر ہے دریا لگا غوطہ کہ ہے گرداب صحرا
 نہ صحرا ہے نہ دریا نہ میں تو
 نہ یاد و بود باقی ہے نہ ہاھو

وحدت و حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

احدیت ذات مرتبہ لائقین ہے۔ صفت علم کا جب ظہور ہوا تو اس نے اپنی ذات و
 صفات کو آپ ہی جانا — جملہ موجودات کو برسبیل اجمال اپنے آپ ہی میں
 پایا — اس مرتبہ کا نام وحدت حقیقی ہے اور یہ برزخ ہے —
 احدیت و وحدیت کا جہاں ظہور و بطون (ظاہر و باطن) برابر ہے۔ وہ ہر ظاہر میں
 ظاہر ہے اور ہر باطن میں باطن:

- — جمادات میں جمادات
- — نباتات میں نباتات
- — حیوانات میں حیوانات
- — انسانوں میں انسان
- — فرشتوں میں فرشتے
- — صورت میں صورت
- — معنی میں معنی
- — روحانی میں وہی روح ہے
- — جسمانیوں میں وہی جسم ہے

کیونکہ وہ ہستی مطلق ہے۔۔۔ جس قید میں چاہے مقید ہو جائے۔۔۔ غرض کہ جملہ صفات و تعینات اجمالی کے ساتھ اپنے آپ کو جاننا وحدت حقیقی ہے۔ مگر اس تعین میں تفصیل نہیں ہے، بلکہ اسماء و صفات، ارواح و مثال سب متحد ہیں بغیر کسی فرق و امتیاز کے۔ مثلاً تخم (بج) میں اجزائے شجر: یعنی تان، شاخ، پتے وغیرہ بالا جمال سب موجود ہیں اور وہ سب متحد۔ یہی وحدت و حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔۔۔ کیونکہ وہ حقیقت انسانی کی اصل ہے اور حقیقت انسانی اصل ہے شہود عالم کی۔۔۔ یعنی جو ظہور عالم میں بالثفصیل ہے۔۔۔ اس کا خلاصہ حقیقت انسانی میں موجود ہے۔۔۔ اور حقیقت انسانی میں کمال و جمال مندرج ہے وہ سب حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہے اور وہی اصل الاصول ظہور و شہود ہے۔

من یعنی جِدِّ جد افتادہ ام

گرچہ در صورت با آخر زادہ ام

یعنی ”معنوی لحاظ سے میں درحقیقت جد اعلیٰ ہوں۔ اگر ظاہری صورت میں

سب سے آخر میں آیا ہوں۔“

لہذا حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت حقیقی کیا ہے:

أَنَا أَحْمَدُ بَلَاءِ مِیْمٍ مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقُّ

اس لئے کہ اس کا اتصاف سے مجرد ہونا احدیت ہے اور متصف بہ صفات ہونا

احدیت۔

پیر کامل کے اوصاف (حقیقت انسانی)

اے ضیاء الشمس نجم الدین حسن مشرق الانوار نور ذوالسنن
لب پہ آیا نام شہ غوث علی بے تکلف کھل گئی دل کی کلی
پھر صبا سبزے کو لہرانے لگی باغ معنی میں بہار آنے لگی

پھر لگا دی ابر رحمت نے جھڑی
 پھر وہی محل وہی ہے کارواں
 پھر اسی منزل میں جا کھولی کمر
 پھر کھلا در حجرۂ انوار کا
 پھر وہی صحبت وہی لیل و نہار
 پھر خزانہ غیب کا لٹنے لگا
 پھر لگی سانچے میں ڈھلنے بات بات
 پھر الپے نئے نئے اسرارِ قدم
 پھر وہی ساغر وہی بزمِ سرور
 پھر وہی ساقی وہی دیرینہ خم
 ہو گئے مل جل کے سب ایک شے
 مدح حاضر میں بھی لکھ اب چند بیت
 اے تجلیِ اخیر ذوالجلال
 ہاں محمد دار تو نام خدا
 ترک دنیا ترکِ عقبی ترکِ جاں
 خوب توڑا تو نے ہر بند کہن
 ہر تو سل سے تجھے اعراض تھا
 داد حق تھی تیری قوت اور قوت
 فخر فخری کی صدا بھائی تجھے
 مدتوں کے بعد ایک آدم بنا
 شازو نادر کوئی شہباز جلال
 شیخ و صوفی پارسا زاہد بہت
 غوثِ اعظم یا جنید و بایزید
 پھر وہی باد بہاری چل پڑی
 ناقہء سرمست وحدی خواں سارباں
 دشت چمنیل اور ویرانہ نگر
 قفلِ ٹوٹا قبۂ اسرار کا
 پھر لگے ہونے دڑ معنیِ ثار
 رشک سے حاتم کا دم گھسنے لگا
 عارفانہ رمز و مردانہ نکات
 ذرہ ذرہ بن گیا منصور دم
 پھر لگا بننے وہی دریائے نور
 کفر و ایمان کا ہوا سررشتہ گم
 دور ساغر دست ساقی مست سے
 تو ہی لکھ خود مآز مینت اذ رَمیت
 تھا کمال بندگی تیرا کمال
 کر گیا ہے بندگی کا حق ادا
 قول و فعل و حال سے تیرے عیاں
 تھا مگر تو حیدر خیرِ شمس
 شیرِ خوار مبداءِ فیاض تھا
 تھا خیال غیر بیتِ عنکبوت
 حق نے بخشی ارثِ آبائی تھے
 ہفت خوانِ فقر کارِ ستم بنا
 کھولتا ہے اس ہوا میں پردہاں
 ہے مگر مردانِ خدا عنقا صفت
 یا نظام الدین یا بابا فرید

یا معین الدین و عطار و شہاب
 مجمع البحرین تجھ سا بعد ازاں
 لاکھ چکر کھائے گا جب چرخ پیر
 اے محیط اولین آخرین
 ذات کا آئینہ کامل بنا
 حامل و محمول میں یاں فرق کیا
 تھا نہایت معتبر پکا امین
 نلرف عالی بس کہ دریا نوش تھا
 اے تیری آواز آوازِ خدا
 تھے لب شیریں لب دریائے ذات
 جو حکایت جو مثل جو بات تھی
 مردہ روجوں کے لئے تھی زندگی
 تیرے دم سے حشر روحانی ہوا
 صور پھونکا تو نے جس کی جان میں
 جذب حق ہو سعی طالب سے غلط
 جس کسی پر تو نے پھونکا ہے فسوں
 رسم و عادت کا گریباں پھاڑ کر
 کفر پر یاروں کے ایماں لائے گا
 اے مشکک تجھ کو ایماں کی قسم
 جو نہ دے تجھ کو کھلا کافر بنا
 فقر کو ہے کفر سے نسبت قوی
 فقر محتاج خدا ہرگز نہیں
 ہے یقین بھی عین یکتائی میں عار
 اپنے اپنے وقت کے تھے آفتاب
 گردش دوراں نے دیکھا تھا کہاں
 لائے گا تجھ سا کوئی مہر منیر
 آفریں صد آفریں صد آفریں
 یہ امانت تھی کہ تو حامل بنا
 شمس ربانی کو غرب و شرق کیا
 تیرا پیمانہ کبھی چھلکا نہیں
 خم کدے خالی کئے پر ہوش تھا
 اور خاموشی تری راز خدا
 اس لئے ہر بات تھی آب حیات
 عالم معنی کی اک سوغات تھی
 زندگی وہ جس کو ہو پائندگی
 صاف و صیقل گوہر کافی ہوا
 جو ہوا سو ہو گیا اک آن میں
 چشم حق میں کا اشارا تھا فقط
 اک نہ اک دن اس کو ابھرے گا جنوں
 دین تقلیدی سے دامن جھاڑ کر
 وار مردوں کو نہ خالی جائے گا
 کافر دیر فنا کے لے قدم
 تو مری تکلیف کا محضر بنا
 ہے مگر وہ کفر کفر معنوی
 فقر عین ذات حق ہے بالیقین
 فقر سے بھی چاہئے پھر انتقار

فقر فقر آیا تو کیا باقی رہا
 سر گیا تو درد سر جاتا رہا
 اے فنائے فقر تجھ کو مرجبا
 مرجبا اے خازن اسرارِ غیب
 ہاں خزانے کا چھپانا فرض تھا
 یہ چھپانا کم نہ تھا اظہار سے
 وہ چھپے کیا جو کہ ہو خود پردہ در
 دیکھ کیا کہنا تھا کیا کہنے لگا
 کچھ نہ تھا واں کچھ نہ ہونے کے سوا
 تو نہ تھا کچھ عین عین اللہ تھا
 بندگی کے بھیس میں اے جامہ زیب
 تجھ کو دیکھا پر نہ دیکھا خلق نے
 تو دھستہ بید تھا کھاتے اگر
 کس کی طاقت تھی کہ تجھ کو دیکھتا
 سب گنوں میں تو فرید دہر تھا
 تو قلندر رند تھا کونین سوز
 تو بھری محفل میں سب کچھ کہہ گیا
 من رانی کے معانی صاف صاف
 من رانی من زبانی جس کے ہے
 تو ہی خود کہہ یا نہ کہہ سن یا نہ سن
 نغمہ لیلیٰ ہے ہر بانگ جس
 سطح پر جاری ہے ساری لہر بہر
 سطح کیسی قعر کیا ساحل کجا
 بادہ کش باقی نہ خود ساقی رہا
 اٹھ گئی امید ڈر جاتا رہا
 عین عریانی ہے بس تیری عبا
 کیا چھپایا ہے ہنر کو مثل عیب
 گرچہ بیرون سماء و ارض تھا
 آگ بھڑکی گرمی بازار سے
 باہم بے پردگی ہو مستتر
 نالہ بل کھا کھا کے کیوں بننے لگا
 کچھ نہ ہونا بھی وہاں باقی نہ تھا
 ظاہراً بندہ نہانی شاہ تھا
 دے گیا واللہ تو سب کو فریب
 لب نے چکھا پر نہ چکھا حلق نے
 سب دھستہ بید بن جاتے مگر
 لاکھ پردوں میں ہیں خاصان خدا
 جاں فزا امرت سے تیرا زہر تھا
 سیف قاطع تھا نہ تھا تو بخیہ دوز
 گوش جاں میں کہ جو باقی رہ گیا
 شرح فرما تو ہی اے عنقائے قاف
 ہے اسی کا آئینہ ہر ایک شے
 لوٹ ہے جب آسمان برسائے بن
 ہے چمن کا آئینہ ہر خار و خس
 قعر سے چپ رہ کہ ہے دریائے قہر
 بحر ہے لا ابتداء لا انتہا

تیری مجلسِ مجلسِ اللہ تھی دونوں عالم کی جہاں گم راہ تھی
 اس کے ہوتے ہستی عالم کہاں دن نکل آیا تو پھر شبنم کہاں
 آپ غالب ہے وہ اپنے امر پر لیکن اکثر آدمی ہیں بے خبر
 تائب دریا ہیں آثار و طریق عین دریا میں ہیں سب راہیں غریق
 راہ گم ہونا ہے راہ مستقیم حاش للہ ثم باللہ العظیم
 آپ کو گم کر کہ تو ہی راہ ہے
 راہ کو طے کر حریم شاہ ہے

غزل

ساتی خم خانہ تھا جو صبح و شام روز آدینہ تھا مسجد میں امام
 جس نے چشم مست ساتی دیکھ لی تاقیامت اس پر ہوشیاری حرام
 اس لب جاں بخش کی باتیں تھیں یا معجزات عیسیٰ گردوں مقام
 ہو گیا اس کو قیامت کا یقین جس نے دیکھا سرو قیامت کا خرام
 چشمہ آبِ بقا کی لہر تھی وہ عبادت وہ اشارت وہ کلام
 مرجبا عطر گریباں کی شمیم ہے معطر جس سے روحانی مشام
 تھی زبان یا قاطع اوہام یار ذوالفقار حیدری تھی بے نیام
 جس نے دیکھا زگس شہلا کا خواب اس نے پایا رزم قلبی لایسنام
 قَالَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ' ہو گئیں سب خوبیاں اس پر تمام
 جس نے چائی عقبہ علیا کی خاک تلخی دوراں سے ہو کیوں تلخ کام
 اے صابحرائے جاں میں کرتلاش کس طرف ہیں وہ سراوق وہ خیام
 خلوتِ لیلیٰ میں تو گزرے اگر تو یہ کہہ دینا ہمارا بھی پیام
 تشنگانِ شوق ہیں گم کردہ راہ تو بھی چل بہر خدا دوچار گام

بحر میں برپا ہوا جوش و خروش جذبات کا سات کاسات الکرام

سوچ دی تھی دست قدرت نے تجھے

تاقہ لیلائے معنی کی زمام

اگر یہ کتاب سرمایہ دارین نظر سے گزرے تو سقم عبارت پر غور نہ فرمائیں، مقصود اصلی کو مد نظر رکھیں۔ اور کوئی مضمون دُور از قیاس و بعید از فہم ہو تو دیوانہ خود رفتہ کی بڑ

کچھ کر معاف فرمائیں۔ — وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۔

ع الْعُدْرُ عِنْدَ كِرَامِ النَّاسِ مَقْبُولٌ

ما حاضر اہل نظر کے پیش نظر کر دیا

ع گر قبول افتدز ہے عز و شرف

بعد ادائے ماوجب عرض پرداز خاکسار خادم الفقراء

بندہ شاہ گل حسن قلندر قادری

کتاب لکھنے کی وجہ

جب یہ فقیر حقیر ”تذکرہ غوثیہ“ کی تالیف سے فارغ ہوا اور اس کے مطبوعہ نسخے برادران طریقت و اہل محبت اور عقیدت رکھنے والوں کی خدمت میں پیش کر چکا تو فرصت سے طبیعت میں بے چینی ہوئی۔ جی میں آیا کہ یہ وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہنے کا نہیں ہے بلکہ کام کرنے کا ہے۔ فارغ رہنے سے زندگی کے دن کا ثنا بہت مشکل ہو جائیں گے۔ عمر کا یہ حصہ ہمت چھوڑ دینے کا نہیں۔

۔ میر نہیں پیر تم، کاہلی! اللہ رے

نام خدا ہو جو ان کچھ تو کیا چاہئے

ہمت کرو اور وقت گزارنے کے لئے کوئی حیلہ کرو، ورنہ پھر وہی پریشانی اور غم

نصیب وقت ہوگا۔

۔ شمع و بزم و جام و ساقی گر نہیں باقی، نہ ہو

دل کے بہلانے کو آخر غم ہی کھایا چاہئے

ادھر تو دل نے یہ دہائی دی، ادھر ملہم غیب نے دل کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ گھبراؤ نہیں ابھی تو ”تعلیم غوثیہ“ کی تدوین و تالیف باقی ہے۔ جس کا انصرام سرور دائمی کا سرمایہ اور عیش کا پیرا یہ ہے۔ جب اس کی ترتیب و تکمیل سے فراغت پاؤ گے تو دامن خالی نہ ہوگا، نہ پھر یہ ماتم ہوگا اور نہ یہ رنج و غم۔ فکر دوام و شغل بدم اور جمال حقیقی و جلوہ

تحقیقی کا خلعت موجود ہے۔ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يُّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

۔ غم کے کھانے کا غم نہ کھا اے دل

یہ بھی دوچار دن کا مہماں ہے

جس وقت یہ معاملہ رو بکار ہوا تو بھی ہوشیار ہوا اور تعمیل حکم کے لئے فوراً تیار ہوا۔
 دل نے کہا کہ اب وقت ہے کہ وہ جو اہر معانی اور لآلی روحانی اور نقد و حقانی جو ایک نقاد
 لائٹانی و مفتاح کنور ربانی یعنی جناب قبلہ و کعبہ سیدنا و مولانا حضرت غوثؒ فی شاہ صاحب
 قلندر قادری قدس سرہ العزیز کے فیضانِ صحبت و اثر سے تربیت سے سینہ کے خزینہ میں
 مخزون اور دل گنجینہ میں مکتوب ہیں — ان کو زبانِ قلم سے نکال اور سفینہ اوراق پر بار
 کر کے ساحلِ اظہار پر لا اتار — تاکہ اس ذکر و فکر کے طفیل اور اس جدوجہد کی
 برکت سے تجھے حبیبِ حقیقی کی طرف مصروفیت ہو — اور طالبانِ تحقیق و سالکان
 طریقِ رہروانِ جاوہِ مدقیق، حصولِ صدق و یقین سے تیزگام و فائز المرام و شاد کام
 ہوں — لیکن اس کے ساتھ ہی اس وصیت کی بجا آوری کی دل میں تحریک ہوئی جو
 حضرت اقدس نے سفر بغداد کے لئے فرمائی تھی — چنانچہ کتاب لکھنے کو ملتوی کر کے
 بتاريخ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ / ۹ اپریل ۱۸۵۵ء بغداد شریف روانہ ہوا — بصرہ اور
 بغداد شریف و کاظمین و کربلائے معلیٰ و نجف اشرف وغیرہ مقامات متبرکہ میں بزرگان
 دین کی خاکِ پاک کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر سے پونے دو برس کے بعد
 پھر میرٹھ واپس آیا — وصیتِ مرشد کی بجا آوری کے بعد واپس آتے ہی دل بے
 چین اور بے تاب ہو گیا۔ پیر و مرشد کی بارگاہ والا اور آستانہ عالیہ سے چھڑے ہوئے
 سات سال ہو گئے۔ آخر اس جدائی کا سبب اور اس محرومی کی کچھ انتہا بھی ہے —
 چنانچہ دوستوں کے ساتھ پانی پت کا سفر اختیار کیا۔ دو ہفتہ وہاں قیام کیا اور مزار مبارک
 کی زیارت نے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور بخشا۔ پھر میرٹھ روانہ ہوئے۔ اب دل میں
 یہ ارادہ کیا کہ ایک چلہ بھی کرنا چاہئے۔ ہر چند کہ اپنا مسلک تو یہ ہے۔

۔ چلہ میں بیٹھ گوشہ سے کیا دل لگائیے

میدان کیا برا ہے کششِ دل کی چاہئے

لیکن ہوا یہ کہ جب یہ فقیر سفر بغداد شریف سے واپس آیا تو دوستوں نے نہایت
 خلوص اور محبت کے ساتھ بڑی عمدہ اور پر تکلف دعوتیں کیں — ترنوالے کھانے سے

جسم موٹا ہو گیا، آنکھوں میں چربی آ گئی۔ نفس میں تازگی آئی اور پیٹ پھول کر گیا ہو گیا۔ جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو نفس سے کہا:

”لو جناب! اب تک تم نے خوب عیش کئے اور خوب مزے اڑائے۔ یہاں تک کہ بھوک میں قصور اور ہاضمہ میں فتور واقع ہوا۔ اب مناسب یہی ہے کہ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ کو خانہ دل سے نکال کر اس کے اہل کو سپرد کرو۔ اور منضج پوتا کہ معدہ صاف اور ہاضمہ درست ہو۔ یقین ہے کہ چالیس دن میں تم چاق و چوبند ہو جاؤ گے۔“

اس بارے میں منشی نجم الدین صاحب سے جو کہ میرے دلی دوست ہیں، مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کام کے لئے حضرت قطب الاقطاب جناب قطب جمال الدین صاحب قدس سرہ علی خانقاہ کی مسجد کا حجرہ جو موضع پھلاؤدہ کے علاقہ میں ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک نہایت سربز نہایت دل کشا درختوں سے معمور اور خوش نما پرندوں، طرح طرح کے جانوروں سے بھرا ہوا جنگل ہے، موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اس حجرہ کو جب اس کیفیت کے ساتھ دیکھا تو بہت پسند آیا۔ چنانچہ اسی میں بیٹھ گیا۔ چلہ ختم ہونے کے قریب تھا کہ خیال آیا ”تعلیم غوثیہ“ میں کیا دیر ہے؟ خود ہی جواب عرض کیا:

”کچھ بھی دیر نہیں، البتہ پختہ ارادہ شرط ہے۔“

چنانچہ چند ضروری امور اسی وقت قلم بند کر لئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب چلہ ختم کر کے باہر آیا تو ناتوانی و کمزوری کی وجہ سے سستی طاری ہونے لگی کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ یار باقی، صحبت باقی، دیکھا جائے گا۔ لیکن میرے دلی دوست و محب قلبی ڈپٹی نجم الدین فاروقی صاحب، میر نصیر الدین ہاشمی و بخاری صاحب اور راقم کے پیر بھائی مولوی محمد اسماعیل صدیقی صاحب جو حضرت معلیٰ کے مرید خاص و نظر یافتہ ہیں، نے تحریک دلائی کہ اہل جہان کو اس فیض سے محروم رکھنا مردوں کے شایان شان نہیں۔ جناب قبلہ و کعبہ سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہ العزیز کے فیضان صحبت و تربیت کا جو سمندر تیرے دل

میں جوش مار رہا ہے، اپنے دل کی بھڑاس نکال کر ابرنوبہار کی طرح تمام کرۂ زمین پر بارانِ رحمت برساتا کہ اہل جہاں سیراب ہوں اور کوئی شخص ہمارے حضرت کے فیض سے محروم نہ رہے۔ بقول شیخ سعد علیہ الرحمہ:

”آزرون دل دوستانِ جہل ست و کفارہ یمن سہل“

یہ ہمت تمام قلم اٹھایا اور اس رسالہ کی تحریر کا اتفاق ہوا — یکم رجب ۱۳۰۳ھ / ۲۷ مارچ ۱۸۸۷ء بروز اتوار شروع کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ۱۳ ربیع الاول ۱۳۰۵ء کو بروز سوموار بوقت دس بجے دن ختم کیا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔

یہ رسالہ:

- — منبر شریعت ہے تردبانِ طریقت ہے۔
 - — قنطرة الحقیقت ہے، کمنہ معرفت ہے
 - — قاصدِ معبود کی خبر دیتا ہے
 - — موجود کو بتاتا ہے
 - — مقصود کو دلاتا ہے
 - — مطلوب کو ملاتا ہے
 - — محبوب کا وصل کراتا ہے
 - — اس فرمان سے اپنی حقیقت کھلتی ہے
 - — خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے
 - — مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ كَارًا زَكَهَاتًا۔
- ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ○ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ○ وَالَّذِينَ
يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ○ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ○ أُولَئِكَ
عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○
جو اس پر عمل کرے گا بے شک اپنے مقصودِ اصلی کو پہنچے گا۔

قارئین کو نصیحت

اے مشتاقانِ شریعت و طریقت! — اے عاشقانِ حقیقت و معرفت! —

میں آپ صاحبوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو صاحب:

○ — بے علم و کم حوصلہ اور کوچہ فقر و فنا سے بے بہرہ ہو یا

○ — علم تصوف و معرفت سے منکر ہو؛

تو وہ اس صحیفہ مقدس کو:

○ — طلسمات بوقلمون، اسرار الہی سے معمور؛

○ — نیر نجات گونا گوں راز ہائے نامتناہی سے بھر پور ہے؛

ہرگز نہ دیکھے — در نہ دین و دنیا سے ہاتھ دھو کر زندہ اور الحاد کے مفاک میں

جاگرے گا اور دنیا و آخرت کے خسارے کے سوا اس کو کچھ حاصل نہ ہوگا —

نصیحت گوش کن جانال کہ از جان دوست تر دارند

جوانانِ سعادت مہند پند پیر دانا را

یعنی 'اے جان من! تو میری نصیحت کو سن لے کیونکہ جوانانِ سعادت مند

اپنے پیر دانا کی نصیحت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔'

جو شخص کہ

○ — صاحب علم اور بلند حوصلہ اور

○ — الْفَقْرُ فَخْرِي وَالْفَقْرُ مَبْنِي کے راز سے آگاہ اور

○ — اس پردل دادہ و جانثار اور

○ — عبدیت کی شان میں ثابت قدم

○ — شریعت کے لباس سے آراستہ و پیراستہ ہے۔

وہ اگر اس مخزنِ اسرار معرفت کو بنظر غائر و تفکر و تامل ملاحظہ فرمائے گا۔ تو میں کامل

یقین رکھتا ہوں کہ وہ بالضرور مَن رَابِي فَقَدْ رَا الْحَقَّ کے انوار سے منور ہو کر شرک و

ظنیان کی خندق سے باہر نکل آئے گا — اور میدان کفر حقیقی میں ثابت قدم رہ کر شش جہات میں توحید حقیقی کا جلوہ دیکھے گا۔

۔ اگر کافر شوی در آخر کار

براندازی حجاب از خود بیک بار

”اگر کافر ہو جائے تو آخر کار تو اپنے اوپر سے ایک حجاب یکبار اٹھائے گا۔“

۔ حقیقت کافر فقر و فنا شو

تو در وحدت نکل عین بقا شو

”حقیقت میں کافر فقر ہوتا ہے تو فنا ہو جا، اور پھر بحر وحدت میں غرق و فنا ہو

کر کل کے ساتھ تو عین بقا ہو جا۔“

۔ عشق رابا کافری نسبت بود

عاشقاں را ایں چنینی قسمت شود

”عشق کی کافری سے ایک نسبت ہوتی ہے اور عاشقوں کی یہی قسمت ہوتی

ہے۔“

۔ کافری عین مسلمانی بود

کافری خود نور ایمانی بود

”کافری عین مسلمانی ہے اور کافری خود نور ایمانی بھی ہے۔“

۔ کفر در تسبیح حق باشد حرام

رو مسلمانی بہ جواز کفر تام

”کفر تسبیح حق میں حرام ہوتا ہے، تو مسلمانی کو کفر تام سے تلاش کر۔“

۔ کفر پوشیدن خودی خود بجن

ردگیر ایں دین و از بر خواں سبق

”اور وہ کفر اپنی خودی کو حق سے پوشیدہ کرنا ہے، تو جا اور یہ دین حاصل کر اور حق

پرستی کا یہ سبق بھی سیکھ۔“

۔ ہر کرا کفر حقیقی شد بدست
 معنی بت شد و را خدمت پرست
 ”جو شخص اپنے ہاتھ میں کفر حقیقی رکھتا ہے وہ اپنی خدمت پرستی کی وجہ سے
 بت کے معنی خود ہو جاتا ہے۔“

۔ چند چند از کفر و ایماں چند چند
 ہر دو نعلین تو باشد پائے بند
 ”کچھ کچھ کفر اور کچھ کچھ ایماں تیرے لئے یہ دونوں پابند کرنے والے
 نعلین ہیں۔“

۔ کفر و ایماں را بہل بالا برآ
 معنی صافی بہ خواں از رہنما
 ”تو کفر و ایماں کو چھوڑ کر او پر آ جا اور کسی رہنمائے حق سے ”صوفی صافی“
 کے معنی پڑھ۔“

۔ کفر کافر راہ و دین دین دار را
 ذرّہ درد دل عطار را
 ”کافر کو کفر اور دین دار کو دین مبارک ہو۔ عطار فقیر کو تو صرف ایک ذرّہ
 درد دل کافی ہے۔“

والسلام

تعارف: تعلیم غوثیہ و مرآة الوجدت

اس کتاب کا نام ”تعلیم غوثیہ و مرآة الوجدت“ رکھا — اس کی تقسیم ایک مقدمہ، تین باب اور ایک خاتمہ پر کی گئی:

مقدمہ الکتاب:

اس میں تیرہ بیان ہیں:

- — علم تصوف کو علم دین سے نسبت۔
- — تحقیق تصوف۔ ارکان تصوف، معنی صوفی، معنی متصوف، معنی فقیر، معنی سلوک۔
- — علم تصوف کی فضیلت۔
- — فضیلت تصوف، صوفی، صحبت فقراء، علامات فقراء۔
- — صحبت فقراء کی فضیلت۔
- — علمائے تصوف اور علمائے ظواہر میں معانی آیات قرآنی میں اختلاف۔
- — فقر و تصوف کی تعلیم عوام الناس کے لئے نہیں، خواص کے لئے ہے۔
- — تعلیم تصوف باندازہ عقل و حوصلہ طالب۔
- — طریق تحصیل علم تصوف، مقام اقلیم شریعت میں۔
- — اقلیم طریقت۔
- — وادی طلب میں پیر کامل کی تلاش اور ہر وادی میں اس کی فرمان برداری۔
- — سامان سفر کی تیاری و ضروریات سفر۔
- — مسافر طریقت یعنی سالک کی مزید آگاہی کے لئے سوال و جواب۔

باب اول: علم الیقین

فصل اول: تنزلات کی تمہید میں۔

فصل دوم: وحدت وجود۔ وحدت شہود۔ مکتوبات ہر دو گروہ۔ فیصلہ حضرت مولانا شام ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ۔

فصل سوم: تنزلات و تعینات خمسہ ذات بحت بالا جمال۔

فصل چہارم: تنزلات بطرز دیگر۔

فصل پنجم: تنزلات بطریق قدمائے سالکین رحمہم اللہ علیہم۔

فصل ششم: تنزلات بطریق دیگر بالتفصیل۔

فصل ہفتم: ہندسہ الہیہ۔

باب دوم: عین الیقین

فصل اول: ثبوت اذکار۔

فصل دوم: طریق اذکار۔

فصل سوم: ذکر صلوة دائمی۔

فصل چہارم: اشغال۔

فصل پنجم: مراقبات۔

فصل ششم: شغل یا مراقبہ خمسہ وجودات و تشریح آن و تعلیم:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

باب سوم: حق الیقین و اقلیم حقیقت

فصل اول: تفکرات۔

فصل دوم: تشریح تعلیمات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

فصل سوم: صورت تفکر۔

فصل چہارم: اقلیم معرفت۔

فصل پنجم: خلاصہ حصول ماقدم بہ طرز تمثیل و بقیہ حالات طلسم مذکور و خیال شب۔

خاتمہ الكتاب

تصوف کی دین سے کیا نسبت ہے؟

برکلام حضرت مولانا شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ۔

مقدمة الكتاب

استفسارات جبرئیل؛ جوابات محبوب رب جلیل:

بخاری و مسلم شریف میں حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو زانو موڈ بیٹھ کر چند سوال کئے۔

پہلا سوال: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اسلام سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ:

○ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؛

○ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا رسول ہے؛

○ نماز اچھی طرح ادا کرو؛

○ اور زکوٰۃ دو؛

○ — ماہ رمضان کے روزے رکھو

○ — بیت اللہ کا حج کرنا اگر سفر خرچ کی استطاعت ہو۔

جبریل علیہ السلام نے کہا: ”سچ فرمایا آپ نے۔“

دوسرا سوال: مجھے ایمان کے بارے میں بتلائیں۔

جواب: آپ نے فرمایا: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ — یعنی ایمان لاؤ:

○ — اللہ اور اس کے فرشتوں پر

○ — اور اس کی کتابوں اور رسولوں پر

○ — اور قیامت کے دن پر

○ — اور ایمان لاؤ اس کی تقدیر پر، بھلی ہو یا بری۔“

عرض کیا: ”آپ نے سچ فرمایا۔“

تیسرا سوال: مجھے احسان سے مطلع فرمائیے۔ یعنی نیکی کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ

○ — تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

○ — اگر ایسا نہ کر سکے تو یوں عبادت کر کہ گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: سچ فرمایا آپ نے۔“

اس کے بعد اجازت لے کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

”یہ جبریل تھے جو تمہیں اسلام کی تعلیم دینے آئے تھے۔“

دین کے بنیادی ارکان:

اس حدیث پاک میں تین سوال ہیں۔ یعنی:

○ — اسلام کی حقیقت کیا ہے؟

○ — ایمان کے کہتے ہیں؟

○ — احسان کیا چیز ہے؟

علمائے محققین فرماتے ہیں کہ دین کی بنیاد ان تین ارکان پر ہے:

☆ فقہ ☆ کلام ☆ تصوف

چنانچہ اس حدیث پاک میں ان تینوں ارکان کا بیان ہے یعنی

(۱)

پہلا سوال اسلام کی حقیقت کے بارے میں ہے۔ یہ فقہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں اعمال و افعال، احکام و آداب شرعیہ بیان کئے جاتے ہیں — اگر انسان فقیہ ہوگا تو حقیقت اسلام سے بے خبر نہ رہے گا۔ اس لئے کہ بغیر فقہ کے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی اور قواعد و شرائط اور آداب و احکام نماز، زکوٰۃ، روزہ و حج معلوم نہیں ہو سکتے۔

(۲)

دوسرا سوال ایمان کے متعلق ہے اور یہ عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ عقائد سے متعلقہ مسائل اصول کلام ہیں۔ یعنی اللہ پر ایمان لانا اور بالیقین اعتقاد رکھنا کہ اس کی ذات و صفات برحق ہیں — اور اس کے فرشتوں پر ایمان لانا کہ وہ نورانی مخلوق اللہ کی فرمانبردار ہے — اور اس کی کتابوں پر ایمان لانا کہ اس کا کلام قدیم ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا — قرآن حکیم صعب سے افضل ہے اور کل آسمانی کتابیں چار سو ہیں — اور جمیع رسولوں پر ایمان لانا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ وہ معصوم یعنی گناہوں سے پاک تھے — اور ایمان لانا کہ قیامت، جنت و دوزخ، ثواب و عذاب سب برحق ہیں۔

(۳)

تیسرا سوال احسان کے بارے میں ہے اور یہ اصول تصوف کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صدق دل سے متوجہ الی اللہ ہے — یہ بات تصوف کے بغیر حاصل نہیں ہو

سکتی۔

درجاتِ بندگی:

ارشاد ہے: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا نَكَ تَرَاهُ — یہ مرتبہ شہود و مقام مشاہدہ ہے — اور فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ یہ مقام مراقبہ ہے — مقام مراقبہ پہلے مرتبہ کی نسبت کم درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ مراقبہ میں بندہ نظر الہی یا علم الہی سے (جو اس کی جانب ہے) یہ آگاہی حاصل کرتا ہے کہ طاعت اور عبادت میں تین درجے ہیں:

○ — ایک یہ ہے کہ واجبات سے ابرائے ذمہ ہو۔ ایسی عبادت بے سود ہے۔ سوائے اس کے کہ شرعی سزا سے بچ گیا۔ آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

○ — دوسرا درجہ عبادت میں یہ ہے کہ تمام ارکان و احکام کو شرائط و آداب کے ساتھ بجالائے تاکہ رضائے خداوندی و ثواب جزیل حاصل ہو اور ذوق و شوق عبادت سے باطن پر ہو جائے۔

○ — عبادت میں تیسرا درجہ مقام مشاہدہ ہے۔ اس سے اعلیٰ و افضل کوئی مقام نہیں۔ چنانچہ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ فقہ اور اصول کلام اور تصوف ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے کہ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہیں ہوتی۔

صحیح اعتقاد کے بغیر احکام شرعیہ کا جاننا بے سود ہے۔ جب تک پورے طور پر توجہ الی اللہ نہ ہو یہ دونوں بیکار ہیں — اور تصوف بغیر فقہ کے بے اصل ہے۔ اس لئے کہ احکام الہی فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ لہذا تصوف کے بغیر فقہ بے سود ہے۔ اس لیے کہ صدق دل کے بغیر عمل کافی نہیں — ایمان کے بغیر یہ دونوں صحیح اور درست نہیں ہو سکتے۔ جیسے کہ جسم و جاں۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر بے صورت ہیں، کیونکہ لازم و ملزوم ہیں۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا ارشاد:

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”جو صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا۔ پس وہ زندیق ہوا (یعنی بڑا بددین ہوا)۔ اور جو فقیہ ہوا، صوفی نہ ہوا، وہ بڑا فاسق ہوا۔ اور جس نے ان دونوں کو حاصل کیا بس وہ بڑا محقق ہوا۔“

لہذا ہر عالم کے لئے ضروری ہے کہ علم دین کے حصول کے بعد تصوف حاصل کرے۔۔۔ ورنہ

ع. چار پائے برو کتابے چند

کا مصداق ہوگا۔۔۔ جس کو شوق تصوف ہو، اس پر فرض ہے کہ پہلے علم دین حاصل کرے ورنہ زندقہ اور گمراہی میں گرفتار ہوگا۔۔۔ یا ہمیشہ علمائے محققین کی صحبت اختیار کرے تاکہ اس کو دونوں باتیں حاصل ہوں۔

ظاہر و باطن کی آرائش:

صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اپنا ظاہر شریعت سے اور باطن طریقت سے آراستہ رکھو۔۔۔ شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

شو بہ باطن ربوبیت پرواز

کن بہ ظاہر عبودیت اقرار

یعنی ”تو اپنے باطن میں ربوبیت اور ظاہری طور پر عبودیت کا اقرار کر“۔۔۔ کیونکہ:

○ شریعت صفات ہے اور طریقت ذات

○ شریعت جسم ہے، طریقت جان۔

○ شریعت ظاہر ہے، طریقت باطن

چونکہ فی زمانہ ملک میں علم دین کے مدارس جا بجا قائم ہیں۔ ہر شخص علم دین

حاصل کر سکتا ہے۔۔۔ زیر نظر کتاب میں مسائل شریعت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ضروری مسائل تصوف و طریق تعلیم بیان کئے جائیں گے۔ تاکہ طالبان حق اس سے مستفید ہو کر اپنے دلی مقصد کو پا سکیں۔۔۔ اللہ بس باقی ہوں۔۔۔ اول اس بات پر یقین کامل کر لینا چاہئے کہ:

”شریعت بنیاد طریقت ہے اور رہنمائے حقیقت ہے اور پردہ کشائے معرفت ہے۔۔۔ اتباع شریعت کے بغیر کمال تصوف کا حاصل ہونا بہت ہی مشکل ہے بلکہ زندقہ و الحاد ہے۔“

ارکان تصوف کی تحقیق

تصوف کیا ہے؟:

تصوف مصدر ہے جو لفظ صوف بالضم سے بنا لیا ہے۔۔۔ صوف کے معنی ہیں: ایک قسم کا پشینہ کا لباس۔۔۔ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں ”خواہش نفسانی سے پاک ہونا اور کل عالم کی اشیاء کو منظر حق جاننا۔

چونکہ اکثر بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام کو لباس صوف پسند تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ لباس ایسا مرغوب تھا کہ وہ پسندیدہ خدا ہو گیا۔ آپ کو اسی لباس سے منسوب کر کے پیار سے پکارا:

○ — یَا يُهَا الْمَرْمَلُ — ”اے کملی اوڑھنے والے“

○ — یَا يُهَا الْمَذْبُورُ —

آپ کے صحابہ کرام بالخصوص اصحاب صفہ وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی یہ لباس پسند رہا۔۔۔ بعد ازاں اولیاء اللہ نے بھی اِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ پر خیال کر کے اسی پہناوے کا خیال رکھا۔ صحابہ کبار کے بعد یہ لوگ مخلوق میں چونکہ ممتاز اور حاجت روائے خاص و عام تھے لہذا اہل زمانہ ان کو صوفی اور ان کے اعمال و افعال و

اقوال کو تصوف کہنے لگے۔

(۲)

تصوف صوف بالفتح سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں:

”یک سو ہونا اور ماسوائے اللہ سے روگردانی کرنا“

واصلان حق چونکہ ماسوائے اللہ سے یکسوئی، خواہشات دنیا اور نفسانی لذتوں سے

روگردانی کرتے تھے۔ اس لئے ان کی عادات و احوال و افعال کو تصوف کہا گیا۔

التَّصَوُّفُ تَصْفِيَةُ الْخَيَالَاتِ عَنْ مَا سِوَى اللَّهِ

یعنی ”اپنے خیالات کو غیر اللہ سے پاک و صاف رکھنا“ یہی تصوف ہے۔“

اور یہی لوگ الْعُلَمَاءُ وَرِثَةُ الْأَنْبِيَاءِ کے مصداق ہیں۔ یہی لوگ انبیاء

علیہم السلام کے علوم ظاہری و باطنی کا جامع ہیں۔

(۳)

اکثر فقراء متقدمین چونکہ صوف پسند کرتے تھے۔ صوف کے لباس کی وجہ سے

انہیں صوفی کہا گیا ہے۔

(۴)

ایک خیال یہ بھی ہے کہ صفائے باطن کی وجہ سے ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔

(۵)

اسلام سے پہلے کچھ لوگ خانہ کعبہ کی صفائی اور جھاڑ پونچھ صوف سے کیا کرتے

تھے۔ اس لئے وہ لوگ صوفی کے نام سے مشہور تھے۔

دور رسالت میں صوفیہ کرام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو بیابلیس

آدمیوں کی ایک جماعت مدینہ منورہ حاضر ہوئی اور آپ کے دست اقدس پر مشرف

با سلام ہوئی۔ دولت اسلام سے دامن بھر کر عرض کیا:

”ہم لوگ دنیا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشینی میں یاد الہی کرنا چاہتے ہیں۔“

آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اس جماعت نے صحرا میں استقامت اختیار کی اور اپنے گروہ کا نام صوفی رکھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور خلافت میں اس گروہ کو آپ سے فیوض باطنی حاصل ہوئے۔ اس عہد میں جہاد کم ہو گیا تھا، اس لئے اکثر لوگ ترقی عبادت کا مشغلہ ڈھونڈنے لگے۔ فرائض و سنن کے بعد نوافل کو ترقی ہونے لگی اور شیوخ و علماء کی محفلیں گرم رہنے لگیں۔

تصوف کا پہلا سلسلہ:

۱۳۹ھ میں حضرت شیخ الوان علیہ الرحمہ نے جدہ میں طریق تصوف کو ایک سلسلہ کی صورت میں مرتب کیا اور اس سلسلہ کا نام ”الوانیہ“ رکھا۔ کئی لاکھ آدمی اس سلسلہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے ہر ایک کو حسب مراتب طریق مجاہدہ و مکاشفہ وغیرہ کی تعلیم فرمائی۔ پھر بتدریج اور سلاسل قائم ہوئے۔

علم و حکمت میں تصوف:

تصوف نے خدا کی توحید میں عجیب و غریب پسندیدہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جو کم و بیش ہر ملت و مذہب میں پائے جاتے ہیں اور اپنے اپنے وضع کردہ اصولوں کو دلچسپ بنانے میں بڑے بڑے دقائق حکیمہ سے کام لیا ہے۔

(۱)

جرمنی کے ایک بڑے فلاسفر کا قول ہے کہ خدا کی طرف کتنی ہی آنکھیں کیوں نہ بند کی جائیں، لیکن اس کا اثر ہر جگہ موجود ہے۔ ایک ہی اثر سے جو جمادات میں غیر محسوس نظر آتا ہے اور حیوانات میں ناقص، جب کہ انسان میں کامل حالت کو دکھایا رہا ہے۔ یہی مسئلہ کہ خدا سب میں موجود ہے، بڑے بڑے جھگڑوں اور بڑے بڑے

مذہبی تفرقوں کا باعث بنا ہے۔ سب کو اس میں سمجھنا اور اس سے کسی کو خالی نہ جاننا اس وقت بھی بہت سے مذاہب کا عقیدہ ہے۔

(۲)

بدھ مذہب میں شکھیا منی اسی عقیدہ کی تعلیم پر بہت کچھ زور دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم فنا ہوتے ہیں اور اس میں مل جاتے ہیں اور اسی کا نام غایت عیش ہے جس میں قربان یعنی توحید و فنا مراد ہے۔

(۳)

یورپ میں ایزوس نامی ایک فلاسفر نے عیسائی مذہب کا مدار بھی اسی مسئلہ پر ثابت کیا ہے۔ دسویں صدی عیسوی میں خلیفہ الحاکم ثانی کے عہد میں پطرس بزرگ عیسائی اور میمونیدس یہودی کا مذہب بھی یہی تھا۔ آخر کار ایسے عقائد والوں کو رومن کیتھولک پوپوں نے برباد کر کے نکال باہر کیا۔

(۴)

اسلام میں بھی اکثر عقائد دوسروں کے عقائد سے ملتے جلتے ہیں۔ جیسے اسلام نے غیر مذہب کو چھانا، ویسے ہی اسلام میں تصوف نے بھی غیر مذاہب کے عقائد کی چھان بین کر کے ایک خاص مسلک اختیار کیا ہے۔

اسپین کے اقبال مند مسلمانوں نے جہاں اور علوم و فنون میں ترقیاں حاصل کی ہیں وہاں تصوف کی تحقیقات میں بھی سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ عقائد صوفیہ یعنی:

○ — ہمد اوست

○ — ہمد ازوست

وغیرہ کی ترقی اول اندلس میں ہوئی ہے یعنی جب علمائے یہود و نصاریٰ و اسلام ایک جا جمع ہوئے تو خواہی مخواہی ایک خلط مبحث پیدا ہوا۔ جن کی فلسفہ کی طرف توجہ تھی وہ ارسطو کے عقائد پسند کرنے لگے اور کہنے لگے:

”ہر چیز کا ایک ہی مخرج ہے۔ دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں سب میں ایک ہی اثر کا ظہور ہے۔۔۔ وہی ہر چیز میں سما یا ہوا ہے اور ہم سب اسی سے نکلے ہیں اور اسی میں جا لیں گے۔“

فریڈرک ثانی کے زمانہ میں ان عقائد کا زور اول سلی میں ہوا۔ خود بادشاہ بھی ان عقائد کا معتقد ہو گیا۔ آخر کار ان کا ایسا عروج ہوا کہ اس کے اثر نے عمومیت حاصل کر لی۔

فلسفہ و تصوف:

فنائیت کے سارے درجے یعنی:

○ — فنائی الشیخ

○ — فنائی الرسول

○ — فنائی اللہ

ان سب کا وجود فلسفہ میں موجود ہے۔۔۔ فلسفے کا سب سے بڑا عقیدہ یہ ہے کہ: ”تمام عالم کا مخرج ایک ہی ہے اور سب کو اس میں جذب ہونا ہے بلکہ اب بھی ایک ایسا نامعلوم جاذب ہے کہ مفہومات کلی اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔“

چنانچہ علامہ حلی و علامہ نصیر الدین طوسی و صاحب صدرانے تصوف کی نسبت جن حکیمانہ خیالات کا اظہار کیا ہے ان کو صاحب ”مجمع البحرین“ نے علی الترتیب نقل کیا ہے۔ غرض تحم تصوف خدا کی زمین میں ہزاروں برس سے نمودار نظر آتا ہے۔ جیسے دنیا کی آبادی میں فارس کو سب پر تقدم ہے اسی طرح تصوف کی نشوونما بھی سب سے پہلے یہیں پائی جاتی ہے۔ مختلف مذاہب کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت طوبی کا بیج حکمائے اشراقیین نے بویا اور حکمائے مشائیین نے سینچا۔۔۔ فارس میں اس کی نشوونما ہوئی۔۔۔ مصر و یونان کی آبیاری نے شاخ و برگ پیدا کئے۔۔۔ برصغیر کی نسیم نے گل شگفتہ کر کے بو باس پیدا کی۔۔۔ شریعت اسلام نے خوشبو سوسجھی۔۔۔ متکلمین نے بہار دیکھی۔۔۔ صوفیوں نے پھل کھائے۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ تصوف حکیم بن کر

آیا، فقیر ہو کر رہا اور شہنشاہی شان بنا کر گیا۔

تصوف اک بے کنار سمندر:

تصوف کا بے کنار سمندر شریعت کے دریائے ذخار میں بڑی خوش آبی اور صفائی سے موجیں مارتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ شریعت کے درخت میں تصوف کی قلم بڑی کاریگری سے چڑھائی گئی ہے۔ شریعت کی شاہراہ مستقیم سے طریقت کے راستہ کی داغ بیل نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ قابل قدر فلاسفوں کے ہاتھوں سے لگائی گئی ہے۔ طوبائے شریعت پر صوفیوں کی نغمہ سرائی، طائران صدرہ کی زمزمہ سنجی سے بالاتر ہے۔ خودی میں خدائی رعیت میں بادشاہی کے مزے جو صوفیوں نے لوٹے، دوسروں کو خواب میں بھی نصیب نہیں ہوئے۔ پابندی مذہب کے باوجود جو نکات انہوں نے بیان فرمائے ہیں کسی حکیم کے وہم و خیال میں بھی نہ گزرے۔ انتہائے شریعت، آغاز تصوف ہے۔ تصوف کی انتہا میں وجود شریعت فنا فی اللہ نظر آتا ہے۔

تصوف کے اصول و ارکان:

تصوف کے اصول پانچ ہیں:

- — گرسنگی
- — خاموشی
- — بیداری
- — تنہائی
- — یاد الہی

تصوف کے پانچ ارکان ظاہری ہیں اور پانچ باطنی ہیں۔ ظاہری ارکان میں:

اول: پیروں، دینی یاروں اور عاجزوں کی خدمت

دوم: پیروں سے خرقہ ارادت پہننا

سوم: تہائی میں ذکر و فکر کرنا

چہارم: مرشد کی صحبت میں بغیر اعتراض کے اور بے اختیار تربیت پانا۔ کَالْمَيْتِ
بِيَدِ الْغَسَّالِ یعنی جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔

پنجم: فتوت یعنی سخاوت و بذل و ایثار میں پیش قدمی کرنا۔
باطنی ارکان یہ ہیں:

اول: علم یعنی احکام شریعت و طریقت کا جاننا۔

دوم: اخلاص و صدق دل سے عمل کرنا۔

سوم: اپنے باطن میں حال پیدا کرنا۔

چہارم: دل کے مقام میں پہنچنا۔

پنجم: حق سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا۔

جب تک یہ ارکان ظاہری و باطنی سالک کی ذات میں جمع نہیں ہوتے، وہ صوفی
نہیں ہوتا۔

مدارج تصوف:

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

”ابتدائی تصوف علم ہے — اور عمل خالص — اور آخر بخشش خدا۔

علم تو مرید کی مراد کھولتا ہے اور عمل طلب توفیق پر مدد کرتا ہے اور بخشش خدا امید کی
غایت پر پہنچ دیتی ہے۔

صوفیہ کے گروہ:

صوفی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جگہ نہیں دیتا۔ جس مقام پر پہنچتا ہے
اس کی نفی کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے — بعض کے نزدیک صوفی
وہ ہے کہ ہمیشہ بغیر علاقہ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو — اور بعض کا خیال ہے کہ صوفی
وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے لذات نفسانی سے فانی اور اپنے مشاہدہ میں باقی کر دے —

حضرت جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جو متواضع اور جفائے خلق کو برداشت کرنے پر ایسا بردبار ہو جیسے زمین۔

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صوفیہ کے تین گروہ ہیں:

- ۱- مرید — جو اپنی مراد کو طلب کرتا ہے۔
- ۲- متوسط — جو آخرت کی راہ میں چلتا ہے۔
- ۳- منتہی — جو اپنے مقصود کو پہنچ گیا ہے۔

(۱)

مرید اپنے وقت کا متوسط اور اپنے حال کا منتہی ہے۔ پاس انفاس میں اپنے سانس کا نگہبان اور اسے سب احوال میں افضل جانتا ہے اور مراد کی طلب میں سختیاں برداشت کرتا ہے — مرید کا کام ہے:

- — مجاہدات میں مقام کرنا
- — ریاضات و عبادات میں تکلیف اٹھانا
- — صبر کی تلخی چکھنا
- — نفسانی لذتوں سے بچنا

(۳)

متوسط سے منازل آداب کا مطالبہ ہے۔ وہ صاحب تکوین ہے کہ ادنیٰ حال سے اعلیٰ کی طرف ترقی پاتا ہے اور ہمیشہ زیادتی میں ہوتا ہے۔ اس کا مقام:

- — مرادات کی طلب میں سختیاں اٹھانا
- — اقوال و افعال میں سچا رہنا
- — کمال کے مقامات میں ادب برتنا

(۳)

منتہی درجہ محو و حاکمین میں ہے۔ ظاہر میں مخلوق میں شامل، باطن میں حق سے واصل۔

جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے غار حرا میں تنہا گوشہ نشین رہتے تھے پھر مخلوق میں شامل رہنے لگے۔

صوفیہ کے اصول:

حضرت جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صوفیوں کے اصول پانچ ہیں:

- — صوم
- — قیام شب بہ عبادت
- — اخلاص عمل بہ تقرب الی اللہ
- — رعایت اعمال اور کسی رکن میں خدا سے غافل نہ ہونا
- — توکل

مذہب کے لئے ظاہر و باطن:

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مذہب کے لئے ظاہر و باطن ہے — ظاہر تو یہ ہے کہ خلق خدا سے ادب برتے — اور باطن یہ ہے کہ کل اصول و مقامات میں اللہ کے ساتھ ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو نماز میں لعب یعنی بے ہودہ حرکت کرتے دیکھا تو فرمایا:

”اگر اس کا دل خاشع ہوتا تو نماز میں اس کے اعضاء بھی خاشع ہوتے۔“

صوفی کون ہے؟:

صاحب ”مصباح الہدایہ“ فرماتے ہیں کہ صوفیوں سے مراد اصل و کامل ہے — قرآن مجید میں مقررین اور سابقین انہی لوگوں سے مراد ہے نہ کہ وہ جماعت بہ مجرد اسلم و رسم دوسروں سے ممتاز اور مخصوص ہو — بلکہ اصحاب حقیقت صوفی اس کو کہتے ہیں جو بدرجہ مقررین حضرت قدس و تعالیٰ اور بہ صفت کمال سابقین پہنچا ہو، خواہ مترسم برسم صوفیہ کرام ہو یا نہ ہو — عوام الناس اسے صوفی کہتے ہیں جو مترسم برسم صوفیہ کرام ہو اگرچہ اہل حقیقت سے نہ ہو — البتہ جو گروہ خاص ہے وہ رکھی صوفیوں

کو صوفی نہیں بلکہ مشبہ کہتے ہیں۔

صاحب ”مجمع سلوک“ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو۔ — متصوف وہ ہے کہ اس درجہ کو مجاہدہ سے طلب کرے اور حصول جاہ اور حظ دنیا کے لئے صوفیوں کی سی صورت بنا لے لیکن صوفیوں کے کام اور معنی سے خالی ہو۔

تصوف کے درجے:

امام قشیری علیہ الرحمہ حضرت جنید علیہ الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ تصوف وہ ہے کہ اللہ تجھ کو تیرے نفس سے مار دے اور اپنے ساتھ زندہ کرے۔ یعنی بخود فانی و بحق باقی — ولی کی بھی یہی تعریف ہے۔ چنانچہ صوفی اور ولی تصوف و ولایت ایک ہی شے ہوئے۔

جمہور اہل اللہ کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ ولایت سے تصوف مرتبہ خاص ہے — بعض کے نزدیک تصوف یہ ہے کہ غیر سے دل کی حفاظت کرے — حضرت شیخ ابوسعید ابو الخیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سات سو مشائخ طریقت نے تصوف کی ماہیت بیان کی ہے۔ ان سب میں بہتر بات یہ ہے کہ

”وقت کو اس میں صرف کرنا جو اس کے لئے بہتر ہے، تصوف کہلاتا ہے۔“

صوفی و فقیر و زاہد کی تعریف میں مختلف خیال ہیں — صوفی تارک الاشیاء عیوض موعود کے لئے قائم نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے وقت میں خوش ہوتا ہے — صوفی اپنے ارادے سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے قائم بہ اشیاء ہوتا ہے — چنانچہ صورت فقر و غنا میں خوئی فضیلت نہیں دیکھتا۔ فقر و تصوف میں بہت فرق ہے۔ اس لئے کہ فقیر اشیاء میں بخود قائم اور بہ ارادہ خود جانتا ہے۔ برخلاف صوفی کے کہ وہ بہ مراد خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے — کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ:

”آپ کیسے رہتے ہیں؟“ — کہا:

”جیسے وہ رکھتا ہے“ — پوچھا:

”کیسے رکھتا ہے؟“ — فرمایا:

”وہ جس طرح پرچاہتا ہے۔“ پوچھا:

”کس طرح چاہتا ہے؟“ فرمایا:

”مجھے اس کی چاہ سے کیا مطلب!“

سلطان العارفين حضرت بايزيد بسطامي عليه الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک یہی کہتا رہا کہ:

”الہی ایسا کرو اور ویسا کر۔“

جب معرفت کے مرتبہ اول میں پہنچا تو میں نے کہا:

”مولیٰ تو میرا ہوا اور جو چاہے کر۔“

فقیر و زاہد کے پاس یہ علم نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کہ زاہد ترک کو افضل جانتا ہے اور اخذ کو قبیح — یہی حال فقیر کا ہے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے جنت و دوزخ پر اختیار دیا جائے تو میں دوزخ کو اختیار کروں — کیونکہ جنت میرے نفس کی طلب ہے جب کہ دوزخ دوست کی مراد ہے —

فقیر و زاہد صفت میں تمیز نہیں کرتے بلکہ اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جو ترک کو بڑھائے اور دنیا کے دھندوں سے بچائے — فقر اور زہد کی حقیقت ایک خاص وصف ہے جو صوفی کی حالت کے لئے لازم ہے۔ مگر زہد میں صوفی کا مقام زاہد کے مرتبہ سے بہتر ہے کہ لذت نفس سے دور ہے۔ **الدُّنْيَا حَرَامٌ عَلٰی أَهْلِ الْآخِرَةِ حَرَامٌ عَلٰی أَهْلِ الدُّنْيَا وَهَمَّا حَرَامَانِ عَلٰی أَهْلِ اللَّهِ۔**

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فقر اور چیز ہے اور تصوف اور چیز — فقر کی نہایت تصوف کی ہدایت ہے —

اسی طرح زہد اور ہے فقر اور ہے — فقر صرف محتاجگی اور نہ ہونے کو کہتے ہیں بلکہ فقر محمود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کی تقسیم و عطا پر راضی ہو — اسی طرح

صوفی اور ہے، ملاستی اور — صوفی وہ ہے کہ مخلوق میں مشغول نہیں ہوتا اور اس کے رد و قبول کی پرواہ نہیں کرتا — ملاستی وہ ہے کہ اپنی نیکی کو دکھاتا نہیں اور بدی کو چھپاتا نہیں۔

”مجمع السلوک“ میں ہے کہ اہل شام تصوف اور فقر میں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس آئیہ کر یہ سے تمسک کرتے ہیں:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُخْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط

حالانکہ یہ سب اہل تصوف تھے — اہل معرفت کے ساتھ اسم صوفی کا اطلاع اس لئے ہے کہ اکثر مشائخ قدما دنیا کے تعطل و زہد اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کی وجہ سے لباس صوف پہنتے تھے اور ایک دوسرے کو صوفی کہتے تھے —

فقیر کے معنی محتاج کے ہیں اور فقر بمعنی محتاجی یا محتاجی — یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے پاس کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دوستی نہیں — دنیا و آخرت دونوں کو اسی پر قربان کر دیتا ہے۔ اس کی ذات کے سوا کسی سے سروکار نہیں رکھتا — اس کی ذات کا محتاج اور اسی کی ذات کی محتاجی رکھتا ہے۔

سلطان الاتقیاء تاج الاولیاء سید الاصفیاء ابن المصطفیٰ والمرضى فرج دل فاطمہ زہرا، جگر گوشہ حسن اکھیتی و حسین شہید کربلا، محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صدیقی، حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، اپنی کتاب ”غزیتہ الطالبین“ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

”متصوف وہ ہے جو صوفی بننے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی مشقت سے صوفی بنتا ہے۔ صوفیانہ لباس پہنتا ہے، اسی لئے وہ متصوف کہلاتا ہے — جیسے قمیص پہننے کے لئے لفظ تَقْمِصُ اور درامہ پہننے کے لئے لفظ تَدْرَعُ بولتے ہیں — اسی طرح جو شخص زہد میں آیا اس کو مُتَزَهِّدُ کہتے ہیں۔ جب وہ اپنے زہد میں انتہا کو پہنچا تو سب چیزیں اس کی دشمن ہو گئیں اور وہ ان سے فانی ہوا — چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے یار کو چھوڑ دیا۔ اس

وقت وہ شخص زاہد کہلاتا ہے۔۔۔ اس کے لئے ہر چیز بغیر طلب کے موجود ہوتی ہے۔۔۔ تب اسے نہ ان چیزوں سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت۔۔۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس میں فعل خدا کا انتظار کرتا ہے۔۔۔ اس کو متصوف کہتے ہیں اور جب اس معنی سے موصوف ہوتا ہے تب صوفی ہوتا ہے۔“

لہذا لفظ صوفی مصافات سے ماخوذ ہے، بمعنی پاکی۔ یعنی وہ بندہ کہ اللہ تعالیٰ نے جسے اس کو نفس کی آفتوں اور برائیوں سے پاک کر دیا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ تصوف یہ ہے کہ خدا کے ساتھ سجائی اور مخلوق کے ساتھ نیکی کرے۔۔۔ متصوف اور صوفی یہ فرق ہے کہ

○۔۔۔ متصوف مبتدی ہے اور صوفی منتہی۔

○۔۔۔ متصوف نے وصال کا راستہ شروع کیا ہے جب کہ صوفی اس راہ سے گزر چکا ہے۔ جس کی طرف قطع و وصل ہے اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔

○۔۔۔ صوفی سب بھاری اور ہلکے بوجھ کو اٹھا چکا ہے جب کہ متصوف باندھ بوندھ کے اٹھانے والا ہے۔

لیکن جب اس نے بوجھ اٹھا لیا، نفس کو مار دیا، خواہشوں کو مٹا دیا اور امیدوں کا ستیاناس کر دیا تو اس کا نام صوفی رکھا گیا۔

سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مرید متصوف اپنی خواہشات و ہوائے نفس و شیطان و خلق و پروردگار و دنیا و آخرت کو فریب دھندہ ہے۔ شش جہات کی تمام اشیاء سے جدا ہونے کے لئے عبادت خاص طور سے اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے۔

○۔۔۔ ان اشیاء سے ترک عمل کرنا

○۔۔۔ ان کی موافقت سے دل کو جدا کرنا

○۔۔۔ دل کو ان کی محبت سے جدا رکھنا

○ — دنیا کو ترک کرنا اور

○ — شیطان کی مخالفت کرنا ہے

○ — حکم الہی سے تمام خلقت خدا سے مفارقت کرنا۔

پھر طلبِ آخرت کے لئے اپنے نفس کو مجاہدہ میں ڈالتا ہے اور آخرت اور اللہ تعالیٰ

نے جنت میں جو کچھ اپنے دوستوں کے لئے آمادہ کیا ہے سے مفارقت کرتا ہے —

پھر اکوان سے باہر آتا ہے اور صاف ہوتا ہے احداث سے اور خاص اللہ کے لئے پاک

ہوتا ہے — پھر اس سے تمام علائق و اسباب اولاد اور گھر والے جدا ہو جاتے

ہیں — اس سے تمام اطراف بند ہو جاتے ہیں اور تمام جہات کی سمتیں اور تمام

دروں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ پروردگار کے تقاضے کے مطابق رضا

ہے — اس کا ماضی و استقبال کا جو دانا ہے اس میں کام کرتا ہے — جو اسرار

خفیات کی خبر رکھتا ہے — پھر اس پر وہ دروازہ کھل جاتا ہے جس کا نام بابِ قربت

ہے۔ یہ دروازہ اس بادشاہ کا ہے جو نیک جزا دینے والا ہے — پھر اسے نشست گاہ

انس کی طرف بلند کیا جاتا ہے — پھر وہ کرسی توحید پر بیٹھتا ہے اس سے حجاب

اٹھائے جاتے ہیں — وہ دارِ فردانیت میں داخل ہوتا ہے پھر اس پر جلال و عظمت

پروردگار منکشف ہوتے ہیں — جب جلال و عظمت پر نظر پڑتی ہے تو بے ہستی خود

باقی رہتا ہے — اپنے نفس و صفات و بازگشت و قوت و حرکت و ارادہ از روئے دنیا و

آخرت باز رہتا ہے — پھر اس ظرف بلور کی مانند ہو جاتا ہے جو صاف شفاف پانی

سے بھرا ہو اور اس میں ہر چیز صاف نظر آئے — چنانچہ اس پر سوائے تقدیر الہی کے

کوئی حکم نہیں کرتا — اور غیر حق اس کو موجود نہیں کرتا — لہذا وہ از خود از بہر خود

فانی ہے اور یہ امر مولائے خود موجود ہے — اور خلوت نہیں چاہتا اس لئے کہ خلوت

تو موجود کے لئے ہے خاص خدا کے لئے — اب وہ بچے کی مانند ہے کہ:

○ — اگر کوئی کچھ نہ کھلائے تو کچھ نہیں کھاتا اور

○ — اگر کوئی کپڑا نہ پہنائے تو نہیں پہنتا۔

پس اس نے اپنے سر کو دے دیا اور سپرد کر دیا — اس وقت وہ اس آئیہ کریمہ کے مصداق ہو جاتا ہے:

تَقَلَّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ

مگر جسم کی موجودگی کے باوجود آفریش حق کے درمیان کردار و اعمال و اسرار و ظواہر و پوشیدگیوں اور نیتوں سے جدا ہے — لہذا اس وقت اس کا نام صوفی اس لئے رکھا جاتا ہے کہ وہ تکدرِ خلأق سے صاف کیا گیا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ○
ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○
تصوف کے درجے:

تصوف کے چار درجے ہیں:

- — شریعت
- — طریقت
- — حقیقت
- — معرفت

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ نے ان چار مراتب کو اخروٹ سے مثال دی۔ یعنی چھے اخروٹ کے چار درجے ہیں:

- — پوست (چھلکا)
- — استخوان
- — مغز
- — روغن

اسی طرح تصوف کے بھی چار مراتب ہیں:

- — شریعت پوست ہے۔
- — طریقت استخوان ہے۔
- — حقیقت مغز ہے اور
- — معرفت روغن۔

اگر پوست نہ ہو تو استخوان کا پیدا ہونا محال ہے — اور استخوان نہ ہوں تو مغز کہاں — اور جب مغز ہی نہیں تو روغن کہاں — لہذا تصوف ایک درخت ہے جس

○ — بخ (جز) شریعت ہے اور شاخ طریقت؛

○ — پھول حقیقت ہے اور پھل معرفت۔

بہر حال شریعت اصل اصول تصوف ہے۔ شریعت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہو

سکتا۔

اقسام عالم:

عالم پانچ قسم کے ہیں:

○ — عالم شریعت

○ — عالم دنیا

○ — عالم حقیقت

○ — عالم طریقت

○ — عالم معرفت

(۱)

عالم دنیا وہ ہے کہ سر پر تکبر اور بغض و نفاق کی دستار ہو اور بغل میں کفر اُکفرا کا کفر بیک ہو — اور علم دین کے ذریعے سے دنیا حاصل کرے — یہ دنیا کے کتے ہیں۔

الدُّنْيَا جِنْفَةٌ وَ طَالِبُهَا كِلَابٌ

یعنی ”دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔“

یعنی وہ دنیا جو غیر شرعی طور پر حاصل کی جائے وہ جیفہ ہے اور اس کے طالب کتے ہیں — ورنہ جو پاک دنیا ہے وہ مَرْزَعَةُ الْآخِرَةِ یعنی آخرت کی کھیتی ہے —

(۲)

عالم شریعت وہ ہے کہ علم دینیات کے حصول کے بعد مسائلِ یَحْوُزُ وَلَا يَسْحُوُزُ کے جھگڑے میں گرفتار ہو اور مدعی کو علم کلام کے زور سے پسپا کر دے۔ ان کو علمائے ظواہر کہتے ہیں۔ ان کی مثال اخروٹ کے پوست کی سی ہے۔ یعنی زاہد خشک۔

(۳)

عالم طریقت وہ ہے جو ان علماء سے کترا کے الگ ہو اور لباس تقویٰ پہن کر مجاہدہ نفس پر کر باندھی — وہ صلحاء میں داخل ہوا۔ لیکن ابھی انانیت باقی ہے کہ گنہگاروں سے بھاگتا ہے اور غیر شرع سے نفرت کرتا ہے — یہ نفرت اس بات کی دلیل ہے کہ اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ طریقت میں پہلا قدم دوئی اور انانیت کا مٹانا ہے — اس کی مثال استخوان کی ہے۔ اب مغز پیدا ہونے کا یقین ہوا۔

(۴)

عالم حقیقت وہ ہے کہ رہبر کامل کے وسیلہ سے طریقت سے حقیقت میں آئے — اس وقت جملہ مخلوقات کو اپنے آپ سے بہتر و افضل جانتا ہے — یہ مرتبہ مغز کا ہے۔ یعنی صلحاء سے ابرار میں پہنچا اور پر مغز ہوا۔

(۵)

عالم معرفت وہ ہے کہ حقیقت سے مقام معرفت میں پہنچے — یہاں نہ کچھ برا ہے نہ بھلا۔ سب درجہ مساوات میں ہیں۔ یعنی اس مقام میں اسرار مشیت سے واقف ہو کر ابرار سے مقربین میں داخل ہوتا ہے اور مقام قرب حاصل کرتا ہے — یہ مثال روغن کی ہے۔ اس طریق کو راہ سلوک و تصوف کہتے ہیں اور ایسے عالم کو صوفی و عالم ربانی و وارث انبیاء خلیفۃ اللہ قطب مدار و قطب الاقطاب کہتے ہیں۔ جب تک تصوف کے چار مراتب مکاحقہ حاصل نہیں کر لیتا، صوفی نہیں کہلاتا — اور اگر کسی کو مثلاً مغز یا روغن نکالا نکالیا گیا — بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

ع ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج

کا مضمون ہو جائے تو وہ لے بھاگو۔ اٹھائی گیرہ رندہ کہلائے گا۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ پتہ نہیں یہ شخص کس کا مال چرا لایا ہے — اگرچہ اس وقت وہ دولت مند ہو گیا ہے لیکن قابل اعتبار نہیں — ہاں خود کھاؤ، چین اڑاؤ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نامی نجار

صاحب وقار و گرامی دکاندار یا عطار نامدار ہو کہ جو چاہو سو موجود ہے — ہر ایک اس کے لائق نہیں ہے۔

سلوک بضممتین راہ رفتن و در تمام امور نیک روی اختیار کردن:

صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اس کے معنی ”تقرب حق“ ہے — یہ ایک علم شریف ہے کہ جس کا طالب دل ہے نہ زبان — یہ وہ صراط پر نیم ہے کہ جس کا سالک قلب ہے نہ پاؤں — اسی کا نام علم قلب و حکمت اور فقر و علم باطن ہے — اسی کے مقامات کا نام شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت ہے — اسی علم کے ابواب کا نام:

○ طلب و عشق ○ عرفان و توحید ○ استغناء

○ فنا و بقا ہے۔

اسی علم کے حصول کو:

○ تذکرہ و تصور ○ تفکر و استغراق ○ سکر و بیداری

○ خوشی و محویت ○ صحویت و حیرت

کہتے ہیں — اسی علم سے اپنی شناخت اور عرفان الہی ہوتا ہے — اسی علم کے فاضل کو سالک و صوفی اور فقیر و انسان کامل کہتے ہیں — یہ علم شریف عزیز الوجود ہے۔ حدیث مبارک ہے:

مَا أَنْزَلَ اللَّهُ شَيْئًا أَقْلُ مِنَ الْيَقِينِ وَلَا قَسَمَ بَيْنَ النَّاسِ أَقْلُ مِنَ
الْحِكْمَةِ.

یعنی ”اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز یقین سے کم نہیں اتاری اور نہ کوئی چیز لوگوں میں حکمت یعنی معرفت سے کم تقسیم کی ہے۔“

علم تصوف کی فضیلت

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کی کچھ فضیلت اور صاحب علم کی تعریف اور ان کی صحبت کی بزرگیاں بیان کی جائیں تاکہ اہل دنیا کو اس کے حصول کا شوق پیدا ہو اور نفسانی خواہشات کو ترک کر کے اپنی جان و مال کو محبوب حقیقی کی طلب و تلاش میں صرف کریں اور معشوق ازلی کے شوق دیدار میں مسرور و شاد کام رہیں۔

علم و عالم کی فضیلت:

تصوف و صوفی اور صحبت فقراء کی فضیلت بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ علم و علماء کی فضیلت بیان کی جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم و علماء کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں مثلاً ارشاد فرمایا:

”عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ پر میری فضیلت ہے۔“

اہل تصوف فرماتے ہیں کہ یہاں عالم علم معرفت مراد ہے نہ محض علم رسمی کا عالم۔ لہذا ہر ایک علم کا عالم اس فضیلت کا دعوے دار ہے۔ اس بارے میں ہم کو کوئی ایسا معیار میزان مقرر کرنا چاہئے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل منشاء معلوم ہو جائے کہ وہ کون سا علم و عالم ہے جس کو سب علم و علماء پر فضیلت و بزرگی ہے اور عقل سلیم بھی اسے تسلیم کر لے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے ہم ایک میزان قائم کرتے ہیں جس سے منشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر ہو۔

وہ میزان یہ ہے کہ جمع علوم میں سے جس علم کا معلوم باقی علوم کی معلومات پر فضیلت رکھتا ہو اسی قدر وہ اس کا عالم باقی اور علوم اور ان کے علماء سے افضل ہو گا۔ اس معیار سے پورا پورا معلوم ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس علم و عالم کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ سب سے افضل و برتر ذات باری تعالیٰ عزاسمہ ہے۔ جس علم سے اس ذات کا عرفان ہو وہ علم اور اس کا عالم باقی تمام علوم و علماء سے افضل ہوگا وہ علم علم معرفت ذات الہی ہے۔ جیسے تصوف و فقر کہتے ہیں اور اس کے عالم کو عارف و فقیر و صوفی — ثابت یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم معرفت و عارف کی فضیلت بیان فرمائی ہے — تمام علوم ظاہری میں جن میں علم دین بھی شامل ہے صرف معرفت ہی علم باطن ہے — باطن کو ظاہر پر تقدم ذاتی ہے — ذات الہی بطون سے ظہور میں جلوہ گر ہوئی — اس سے معلوم ہوا کہ علم معرفت فضیلت میں سب علوم سے اول درجہ پر ہے اور علم دین یعنی شریعت دوم درجہ پر — دیگر باقی علوم اور علماء کی فضیلت اسی میزان کے ذریعے درجہ بدرجہ معلوم ہو سکتی ہے —

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جمیع علوم معارف علم معرفت ذات الہی کے خادم ہیں اور علم معرفت ذات الہی سب علوم سے افضل ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں حدیث پاک میں عابد پر عالم کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا علم ایسا ہو جس کا نفع عام ہو — چنانچہ ایسا علم البتہ کسی خاص عبادت گزار پر افضل ہوگا۔ ورنہ اس کا علم اگر عمل سے قاصر ہے تو یہ عالم محض علم کی وجہ سے افضل نہیں ہو سکتا — اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذات الہی کا عارف جمیع علمائے ظواہر سے افضل ہے — اور جو علم معرفت الہی کے جس قدر قریب ہے اس کی فضیلت اسی قدر باقی دیگر علوم و علماء پر ہے۔

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علم بے عمل بانجھ ہے اور عمل بے علم بیمار — آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔“

یعنی علم دین و معرفت۔

عرش الہی کی سیڑھیاں:

عرش الہی کی چار سیڑھیاں ہیں جو نہایت بلند اور دشوار گزار ہیں:

○ — اول شریعت ○ — دوم طریقت

○ — سوم حقیقت ○ — چہارم معرفت

جو پہلی سیڑھی یعنی شریعت سے لغزش کھا کر گرے گا، قعر جہنم میں پہنچے گا —
اس کے محافظ اور طریق موصل الی المطلوب کے رہنما علمائے دین تین ہیں۔ جو باعمل و
بااخلاص ہوں — باقی تین سیڑھیوں کا محافظ پیر کامل ہے جو طالب صادق کو اس
خوفناک پل سے بہ حفاظت تمام سلامت لے جا کر عرش بریں عرفان پر پہنچا دیتا ہے۔
انہیں صوفیوں کی شان میں ارشاد فرمایا:

عُلَمَاءِ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ

یعنی ”میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔“

علماء کا اختلاف رحمت ہے:

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی ”علماء کا اختلاف رحمت ہے۔“

ایک عارف سے پوچھا گیا:

”وہ کون سے عالم ہیں جن کا اختلاف رحمت ہے؟“ — کہا:

”وہ لوگ ہیں جو:

○ — کتاب اللہ سے سند لیتے ہیں اور

○ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کرتے ہیں اور

○ — آپ کے اصحاب کی پیروی میں کوشش کرتے ہیں۔“

جن کا اختلاف رحمت ہے:

مزید فرمایا کہ ان علماء کے تین گروہ ہیں:

○ — اصحاب حدیث

○ — فقہاء

○ — علمائے صوفیہ

(۱)

اصحاب حدیث تو وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہر حدیث سے چپے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ حدیث شریف دین کی بنیاد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَنْتُمْ إِلَّا رُسُلٌ فَخَذُّوهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

”جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ

دو۔“

اصحاب حدیث، حدیث کے سماع و نقل و تالیف اور صحیح کو موضوع و ضعیف سے جدا کرنے میں مشغول ہوئے — یہ لوگ دین کے نگہبان ہیں۔ راقم کے خیال میں یہ کام تو علمائے سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین پر ختم ہو چکا ہے۔ ہمارے زمانے کے علماء کو سوائے بحث و جھگڑے اور تکفیر ہمدگر کے کوئی مشغلہ باقی نہیں رہا — اعمال صالح و اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان حضرات کو ضرورت ہی نہیں۔ اسلاف کے قصے ان کے فخر کے لئے کافی ہیں۔

(۲)

فقہاء اگرچہ اصحاب حدیث سے علم کو لیتے ہیں لیکن اس گروہ سے بہتر ہیں کیونکہ یہ لوگ معنی کی سمجھ بوجھ ان سے زیادہ اور اچھی رکھتے ہیں اور مسائل کو حدیث کی دلالت سے استنباط کرتے ہیں — احکام و حدود کی تربیت بنظر تعمق اور غور کے ساتھ دیتے ہیں — ناسخ و منسوخ، مطلق و مقید، مجمل و مفسر، خاص و عام، محکم و متشابہ میں تمیز کرتے ہیں — یہ لوگ دین کے حاکم و نشان ہیں — صوفیہ کرام نے ان لوگوں کا مذہب اختیار کیا ہے جو فقہ و حدیث کے جامع ہیں — فروع میں علماء کا جو اختلاف ہے اس کا انکار نہیں کرتے — وہ دونوں فریق سے ان علوم و رسوم کو لیتے ہیں جو

تعبص سے دور اور کتاب سنت و اجماع کے موافق ہوں۔

(۳)

صوفیہ میں سے جو حضرات علم فقہ پر حاوی نہیں ہیں، وہ احکام شرع اور حدود دین میں فقہاء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جن احکام پر فقہاء کا اتفاق ہے، یہ بھی ان پر اتفاق کرتے ہیں۔ جس بات پر اختلاف ہے، اس میں قول بہتر اور مرجح کو یا جس میں احتیاط زیادہ ہو، اختیار کرتے ہیں۔ ان کا مذہب یہ نہیں کہ خواہی، نخواہی بعید تاویل میں ڈھونڈیں اور شہوت کو اختیار کریں۔ جن علوم کا ذکر ہوا صوفیہ کرام میں ان علوم کے سوا علوم عالیہ و اصول شریفہ اور بھی ہیں۔

راہ راست کیا ہے؟:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ”مرج البحرین“ میں لکھتے ہیں کہ راہ راست وہ ہے کہ عقل کو نقل کے تابع کریں۔ عقل پر کلی اعتماد نہ کریں۔ حجت سے پیش نہ آئیں بلکہ اس بارے میں غلامی اور انقیاد و تسلیم کو اختیار کریں۔

زبان تازہ کردن باقرار تو

نه ایچکن علت ازکار تو

یعنی ”تو اقرار و تسلیم سے اپنی زبان کو تازہ کر اور تو کسی کام میں حجت بازی نہ کر۔“

یہ صفت اہل سنت و الجماعت کے مذہب میں موجود ہے۔ تمام ائمہ دین و مشائخ طریقت جن کا ذکر صفحات روزگار پر مسطور ہے، اسی مذہب پر مستقل رہے ہیں اور اسی اعتقاد پر گزرے ہیں۔ اور کتب مشائخ میں جہاں انہوں نے اپنے عقائد بیان کئے ہیں، وہاں یہ اعتقادات بھی نظر آتے ہیں۔ ارباب بدعت و اہل ہوا سے کوئی شخص مقام قرب کو نہیں پہنچتا۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ ظلمت بدعت کا وجود مانع نور ولایت و ہدایت ہے۔ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ طریقہ تصوف مذہب اہل سنت و

جماعت کے خلاف ہے اور فرقہ صوفیہ اس فرقہ کے سوا ہے یا دوسرا فرقہ ہے۔ جو کچھ اعمال و اخلاق و احوال و مقامات و مواجید اور ازداق و نکات و اشارات و سائر کمالات سے ان کو حصہ ملا ہے دوسرے کسی فرقے کو نہیں ملا۔

شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کہ اعظم علمائے متاخرین حدیث میں سے ہیں اپنے اپنے اعتقادات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب کا طریق صراط مستقیم ہے۔“

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ ”مالا بدمنہ“ کے آخر میں بعد مسائل شرعیہ کے بیان کے بعد کتاب ”الاحسان والتقرب“ میں لکھتے ہیں کہ

”اللہ تعالیٰ سعادت عطا فرمائے۔ تو جان لے کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ صورت ایمان و اسلام اور شریعت ہے۔ اس کا مغز اور حقیقت درویشوں کی خدمت میں جا کر تلاش کرنا چاہئے۔ یہ خیال ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ حقیقت خلاف شریعت ہے کیونکہ یہ بات جہل و کفر ہے بلکہ یہی شریعت ہے جو درویشوں کی خدمت میں دوسرا رنگ پیدا کرتی ہے۔ قلب انسانی جب تعلقات جسمانی اور اس علم سے جو کہ ماسوائے الہی تھا پاک و صاف ہوا۔ رذائل نفس سے بچ کر نفس مطمئنہ ہو جائے۔ اسے کامل اخلاص میسر ہو۔۔۔ اس وقت اس کی دو رکعت نماز دوسروں کی لاکھوں رکعتوں سے برتر اور افضل ہوگی۔ اسی طرح اس کے صدقات اور روزے وغیرہ کا بڑا درجہ ہوگا۔ جیسا کہ سروردو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

”اگر تم کوہ احد کے برابر بھی مال و زر راہ خدا میں خرچ کرو تو بھی اس ایک سیر یا آدھ سیر جو کے برابر ہرگز نہ ہوگا جو کہ صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم) نے اللہ کی راہ میں پیش کیا تھا۔“

یہ بات ان کی قوت ایمانی کی وجہ سے اور ان کی فضیلت شان و اخلاص کے سبب

سے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور باطن کو درویشوں کے سینہ مبارک میں تلاش کرنا چاہئے۔ اس مقدس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے۔ تاکہ ہر خیر و شر صحیح فراست سے معلوم ہو سکے۔ قرآن پاک میں ولی کو متقی فرمایا گیا ہے اور حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہ علامت بیان فرمائی گئی ہے کہ:

”ان کی صحبت سے خدا یاد آئے گا۔“

یعنی دنیا کی محبت ان کی صحبت میں کم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو جائے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

پس گدایاں آئینہ جود حق اند وانکہ باحق اند جود مطلق اند
یعنی ”درویش حق تعالیٰ کے وجود کا آئینہ ہیں جو کہ حق تعالیٰ کے
ساتھ ہیں؛ وجود مطلق ہیں۔“

وانکہ جزا اس است او خود مردہ است او برین در نیست نقش پردہ است
”اور جو کہ ایسے نہیں ہیں وہ خود مردہ ہیں؛ وہ اس در تک نہیں پہنچے
بلکہ وہ نقش پردہ ہیں۔“

یک درویشے کہ او تشنہ خداست ہست دائم از خدائش کار راست
”لیکن وہ درویش جو خدا کے دیدار کا پیاسا ہے؛ خدا تعالیٰ سے اس
کا تعلق ہمیشہ سچا ہے۔“

لیک درویشے کہ تشنہ غیر شد او حقیر دابلہ و بے خیر شد
”اور وہ درویش جو غیر کا پیاسا ہے؛ وہ حقیر و بے وقوف اور بے خیر
ہے۔“

امام غزالی راہ سلوک کے مسافر:

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ ”منقذ من الضلال“ میں لکھتے ہیں کہ جب میں علوم مشہورہ کی تحصیل و تکمیل سے فارغ ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہوا اور ہر ایک مذہب کی چھان بین کرتا رہا۔ آخر کار تصوف کی طرف متوجہ ہوا اور اس

طریق کی کتابیں دیکھنی شروع کیں اور اسی طریق پر چلنا اختیار کیا اور ترک تعلق کر کے دس سال تک خلوت و مجاہدہ و مشاغلہ کرتا رہا۔ — تہائی کے دوران مجھ پر ایسے امور کا انکشاف ہوا جن کو احاطہ و حساب میں لانا ناممکن ہے۔ — چنانچہ مجھے یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ صرف علمائے صوفیہ ہی ساکان راہِ خدا ہیں۔

○ — ان کی سیرت سب سیرتوں سے عمدہ

○ — ان کا طریق سب طریقوں سے سیدھا

○ — ان کے اخلاق سب اخلاقوں سے پاکیزہ تر ہیں۔

اگر تمام عقلا کی عقل اور سارے حکماء کی حکمت اور جملہ علماء کا علم جو اسرارِ شرع سے واقف ہیں جمع کیا جائے کہ علمائے صوفیہ کی سیرت و اخلاق کی اصلاح کر سکیں اور موجودہ حالت سے بہتر بنا دیں تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ — کیونکہ ان کی تمام حرکات و سکنات ظاہر و باطن نورِ شمعِ نبوت سے منور ہیں۔ — نورِ نبوت کے سواروئے زمین پر کوئی نور ایسا نہیں ہے جس کی روشنی قابلِ طلب ہو۔ — مثلاً سالکِ طریقت کے حالات میں سے ایک حالت طہارت ہے۔ جس کی اول شرط یہ ہے کہ قلب کو ماسوائے اللہ سے پورے طور پر پاک کرنا اور فنا فی اللہ ہو جانا۔ درحقیقت یہ اس طریق کا پہلا درجہ ہے۔

علم و حکمت سب سے بڑھ کر:

اکثر آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ علم سے بہتر و افضل کوئی علم نہیں۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُوسَىٰ الْجَحْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا
كَثِيرًا ○ (پ ۳ ع)

یعنی ”اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے علمِ حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت ملی
اسے بڑی خیر عطا ہوئی۔“

یہاں حکمت سے مراد علمِ قلب ہے یعنی توحید و معرفتِ الہی، جس کو فقر کہتے

ہیں — یہاں وہ لوگ مخاطب ہیں جنہیں یہ حکمت عطا فرمائی گئی — ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ○ (پ ۱۳ ع ۲۳)

یعنی ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رب کی راہ پر بلا حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ اور ان سے اس چیز میں — کہ وہ بہتر ہے۔“
حکمت کے لغوی ”معنی راز“ اور بھید کے ہیں۔ اس علم سے راز انسانی سرِ سجانی کھلتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس علم کو لفظ حکمت سے ارشاد فرمایا:

۱ اصطلاح میں دانائی درست کرداری کو حکمت کہتے ہیں — حکمت علم کی ایک شاخ بھی ہے جس میں احوال اشیاء موجودات خارجہ میں بحث کی جاتی ہے۔ جیسا کہ نفس! امر میں بقدر طاقت بشری ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں:

☆ — طبعی ☆ — ریاضی ☆ — الہی

طبعی وہ علم ہے کہ جس میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے جو کہ عقل و وجود خارجی میں مادہ کی طرف محتاج ہوں۔ مثلاً آب و ہوا اور دیگر اجسام بسیط و مرکب۔

ریاضی وہ علم ہے کہ جس میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے جو کہ فقط وجود خارجی میں محتاج بسوئے مادہ ہوں۔ چنانچہ مقدار و عدد خاص کہ موجودہ مادیات میں سے ہیں نہ کہ مطلق عدد۔ کیونکہ بعض مطلق عدد بغیر مادہ کے موجودنی الخارج ہیں۔ جیسے عقول عشرہ۔

علم الہی وہ علم ہے کہ جس میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے کہ جو وجود خارجی و عقل دونوں میں بسوئے مادہ محتاج نہ ہوں۔ مثلاً وجود باری تعالیٰ و عقل

بعض محققین کہتے ہیں کہ حکمت کی دو قسمیں ہیں: ☆ — علمی یا نظری ☆ — عملی

علمی حکمت یہ ہے کہ جس میں موجودات کے حقائق کا تصور ہو۔ اسے نظری بھی کہتے ہیں۔

حکمت عملی یہ ہے کہ جس میں ممارست حرکات و مزاولت صناعات ہو۔

حکمت نظری کی بھی تین اقسام ہیں:

☆ — اول علم مابعد الطبیعات ☆ — دوم: ریاضی ☆ — سوم: طبعی

اصول علم مابعد الطبیعات دو ہیں: ایک علم الہی دوم علم فلاسفہ — اول چند نوع پر ہے۔

☆ — معرفت ☆ — نبوت ☆ — بحث امامت ☆ — احوال معاد

اصول ریاضی تین ہیں: ☆ — علم ہندسہ ☆ — علم عدد ☆ — علم موسیقی

تفسیر حسینی اور جواہر التفسیر و فصوص الحکم میں حکمت کو شرک کی نفی توحید کی شناخت اور معرفت الہی لکھا ہے۔ تفسیر بحر الحقائق میں ”نور معرفت“ اور فوائد السلوک میں ”زبان معرفت“ لکھا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ

یعنی ”البتہ دی ہم نے لقمان کو حکمت“ — یعنی نفی شرک و شناخت توحید و معرفت الہی۔

ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

”اگر آدمی حکمت کا ایک کلمہ سیکھے تو اس کے حق میں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔“

اور وہ علم توحید اور معرفت الہی ہے جس کو علم قلب کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

علم دو ہیں: — ایک علم زبان پر ہے۔ اولاد آدم پر یہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ اور ایک علم دل کے اندر ہے۔ یہی علم نافع ہے۔ — اس سے ثابت ہوا کہ ایک علم عام زبانی یعنی شریعت ہے جسے حجت فرمایا اور ایک علم خاص باطن یعنی طریقت ہے جسے علم قلب نافع کہا گیا۔

مرتبہ یقین:

طریقت میں ایک مرتبہ یقین ہے جسے معرفت الہی کہتے ہیں۔ — حدیث پاک میں ہے:

اس کی فروع ☆ علم مناظر ☆ علم مرایا ☆ علم جرنیل ہیں
اصول طبی آٹھ ہیں: ☆ سماع طبعی ☆ سماع عالم کون ☆ علم آثار علوی
☆ علم معاون ☆ علم نباتات ☆ علم حیوانات ☆ علم نفوس
اور اس کے فروع میں ☆ علم طب ☆ علم احکام نجوم ☆ علم فلاح و غیرہ ہیں۔
علم منطوق حکمت نظری کے تحت ہے۔ —

حکمت نظری کی تین قسمیں ہیں: ☆ تہذیب اخلاق ☆ تدبیر منازل ☆ سیاست مدن

الْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ "یعنی یقین ایمان کامل ہے۔"

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصول یقین کے لئے فرمایا ہے:

تَعْلَمُونَ الْيَقِينَ "تم یقین کو سیکھو۔"

یعنی توحید اور معرفت الہی حاصل کرو یہ مرتبہ خاص الخاص موحدین کا ہے۔
جب تک معرفت الہی حاصل نہ ہو یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ یقین کے تین درجے
ہیں:

○ علم الیقین

○ عین الیقین

○ حق الیقین

طالب علی قدر مراتب یقین مراتب پائے گا۔

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ کتاب اخیار میں بتول بھی بن معاذ لکھتے ہیں کہ یقین سے
مراہ نور تو حید ہے۔ جس طرح مشرکین کی نیکیاں شرک کی آگ سے جل جاتی ہیں اسی
طرح موحدین کی خطائیں نور تو حید میں فنا ہو جاتی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم پر جب توحید الہی اور معرفت ذات نامتناہی منکشف ہوئی تو آپ کو اگلے پچھلے
گناہوں کی معافی کا مژدہ اور عصمت لازوال کی بشارت دی گئی۔ جیسا کہ ارشاد باری
ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا
تَأَخَّرَ ○ (پ ۳۶، ۵ع)

یعنی "ہم نے فیصلہ کر دیا ہے تیرے لئے روشن فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ
کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔"

گناہوں کی مغفرت کے یہ معنی ہیں کہ آفتاب توحید و معرفت کی درخشانی میں گناہ
سائے کی مانند محو اور نابود ہو جاتے ہیں۔ یہاں گناہ سے مراد عوام الناس گناہ صغیرہ
وکبیرہ ہرگز نہیں۔ (کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے) بلکہ یہ مراد ہے:

حَسَنَاتِ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتِ الْمُقْرَبِينَ

یعنی ”ابراروں کی نیکیاں مقربین کی خطائیں ہیں۔“

جس وقت عارف منزل قرب میں قدم رکھتا ہے تو اپنی نیکیاں بھی گناہ کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد تین بار استغفار پڑھا کرتے تھے کیونکہ آپ کو جس قدر قرب ہوتا تھا، کچھلی عبادت گناہ معلوم ہوتی تھی۔

عاصیاں از گناہ تو بہ کنند

عارفاں از عبادت استغفار

یعنی ”گنہگار تو گناہوں سے تو بہ کرتے ہیں اور عارف لوگ عبادت سے بھی استغفار کرتے ہیں۔“

چنانچہ یہ علم جمع علوم پر بدرجہا فضیلت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ تمام علوم اس علم کے لئے خادم و مقدمہ کجیش اور ملازم و پیش خیمہ ہیں۔

فقراء اور ان کی پہچان

علامات اولیاء:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

مِمَّنْ يُرِدُ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ

یعنی ”جس کو اللہ چاہے راہ دے، کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو۔“

کسی نے عرض کیا کہ اس کی شرح سے کیا مراد ہے؟ — آپ نے فرمایا:

”جس وقت دل میں نور ڈالا جاتا ہے تو اس کے لئے سینہ کھل جاتا ہے۔“

پھر عرض کیا گیا کہ اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ — آپ نے فرمایا: ”ہاں!

○ — دنیا سے علیحدہ رہنا اور

○ — پائیدار کی طرف رجوع کرنا اور

○ — موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کر لینا۔“

یہی علامت اولیاء اللہ کی ہے — یہاں اسلام سے مراد نور توحید و معرفت الہی ہے۔ نہ یہ کہ ظاہر صورت آراستہ اور باطن کور — کیونکہ جب تک نور توحید و معرفت الہی دل میں جلوہ گر نہ ہو، یقین و ایمان کامل محال ہے اور جب یہ نہیں تو پوری اطاعت کہاں! — پھر دنیا سے جدا رہنا اور موت سے پہلے دار پائیدار کی تیاری کرنا بسا مشکل، البتہ یہ حصہ اولیاء اللہ کا ہے۔ جن کے سینے نور سے معمور ہیں اور یہ لوگ اللہ کی باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔

علمائے معرفت:

ارشاد باری ہے:

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ.

(سورہ عنکبوت، پ ۳۱ ع ۳)

یعنی ”یہ کہاوتمیں ہم نے بٹھائی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جن کو علم ہے۔“

یہاں عالموں سے مراد علمائے علم معرفت ہیں نہ کہ وہ علماء جو حصول دنیا کے لئے علم حاصل کرتے ہیں اور دنیا ہی کو سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں۔ ایسے علماء تو اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں:

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

أَسْفَارًا ○ (سورہ جمعہ، پ ۲۷ ع ۱)

یعنی ”ان لوگوں کی مثال جن پر لادی تو ریت، پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے مثال گدھے کی کہ پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں۔“

اور جن کو اللہ تعالیٰ نے علم معرفت عطا فرمایا ہے وہ لوگ خدا اور رسول کے حبیب و عزیز ہیں — حضرت عبد الرحمن سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

یعنی ”البتہ بعض علم درمکنون کی مانند ہیں۔ ان کو عارفانِ خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ جب وہ عارف اس علم کو بیان کرتے ہیں تو سوائے ان کے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت دھوکا کھانے والے ہیں اور کوئی اس علم سے جاہل نہیں رہتا۔ لہذا جس عالم یعنی عارف کو اللہ تعالیٰ نے اس علم میں سے حصہ دیا ہو اسے حقیر مت جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر نہیں کیا جب کہ اسے علم معرفت سے سرفراز فرمایا ہے۔“

وائے بر حال ان لوگوں کے جو فقراء کو حقیر جان کر برائی سے پیش آتے ہیں۔ فقرا کا حال خراب دیکھ کر کفر کا حکم لگاتے ہیں اور سلامت کا نشانہ بناتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے:

ع بردہ ویران خراج و عشر نیست

عارفوں کی شان:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل یقین کی شان میں فرمایا:

”وہ تمہیں جو چیز کم دی گئی وہ یقین اور عزم صبر ہے۔ اور جنہیں ان دونوں میں سے حصہ ملا ہے اس کو پرواہ نہیں شب بیداری یا دن کے روزے اس سے اگر قضا ہوں۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عارفوں کی شان میں فرمایا:

”وہ لوگ ایسے ہیں جن پر حقیقت امر کا ہجوم کر گیا ہے۔ چنانچہ یقین کی آسائش سے بہرہ مند ہوئے ہیں اور جس کو اہل دنیا نے مشکل جاتا ہے اس کو انہوں نے آسائش سمجھا ہے۔ اس ذات سے انس حاصل کیا ہے جس سے جاہلوں نے وحشت اختیار کی ہے۔ آسائش اجسام کے لئے دنیا کو اختیار کیا۔ ان کی رو میں محل اعلیٰ میں لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے نائب ہیں اور اس کی راہ میں بلانے والے ہیں۔“

اللہ کے دوست:

ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ:

”میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے سروں کے بال بکھرے ہونے اور کپڑے میلے ہوں گے۔ اگر کسی بات پر اللہ کی قسم کھائیں گے تو ان کو سچا کر دے گا۔“

ایک اور حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”بکھرے بال اور غبار آلودہ بہت سے فقیر دروازوں سے دھکیلے گئے۔ وہ ایسے ہیں کہ اگر اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ البتہ ان کو قسم میں سچا کر دے۔“

چنانچہ ظاہری طور پر اہتر و خراب اور پریشان و خستہ حال دیکھ کر فقیر کو حقارت سے رد نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اکثر مردان خدا اور قطب الاقطاب ایسی ہی صورت میں ہوتے ہیں۔ فقیر اللہ کے دوست اور پسندیدہ بارگاہ کبریا ہیں۔ اپنی استجاب دعا کے لئے ان کو وسیلہ بنائیں کیونکہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول ہے۔ حضرت ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ:

”یا اللہ! اپنے بندگان فقراء مہاجرین کے واسطے سے دشمنوں پر ہماری مدد فرما۔“

سبحان اللہ فقراء کا کیا مرتبہ ہے کہ مہاجرین میں سے بھی انہیں کو قبولیت دعا کے لئے واسطہ بنایا جو فقیر تھے۔ اس حدیث پاک کو ملا علی قاری نے بیان فرمایا ہے۔

امیتہ بن خالد ابن عبد اللہ ابن اسید سے روایت ہے کہ البتہ رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بھد و برکت دعائے فقراءِ مہاجرین فتح طلب کرتے تھے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ اہل توحید و معرفت ظاہری مسکینی و مذلت کی وجہ سے اگرچہ اہل دنیا کے نزدیک بے قدر ہوں، لیکن اللہ درسول کے نزدیک یہی لوگ عزیز ہیں۔

عمران ابن حصین سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تحقیق اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کو دوست رکھتا ہے کہ فقیر پارسا عیال دار ہو۔“^۲

ایک اور حدیث پاک ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں کے نزدیک فقیری عیب ہے جب کہ روز قیامت اللہ کے نزدیک زینت ہے۔“

اور فرمایا: ”فقیری میرا فخر ہے اور بہ سبب اس کے میں فخر کرتا ہوں۔“^۳

خدا کو یاد کرنے والے کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”تحقیق اللہ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے۔ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ — چنانچہ جبرئیل اس کو دوست رکھتے ہیں — پھر جبرئیل آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو۔ چنانچہ اہل آسمان اس کو دوست رکھتے ہیں۔ بعد ازاں اسے زمین میں قبولیت دی ہے۔“^۴

اب بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جبرئیل علیہ السلام اور آسمان کے فرشتے اور زمین کے آدمی دوست رکھتے ہیں۔ جن و بشر

ان کی خدمت میں دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں — وہ یہی فقراء ہیں جو ہر وقت خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کے نزدیک بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ:

”قیامت کے دن خدا کے نزدیک کون سا بندہ درجے میں بہت بہتر ہے؟“

آپ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں۔“

عرض کیا گیا ”یا رسول اللہ! کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بھی افضل ہیں؟“

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”اگر کفار و مشرکین میں وہ لڑائی کرے یہاں تک کہ تلواریں ٹوٹ جائے اور

خون میں رنگ جائے پھر بھی اللہ کو یاد کرنے والا اس میں افضل ہے۔“

ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں خبردار نہ کر دوں تمہارے بہترین عملوں کے ساتھ اور

تمہارے بادشاہ کے نزدیک بہت پاکیزہ عملوں کے ساتھ بہت بلند عملوں

کے درمیان تمہارے درجوں کے۔ اور تمہارے لئے سونے اور چاندی کے

خرچ کرنے سے بہتر اور تمہارے لئے اس سے بہتر کہ تم دشمنوں سے ملو کہ

تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔“

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہاں خبر دیجئے — آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا:

”یہ درجے فقراء کے ہیں جن کے دل خدا کے ذکر سے صفائی پاتے ہیں۔“

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا:

”ہر چیز کے لئے صفائی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے —

عذاب الہی سے نجات دینے والی کوئی چیز اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں۔“

صحابہ کرام نے عرض کیا:

”کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں!“

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”نہیں، چاہے اتنی تلوار مارے کہ ٹوٹ جائے۔“

لہذا اللہ کے عذاب سے نجات یافتہ یہی فقراء ہیں جو ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں — ان اولیاء اللہ کے دل راہ ہدایت کے چراغ ہیں۔ جو ان کا دشمن ہے وہ اللہ و رسول کا دشمن ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اللہ کے کسی دوست کے ساتھ دشمنی رکھے بے شک اس نے اللہ

کے ساتھ لڑائی کو اختیار کیا — تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے اور ابرار اتقیا

سے پوشیدہ حال کو جو غائب ہوں تو پوچھے نہ جائیں اور جو حاضر ہوں تو

بتلائے نہ جائیں نہ پاس بٹھائے جائیں، حالانکہ ان کے دل ہدایت کے

چراغ ہیں۔“

اب غور کر لیں کہ اولیاء اللہ کا دشمن اللہ و رسول کا دشمن ہے یا نہیں — ان

آیات و احادیث و روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اس فضیلت کے مصداق بھی صوفی

ہیں۔ جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور تو حید و اسرار معرفت سے بھر دیا ہے۔

صحبت فقراء کی فضیلت

جستجوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”مجھ کو اپنے فقیروں میں تلاش کرو انہی کی بدولت تم کو روزی اور نصرت نصیب ہوتی ہے۔“

یعنی فقیر میرے دوست ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں اور وہ ایسے ہیں کہ ان کے طفیل تم کو رزق یا نصرت عطا ہوتی ہے۔

اصحاب صفہ اور غیرت الہی:

ایک روز بعض امراء عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ہمارا جی چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں لیکن یہ اصحاب صفہ رذیل و حقیر، فقیر و شکستہ حال ہر وقت آپ کے ہم نشین رہتے ہیں۔ بوجہ عار ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ اگر ان کو اس وقت اٹھا دیا تو آپ سے کچھ دینی مسائل حاصل کر لیا کریں۔“

معا (اسی وقت) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

وَلَا تَطُودِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعِشْيِ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ
مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ
شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ.

”مت ہانک (اے محمد! ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں اس کا دیدار۔ تجھے نہیں ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے

حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو ہانک دے پھر تو ہو جائے ظالموں سے۔“ (پ ۷ ع ۱۲، سورہ انعام)

غور کا مقام ہے کہ اگر فقرا تھوڑی دیر کے لئے اٹھائے جاتے تو کیا حرج تھا۔ عرب کے بڑے بڑے امراء مسلمان ہو جاتے — لیکن غیرت الہی نے تقاضا نہ کیا کہ ہمارے یہ خاص دوست حقارت سے اٹھائے جائیں — کوئی دین سیکھے یا نہ سیکھے یہ کسی کے کام میں حارج نہیں ہیں — نہ یہ کسی کو رنج دیں نہ کوئی ان کو رنج دے۔ اس لئے کہ یہ ہمارے محب خاص ہیں۔ بلکہ اے میرے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہی فقراء کی صحبت کو غنیمت جان —!

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ فَهُمْ بِالْعَدَاوَةِ وَالْعُشِيِّ يَرِيدُونَ
وَجْهَهُ لَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الدُّنْيَا وَلَا تَطْعُ
مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا

”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے آپ کو تھام رکھ ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں صبح و شام اپنے رب کو۔ طالب ہیں دیدار کے اور ان کو چھوڑ کر تیری آنکھیں نہ دوڑیں رونق زندگی کی تلاش میں اور نہ اس کا کہا مان جس کا دل ہم نے غافل کیا اپنی یاد سے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے لگا ہے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔“ (پ ۱۳ ع ۴، سورہ کہف)

صاحب ”کشاف“ نے لکھا ہے کہ ایک قوم نے جو روسائے کفار سے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ:

”ان پشیمنے پوشوں بے قدروں کو جیسے صہیب و بلال و عمار و خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں کہ ان کے لباس و خرقوں کی بدبو ہم کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ دور کر دو تا کہ ہم آپ کے پاس آ کر بیٹھیں۔“

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی — بعض کے نزدیک یہ آیت مدنی ہے۔ اس

کے نزول کا سبب یہ تھا کہ موکفہ القلوب سے ایک گروہ جیسے عینیہ بن حسن اقرع بن حالس وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ:

”ہم اشراف عرب ہیں — سلمان و ابوذر اور فقیر مسلمانوں کے پاس نہیں بیٹھ سکتے اگر آپ ان لوگوں کو الگ کر دیں تو ہم آ کر احکام شرع کی تعلیم پائیں۔“

اس وقت حکم نازل ہوا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بس درویشوں کی صحبت پر صبر کر۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دعا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”یا اللہ! زندہ رکھ مجھ کو مسکین اور مار مجھ کو مسکین اور حشر کر میرا گروہ مسکین میں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقرا کا مرتبہ خدا کے نزدیک جب بلند دیکھا تو آپ نے بھی ان میں شامل ہونے کی دعا مانگی — یہاں مسکین و فقیر سے مراد بھکاری، طماع، حریص دنیا اور فقیر بے معرفت نہیں بلکہ ان فقراء سے مراد ہے جو صاحب معرفت ہیں اور انوار الہی سے اپنے سینے معمور رکھتے ہیں۔

کیسے عالم کی صحبت اختیار کی جائے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک عالم کے پاس مت بیٹھو بلکہ اس عالم کے پاس بیٹھو جو پانچ چیزوں سے دوسری پانچ چیزوں کی طرف بلائے:

- — اول شک سے یقین کی طرف
- — دوسرے ریاء سے اخلاص کی طرف
- — تیسرے دنیا کی خواہش سے زہد کی طرف
- — چوتھے تکبر سے تواضع کی طرف

○ — پانچویں عداوت سے خیر خواہی کی طرف۔

اور یہ پانچوں باتیں حاصل نہیں ہو سکتیں مگر فقراء اور اولیاء کی خدمت میں۔
حضرت ابو ہریرہ اور ابی خلد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

”جس وقت تم کسی بندے کو دیکھو کہ اس کو دنیا سے بے رغبتی اور کم گوئی عطا
ہوئی ہے تو اس کی صحبت اختیار کرو۔ البتہ اس کو حکمت یعنی معرفت سکھائی
جاتی ہے۔“^۱

لہذا قربت ڈھونڈنا اس سے اس لئے کہ وہ البتہ سکھایا جاتا ہے اور اس کو حکمت
یعنی معرفت دی جاتی ہے۔ غرض فقراء کی شان میں اور بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔
جسے شوق ہو کتب احادیث میں دیکھے۔ یہاں نقل کی گنجائش نہیں۔ اس دعوے کے
ثبوت کو یہ چند احادیث بھی کافی ہیں تاکہ انسان صحبت فقراء کو بہتر اور غنیمت سمجھے اور ان
کی ظاہری حالت پر اعتراض نہ کرے اور حقیر نظر سے نہ دیکھے۔

خاکساران جہاں را بھارت مگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی ”تو جہان کے خاکساروں کو ذلت و حقارت سے مت دیکھ، تو کیا جانے

کہ اس گرد و غبار میں بھی کوئی شاہسوار چھپا ہوا ہو۔“

اگر فقراء ربانی سے شرع شریف کے خلاف کوئی قول یا فعل نظر آئے بھی تو اہل
ظواہر کو اس کا انکار و تحقیر مناسب نہیں کیونکہ وہ لوگ سوختہ آتش عشق و محبت اور غریق بحر
فنا ہوتے ہیں۔ عاشق غلبہ عشق و محبت میں ادب کا پابند نہیں رہتا۔

ع نبض عاشق بے ادب برے جہد

اہل فنا چونکہ خودی سے گزر جاتے ہیں وہ خود معذور و مرفوع القلم ہیں۔ ایسے لوگوں
کو برا کہنے والا حکم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انحراف کرتا ہے اور خود

بتلائے معصیت ہوتا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا — مذکورہ بالا سے فقراء و اہل فقر کی فضیلت ظاہر ہے کیونکہ عام لوگوں کی طرح ان کو صرف احکام شرعیہ کی تعلیم نہیں ہے بلکہ ان کو علم حکمت و معرفت یعنی اسرار ربانی و رموز حقیقی سے بھی حصہ ملا ہے۔ جس سے عام لوگ محروم ہیں۔ چنانچہ ہر شخص کو لازم ہے کہ فقراء کی تعظیم و توقیر بوجہ احسن بجالائے ورنہ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہوگا۔

اللہ جن سے راضی ہو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد باری ہے کہ جو شخص میرے ولی کو تکلیف دے (یعنی میرے ولی سے دشمنی رکھے) پس تحقیق میں اس کو خبردار کرتا ہوں ساتھ لڑائی کے اور میرے بندہ نے میری طرف نزدیکی حاصل نہیں کی کسی چیز کے ساتھ کہ بہت محبوب ہو میری طرف اس چیز سے — میں نے فرض کیا اس پر اور میرا بندہ ہمیشہ نزدیکی ڈھونڈتا رہتا ہے میری طرف نوافل کی وجہ سے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں — اور جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو:

- — میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے
 - — میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور
 - — اس کے ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے اور
 - — اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے اور
 - — یہ بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو البتہ میں اس کو دیتا ہوں اور
 - — میں کسی چیز میں توقف و تردد نہیں کرتا کہ میں اس کا فاعل ہوں۔
- میرا تردد مومن کے نفس سے ہے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ میں اس کی ناخوشی کو ناپسند کرتا ہوں اور اس کو موت سے چارہ نہیں۔“

غور کا مقام ہے کہ جو اللہ کا دوست ہو اور دوست بھی کیسا کہ اللہ اس کے کان آنکھیں اور ہاتھ پاؤں ہو جائے — اس کے ساتھ دشمنی رکھنا اللہ و رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن بننا نہیں تو اور کیا ہے — گویا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لڑائی کرنا ہے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِهِمْ۔
اے عزیز! خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوستوں سے محبت کرنا اور ان کی خدمت میں حاضر ہونا ان کی صحبت کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سمجھنا خدا اور رسول کی خوشنودی کا باعث ہے۔

صوفیاء اور علمائے ظواہر میں اختلاف

قرآن پاک کے باطن:

اہل تصوف قرآن پاک کے جو معانی علمائے ظواہر کے متضاد بیان فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اصل میں بات یہ ہے کہ قرآن پاک کے کئی بطن ہیں۔ جس پر جس بطن کے معنی کھلے وہ اسی کو بیان فرماتا ہے — علماء ظواہر آیات کریمہ کے ظاہری معانی جب کہ اہل باطن باطنی معنی بیان فرماتے ہیں۔ کسی عقل مند کو اس میں تردد و تعجب نہیں — ”شرح السنہ“ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

”قرآن شریف اتارا گیا سات طرح پر — ہر آیت کے لئے اس میں

ظاہر ہے اور باطن — ہر مقام کے لئے ترقی۔“

”قرآن شریف کا ایک ظاہر ہے ایک باطن — اور ایک نہایت و مقام

ترقی ہے — اور بعض مقام ایسے ہیں کہ سوائے خدا کے ان کو کوئی نہیں

جانتا۔“

ایک حدیث میں سات بطن تک آئے ہیں — ایک اور جگہ ارشاد نبوی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم ہے:

”تحقیق قرآن شریف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن — اور باطن میں

باطن سات بطن تک ہیں۔“

مولانا روم فرماتے ہیں:

۔ حرف قرآن رادماں کہ ظاہر است زیر باطن باطن ہم قاہر است
 ”تو قرآن پاک کے حروف کو مت جان کہ بس یہ ظاہری معنی رکھتے ہیں
 بلکہ ان کے باطن میں اور بھی زبردست باطن ہے۔“

۔ زیر آں باطن یکے باطن دگر خیرہ گردد اندر فکر و نظر
 ”اور اس کے باطن کے اندر بھی ایک دوسرا باطن ہے۔ جس کے اندر فکر و
 نظر بھی خیرہ ہو کر رہ جائے۔“

۔ زیر آں باطن یکے باطن سوم کہ دران گردد خود ہا جملہ گم
 ”اور پھر اس باطن کے اندر بھی ایک اور تیسرا باطن موجود ہے کہ اس کے
 اندر سب عقلیں گم ہو جائیں۔“

۔ باطن چارم از بنے خود کس ندید جز خدائے بے نظیر و بے ندید
 ”اور پھر جو اس کے اندر چوتھا باطن ہے۔ اس کو خدائے عالم و دانا کے سوا
 اور کوئی ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔“

۔ ہم چنین تاہفت باطن اے ابوالکرم سے شمر تو زین حدیث معتم
 ”اور اس طرح سے قرآن پاک کے ساتھ باطن ہیں۔ اے مکرم تو اس
 حقیقت کو حدیث شریف کے موافق جان لے۔“

۔ تو زقرآں اے پر ظاہر مبین دیو آدم را نہ بیند غیر طین
 ”اے فرزند! تو کلام الہی میں صرف ظاہری معنی ہی نہ سمجھ جیسے کہ شیطان
 نے ظاہری نظر سے حضرت آدم علیہ السلام میں مٹی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا
 تھا، اس نے بھی اپنی حماقت سے ان کے اوصاف باطن اور روح پر نظر نہیں
 کی تھی۔“

۔ ظاہر قرآن چو شخص آدمی است کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی ست
 ”قرآن شریف کا ظاہر اس طرح سے سمجھو، جس طرح کہ آدمی بظاہر جسم

رکھتا ہے اور اس پتلہ خاکی کے نقوش ظاہر ہیں مگر اس کی جان و روح مخفی ہوتی ہے۔“

۔ مرد را صد سال عم و خال او یک سرموئے نہ بیند حال او
”جس طرح کسی آدمی کو اس کے عزیز واقارب اگر سو سال تک بھی دیکھیں
مگر اس کے باطن حال کو ایک بال کے برابر بھی نہیں دیکھ سکتے۔“

۔ آں کہ گویند اولیاء در کہہ روند تاز چشم مردمان پہنان شوند
”اور جو ظاہر بین لوگ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء بھی زمین میں چلے جاتے (ذفن
ہو) جاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ صرف لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ
ہوتے ہیں۔“

۔ پیش خلق ایشان فراز صد کہ اند گام خود بر چرخ ہفتم می نہند
”وہ مخلوق کے سامنے تو زیر زمین گھاس میں مدفون ہوتے ہیں۔ مگر وہ اپنی
دلی مراد اور مقصد حقیقی چرخ ہفتم پر سے حاصل کرتے ہیں۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورہ طلاق کی اس آیت کی تفسیر میں:
اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ
بَيْنَهُنَّ

فرماتے ہیں کہ اگر میں اس آیت کی پوری تفسیر کروں تو تم لوگ مجھ کو کافر بتاؤ اور
سنگسار کرو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس معانی کے سوا اور بھی قرآن شریف کے معانی ہیں
کہ جن کے بیان کرنے سے نادانف لوگ سنگسار کریں اور کافر کہیں۔ قرآن
شریف کے جو باطنی معنی ہیں اہل ظواہر کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ اولیاء اللہ کا حصہ
ہے۔ اگر وہ ظاہر معانی کے خلاف قرآن مجید کے کچھ مطالب بیان کریں تو یہ عجیب بات
نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو علم ظاہر اور علم باطن دونوں عطا فرماتا ہے۔

تصوف کی تعلیم عام نہیں، خاص ہے

تصوف خاص علم کیوں؟:

جو لوگ قرآن پاک اور حدیث شریف سے ناواقف اور علم معرفت سے بے بہرہ ہیں وہ تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کون سا علم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخفی رکھا اور علانیہ بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ خواص کو تعلیم کیا ہے — اس کے ثبوت کے لئے یہ حدیث پاک کافی اور جواب شافی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم جانو جو

میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنسوا اور بہت روؤ۔“

اب مقام غور ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے اس کو بیان کیوں نہ فرمایا اس کے سوا کوئی جواب طمانیت بخش نہیں کہ وہ بات عام طور پر بیان کرنے کی نہ تھی ورنہ پوشیدہ نہ فرماتے — اس سے ثابت ہوا کہ ع سرخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

اللہ اور بندے کا حق:

بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایک گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان مگر کاج کی پھپھلی لکڑی کا فرق نہ تھا — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اے معاذ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق

اس حدیث کو امام بخاری و امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہے۔

اللہ پر کیا ہے؟“

میں نے عرض کیا:

”اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوب جانتے ہیں۔“

آپ نے ارشاد فرمایا:

○ — اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی

شے کو شریک نہ کریں۔

○ — بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اللہ اس کو عذاب نہ کرے جو کسی شے کو

اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔“

میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! آیا لوگوں کو اس کی خوش خبری نہ دوں!“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”ان کو خوش خبری مت دے کہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔“

اب فرمائیں کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

کیوں ممانعت فرمائی۔ حالانکہ جمیع انبیاء السلام شرک کی بیخ کنی کے لئے مبعوث ہوئے

ہیں، اس سے بہتر اور کیا بات تھی کہ لوگ شرک فی العبادات سے چھوٹ جاتے اور خالص

عبادت الہی میں مشغول ہوتے — اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی راز مخفی تھا۔ جو

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو تعلیم فرمادیا اور عوام کو اس کا اہل نہیں سمجھا — یہ

تعلیم خاص تھی نہ کہ عام کیونکہ علم توحید و نفی شرک دریاے ناپیدا کنار ہے اور عوام الناس

کی عقل ناقص ورنہ ممانعت کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی — چونکہ فقر بھی اسرار الہی

میں سے ایک راز ہے اس کی تعلیم بھی خاص ہے نہ کہ عام۔

آں راز کہ در سینہ نہاں ست نہ وعظ است

بردار تو اں گفت و بہ منبر نتواں گفت

”وہ راز جو میرے سینہ میں پوشیدہ ہے، وہ کوئی قابل بیان وعظ نہیں۔ وہ تو

سولی پر ہی کہنے کے قابل ہے۔ منبر پر نہیں کہا جاسکتا۔“

مرتبہ نبوت و مرتبہ ولایت:

چونکہ عبادت بلا شرک پر بھروسہ کرنا بھی شرک میں داخل تھا اور توحید میں نقص لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا — ارشاد باری ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

یعنی ”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔“

(پ ۳، رکوع ۱۲)

اس آیت کریمہ کے حکم سے اہل ایمان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری و باطنی متابعت فرض ہوئی — ظاہر متابعت مرتبہ نبوت ہے اور باطنی متابعت مرتبہ ولایت ہے — صوفیہ کرام کی اصطلاح میں مرتبہ نبوت وہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حق تعالیٰ سے اسرار توحید اخذ کرتے تھے — لہذا وہ ظاہر شریعت ہے چنانچہ حدیث پاک لَسِيَ مَعَ اللَّهِ وَقْتُ سے ثابت ہے اور یہ مرتبہ ولایت ہے — اکثر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری متابعت میں مشغول رہے — لیکن ان لوگوں کی تعداد کم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی متابعت میں ولایت سے بہرہ مند ہوئے۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ طلب صادق کے بغیر کسی کو مرتبہ ولایت کے اسرار سے مطلع نہ فرمائیں۔ چنانچہ صوفیوں کے فرقہ میں یہ سنت ان تک جاری ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باطنی راز:

”جوہر نبی“ میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فکر میں مغموم تشریف فرماتے کہ احکام شریعت تو ہر شخص دریافت کرتا ہے مگر اسرار باطن سے کوئی

سوال نہیں کرتا — اس وقت حضرت اسد اللہ العالی شمس المشارق والمغرب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے دل میں اچانک یہ خیال آیا کہ:

”فرمان الہی کے مطابق ظاہر شرع کے احکام میں تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی، لیکن آپ نے اپنے اسرار باطن سے کچھ خبر نہ دی — اگر خبر دیتے تو شائقین متابعت اسرار باطن سے بھی نفع پاتے۔“

چنانچہ کمال صدق و اخلاص سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جی میں جو خیال آیا وہی عرض کیا — آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”مجھ کو بھی یہی حکم تھا کہ یہ مخفی راز طالب صادق کے سوا کسی پر ظاہر نہ ہو۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو وہ اسرارِ تعلیم فرمائے — لہذا اسرارِ ربانی علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے وسیلہ سے فرقہٴ صوفیہ کرام میں پہنچے اور قیامت تک ان سے یہ فیض جاری رہے گا — **الْعُلَمَاءُ وَرِدَّةُ الْأَنْبِيَاءِ** سے مراد یہی لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہیں۔

دل جلوہ گاہ تجلیات انوار الہی:

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ محدث دہلوی ”تفسیر عزیزی“ میں لکھتے ہیں کہ گناہوں کی ثقلِ طبعی سے نجات ایسی ہے جیسے کہ کوئی پانی میں غرق ہو یا دوزخ کے گڑھے میں گرایا گیا ہو — وہ سوائے اس کے وسیلہ و ذریعے سے نکلے، نکل نہیں سکتا — اس لئے مناسب ہے کہ خود کو کسی ذریعہ سے ظرفِ لطیف الالطف بنائے۔ جیسے کہ لکڑی جب خود کو ہوائے لطیف کا ظرف بنا لیتی ہے تو وہ (کشتی کی طرح) نہیں ڈوبتی — چنانچہ ہر طرح سے جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے آپ کو اس ظرفِ لطیف میں جگہ دینی چاہئے۔ تاکہ اس لطیف مظروف کی برکت سے اور اس ظرف کے اتحاد

سے اپنے گناہوں کے ثقل سے نجات ہو جائے۔ مگر ایسے ظروف لطیفہ ہر وقت نادر و کم یاب ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی تلاش و جستجو میں کوشش کرنی لازم ہے۔ اپنی جان و دل سے ان کی محبت و متابعت میں کوشش کرنی چاہئے تاکہ ان کے مقدس دل میں ہمارے لئے جگہ بن جائے۔ اس امت مرحومہ کے لئے وہ ظروف لطیفہ حضرات اہل بیت مصطفوی علیہ السلام ہیں کہ ان کی محبت و متابعت واجب ہے، تاکہ ان کے مبارک دل میں کسی کی جگہ پیدا ہو۔ وہ مقدس دل چونکہ اللہ تعالیٰ کے نور لطیف سے معمور و مملو ہیں۔ ان کی مشارکت ظروف اور مجاورت مکانی سے ایسی مناسبت پیدا ہو جائے کہ وہ گناہوں کی کثافت کے دفع ہونے کے لئے تریاق کا حکم رکھے۔

۔ مور بے چارہ ہوں کر دکھ در کعبہ رسد

دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

یعنی ”کسی بے چارے چیونٹے نے یہ تمنا کی کہ کسی طرح وہ کعبہ شریف پہنچ جائے۔ آخر اس نے اپنا ہاتھ ایک کبوتر کے پیر میں ڈال دیا اور فوراً پہنچ گیا۔“

اہل بیت سفینہ نجات ہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:
 ”میرے اہل بیت کی مثال تمہارے لئے ایسی ہے جیسے (حضرت) نوح علیہ السلام کی کشتی۔ کہ جس نے اس میں پناہ لی وہ طوفان سے بچ گیا اور جس نے اس سے علیحدگی اختیار کی وہ غرق ہو گیا۔“

اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی خصوصیت کی وجہ ان کی فضیلت اور مرتبہ ہے کیونکہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت کمال عملی تھی۔ حضرات اہل بیت کو بھی حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت کمال عملی بنا دیا کہ اس سے مراد طریقت ہے۔ اس لئے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال عمل بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصی مناسبت کے جو

قوائے روحیہ و عصمت و عفت و حفظ و فتوت و سماحت سے متصف ہو — متصور نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی میں جلوہ گر ہو سکے۔ اور یہ مناسبت بغیر ولادت و تعلق اصلیت و فروعات کے ممکن الوصول نہیں ہوتی — چنانچہ یہ کمال تمام شعبوں میں کہ تمام ولایات مختلفہ کا معدن ہے انہی سے جاری و ساری ہوتا ہے اور امامت کے معنی بھی یہی ہیں کہ ایک مرد کمال نے دوسرے کو اپنا وصی بنایا — اور یہی اس کا راز ہے کہ وہ بزرگان اہل بیت تمام اولیائے امت کے سلسلوں کے مرجع و منبع ہوئے ہیں — چو کوئی اللہ کی رسی سے متعلق ہونا چاہئے چار و ناپار اس کی سند و فیض ان بزرگوں تک منتہی ہوتا ہے — اور اس کو اپنی نجات کے لئے اسی کشتی مقدس میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال علمی کے بخلاف کہ وہ پہلے صحابہ کرام میں جلوہ گر تھے۔ اس لئے ان کمالات کے حصول کے لئے ان کی پیروی و شادی اور ان کی صحبت استادی مدت دراز تک ضروری تھی — اور ان کی مرضی و منشاء کے موافق رہنا اور ان کے طریقہ و آئین کو سمجھنا جو کہ آنے والی مشکلات و استخراج جمہولات کے لئے ضروری تھا — اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

أَصْحَابِي كَالنَّجُومِ بِأَيْهِمْ أَقْتَدَيْتُمْ إِهْتَدَيْتُمْ.

”میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان کی پیروی میں تمہارے لئے

ہدایت ہے۔“

دریائے حقیقت کو عبور کرنا بغیر علم و عمل کی سواری کے ممکن نہیں ہے لہذا مرد مسلمان کو ان دونوں سے تعلق پیدا کرنا چاہئے — دریا کا سفر بغیر سواری و کشتی اور قطب نما وغیرہ اور ستاروں کی رہنمائی کے ممکن نہیں ہے تاکہ صحیح راہ اور غیر راہ کا امتیاز ہو جائے — چنانچہ فرمایا ہے: وَتَسْغِيهَا یعنی وہ اس کشتی کے قصہ کو یاد رکھیں اور طوفان میں ڈوبنے سے بچنے کے لئے کشتی (اہل بیت) کو ذریعہ نجات سمجھ کر مومنین یہ تدبیر حاصل کریں۔ اُذُنٌ وَاَعْيُنٌ یعنی وہ کان جو ان امور کو یاد رکھنے والا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت مبارک نازل ہوئی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے دریافت فرمایا:
 سَأَلْتُ اللَّهَ أَنْ يُجْعَلَهَا أَذْنَكَ يَا عَلِيُّ.

اور یہ تخصیص حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے اسی شرف و مرتبہ کی وجہ سے ہے۔۔۔ اور اس میں یہی نکتہ ہے کہ اہل بیت کی کشتی کا مطلب و معنی ہونا بغیر حضرت علی کے ذریعے متصور نہیں ہوتا۔ اسی لئے اہل بیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ وہ اس طریقہ کی امامت کے قابل ہوتے۔۔۔ مگر اس وقت وہ کم سن تھے اور ان کی تربیت کسی دوسرے کو سپرد کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کمال کے منافی تھا۔۔۔ اس وجہ سے امت کے گناہوں سے نجات پانے کے قواعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو القا فرمائے اور پھر ان کو امام بنانا اور اپنے کمال عملی کو ان کو صورت میں تصور کرنا ضروری ہوا کہ ان کو بحکم اَبْسُوتِ اس کمال کو اپنے صاحبزادوں کو پہنچانا پڑا۔۔۔ اور اس طرح یہ سلسلہ مقدس تا قیامت ان کے وسیلے سے جاری ہو گیا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ مولیٰ علی امیر المؤمنین کو یَعْسُوبُ الْمُؤْمِنِينَ شاہ امت کا خطاب دیا گیا۔۔۔ اور اس وجہ سے بھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنار مبارک میں پرورش پائی تھی۔۔۔ اور علاقہ دامادی بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھا اور آپ اپنے عہد لڑکپن ہی سے ہر امر خاص میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک و رفیق کار تھے۔۔۔ آپ کو حکم فرزندگی خاص تھا۔ آپ کو قریبی قرابت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قوائے روحانی وغیرہ میں مناسبت کلی حاصل تھی۔۔۔ چنانچہ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظل مبارک اور صورت کمال عملی تھے کہ یہی مراد و مطلب ولایت و طریقت سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مبارک سے ان کی استعداد و لیاقت طبع اور بھی زیادہ ہو گئی اور انتہائے مرتبہ کمال کو پہنچ گئے۔ اس کے آثار اب تک ہر طریقہ کے اولیاء اللہ کے ظاہر و باطن میں روشن ہیں۔ والحمد للہ!

ان روایات سے ثابت ہوا کہ طریقت کی تعلیم خاص ہے نہ کہ عام۔

تصوف کی عطا دامن کے مطابق

یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع انبیاء کرام علیہم السلام کو نبی شرک و تعلیم توحید کے لئے نوبت بہ نوبت مبعوث و متعین فرمایا ہے۔ شرک و توحید ہر ایک کی چار چار قسمیں ہیں:

شرک کی اقسام:

- اول: شرک شریعت
- دوم: شرک طریقت
- سوم: شرک حقیقت
- چہارم: شرک معرفت

(۱)

خدا کی ذات و صفات و افعال میں کسی کو شریک کرنا۔ یہ شرک شریعت ہے۔
یہ ایسی بلائے بے درماں اور مرض لاوا ہے جس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔
ارشاد باری ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا

یعنی ”اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اس کا شریک ٹھہرائے اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے۔ جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا۔“

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا لَا يَبْعِدُهَا لِعِنِّي ”گمراہ“ گمراہی دور کا۔“ (پ ۵ ع ۱۲)

یعنی ایسے شرک کی بخشش ہرگز نہیں — حضرت لقمان علیہ السلام نے اسی لحاظ سے اپنے بیٹے کو نفی شرک کی نصیحت فرمائی ہے۔ اس پند دل بند کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا:

يٰۤاِبْنِي لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (سورہ لقمان)
یعنی ”اللہ کے ساتھ شریک مت کر، بلا شک شرک بڑا ہی ظلم ہے۔“

(۲)

اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد و معبود، خالق و مخلوق کا ثابت کرنا شرک جلی ہے — اسے شرک طریقت بھی کہتے ہیں۔

(۳)

صفات الہی کو غیر ذات سمجھنا، یہ شرک خفی ہے — اسے شرک حقیقت بھی کہتے ہیں۔

(۴)

اسم و منسی میں تمیز کرنا، یہ شرک اخفی ہے — اسے شرک معرفت بھی کہتے ہیں۔
چنانچہ ان چاروں قسموں کے شرک کی باز پرس ان چاروں مراتب والوں سے ہوں گی —

توحید کی اقسام:

جس طرح شرک کی چار اقسام ہیں، اسی طرح توحید کی بھی چار اقسام ہیں:

○ — اول: توحید شریعت

○ — دوم: توحید طریقت

○ — سوم: توحید حقیقت

○ — چہارم: توحید معرفت

- ۱- شرک شریعت کے متضاد توحید شریعت ہے۔
 - ۲- شرک طریقت کے مقابل توحید طریقت ہے۔
 - ۳- شرک حقیقت کے برعکس توحید حقیقت ہے۔
 - ۴- شرک معرفت کے مقابل توحید حقیقت ہے۔
- ہر ایک نبی علیہ السلام نے شرک کے مٹانے اور توحید تنزیہی کی تعلیم میں سعی و کوشش بلیغ فرمائی۔ مگر کسی کافر و مشرک کے خیال میں یہ بات نہ آئی، النامقابلے پر اتر آئے۔ آخر ہلاک و تباہ ہو کر فی النارِ وَالسَّقْرُ ہوئے۔
- اسرار جو معراج میں عطا ہوئے:

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر موجودات، رحمت عالمیان، خاتم الانبیاء، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرف بہ معراج ہوئے تو آپ کو تین قسم کے اسرار عطا ہوئے:

- — ایک: لائق تعلیم عام
- — دوم: قابل تلقین خاص و اخص
- — سوم: مناسب انجفی

چونکہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اس ستودہ صفات کو انسان کامل بہ لباس وحدت مبعوث فرمایا تھا — بموجب عقل خداداد کے دیکھا کہ افراد بشر عقل و قیاس و فہم و ادراک میں مختلف الانواع ہیں — چنانچہ ہر ایک کے حوصلہ و استعداد کے موافق تعلیم میں مشغول ہوئے۔

(۱)

عامہ خلائق کو حکم اول یعنی شریعت عزا کی تعلیم فرمائی۔ بارگاہ کبریائی سے جو حکم صادر ہوا تھا، ہر ایک کو سنا دیا۔ اسی کا نام تبلیغ رسالت تھا۔

(۲)

پھر خواص کو دعوت شریعت کے بعد فیضان سرچشمہ طریقت سے سیراب کر کے
انہیں کو دریائے فقر و فنا میں غوطہ دیا — جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے جسے ابو داؤد نے
سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے:

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ أَمْرًا أَنْ نُنزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ وَنُكَلِّمَهُمْ عَلَى
قَدْرِ عَقُولِهِمْ ۝

یعنی ”ہم گروہ انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبوں میں رکھیں اور ان
سے ان کی عقلوں کے موافق کلام کریں۔“

اور بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ جن کی عقل زیادہ ہے ان کے مراتب بھی
زیادہ ہیں۔ اس لئے کاملین علی قدر مراتب عقل ہر ایک کو تعلیم فرماتے ہیں — اور ہر
ایک اپنی اپنی عقل کے موافق ثمرہ پاتا ہے — اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے بھی علی قدر مراتب عقل و ادراک ہر ایک کو تعلیم فرمائی ورنہ کم فہم لوگ خراب و
ہلاک ہو جاتے — حدیث پاک ہے:

مَا حَدَّثَ قَوْمًا بِحَدِيثٍ لَا يَفْقَهُونَهُ إِلَّا كَانَ فِتْنَةً عَلَيْهِمْ

یعنی ”جو کوئی تم میں سے کسی قوم سے ایسی بات بیان کرے گا جس کو وہ نہ
سمجھیں، تو وہ ان پر ایک مصیبت ہوگی۔“

ایک اور حدیث پاک جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَا أَحَدٌ يُحَدِّثُ قَوْمًا بِحَدِيثٍ لَا تَبْلُغُهُ عَقُولُهُمْ إِلَّا كَانَ فِتْنَةً عَلَى
بَعْضِهِمْ

یعنی ”جب کوئی شخص کسی قوم کے سامنے ایسی بات کہتا ہے کہ جس کو ان کی
عقل نہیں پہنچتی، تو ان میں سے بعضوں پر وہ بات فتنہ ہو جاتی ہے۔“

اسی لئے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

تُكَلِّمُوا النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عَقُولِهِمْ

یعنی ”سامعین کی عقل کے موافق تم کلام کرؤ تا کہ وہ سمجھ جائیں“ —
ایسی بات نہ کہو کہ جس سے وہ تشویش میں پڑ کر خراب ہو جائیں۔

(بخاری و مسلم شریف)

(۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسرار معرفت یعنی فقر کو جس سے الْفَقْرُ
فَخِرِي وَالْفَقْرُ مَبْنِي مراد ہے عام طور پر نہیں فرمایا — کیونکہ یہ نہایت باریک اسرار
ہیں — ہر ایک کا فہم و ادراک اس کے کنگرہ تقدیس تک پہنچ سکتا۔ لہذا خاص خاص
صحابہ کرام مثلاً:

- — حضرت ابو بکر صدیق
- — حضرت عمر فاروق
- — حضرت عثمان
- — حضرت علی
- — حضرت ابو ہریرہ
- — حضرت سلمان فارسی
- — حضرت زید

وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو علی قدر مراتب فہم و ادراک تعلیم فرمایا۔

فخر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حدیث پاک میں ہے:

مَا حَبَّبَ اللَّهُ فِي صَدْرِي إِلَّا وَقَدْ صَبَّبْتُ فِي صَدْرِ أَبُو بَكْرٍ.
یعنی ”نہیں ڈالا اللہ نے میرے دل میں کوئی علم، مگر ڈالا میں نے ابو بکر کے
سینے میں۔“ (بخاری و مسلم شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا:

مَا فَضَّلْتُكُمْ أَبُو بَكْرٍ بِكَثْرَةِ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ وَلَكِنْ بِسِرِّ وَقُرْبِي
صَدْرِهِ. (تہمتی)

یعنی ”ابوبکر تم پر روزہ اور نماز کی کثرت سے افضل نہیں ہوا“ بلکہ ایک راز اور

علم کی وجہ سے جو اس کے سینہ میں ڈالا گیا ہے۔“

اور وہ راز علم فقر ہے جس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فخر ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم باطن:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو طرف علم (یعنی ظاہری و باطنی) کے حاصل کئے ہیں۔ ایک تو میں نے بیان کر دیا ہے اور اگر دوسرے کو بیان کروں تو میرے گلے کی مری کٹ جائے۔“

اب فرمائیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کون سا علم بیان کیا اور کس علم کے بیان کرنے سے گلا کتنا تھا — سوائے اس کے اور کوئی جواب نہیں کہ علم ظاہر یعنی شریعت کو تو بر ملا علی الاعلان بیان کر دیا اور علم باطن یعنی فقر کو بیان نہ کر سکے ورنہ نادان لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے قتل کر ڈالتے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم باطن:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسی ہی ایک حدیث کے راوی ہیں؛ فرماتے ہیں:

”اگر میں تم سے وہ حدیثیں بیان کروں جو میں جانتا ہوں تو البتہ تم تین

متفرق گروہ بن جاؤ — ایک گروہ تو میرے قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے

گا اور ایک مجھ کو جھٹلائے گا۔“

آپ اصحاب صفہ کے ایک بڑے آزاد قلندر ممبر تھے — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات فرصت اور تنہائی کے وقت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسرار الہی اور رموزات باطن کی تعلیم فرمایا کرتے تھے — اسی لئے آپ کا

خطاب ”صاحب السمر رسول اللہ ﷺ“ قرار پایا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ نے مسجد نبوی میں طالبین و مشاقین کو بڑے زور و شور سے باطنی اسرار کی تلقین شروع کر دی۔

ا۔ قدغن ہے کہ کوچہ میں ترے آنے نہ پائے
گر بے خبر آ جائے تو پھر جانے نہ پائے

یہاں تک نوبت پہنچی کہ عشاق امور دنیاوی سے دست کش ہو کر صحرائی اختیار کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس امر کی شکایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی۔ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا:

”کیا تم لوگوں کو دنیا خراب کرتے ہو، یہاں سے چلے جاؤ۔“

آخر کار بامر مجبوری مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کے مدائن میں جا کر قیام فرمایا، جہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عامل تھے۔ وہیں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ جس کی زیارت سے رام الحروف بھی مشرف ہو چکا ہے۔
علمائے ظواہر سے چند سوال:

علمائے ظواہر دونوں احادیث مذکورہ بالا کی نسبت یہ فرماتے ہیں کہ ان حدیثوں میں چونکہ حالات و مناقشات و مجادلات بنی امیہ مندرج تھے۔ جن کا ظہور بعد میں ہوا، اس خوف کے مارے کہ کہیں یہ لوگ ہماری گلو تراشی نہ کر ڈالیں، ان احادیث کو بیان نہیں کر سکے۔ استغفر اللہ! بزرگان دین پر ایسا سخت بے سرو پا حملہ کرنا علماء کی شان سے بہت بعید ہے۔

اب میں علمائے ظواہر سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں:

○ — اول تو یہ کہ اس دوسرے طرف میں بنی امیہ کے حالات کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

○ — دوم یہ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”صاحب السمر رسول اللہ“ کا جو خطاب دیا گیا ہے، یہ کیوں؟ — آیا اس لحاظ سے کہ انہوں نے احادیث

کو نبی امیہ کے خوف سے افشا نہیں کیا اور پوشیدہ رکھا۔ اس خطاب کی اگر یہی وجہ ہے تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خطاب کیوں نہیں ملا۔ حالانکہ گلو تراشی والی اس حدیث میں آپ بھی شریک ہیں اور اس ظرف حدیث کو آپ نے بھی افشا نہیں کیا۔

○ سوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں صاحبوں کو اپنا امین سمجھ کر اسرار سے اس لئے آگاہ فرمایا تھا کہ ان احادیث کا فیضان دوسروں کو پہنچائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کئے بغیر وہ فیض کیوں مخفی رکھا، ظاہر کیوں نہیں کیا تھا۔ کیا اپنی جان کے خوف سے! — هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ — ہمارے نزدیک تو ان حضرات نے اس فیض باطن کو ہرگز بند نہیں رکھا۔ اہل ظواہر کی یہ ایک من گھڑت بات ہے۔

ان احادیث میں چونکہ اسرار باطن پوشیدہ تھے لہذا عوام الناس ناقص العقل و کم فہم کے سامنے برملا ظاہر کر دینے میں اپنی ہلاکت کا باعث سمجھے اور خواص کو خفیہ طور پر تنہائی میں جیسا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ کار تھا، فیض یاب فرمایا۔ چنانچہ وہ اسرار الہی و رموزات باطن جن کو فقر تصوف و علم باطن کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے ذرائع سے سینہ بسینہ آج تک چلے آ رہے ہیں اور تا قیام قیامت یہ فیضان حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاری و ساری رہے گا۔ البتہ عوام الناس کو تاہ اندیشوں کے سامنے علم باطن کا اظہار کرنا اب بھی موجب ہلاکت ہے اور قابلِ دار۔ جیسے حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ سمجھے گئے، سچ ہے:

آں راز کہ در سینہ نہاں ست نہ وعظ است

بر دار تو اں گفت و بہ منبر نتواں گفت

یعنی ”وہ راز جو میرے سینہ میں پوشیدہ ہے وہ کوئی وعظ نہیں ہے، وہ راز تو سولی پر ہی کہا جاسکتا ہے، منبر پر نہیں کہا جاسکتا۔“

اللہ کے رازوں کے خزانے (اسرار الہی کے مخزن):

ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

”یہاں بہت سے علوم ہیں، اگر میں ان کے متحمل پاتا — اولیاء اللہ کے سینے اسرار الہی کی قبریں ہیں۔“

یعنی عام لوگ ان کے متحمل نہیں۔ اس لئے آپ نے بھی خاص خاص کو مثلاً:

○ — حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

○ — حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

○ — خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ

○ — حضرت کمال ابن زیاد علیہ الرحمہ

وغیرہم کو تعلیم فرمایا — جو چیز بیش بہا (قیمتی) ہوتی ہے وہ عام طور پر نہیں کہتی۔

بلکہ خاص طور پر خاص خاص ہی کو ملتی ہے۔ اس دُرّ مکنون کے لئے سرمایہ عقل و فراخی حوصلہ و ہمت درکار ہے۔

علم کشف:

اس علم (باطن) میں ایک شعبہ کشف ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

○ — کشف کوئی

○ — کشف ذاتی

کشف کوئی وہ ہے کہ سالک کو احوال عالم سے روز اطلاع ہو جائے — اور

ذاتی کشف وہ ہے کہ عارف کو ذات حق و حقیقت اشیاء عالم کا انکشاف ہو۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرف اشارہ

فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ۔ یعنی ”اے اللہ! مجھے حقیقت اشیاء ہو بہو دکھا۔“

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کشف کوئی معلوم ہوا تو ایک روز جوش میں آ

کر کہنے لگے:

”یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر حکم ہو تو بہشتیوں اور دوزخیوں

کو جدا جدا اور حشر و نشر کا حال بالتفصیل بیان کر دوں!“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”بس تیرا گھوڑا بہت گرم ہو گیا ہے، اسے ذرا ٹھنڈا کر۔“

اس حدیث کو شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ”ارشاد

المریدین“ میں نقل فرمایا ہے۔

سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال مولانا روم کی زبانی:

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کشف کوئی کا حال مولانا روم نے بیان فرمایا

ہے:

گفت پیغمبر صبح زید را کئیف اَصْبَحْتَ اے رفیق باصفا

”ایک دن صبح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے رفیق باصفا! تیری صبح کیسی ہے تیرا کیا

حال ہے۔“

گفت عَبْدًا مُؤْمِنًا بازو ش گفت گونشاں از باغ ایماں گر شگفت

”انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تو ایک بندہ مومن ہوں — پھر

ان سے فرمایا: اگر تجھ پر ایمان کے باغ کا کوئی نشان ظاہر ہوا تو بتا!“

گفت تشنہ بودہ ام من روزہا شب نمی ختم ز عشق و سوزہا

”انہوں نے عرض کیا: میں بہت دنوں سے پیاسا تھا اور رات کو بھی عشق و

سوز کے مارے ہرگز نہیں سوتا تھا۔“

تاز روز و شب جدا گشتم چناں کہ زاپر بہ گذر د نوک سنان

”جب میں روز و شب اس طرح جدا رہا کہ جیسے ڈھال میں سے تیر کی

نوک پار ہو جاتی ہے۔“

۔ کہ ازاں سو جملہ ملت ہائیکے است صد ہزاراں سال ویک ساعت کی است
 ”تو پھر معلوم ہوا کہ اس طرف تو تمام مذہب و ملت ایک ہی ہیں۔ سو
 ہزار سال اور ایک ساعت سب برابر ہے۔“

۔ ہست ازل را وابدرا اتحاد عقل را رہ نیست سوئے اعتقاد
 ”ازل وابدکا ایسا اتحاد ہے کہ وہاں عقل کو یقین کی راہ نہیں ملتی۔“

۔ گفت ازیں رہ کورہ آوردی بیار درخور فہم و عقول ایں دیار
 ”فرمایا! اس راہ پر آنکھیں بند کر کے دوست کے ساتھ چل، یہ بات عقل و
 فہم میں آنے کے لائق نہیں ہے۔“

۔ گفت خلقاں چوں نہ بیند آساں من بہ بینم عرش را با عرشیاں
 ”غرض کیا: لوگوں کو تو آساں بھی اچھی طرح نظر نہیں آتا جب کہ میں عرش
 معلیٰ کو عرش والوں کے ساتھ دیکھتا ہوں۔“

۔ ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ہست پیدا ہم چو بہت پیش من
 ”آٹھوں جنتیں اور ساتوں دوزخ میری نظر کے سامنے ہیں۔ جس طرح
 کہ برہمن کے سامنے بت ظاہر ہوتے ہیں۔“

۔ بک بیک درے شام خلق را ہم چو گندم من ز جو در آسیا
 ”میں مخلوق میں سے فوراً پہچان لیتا ہوں بلکہ ویسے جس طرح کہ جو میں
 گندم چکی میں سے نظر آ جاتا ہے۔“

۔ کہ بہشتی کیست بیگانہ کیست پیش من پیدا چو مور و ماہی است
 ”اور مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے بہشتی کون ہے اور دوزخی کون
 ہے۔۔۔ یہ سب اسی طرح میرے سامنے ظاہر ہے جیسے مور اور مچھلی
 ہوں۔“

۔ ایں زماں پیدا شدہ برائیں گروہ یوم تبیض و تسود و جوه
 ”ان گروہوں کی پیدائش دنیا پر اس وقت ہوئی جس دن چہرے سیاہ اور

سفید کئے گئے۔“

۔ جملہ را چوں روز رستا خیز من فاش می بینم عیاں از مرد و زن
”پیدائش کے دن سے ہی جس طرح وہ ہیں میں ان سب مردوں اور
عورتوں کو ظاہر دیکھتا ہوں۔“

۔ یا رسول اللہ! بگویم سرِ حشر در جہاں پیدا کنم امروز نشر
”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر حکم ہو تو میں حشر کا راز بھی بیان
کر دوں! اور اگر حکم ہو آج ہی روز قیامت پیدا کر دوں!“

۔ بل مرا تا پردہ ہارا بردرم تا چو خورشیدے بہ تا ابد گوہرم
”آپ اگر اجازت دیں تو میں پردہ فاش کر دوں تاکہ میرا چمکتا ہوا سوتی
سورج کی طرح چمکنے لگے۔“

۔ تا کسوف آید زمن خورشید را تا نمایم نخل را و بیدار
”چمک دک سے سورج کو بھی گرہن لگ جائے اور میں نخل اور بید کو بھی
(یعنی ہر اچھے برے کو) ظاہر کر دوں!“

۔ و انما یم روز رستا خیز را نقد را و نقد قلب آمیز را
”روز پیدائش کو بھی ظاہر کر دوں نقد کو بھی اور کھوٹے کھرنے طے جلع کو
بھی۔“

۔ دست ہابہ بریدہ اصحاب شمال دا نمائم رنگ کفر و رنگ آل
”شمال والوں کے کٹے ہوئے ہاتھ اور کفر و اسلام کے رنگ کو بھی ظاہر کر
دوں!“

۔ وا کشائم ہفت سوراخ نفاق در ضیائے ماہ بے حنف و محاق
”میں نفاق کے سات سوراخ بھی ظاہر کر دوں چاند کی روشنی میں بغیر کسی
پردہ پوشی کے۔“

۔ وا نمایم من پلاس اشقیاء بہ شنوائم طبل و کوس انبیاء

”میں ظالموں اور پتھر دلوں کے لباس دکھا دوں۔ انبیاء کرام کے طبل و کوس کی آواز بھی سنا دوں کہ انہوں نے کس طرح بے باکی سے حق کا اعلان کیا ہے۔“

۔ دوزخ و جنات و برزخ درمیاں پیش چشم کافراں آرم عیاں
”دوزخ اور جنت اور برزخ بھی درمیان میں موجود ہیں۔ میں کافروں کی نگاہوں کے سامنے ان کو لے آؤں۔“

۔ وانما یم حوض کوثر را بد جوش کاب برادشاں زند بانگش بہ گوش
”حوض کوثر کے جوش مارتے ہوئے پانی کو بھی ظاہر کر دوں اور اہل ایمان کے لئے اس کا پانی کس طرح سے اچھلتا ہے اس کی آواز سناؤں!“
۔ واں کہ تشنہ گرد کوٹھے سے دوئند یک بیک را وانما یم تا کیند
”جو بھی پیاسے حوض کوثر کی طرف دوڑتے ہیں میں ایک دم ظاہر کر دوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے طالب کون ہیں۔“

۔ می بسایند دوش شاں بردوش من نعرہ ہاشاں میرسد در گوش من
”اہل ایمان کے کندھے میرے کندھوں سے ٹکراتے ہیں۔ ان کے شوق کے نعرے میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔“

۔ اہل جنت پیش چشم انتظار در کشیدہ یک بیک را در کنار
”اہل جنت میری نظروں کے سامنے منتظر ہیں اور خوشی کے عالم میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں۔“

۔ دست یک دیگر زیارت می کنند و زلباں ہم بوسہ غارت می کنند
”ایک دوسرے سے مصافحہ کر کے ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا منہ چومتے ہیں۔“

۔ کر شد ایں گوشم زباگ آہ آہ! از حنین و نعرہ ہا ”واحررتا“
”اس آہ آہ کی آواز سے میرے کان بہرے ہوئے جاتے ہیں جو کہ حنین

کے میدان جنگ سے ”ہائے حرّت“ کے نعروں کی صورت بلند ہوتی ہے۔“
 - ایں اشارت ہاست گویم از نفل۔ ایک می ترسم ز آزار رسول
 ”میں نے یہ جو اشارے بیان کئے ہیں اس (راز کھولنے کے سبب) میں
 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی سے ڈرتا ہوں۔“

- ہم چینیوں سے گفت و سرت و خراب داد پیغمبر گریبانش بہ تاب
 ”جب اس قسم کے چھپے رازوں کی باتیں اس سرست عشق و سوز نے بیان
 کیں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کے گریبان مبارک کو پکڑ کر پلایا اور فرمایا:“

- ہن بہ گویم یا فرو بندم نفس لب گزیش مصطفیٰ یعنی کہ بس
 ”خبردار! میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنا سانس بند کر لو اور راز کے بارے
 میں بات چیت ختم کرو اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بات
 ختم کر دی۔“

- گفت دم درکش کہ اسپت گرم شد عکس حق لا یستخفی زو شرم شد
 ”پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی گفتگو کو روک لو
 تمہارا گھوڑا بہت گرم ہو گیا ہے۔ عکس حق نے لا یستخفی فرمایا تو وہ شرم
 سار ہو گئے۔“

- آئینہ تو جست بیروں از غلاف آئینہ و میزاں نے گوید خلاف
 ”تیرا آئینہ اپنے غلاف سے باہر آ گیا جب کہ آئینہ و میزاں کبھی خلاف
 نہیں کیا کرتا۔“

رازِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کنواں:

بھلا وہ کون سی بات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ
 وجہہ الکریم کو تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرنا۔ سیدنا علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت ضبط کیا آخر جب ضبط کو یارانہ رہا تو مدینہ منورہ سے باہر

جنگل میں تشریف لے گئے۔ جنگل میں ایک کنوئیں کے کنارے بیٹھ کر اس راز کو بیان کیا۔ اس کنوئیں کا پانی خون ہو گیا۔ آج بھی مدینہ منورہ میں ”بیر علی“ مشہور ہے۔ آخر وہ کون سا علم تھا جس کی وجہ سے حضرت زید اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جوش آیا تھا۔

سیدنا اولیس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال شیخ عطار کی زبانی:

حضرت اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جبہ مبارک کیوں عنایت فرمایا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کو حضرت اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک دینار کے بدلے میں کیوں فروخت کرتے تھے۔ اس قصے کو شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ نے یوں بیان کیا ہے:

۔ چوں عمر پیش اولیس آمد بہ جوش گفت انگندم خلافت راز دوش
”جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جوش میں آئے تو فرمایا کہ میں بار خلافت کو اپنے شانوں سے اتار دیتا ہوں۔“

۔ گر خلافت را خریدارے بود می فروشم گرید ینارے بود
”اس خلافت کا اگر کوئی خریدار ہو تو میں اسے ایک دینار میں بھی فروخت کرنے کو تیار ہوں۔“

۔ چوں اولیس این حرف بہ شنید از عمر گفت رو بہ گزار فارغ در گزر
”جب حضرت اولیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بات سنی تو فرمایا: تم ظاہر داری کو چھوڑ دو اور فارغ ہو جاؤ۔“

۔ تو بیفکن ہر کہ سے خواهد ز راہ بار بر گیرد رود تا پیش گاہ
”تو غیر چیزوں کو چھوڑ دے اور جو ضروری زاد راہ چاہئے لے کر روانہ ہو تاکہ آگے پہنچ جائے۔“

۔ چوں خلافت خواست انگنڈش امیر آں زماں برخواست از یاراں نفیر
 ”حضرت امیر المؤمنین نے جب خلافت کو چھوڑ دینا چاہا تو اس وقت ان
 کے دوست احباب نے شور فریاد بلند کیا۔“

۔ جملہ گفتندش کن اے پیشوا خلق را سرگشتہ از بہر خدا
 ”سب نے مل کر ان سے عرض کیا ”اے ہمارے پیشوا— خدا کے لئے
 آپ ایسا ہرگز نہ کیجئے۔ اس طرح تو خلق خدا گمراہ و پریشان ہو جائے گی۔“
 ۔ عہدہ در گردنت صدیق کرد آن نہ عدا کہ بر تحقیق کرد
 ”یہ عہدہ جلیلہ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے سپرد
 کیا ہے انہوں نے یہ کام جان بوجھ کر نہیں کیا بلکہ حق اور مناسب سمجھتے
 ہوئے کیا ہے۔“

۔ گر توے چچی سر از فرمان او ایں زماں از تو بر نجد جان او
 ”آپ اگر ان کے فرمان مبارک سے سر پھیرتے ہیں تو اس طرح آپ
 ان کی روح مبارک کو دکھ پہنچاتے ہیں۔“

۔ چوں شنید ایں حجت محکم عمر کار ازیں حجت برد شد سخت تر
 ”پھر جب یہ مضبوط دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنی تو پھر اس
 دلیل کی وجہ سے ان پر یہ کام سخت دشوار ہو گیا اور یوں وہ اپنے ارادے
 سے باز آ گئے۔“

ربو بیت ایک راز ہے:

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ ”احیاء العلوم“ میں لکھتے ہیں کہ بعض عارفوں نے
 ارشاد فرمایا ہے کہ ربو بیت کا ایک راز ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو نبوت بیکار ہو جائے اور
 نبوت کا ایک مجید ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو علم نکما ہو جائے۔ عارفوں کا بھی ایک راز
 ہے اگر وہ اس کو افشاء کریں تو احکام شرع بے کار ہو جائیں۔

عرفاء کے علوم:

حضرت سبیل تستری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ عالم یعنی عارف کو تین علم عنایت

ہوتے ہیں:

- — علم ظاہر یعنی شریعت
- — علم باطن یعنی طریقت
- — علم معرفت یعنی فقر و فنا

(۱)

عارف علم ظاہر یعنی شریعت جمع جن وانس کو تعلیم فرماتا ہے —

(۲)

علم باطن یعنی طریقت سوائے اس کے اہل کے عام کو تعلیم نہیں کر سکتا۔

(۳)

علم معرفت یعنی فقر و فنا کہ تصوف میں اس سے افضل و اعلیٰ مرتبہ نہیں اور یہ راز الہی ہے کہ اس کو بغیر علم خاص کے تلقین نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جو مامور بہ حکم خدا ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحکم خداوندی راز مخفی سے مطلع کیا۔ چنانچہ یہ قصہ قرآن شریف میں ہے۔ اگر ایسا علم عام طور پر تعلیم کیا جاتا تو احکام شرع درہم برہم ہو جاتے اور عوام الناس ہلاک و تباہ — اسی لئے فقر کی تعلیم سینہ بہ سینہ ہوتی ہے — یہ امانت اسی کو سپرد کی جاتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کی قابلیت عطا فرمائی ہو — ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یُّشَاءُ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے۔

اسرار فقر:

اگر کوئی کہے کہ جب علم فقر و معرفت راز الہی ہے تو پھر تم نے اسے کیوں لکھا

ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسرارِ فقر نہ کبھی تحریر میں آئے اور نہ آ سکتے ہیں بلکہ جو کچھ تحریر میں آیا ہے وہ عبارت و اشارت ہے۔ حصول اسرار کی تشویق کے لئے نہ کہ عین اسرار کے لئے۔ بالفرض اگر اس تحریر کو بھی علم اسرار کہا جائے تو ہم نے خواص کے لئے لکھا ہے نہ کہ عوام کے لئے۔ عامی جہلا سوائے بطور و حروف کے اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اگر پڑھ بھی لیں تو مقصود کا سمجھنا محال ہاں جو شخص صاحب عقل سلیم اور صحبت فقراء کا فیض یافتہ ہوگا اس کو ان مضامین میں کسی طرح کا شک و تردد پیدا نہ ہوگا بلکہ خاطر خواہ اپنا مطلب اس میں سے اخذ کرے گا۔

اسرار القرآن والحدیث:

ہم نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے اس سے کروڑوں حصے زیادہ قرآن شریف و احادیث میں کھلم کھلا اسرار درج ہیں۔ اگر ہم نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی تو کیا گناہ کیا۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں چند آیات و احادیث بطور مشتمل نمونہ از ازخروارے پیش کرتا ہوں۔ ارشاد باری ہے:

أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا.

”اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو راہ پر لادے سب آدمیوں کو۔“ (پ ۱۳ ع ۱۰)

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ.

”اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی فرقہ بنا دیتا لیکن گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“ (پ ۱۳ ع ۹)

• وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هَدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

”اگر ہم چاہتے ہیں تو البتہ ہم دیتے ہر ایک جی کو ہدایت لیکن ثابت ہوا ہے میری طرف سے یہ حکم کہ ضرور پر کروں دوزخ کو جن اور انسان میں

سے۔“ (پ ۲۱ ع ۱۵)

فَالْتَمَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا.

”یعنی اس کے جی میں ڈالی بدکاری اس کی اور پرہیزگاری اس کی۔“

(پ ۳۰، ع ۱، سورہ شمس)

اب چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ”اے ابو ہریرہ! خشک ہو گیا قلم ساتھ اس چیز کے کہ تو ملنے والا ہے۔“
 (۲) ”مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس برس پہلے لوگوں کی تقدیر لکھی گئی ہے۔“

(۳) ”بخاری اور مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بحکم خدا فرشتے بچے کا عمل و اجل و رزق و شقی و سعید اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے۔“

(۴) ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کام کرتا ہے دوزخیوں کے اور تحقیق وہ اہل بہشت سے ہوتا ہے اور کرتا ہے کام بہشتیوں کے اور ہوتا ہے اہل نار سے — اور نہیں اعتبار اعمال کا مگر خاتمہ پر۔“

اب فرمائیے کہ یہ اسرار نہیں تو کیا ہیں —

ع گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

اور اگر سچ پوچھتے ہو تو تمام کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اولہ الی آخرہ اسرار سے معمور اور بھرپور ہیں۔ مگر ان میں سے بھی خاص لوگ ہی واقف سے واقف ہیں۔ ورنہ عام لوگ سوائے تلاوت قرآن کریم کے اور کچھ نہیں جانتے — غرض کہ اسرار تصوف علم کتابی نہیں اور نہ کتابوں کے دیکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ سمجھ میں آ سکتے ہیں نہ ہی کسی صاحب مذہب نے کوئی ایسی کتاب لکھی ہے کہ جس کے مطالعہ سے اسرار تصوف منکشف ہو جائیں۔

۔ بو ضیفہ ز عشق درس تکلف شافعی را درد روایت نیست
 ضبل ز عشق نیز بے خبر است مالکی را درد حکایت نیست
 یعنی ” حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے عشق کا درس نہیں دیا —
 حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے بھی اس کے متعلق کوئی روایت نہیں آئی
 ہے — حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ بھی اس عشق سے بے خبر
 ہیں — حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے بھی اس کی کوئی حکایت نہیں
 سنی ہے۔“

جیسی عقل ویسا علم:

ان احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ
 اگر کوئی شخص کسی امر میں تم سے سوال کرے تو تم اس کی عقل کے موافق ایسا جواب دو کہ
 وہ سمجھ جائے اور اسے دوبارہ دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے — ایسا پیچیدہ جواب
 نہ دو کہ وہ خرابی میں پڑے اور اسی تردد میں تباہ و ہلاک ہو جائے — یعنی جہاں تک
 اس کی عقل کی رسائی ہو وہاں تک سمجھا دو تا کہ وہ تردد سے محفوظ رہے — یہ نہیں فرمایا
 کہ تم اپنے دل کی کوئی بات کتاب میں نہ لکھو۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی شخص قلم نہ اٹھاتا اور
 کاغذ سیاہ نہ کرتا اور دین و دنیا کے تمام علوم اسرار صفحہ جہان سے یک قلم مفقود ہو جاتے
 کسی علم کا نام و نشان باقی نہ رہتا — بزرگان سلف نے اپنے اپنے رسائل و کتب میں
 ہر قسم کے نکات و اسرار بیان فرمائے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ
 انہی بزرگان دین سے جو حصہ ملا ہے اور انہی اولیاء اللہ کا فیض و اسرار جو دل نشین ہوا
 ہے، انھیں مارتے ہوئے اسی سمندر میں سے ایک نہر صحرائے عالم میں ہم نے بھی
 جاری کی ہے۔ تاکہ طالبان تشنہ دل سیراب ہوں اور پیاس بجھائیں — چنانچہ جو کچھ
 کتابوں میں لکھا ہے یا لکھا جائے گا، یہ سب اس علم اسرار و فقر و تصوف کے آداب و
 ارکان و آثار و اطوار و منازل و مقامات و قواعد و آلات و اسباب و وسائل ہیں تاکہ
 طالب کوشوق زیادہ پیدا ہو۔

۔ نہ تھا عشق از دیدار خیزد
 بسا کایں دولت از گفتار خیزد
 یعنی ”عشق صرف دیدار و نظارہ ہی سے نہیں پیدا ہوتا“ بلکہ یہ دولت اکثر
 میٹھی میٹھی باتوں سے بھی حاصل ہوتی ہے۔“

فقر ایک راز ہے:

بوقت تحصیل زیادہ دقت نہ اٹھائے اور آسانی سے مراحل فقر کو طے کر کے اپنے
 مقصود اصلی کو پہنچ جائے۔ ورنہ یہ نوشت کچھ فقر نہیں ہے، نہ نوشت میں آسکتا ہے۔
 کیونکہ فقر ایک راز ہے جو تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ وہ ایک روحی اثر ہے جو پیر کامل مرید
 کے دل میں ڈالتا ہے اور اس کو سیرالی اللہ و سیر مع اللہ و سیر فی اللہ کرا کے خدا کے سپرد کر
 دیتا ہے۔ اس کے بعد جو راز و نیاز اس کے اور خدا کے درمیان پیش آتا ہے اس کو
 فقر کہتے ہیں۔ یہ حد تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ جیسے کیفیت سرور، جیسے صحبت عاشق و
 معشوق۔

لہذا یہ علم فقر، فقراء و انبیاء کا علم سینہ ہے نہ کہ علم سفینہ۔ کسی عاقل و صاحب فہم
 سلیم کو کچھ تردد و شک اس میں نہیں ہوتا۔ پس جہاں تک ممکن ہے میں بھی اس میں
 قلم فرسائی کرتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔

بندوں کی اقسام:

- حدیث پاک میں ہے کہ بندے تین قسم کے ہیں:
- بعض بہائم کی مانند ہیں کہ سوائے کھانے پینے سونے اور شہوت رانی کے کوئی
 اور کام نہیں رکھتے۔
 - بعض فرشتوں کی مانند ہیں کہ ان کی ہمت تسبیح و تہلیل اور نماز و روزہ وغیرہ
 صفات ملائکہ کے حصول میں مصروف رہتی ہے۔
 - بعض مثل انبیاء کے ہیں کہ ان کی ہمت عشق و محبت و رضا و تسلیم میں مصروف
 ہے۔

دنیا کے مسافر:

حدیث پاک میں ہے کہ مسافر تین قسم کے ہیں:

- طالب دنیا
- طالب عقبی
- طالب مولیٰ

(۱)

بعض دنیا میں سفر کرتے ہیں اور ان کا راس المال دنیا ہے اور اس کا سود گناہ و ندامت — یہ لوگ بہائم و انعام کے مثال ہیں کہ سوائے حرص و ہوا و نفس پرستی کے اور مشغلہ نہیں رکھتے — گویا ان کا سفر و مجاہدہ دنیا کے لئے ہے۔ وہ تخت ہیں اور اکثر ایسے ہی ہیں۔

(۲)

بعض آخرت کا سفر کرتے ہیں۔ ان کا راس المال طاعت و عبادت ہے اور اس کا سود جنت — یہ لوگ حصول صفات ملائکہ میں کوشش کرتے رہتے ہیں — یہ طالب عقبی ہیں جو آخرت کے لئے دوڑتے ہیں یہ مونث ہیں۔

(۳)

بعض لوگ خدا کی طرف سفر کرتے ہیں۔ ان کا راس المال معرفت ہے اور اس کا سود دیدار الہی ہے — یہ لوگ انبیاء کی مانند ہیں کہ رضا و تسلیم کا لباس اپنے تن پر آراستہ کر کے عشق و محبت کی ریل گاڑی میں سوار ہو کر گنج مخفی کُنْزِ اَمْحُفِیَّا کے حصول کے لئے جو طلسمات بوقلموں سے معمور ہے۔ امداد الہی کا نوشتہ لے کر بہ ہمت تمام اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا هِيَ کی دعا مانگتے ہوئے خدا کی طرف سفر کرتے ہیں — یہ طالب مولیٰ ہیں جو معرفت الہی کے حصول کے لئے سفر کرتے ہیں۔ بہت ہی تھوڑے بلکہ شاذ و نادر ہیں۔ ان کو مذکر کہتے ہیں۔ کسی کامل کا کہنا ہے:

طَالِبُ الدُّنْيَا مُخَنَّتٌ وَطَالِبُ الْعُقْبَى مُؤَنَّثٌ وَطَالِبُ الْمَوْلَى
مُذَكَّرٌ

ہر مسافر علی قدر استعداد و مراتب مجاہدہ اپنے مطلوب کو حاصل کرتا ہے۔ ارشاد
باری تعالیٰ ہے:

”جو کوئی چاہے دنیا کی جزا ہم دیں گے اس کو اس میں سے — اور جو
کوئی چاہے جزا آخرت کی دیں گے ہم اس کو اس میں سے — اور
شتاب بدلا دیں گے ہم شکر کرنے والوں کو —“

یعنی جو لوگ ہماری بانٹ پر شکر کرتے ہیں اور ہمارے سوا کسی کی طلب و تلاش
میں نہیں دوڑتے بلکہ ہماری ہی جانب سفر کرتے ہیں۔ ہم ان کو بہت جلد بدلہ دیں گے
کہ وہ علم معرفت و دیدار الہی ہے — وَسَنَجْزِي الشُّكْرِيْنَ سے مراد یہ تیسرا گروہ
ہے۔ جس کو طالب مولیٰ کہتے ہیں۔

بے نظیر بدلہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ.

”اور جن لوگوں نے محنت اور مجاہدہ کیا ہماری راہ میں (راہ معرفت میں) تو البتہ
دکھادیں گے ہم ان کو اپنی راہ (راہ توحید و معرفت) اور تحقیق اللہ تعالیٰ البتہ ساتھ احسان
کرنے والوں کے ہے۔“ (پ ۲۱ ع ۳)

یہاں احسان کے معنی ہیں: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا نَكَ تَرَاهُ یعنی جس کی عبادت
مخلص دل اس شان و شوکت کی ہوگی۔ تا بالضرور ہم اس کو بالعلم والعین ہر تہ حق الیقین
دکھادیں گے کہ ہم اس کے ساتھ ہیں — پس اسی معرفت کا نام بدلہ ہے اور کیا ہی
بہتر و بے نظیر بدلہ ہے یعنی دیدار الہی۔

مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

یعنی ”جن اشخاص نے حصولِ انا میں محنت و مجاہدہ کیا تو البتہ ان کو دکھا دیں
گہراہ حصول۔“

اَنَا فَانْفَهْم۔ لیکن یہ سعادت ابدی اس وقت نصیب ہو سکتی ہے کہ حصولِ معرفتِ الہی
میں کما حقہ مجاہدہ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي
الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. (پ ۱۷ ع ۱۷)

یعنی ”اور محنت کرو راہِ خدا میں یعنی (حصولِ معرفتِ الہی میں) جو اس کے
مجاہدہ کا حق ہے اس نے برگزیدہ کیا تم کو (یعنی وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ کے
خطاب سے سرفراز فرمایا) اور نہیں کی اور تمہارے بچہ دین کے کچھ تنگی۔“
یعنی ”یہ دینِ اسلام تم کو نہایت کشادہ و آسان راستہ دیا گیا ہے مگر حصول
معرفتِ الہی میں جہادِ اکبر یعنی مخالفتِ نفس و ریاضتِ سخت کی ضرورت
ہے۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو آپ
نے فرمایا:

”ہم واپس ہوئے جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف۔“

یعنی کہ وہ جہادِ مخالفتِ نفس ہے۔ یعنی نفس کو حیوانی و شہوانی خواہشات سے روکنا
لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عبادت و ریاضت و مجاہدہ بلا شرکتِ غیرے ہو۔ ارشاد
باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ
أَحَدًا

”پس جو کوئی امید رکھتا ہے اپنے پروردگار کی ملاقات کی۔ چاہنے کہ عمل
کرے نیک اور شریک نہ کرے اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی ایک
کو۔“ (پ ۱۶ ع ۳)

یعنی جنت کی امید رکھتے ہوئے اور دوزخ کے خوف سے عبادت نہ کرے بلکہ
خالصاً لوجہ اللہ عبادت کی جائے۔

نفس مطمئن:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ.

یعنی ”جو اپنے نفس کو حیوانی و شہوانی خواہشات سے روکتا ہے پس تحقیق جنت اس
کی آرام گاہ ہے۔“

یہ وہ لوگ ہیں جن کا نفس مجاہدہ و محنت شاقہ میں معرفت الہی حسب استعداد حاصل
کر کے مطمئن ہو چکا ہے یعنی بعد موت ارادی یعنی مُؤْتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا — اور
ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اذْجِئِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً
فَأَدْخِلِي فِي عِبَادِي وَادْخِلِي جَنَّتِي.

”اے نفس (معرفت الہی میں) آرام پکڑنے والے چل اپنے پروردگار کی
جانب راضی خوشی۔ پس داخل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری
بہشت میں۔“ (پ ۳، ع ۱۵، سورہ قمر)

خاص بندے، خاص جنت:

خاص بندگان الہی وہ ہیں جن کی شان میں آیا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۝ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (پ ۱۱، ع ۱۲)

یعنی ”جو میرے بندے ہیں تجھ کو ان پر زور نہیں سن رکھو جو لوگ اللہ کے
دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔“

اور خاص جنت الہی وہ ہے جس کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اشارہ فرمایا ہے:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ جَنَّةً لَيْسَ فِيهَا حُورٌ وَلَا قَصُورٌ يَتَجَلَّى فِيهَا رَبُّنَا
ضَاحِكًا.

”جنت میں ایک جنت ہے نہ اس میں کوئی حور ہے اور نہ قصور — اس

میں تجلی فرمائے گا ہمارا پروردگار خوشنود اور رضامند ہو کر۔“

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو جو حیات دنیا میں اپنے رب کی معرفت حاصل کر

چکے ہیں اسی جنت میں خوش اور رضامند ہو کر اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرمائے
گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رَبُّنَا فرمایا ہے اَلِهٰنَا نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ
دیدار الہی بالشریحہ محال ہے۔ البتہ دیدار انوار اسماء و صفات و ذات الہی بالشمیہ ضرور ہو
گا۔ کلمات ربُّ رَبُّنَا اور رَبُّنَا شاید حال ہیں۔ ہر مقام پر ان الفاظ سے خود معلوم ہو
جائے گا کہ یہاں ذات الہی مراد ہے یا اسماء الہی جو ارباب ہیں — احدیت ذات
اس مرتبہ میں ذات صمد غنی عن العالمین ہے — حیات و علم ارادہ و قدرت، سمع و بصر
اور جمیع صفات اور ان کے اضداد سے من کل الوجوه مبرا و منزہ ہے — چونکہ ذات کو
بذات خود عالم کا ایجاد کرنا شان احدیت ذاتی کے خلاف تھا۔ چنانچہ احدیت ذات نے
مرتبہ وحدت میں صفاتی تجلی فرمائی — اور ذات موصوف بہ صفات اسماء مختلفہ ہو کر
انہیں صفات کے ذرائع سے کار فرمائے عالم ہوئی — ذات نے اپنے اسماء حسنی
صفاتیہ سے کام لیا۔ مخلوقات کو محبوب اور اسماء کو ارباب بنانا، تاکہ ہر ایک اپنے رب کی
طرف متوجہ رہے — اپنی ذات کو اسی طرح اپنے مرتبہ صمدیت و غنائیت میں قائم و
برقرار رکھا — واہ سبحان اللہ! کریں خود اور نام دوسروں کا — مگر دانا داند و بینا بیند
کہ پردھائے اسماء صفات و شیوات میں صِبْغَةُ اللہ یعنی اللہ ہی رنگ جلوہ افروز ہے۔

۔ بہر رنگے کہ خواہی جامہ درپوش

من انداز قدرت رامی شام

یعنی ”تو چاہے جس رنگ کا لباس زیب تن کر لے، مگر میں تیرے قد کے انداز کی پہچان رکھتا ہوں۔“

اپنے نفس کی شناخت:

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اسماء الہی احاطہ حد و حصر سے باہر ہیں، اور ہر ایک اسم الہی ہر ایک شے اور ہر ایک شخص کا رب و مدبر و تربیت و پرورش کنندہ ہے۔ یعنی جملہ صفاتی اسماء الہی عالم امر اور عالم خلق کے ارباب ہیں۔ جمع اشیاء عالم امر اور عالم خلق مربوب اور اللہ کہ اسم احدیت ذات ہے، رب الارباب کہلاتا ہے۔ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام کا رب علی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا:

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا. (پ ۱۶ ع ۷)

یعنی ”وہ تھا اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ کہ اپنے رب کے خلاف کوئی عمل نہ کرتا تھا۔“

لہذا ہر شخص اپنے رب کی مرضی کے موافق عمل کرتا ہے، بال برابر اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جس شخص نے اپنی حالت کے اعتبار سے اپنے نفس کو شناخت کر لیا ہے کہ میں کس رب کا مربوب ہوں یعنی میں اسماء حسنی کے کون سے اسم سے تعلق رکھتا ہوں۔

○ — اگر حالت ہدایت پر ہے تو اسم ہادی اس کا رب ہے

○ — اگر گمراہی پر ہے تو اسم مضل اس کا رب ہے۔

علیٰ ہذا التیاس جبار و قہار و منتقم و رحیم و کریم وغیرہ۔ اسی لئے ہر شخص اپنی حالت کے اعتبار سے اپنے رب کا عرفان اپنی استعداد کے مطابق حاصل کر سکتا ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے یہی معنی ہیں۔ قیامت کے دن بھی ہر شخص

اپنے رب کے دیدار سے حسب حیثیت عرفان مشرف ہوگا۔ اسی لحاظ سے بہشتی

میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ اولیاء کرام بھی دنیا و آخرت میں اپنے اپنے رب کے دیدار سے حسب استعداد مشرف ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ یعنی صفائی انوار کا جلوہ پائیں گے نہ کہ ذاتی جلوہ۔ اس لئے کہ قدرت انسانی سے برتر اور حواس ظاہری اور حواس باطنی کے احاطہ و ادراک سے پاک و منزہ ہے۔

جلوہ طور کا نظارہ:

اسی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لَنْ تَرَ ابْنِي كَا حَكْمِ هُوَا تَهَا بَلَكَا اپنے رب کا جلوہ بھی برداشت نہ کر سکے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

”جب آیا موسیٰ ہمارے وعدہ کے لئے اور کلام کیا اس سے رب اس کے نے۔۔۔ کہا: اے رب میرے دکھلا دے مجھ کو دیکھوں میں تیری طرف۔ اللہ نے فرمایا: نہ دیکھ سکے گا تو مجھ کو مگر نظر کر پہاڑ کی طرف اگر قائم رہے اپنی جگہ پر۔۔۔ پس البتہ دیکھ سکے گا تو مجھ کو۔۔۔ چنانچہ جب تجلی کی اس کے پروردگار نے پہاڑ کی طرف کیا اس کو ریزہ ریزہ اور موسیٰ بے ہوش گر پڑا۔“

چہ جائیکہ ذاتی جلوہ!۔۔۔ اس لئے کہ وہاں فنائے کلی ہے۔ ”نہ تو مانی اور نہ من“ کے مضمون میں دیدار کہاں۔۔۔ ہاں الہامات و اتصال و اکرام و انعام الہی درجہ نقابت ہوں گے۔

جلوہ معراج کی بات ہی کچھ اور ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتی قرب رکھتے ہیں اور معراج شریف میں ذاتی جلوہ پا چکے ہیں اور پاتے تھے اور پائیں گے۔۔۔ لَبِئْسَ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ شاہد حال ہے اور اولیاء اللہ مکملین جو دنیا میں اپنے رب کے جلوہ دیدار کے متحمل ہو چکے ہیں۔۔۔ قیامت کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اپنی اپنی استعداد کے مطابق ذاتی جلوہ سے مشرف ہوں گے۔ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے کرم

سے اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق ذاتی جلوہ سے ہمکنار ہوں گے۔

امہات اسماء الہی:

امہات اسماء چار ہیں:

○ — اول

○ — آخر

○ — ظاہر

○ — باطن

اور اسم اللہ اور اسم رحمٰن جامع، جمیع امہات ہیں — اور یہ چاروں اسم جمع اسماء کو شامل ہیں — اس لئے کہ جس اسم کا مظہر اس کا ازلی وابدی ہے اس اسم کی ازلیت اسم اول سے ہوگی اور اس کی ابدیت اسم آخر سے اس کا ظہور اسم ظاہر سے ہوگا جب کہ اس کا بطون اسم باطن سے ہوگا — اور

○ — جو اسماء کہ بامداد ایجاد متعلق ہیں وہ اسم اول کے تحت میں داخل ہیں۔

○ — اور جو جزا و معاذ کے متعلق ہیں وہ اسم آخر کے تحت میں داخل ہیں۔

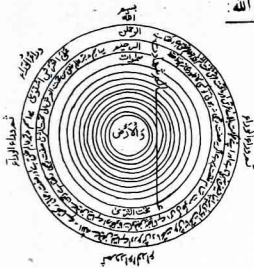
○ — جن اسماء کا تعلق ظہور و بطون سے ہے وہ اسم ظاہر اور باطن کے تحت میں داخل ہیں۔

دنیا میں کوئی چیز اولیت و آخر اور ظہور و بطون سے خالی نہیں — یہ چاروں اسماء امہات مذکورہ اسم اللہ اور اسم رحمٰن کے تحت میں ہیں۔ کیونکہ جیسے اسم اللہ جامع جمیع اسماء الہی و کونی ہے۔ اسی طرح اسم رحمٰن بھی جامع جمیع اسماء الہی و کونی ہے — اسم رحمٰن اسم اللہ کے تابع ہے اور اسم رحیم وغیرہ اسم رحمٰن کے تابع ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ثابت ہوتا ہے کہ اسم الرحمن اسم اللہ اور اسم الرحیم وغیرہ کے درمیان بزرخی ہے — اسم اللہ مجازی طور پر اسم احدیت ذات ہے — اسم الرحمن وغیرہ اسماء حسی مجازاً صفات احدیت ذات ہیں۔ الرحمن صفت رحمان رکھتا ہے اور عرش تا تحت العری عالم خلق پر حکومت رکھتا ہے — اسم اللہ سے فیض لیتا ہے اور عالم امر اور عالم خلق کو جو اسم رحیم وغیرہ اس سے متعلق ہیں، فیض پہنچاتا ہے — آخر خاتمہ رحیم کی رحمت پر موقوف ہے۔

غرض کہ اسم اللہ کے سوا جمیع اسماء حسنی اسم الرحمن کے ماتحت کار فرمائے عالم ہیں اور اللہ کی ذات غنی عن العالمین ہے۔

دائرہ بسم اللہ:



اب تھوڑی دیر اس دائرہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو غور سے دیکھیں تاکہ آپ پر اس آیت کریمہ کے معنی واضح ہو جائیں — الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى. (پ ۱۶ ع ۱۰)

سب سے پہلے بات ذہن میں رکھیں کہ تحت الثریٰ سے لے کر عرش تک عالم شہادت ہے — بالائے عرش عالم امر یعنی عالم مثال اور اس کے محیط عالم ارواح اور اس پر مرتبہ ربوبیت ہے۔ جسے عالم الوہیت و حقیقت انسانیہ و اعیان ثابتہ و احدیت بھی کہتے ہیں — اس سے برتر وحدت ہے یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس سے اعلیٰ تر احدیت صرف وہویت محضہ وجود مطلق ذات تحت اور وراء الوراء ہے — ذات حق کا نام واحدیت میں اللہ قرار پایا ہے — اسم الرحمن اسم اللہ کے تابع ہے، جب کہ باقی کل اسماء حسنی اسم الرحمن کے تابع ہیں۔

آیت مذکورہ بالا کے جو معنی علمائے ظواہر نے ارشاد فرمائے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ بذات خود عرش پر تکیہ لگائے ہوئے جلوس فرماتا ہے۔“

یہ معنی ہرگز نہیں بلکہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ:
 ”اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمِ رحمن کو (جو صفتِ رحمانی رکھتا ہے) عرش پر حکمران
 قرار دیا ہے اور باقی کل اسمائے حسنیٰ اسی اسم کے متعلق کر دیئے ہیں۔“
طالب مولیٰ کے لئے راہ مستقیم:

تیسری قسم کے مسافر یعنی طالب مولیٰ کے لئے راہ مستقیم اور اس کے منازل و
 مقامات اور وادیات و عقبات جو اس راہ سلوک میں پیش آتے ہیں، عرض کرتے ہیں۔
 تاکہ صادق الارادہ سالک اسے ملاحظہ کر کے راہِ راست میں منزل و مقام کرتے ہوئے
 اور عقبات کی دشواری اور راہزنیوں کے خوف سے بچتے ہوئے اپنے مطلوب تک پہنچ
 جائے۔

راز کی بات یہ ہے کہ راہ سلوک میں چار مقام اور سات خوں خوار وادیاں
 ہیں۔ پہلا مقام شریعت ہے۔ طالب صادق پر فرض ہے کہ اس مقام میں
 حواس ظاہری کی طہارت حاصل کرے کیونکہ اس کے بغیر حواس باطنی کا روشن ہونا محال
 ہے۔ حواس ظاہری کی طہارت احکامِ شرع کی پابندی سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ
 ہر صاحبِ مذہب کو اپنی شریعت کی فرمانبرداری اور اطاعتِ ضروری ہے تاکہ حواس
 ظاہری صاف ہوں اور ان کے سبب سے حواس باطنی منور ہوں اور حواس باطنی کے منور
 رہنے سے طلبِ صادق پیدا ہو۔ پھر اس سفر کی تیاری کرے۔ کیونکہ یہ سفر یہ
 منزلیں حواس سے طے ہوتی ہیں نہ کہ پاؤں سے چلنے سے۔ اگر حواس ظاہری و
 باطنی میں کچھ بھی میل و کدورت باقی رہے گی تو منزلوں کے طے کرنے میں بہت مشکل
 پیش آئے گی۔ بہر حال شریعت کو اپنا معاون و مددگار جانے، تاکہ مرحلے طے
 کرنے میں کوئی رکاوٹ واقع نہ ہو۔

تصوف کی تعلیم کیسے حاصل کی جائے

شریعت کیا ہے؟:

شریعت کے لغوی معنی ”آب رواں جاری نہر پانی یا گھاٹ“ (جہاں مخلوق پانی ہے) — اصطلاح میں اس قانون کا نام ہے جس میں امر و نواہی، قواعد سیاست مدن، مالی و ملکی حفاظت، طریقہ عبادات، تزکیہ حواس ظاہری و باطنی اور مکارم اخلاق ہوں — اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ (نبی) کی معرفت انتظام خلاق اور اعتدالی کا فرما نام کے لئے جاری و نافذ فرمایا ہو۔

طریقہ کیا ہے؟:

طریقہ شریعت کا باطن ہے اور شریعت، طریقت کا ظاہر — طریقت کا باطن حقیقت ہے اور حقیقت کا ظاہر طریقت ہے — حقیقت کا باطن معرفت ہے اور معرفت کا ظاہر حقیقت!

ملک شریعت:

جس وقت انسان بطون سے ظہور میں اور عدم سے وجود میں آتا ہے اور پھر اپنے وطن کا ارادہ ہے تو طلسمات صوری میں گرفتار ہو کر اول اقلیم شریعت (یعنی ملک شریعت) میں قدم رکھتا ہے — اقلیم طریقت میں سفر کے قابل ہونے کے لئے حاکم وقت کے حکم کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے —

حدیث پاک اَلْعُلَمَاءُ وَرِثَةُ الْاَنْبِيَاءِ کے مطابق ملک شریعت کا حاکم نائب رسول ہے — منور صورت، پاک طینت، خوش اخلاق، منصف مزاج، عادل و رحم دل، غریب پرور اور مسافر نواز — اس کے نزدیک امیر و غریب سب برابر ہیں — اس ملک کے رہنے والے عموماً پاک و صاف، خلیق و مہربان، مہمان نواز، صاحبِ محبت و الفت اور کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ کا مصداق ہیں — اس ولایت کا ہر در و دیوار پاکیزگی

و صفائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے — سبحان اللہ! جس شے کو دیکھو نور علی نور ہے — یہاں نفس اور شیطان کے سوانہ کوئی چور ہے نہ رہزن —

یہ اوّل منزل ہے۔ اس منزل میں اس لئے قیام ہوتا ہے کہ جس کو دیدار سلطانی کا شوق ہو تو اس مقام پر اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق ظاہری و باطنی پاکیزگی حاصل کرے — لباس و سواری اور سفر خرچ (زاد راہ) کا انتظام کر کے حاضری کا ارادہ کرے — ظاہری و باطنی طہارت (پاکیزگی) ایک ہی چیز ہے جو بشرط استقامت حاصل ہو سکتی ہے۔ یعنی توحید کے اختیار کرنے میں یا شرک کے ترک کرنے میں — جہاں توحید ہے وہاں شرک نہیں اور جہاں شرک ہوگا وہاں توحید نہیں — غرض ایک دوسرے کی ضد نہیں — ہر اقلیم (ملک) میں اوّل توحید ہے۔

توحید شریعت:

توحید شریعت یہ ہے کہ خدا کی ذات و صفات اور افعال میں کسی کو شریک نہ کرنا اور شرع شریف کے حکم کے مطابق زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کرتے ہوئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا۔ یعنی ذات الہی کے سوا کوئی معبود و مقصود و مطلوب و محبوب نہیں — پھر اسی پر قائم ہو جانا اور اس سے بالکل پیچھے نہ ہٹنا کیونکہ استقامت شرط ہے۔

حضرت سفیان ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

”یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے کوئی امر ارشاد فرمائیں کہ جس پر میں عمل کروں اور پھر مجھے کسی بات کی ضرورت نہ رہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قُلْ رَبِّيَ اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ ”یعنی تو کہہ میرا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم اور مضبوط ہو جا۔“ (ترمذی و ابن ماجہ)

یعنی جب سچے دل سے مان لیا کہ میرا معبود اللہ ہے تو اس کے احکام پر بھی قائم

رہنا چاہئے۔ ورنہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہوگا۔ چنانچہ وہ ہر بلا سے محفوظ اور اپنے ارادہ میں کامیاب ہوگا اور دیدار سے مشرف ہو کر مراتبِ اعلیٰ میں پہنچ جائے گا اور نعمتِ عظمیٰ سے کثیر لطف اٹھائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ۚ نَزَّلْنَا مِن عَفْوَ رِجِيمٍ ۝

”جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر ثابت قدم رہے۔ ان پر اترتے ہیں فرشتے (اور کہتے ہیں) تم نہ ڈرو نہ غم کھاؤ اور خوشی کی بات سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا۔ دنیا و آخرت میں ہم تمہارے رفیق ہیں اور تم کو وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا اور تم کو وہاں ہے جو چاہو منگواؤ۔ مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان سے۔“ (۲۳ ع ۱۷)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (پ ۲۶ ع ۲۷)

”جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے۔ پھر اسی پر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر نہ وہ غم کھائیں گے۔ وہ ہیں بہشت کے لوگ۔ سدا رہیں گے اس میں (یہی ہے) بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔“

توحید شریعت میں یہ فائدہ ہے کہ:

○ اگر منافق ہے تو مجاہدین کی تلوار سے بچ جائے گا

○ اگر دل تصدیق و احکام الہی پر مستقل ہے تو بہشت کی نعمتوں کا مستحق

ہوگا اور

○ — اگر مرتبہ یقین کو پہنچے گا تو سبحان اللہ! علی قدر مرتبہ دیدار الہی سے مشرف ہوگا۔

اس ملک (اقلیم) کے مسافر کو چاہئے کہ ہوا و جلوس، خواہش و لذاتِ نفسانی اور دنیا کی محبت کو ترک کرے — کیونکہ جس شے کی خواہش و محبت ہوتی ہے، وہی اس کا معبود ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ. (پ ۱۹، ع ۲۴)

”اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا تو نے دیکھا جس نے پوجنا پکڑا اپنی چاؤ کو۔“
یعنی خواہش نفس اور دنیا کی محبت کو اپنا خدا بنایا — طالب صادق پر فرض ہے کہ ترک غیر و تجرید ماسوی اللہ اختیار کرے ورنہ طلب میں ناقص ہے — طبرانی میں ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا معبود زمین میں جس کی پرستش کی جاتی ہے وہ خواہش نفس ہی ہے۔“

(۱) اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص خواہش نفسانی اور دنیا کی محبت یا جس کی محبت میں گرفتار ہے، پس وہی اس کا معبود ہے۔

اصل مقصود کیا ہے؟:

- سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تیرا مقصود وہ ہے جو تجھ کو رنج میں ڈالے — تو اسی کا بندہ ہے جس کے ہاتھ میں تیری مہار ہے۔ اگر:
- — دنیا کے ہاتھ میں تیری مہار ہے تو تو دنیا کا بندہ ہے اور
 - — نفس کے ہاتھ ہے تو تو نفس کا بندہ ہے
 - — ہوا کے ہاتھ ہے تو تو ہوا کا بندہ ہے
 - — خلق کے ہاتھ ہے تو تو خلق کا بندہ ہے
 - — آخرت کے ہاتھ ہے تو تو آخرت کا بندہ ہے
 - — خدا کے ہاتھ ہے تو تو خدا کا بندہ ہے۔

اب تو دیکھ لے کہ تیری مہار کس کے ہاتھ میں ہے۔ معرفت الہی کا ذریعہ حصول محبت و عشق الہی ہے۔ یہ اس وقت جلوہ افروز ہوتا ہے کہ ہواد ہوس اور دنیا کی محبت دل سے بالکل مٹ جائے بلکہ غیر اللہ کی بوجہی باقی نہ رہے۔ کیونکہ ایک میان میں دو کمواریں نہیں سما سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو دو دل نہیں دیئے کہ ایک میں خدا کی محبت رکھے اور دوسرے میں غیر کی الفت بھرے۔ اب دہا ایک دل اس میں جو چاہو سو بھرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ.

”اللہ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں رکھے۔“ (پ ۲۱، ع ۱۷)

غرض غیر اللہ کے ساتھ جس قدر مشغول رہو گے اللہ سے اسی قدر دوری ہوگی۔ اور محبت الہی کا تو کہاں پتہ۔ کیونکہ محبوب معبود ہوتا ہے اور عاشق بھی اپنے معشوق کا مقید ہوتا ہے۔ تو معشوق معبود ہوا۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کے یہی معنی ہیں کہ

”ذات الہی کے سوا کوئی محبوب و معشوق و مقصود و معبود نہ ہو۔“

مسلم شریف میں ابوبکر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مُّخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

یعنی ”جس نے خلوص دل سے کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ داخل ہوا جنت میں۔“

اخلاص کے معنی ہیں:

اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ دل کو اللہ کے لئے خالص کر لے کہ اس میں دوسرے کی شرکت نہ ہو۔ دل کا محبوب و معبود و مقصود اللہ ہی کی ذات پاک ہو۔ جب ایسا ہو گیا تو اس وقت الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ۔ یعنی ”پاکی نصف ایمان ہے“۔ طہارت سے مراد یہ نہیں کہ منہ ہاتھ دھو کے پاک ہو گئے۔ بلکہ جب تک کفر و نفاق و شرک وغیرہ غیر مشروع سے حواس اندرونی و بیرونی، ظاہر و باطن کو پاک و صاف نہ

کرے گا وہ نصف ایمان بھی مشکل ہے۔ دل کو جس وقت غیر اللہ سے طہارت نصیب ہوئی تو نصف ملا اور معرفت الہی کے قابل ہوا۔۔۔ دل کی زمین جھاڑ جھنکاڑ سے پاک و صاف اور تخم ریزی کے لائق ہوگئی۔۔۔ اب محبت کا بیج ڈالو۔ تاکہ معرفت کا درخت پیدا ہو اور فقر کا پھل لگے۔۔۔ شجر معرفت سے مراد کلمہ طیبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَفُرُوعُهَا فِي السَّمَاءِ. (پ ۱۳ ع ۱۶)

”کیا تو نے نہ دیکھا (اے محمد!) کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک بات ستھری جیسے ایک ستھرا درخت، اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں۔“

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ. (پ ۲۲ ع ۱۳)

یعنی ”اس کی طرف چڑھتا ہے کلام پاک اور عمل نیک اس کو اٹھالیتا ہے۔“

کلمہ طیبہ سے مراد ہے:

کلمہ طیبہ سے مراد ہے معرفت الہی۔ عمل صالح اس معرفت کے لئے سواری اور خادم و پیش خیمہ ہے۔۔۔ سب کے سب صالح اعمال اسی لئے ہیں کہ پہلے دل کو آلائش دنیا اور کل غیر مشروع چیزوں سے ظاہری اور باطنی طور پر پاک و صاف کر لے۔۔۔ اس طہارت کو قائم رکھنے کے لئے ہر روز محاسبہ نفس کرتا رہے یعنی اپنے نفس میں افعال و صفات کا ذکر کرنا کہ پسندیدہ کی تشریح ہوتی رہے۔

محبوب و مکروہ افعال:

اس کی تشریح میں امام محمد غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو افعال محبوب یا مکروہ ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

○ — ایک ظاہری جیسے طاعات و معاصی۔

○ — دوسرے باطنی جیسے صفات و مہلکات و نجیات جن کا محل دل ہے۔

لہذا یہ چار نوع ہوئیں یعنی:

(۱) طاعات۔ (۲) معاصی۔ (۳) مہلکات۔ (۴) نجیات

ان چاروں میں محاسبہ کا طریقہ ایک مثال میں بیان کرتا ہوں تاکہ ہمیشہ اپنے حال کو آئینہ و محاسبہ سے مقابلہ کر کے روئے — حال سے داغ عیب کو دور کرتا رہے۔ باقی سب کو اسی پر قیاس کر لے:

(۱)

طاعات میں فکر کرنا چاہئے کہ کس عضو نے کس وجہ سے قصور کیا — اس کا تذکرہ اور امور مافات کا بدلہ چند در چند پورا کرے۔

(۲)

معاصی میں انسان کو لازم ہے کہ ہر صبح کو اپنے ساتوں اعضاء میں تفصیل وار اور سارے بدن میں مجملاً فکر کرے کہ میں معصیت کا مرتکب کسی عضو سے ہوا ہوں یا نہیں — اگر اسی وقت مرتکب ہوا تو اس کی اسی وقت توبہ کرے — اور اگر گزشتہ زمانہ میں مرتکب ہوا تو اس سے توبہ کرے اور ندامت سے اس کا تذکرہ کرے — اور اگر اسی دن کرنے کو ہو تو اس سے باز رہے۔ مثلاً

زبان میں فکر کرے کہ اگر غیبت و کذب و خود ستائی و تمسخر و دخل در معقولات وغیر معقولات و ناشائستہ باتیں کی ہیں تو:

○ — قول اپنے دل میں جمالے کہ یہ سب باتیں خدا کے نزدیک بری ہیں۔

○ — پھر آیات و احادیث میں فکر کرے کہ جو ان امور کی قباحتیں ظاہر کرتی

ہیں۔

○ — پھر یہ سوچے کہ ان امور میں کس وجہ سے دخل دیا۔

○ — پھر یہ سوچے کہ ان باتوں سے کیوں کر بچ سکتا ہوں۔

سب معاصی سے بچنے کا علاج گوشہ تہائی سے بہتر کوئی نہیں — یا کسی نیک بخت کی صحبت ہوتا کہ اس کو ہر معاصی سے روکتا رہے۔ اسی طرح اور اعضاء پر قیاس کرے۔

(۳)

تیسری قسم مہلکات ہے جن کا محل دل ہے۔ ان سے بچنا از بس ضروری ہے ورنہ ہلاک ہو جائے گا اور وہ دس اصول ہیں:

(۱) غلبہ شہوت (۲) غضب (۳) بخل (۴) کبر (۵) عجب (۶) ریا

(۷) حسد (۸) حرص غذا (۹) محبت کثرت مال (۱۰) جب جاہ۔

اگر ان دس سے بچ گیا تو بچار ہے گا ورنہ ہلاکت کا اندیشہ ہے — ان میں بھی اسی طرح فکر کرنے اور اس کی وجہ دریافت کر کے اس کا تدارک کرے اور نفس کی آزمائش کرے کہ ان اوصاف ذمیرہ سے آزاد ہوا یا نہیں۔

(۴)

چوتھی قسم منجیات ہیں۔ ان میں سے اگر ان دس اصولوں پر ندامت کرے گا تو سب پر حاوی ہو جائے گا:

(۱) گناہ پر ندامت (۲) مصیبت پر صبر (۳) قضا پر راضی ہونا

(۴) نعمت پر شکر (۵) خوف ورجا پر اعتدال (۶) دنیا میں زہد

(۷) اعمال میں اخلاص (۸) حسن خلق (۹) خدا سے محبت (۱۰) خدا

کے سامنے خشوع۔

ہمیشہ اسی فکر میں رہے کہ مجھ کو وہ بات اور عمل کرنا چاہئے جو قرب الہی کا باعث ہو — اور جس بات کی ضرورت ہو اس میں کوشش کرے — مبتدی کو لازم ہے کہ ان افکار میں ڈوبا رہے تاکہ اوصاف ذمیرہ دور ہوں اور اوصاف حمیدہ حاصل

ہوں — اپنے ظاہر و باطن کو مکروحات سے پاک و صاف رکھے — جب یہ بات حاصل ہو جائے تو آگے قدم بڑھائے کہ اصل مقصود کچھ اور ہی ہے نہ کہ یہ

ع ہرچہ دردے میری بردے مایست

اگر ہمیشہ اسی میں رہے گا تو حصول مطلب بہت مشکل ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان امور میں فکر کرنا اگرچہ تمام عبادات سے افضل ہے۔ لیکن اصل مطلب یہ نہیں بلکہ جو ان فکروں میں ہمیشہ رہے گا صدیقیوں کے مقصود سے مجوب اور محروم رہے گا — صدیقیوں کا فکر خدا کی عظمت و جلال و جمال اور اسمائے حسنیٰ میں ہوتا ہے۔ وہ اس سے بے اندازہ لذت پاتے ہیں۔ ان کے دل اس لذت میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ان کو اپنے نفس و حالات و مقامات و صفات کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ سب کچھ بھول جاتے ہیں — انہیں اتنا ہوش کہاں کہ اپنے حالات کی طرف متوجہ ہوں اور یہ کمال درجہ کی بات ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ محاسبہ باطن کی آبادی کے لئے ہے تاکہ قرب و وصال کی صلاحیت پیدا ہو جائے — اگر تمام عمر اسی صلاحیت میں کھوئے گا تو وصال کی لذت کب پائے گا۔ جیسے حضرت خواص علیہ الرحمہ اپنی صلاحیت کے لئے ہمیشہ جنگلوں میں پھرا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ سے جنگل میں ملاقات ہو گئی۔ آپ نے پوچھا:

”تم کس حال میں ہو؟“ — عرض کیا:

”میں جنگلوں میں پھرتا ہوں تاکہ اپنا حال توکل جو درست کر سکوں۔“

حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ نے فرمایا:

”تمام عمر تو باطن کی درستی میں صرف کر دی، پھر فنا در توحید کس وقت ہو

گی؟“

اس سے معلوم ہوا کہ واحد حقیقی میں فنا ہونا طالبوں کا عمدہ مطلب اور صدیقیوں کے لئے انتہا درجہ کی لذت ہے — صفات مہلکات سے بچنا ایسا ہے جیسے نکاح میں

عدت سے نکلنا — اور منجیات کی صفات اور جمیع طاعات کا اختیار کرنا ایسا ہے جیسے عورت خاوند کے لئے تیاری کرے۔ منہ ہاتھ دھوئے اور سرمہ کا جل وغیرہ لگائے، شانہ کرے اور اپنے آپ کو آراستہ کر کے بن ٹھن کے بیٹھے تاکہ خاوند کے ملنے کی لیاقت پیدا ہو جائے۔ اگر عورت اپنا تمام وقت اپنے جسم کی صفائی اور آرائش ہی میں ضائع کر دے گی تو اپنے خاوند کی ملاقات سے محروم رہے گی۔

اسی طرح دین کے طریق کو بھی سمجھنا چاہئے بشرطیکہ ہم نشینی کا اہل ہو — اگر شوہر غلام کی طرح ہو کہ مارنے پٹینے اور اجرت کی طمع کے علاوہ ہلا نہیں کرتا، تو اپنے بدن کو اعمال ظاہری کی مشقت میں رہنے دو۔ اس لئے کہ تمہارے اور تمہارے دل کے درمیان بڑا حجاب ہے — ہاں اگر اعمال اچھی طرح ادا کرو گے تو اہل جنت میں سے ہو جاؤ گے۔ مگر ہم نشینی کے لئے اور ہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت عطا فرمائی ہے۔ وہ اللہ کے سوا کسی شے کو نہیں چاہتے۔

اقلم طریقت میں قیام

طریقت ایک بادشاہی:

دوسری بادشاہی طریقت ہے۔ اس ملک میں مسافر کو اپنے باطن کا تصفیہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ ورنہ طے منازل سے رہ جاتا ہے اور تصفیہ باطن کے لئے چندے قیام کرنا پڑتا ہے اس ملک کا حاکم شفیق و مددگار و مہربان پیر کامل ہے — اسی کا نام نامی خلیفہ اللہ ہے — انہیں کی شان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

أُولَئِكَ خُلَفَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ.

یعنی ”یہی لوگ اللہ کے خلیفہ ہیں اس کی زمین میں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلفاء کو اختیار دیا ہے کہ آن واحد میں اپنے مرید کو اپنی ہمت کی ریل میں بٹھا کر ملک معرفت میں پہنچا دیں۔ لیکن پیران عظام کا سلف سے یہ طریقہ

چلا آتا ہے کہ طالبِ صادق و مریدِ وارث سے مجاہدات کراتے ہیں اور اذکار و اشغال و مراقبات و تفکرات کی تعلیم کرتے ہوئے درجہ بدرجہ منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔

دل جب شریعت سے آباد و شاد اور حواس ظاہری کے تزکیہ سے فارغ ہو گیا تو پھر سفر کا ارادہ کرے اور قدم آگے بڑھائے۔ یعنی طریقت میں حواسِ باطنی کا تصفیہ کرے اور بسترِ خواب (یعنی نیند) ترک کر کے کمر بند مجاہدہ باندھ کر خنجرِ خاموشی و شمشیرِ گرسنگی و نیزہ تہائی و سپرِ رضا و تسلیم تن پر آراستہ و پیراستہ کر کے توشہ صبر و قناعت بغل میں دا بے اور رکاب توکل میں قدم ثبات ڈال کر ننگِ شوق پر سوار ہو کر محبتِ الہی کی رفاقت و عقل کی رہنمائی سے بقوتِ صدق و یقین و ادوی طلب میں بہ توحیدِ طریقت مردانہ وار قدم رکھے اور رہنمانِ تحیلاتِ فاسدہ کو قتل کرتا ہوا ملک بے زوال معرفت کا راستہ لے لے۔ یہاں کی توحید یہ ہے کہ صفات کو غیر ذات نہ سمجھے۔ جیسے کہ سورج اور کرن ایک دوسرے کے غیر نہیں۔

شاعر کہتا ہے:

ہر کراہست از ہوسہا جانِ پاک زود بیند حضرت و ایوانِ پاک
”وہ شخص جو کہ ہوا و ہوس سے اپنی جان کو پاک رکھتا ہے وہ جلد ہی حضرت
رب العزت اور اس کی تجلی گاہ کا مشاہدہ کر لے گا۔“

چوں محمد پاک شد از نار و دود ہر کجا رد کر وجہ اللہ نمود
”تو بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح آگ اور
دھوئیں سے پاک ہو جاتا کہ جہاں بھی تو جائے تجھ کو جمالِ الہی کا نظارہ
ہو۔“

چوں رفیقی دوسوہ بد خواہ را کے بہ بنی ثم وجہ اللہ را
”مگر جب کہ تیرا وہم دوسوہ رفیق ہو جو کہ تیرا بد خواہ ہے تو پھر تو کیسے اللہ
تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔“

ہر کرا باشد زینہ فتح یاب اوز ہر ذرہ بہ بیند آفتاب

”ہر وہ شخص جس کا سینہ کھلا ہوا ہو وہ ہرزہ میں آفتاب حقیقت کا جلوہ دیکھ سکتا ہے۔“

۔ چوں پدید است از میان دیگران ہم چومہ اندر میان اختران
”جب کہ وہ اس طرح دوسروں کے درمیان ظاہر و عیاں ہے جس طرح
کہ ستاروں کے ہجوم میں بھی چاند صاف چمکتا نظر آتا ہے۔“

۔ دوسر انگشت بر دو چشم نہ بچ بینی از جہاں انصاف وہ
”تو اپنی انگلیوں کے دونوں سرے اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ لے پھر تو ہی
انصاف کر کہ تو دنیا میں کیا دیکھ سکتا ہے؟“

۔ ورنہ بینی ایں جہاں معدوم نیست عیب جز انگشت نفس شوم نیست
”اگر تو اپنی آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں دیکھ سکتا تو یہ جہاں
حقیقت میں غائب و معدوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی صرف تیرے نفس
شوم کے عیب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“

۔ تو ز چشم انگشت را بردارد بین وانگہانے ہر چہ مے خوانی بہ بین
”تو اپنی آنکھوں سے انگلی ہٹا لے اور چہرہ حقیقت کو دیکھ لے۔ جب
تیرے دل کی آنکھوں پر انگلیاں نہ ہوں گی تو پھر جو تیرا جی چاہے مشاہدہ
کر۔“

سات ہولناک وادیاں:

اس راہ میں سات ہولناک وادیاں پیش آتی ہیں۔ جن میں سے گزرنا جانناز
مردوں کا کام ہے۔ حضرت عطار علیہ الرحمہ نے ان سات وادیوں کی تفصیل یوں
بیان کی ہے:

۔ ہست وادی طلب آغاز کار وادی عشق ہست ز ایں پس بے کنار
”منزل محبت میں قدم رکھنے کے بعد شروع میں ایک وادی طلب آتی ہے
اس کے بعد عشق کی بے کراں و وسیع وادی ہے۔“

پس سوم وادی است آں معرفت ہست چارم وادی استغنا صفت
 ”پھر تیسری وادی معرفت کی ہے اور چوتھی وادی استغنا صفت ہوتی ہے۔“
 ہست پنجم وادی توحید پاک پس ششم وادی حیرت صعب ناک
 ”پانچویں وادی توحید پاک کی ہے پھر چھٹی وادی بڑی مشکل اور حیرت کی
 ہے۔“

ہفتمی وادی فقر است و غنا کے بود آن جا سخن گفتن را
 ”ساتویں وادی فقر و غنا کی ہے۔ اس کے متعلق کچھ بیان کرنا بھی مناسب نہیں
 ہے۔“ یوں بالترتیب سات وادیاں یہ ہیں:

(۱) وادی طلب۔ (۲) وادی عشق۔ (۳) وادی معرفت۔

(۴) وادی استغنا۔ (۵) وادی توحید۔ (۶) وادی حیرت۔ (۷) وادی فقر و غنا۔

وادی طلب میں آنے والے:

حضرت عطار علیہ الرحمہ وادی طلب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

چوں فرد آئی بہ وادی طلب پشت آید ہر زمانے صد تعب
 ”جب تو وادی طلب میں داخل ہوگا تو تیرے سامنے ہر وقت سینکڑوں غم و
 غصے آئیں گے۔“

صد بلا در ہر نفس ایں جا بود طوطی گردوں گس ایں جا بود
 ”اس مقام پر سینکڑوں مصیبتیں ہر سانس میں ظاہر ہوں گی۔ عظیم آسمان کا
 طوطی رنگ پرندہ بھی یہاں مکھی بن جاتا ہے۔“

جدوجہد ایں جا باید سالہات زان کہ ایں جا قلب گردد حالہات
 ”اس جگہ برسوں کی جدوجہد چاہئے جس کی وجہ سے یہاں قلب حالات ہو
 جائے۔“

مائل ایں جا باید انداختن ملک ایں جا بیدت پر داختن
 ”یہاں تجھ کو اپنا مال و دولت لٹانا چاہئے اس مقام پر تجھے ملک کی غور

و پروا خست کرنی چاہئے۔“

۔ درمیانِ خونت باید آمدن و ز ہمہ بیرون ت باید آمدن
”یہ سب تیرے خون کے درمیان آنا چاہئے اور یہ سب تیرے سے باہر آنا
چاہئے۔ یعنی تو ہر شے سے بے پروا ہو جائے۔“

۔ چوں نمائندہٴ بیچ معلومت بدست دل بباہر پاک کردن ہر چہ مست
”اور جب کہ کچھ باقی نہ رہے گا تو تیرے لئے کچھ معلوم نہ ہوگا، غرض تجھ کو

ہر مست دیود سے (ماسوائے اللہ) اپنا دل پاک و صاف کرنا چاہئے۔“
۔ چو دل تو پاک گردد از صفات تافتن گردد بحضرت نور ذات
”اور جب تیرا دل سب صفات سے پاک ہو جائے گا تو پھر اس میں نور
ذات الہی چمکے گا۔“

۔ چوں شود آن برد دل تو آشکار در دل تو یک طلب گردد ہزار
”جب وہ تیرے دل پر ظاہر ہو جائے گا تو تیرے دل میں ہزاروں طلب
ایک ہو جائیں گی۔“

۔ گر شود ز راہ تو آتش پدید در شود صد وادی ناخوش پدید
”اگر تیری راہ میں آگ بھی پیدا ہو جائے اور سینکڑوں خطرناک و پر
صعوبت وادیاں بھی تیری راہ میں حائل ہو جائیں۔“

۔ خویش را از ذوق او دیوانہ وار بر سر آتش زنی پروانہ وار
”تو اپنے آپ کو اس کے ذوق و شوق میں دیوانہ وار رکھ اور پروانے کی
طرح اس آگ پر اپنے آپ کو قربان کر دے۔“

۔ جرمہ زال بادہ چوں نوشت فند ہر دو عالم کل فراموش فند
”اس کی شرابِ محبت ایسی ہے کہ اگر اس کا ایک گھونٹ بھی تو پی لے تو
دونوں عالم تجھ کو بالکل فراموش ہو جائیں۔“

۔ غرقہ دریا بہ مانی خشک لب سز جاناں سے کنی از جاں طلب

”تو دریا میں غرق ہو کر بھی خشک لب رہ اور راز جانناں کو اپنی جان دے کر
طلب کر۔“

۔ ز آرزوئے آل کہ سر بہ شاسداو داژدھائے جاں ستاں نہر اسداو
”اگر مجھے آرزو ہے کہ تو اس کا راز جان لے تو تو جان لیوا اژدھوں سے
بھی نہ ڈر۔“

۔ کفر و لعنت گو بہم پیش آیت در پذیری تا درے بہ کشایدت
”اگر کفر و لعنت بھی اکٹھے تیرے سامنے آئیں تو ان کو قبول کر لے تاکہ تجھ
پر ایک راز کا دروازہ کھل جائے۔“

۔ چوں درت بکشود چہ کفر و چہ دیں در طلب باشی نباشی جز ازیں
”اور جب مجھ پر باب اسرار کھل گیا تو پھر تیرے لئے کفر و دین کیا ہے تو
بس اپنی طلب مقصود میں رہ اور اس کے علاوہ کچھ نہ کر۔“

سات وادیاں اور پیر کامل کی جستجو

فلاح کی جستجو:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي
سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

”اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور کوشش و
محنت کرو اس کی راہ میں تاکہ فلاح کو پہنچو۔“ (پ ۶، ع ۱۰)

اس آیت کریمہ میں:

○ — کلمہ اتَّقُوا کے متعلق قرآن و حدیث ہیں۔

○ — اتَّقُوا اللہ میں جملہ ادا مروا ہی شامل ہیں۔

○ — وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ سے بیعت یا پیر کامل مراد ہے۔

○ — جَاهِدُوا سے ریاضت و مجاہدہ نفس اور

○ — سَبِيلَهُ سے مراد راہ معرفت الہی ہے۔

یعنی پیر کامل سے بیعت کر کے مرشد کے ارشاد کے مطابق معرفت الہی کے حصول کے لئے ریاضت و مشاہدہ میں مشغول رہے۔ تاکہ دیدار الہی سے (جو فلاح ابدی ہے) مشرف ہو سکے۔

بے مرشدے کا حال:

جو شخص بیعت مرشد کا منکر ہے وہ سنت اور نصِ قطعی کا منکر ہے — نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ نَفْسِهِ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں وسیلہ از بس ضرور ہے۔ یہ پرخطر سفر رہبر کامل کے بغیر طے نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ الرَّفِيقُ ثَمَّ الطَّرِيقُ۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ خَلَعَ يَدًا

مِنْ طَاعَةِ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهُ ○

یعنی ”جو شخص مر گیا اور اس کی گردن میں بیعت نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی

موت مر گیا — اور جس نے اپنے ہاتھ اللہ کی طاعت سے اٹھائے وہ

روز قیامت اللہ سے طے گا اور اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔“

لہذا اس راہ میں پیر کامل کی دستگیری لازمی ہے۔ رہبر کامل کو تلاش کرے ورنہ

مخرومی کا سامنا کرنا پڑے گا اور منازل طے کرنے سے رہ جائے گا — کانٹوں

بھرے اس خونخوار جنگل میں بہت سے پیرزادوں اور مشائخ کرام کی جھونپڑیاں

قلندروں کے سیکے درویشوں اور فقیروں کی خانقاہیں اور مولویوں کی مسجدیں ملیں گی

وہاں جستجو کرے — خدا نخواستہ کسی ناقص پیرزادے یا شیخ زادے یا قلندر کی صورت

والے یا فراڈ درویش و فقیر یا بے سیرت مولوی کے جال میں پھنس گیا تو ساری عمر یہیں

سرکلر انکرا کر مر جائے گا اور مقصود اصلی کا نشان تک بھی نہ پائے گا۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست
 ”اے لوگو! بہت سے شیطان انسان کی شکل بنائے پھرتے ہیں۔ اس لئے
 بغیر سوچے سمجھے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔“

بہر ایں گفتند دانایان فن میہمان محسناں باید شدن
 ”اس وجہ سے عقل مندوں نے کہا کہ محسنوں (نیک) لوگوں کا مہمان
 بننا چاہئے۔“

تو مرید و میہمان آں کے کوستاند حاصلت از نئے
 ”تو اس کا مرید و مہمان بنتا ہے کہ جو ایک تنکے کے بدلے تیرا سارا سرمایہ
 چھین لینا چاہتا ہے۔“

نیست چیزہ چوں ترا چہرہ کند نور ندھد مر ترا تیرہ کند
 ”جو کہ خود ہی اچھا اور نیک نہیں ہے وہ تجھے کیا درست کرے گا۔ وہ تجھے
 نور تو کیا دے گا بلکہ اور زیادہ سیاہ دل بنا دے گا۔“

شیخ عطار فرماتے ہیں:

کردہ است اعلیٰ تر خود پیر راہ لاجرم ہرگز ندانی رہ ز چاہ
 ”تو نے اپنے راستے کا رہبر ایک اندھے کو بنایا ہے، اس لئے وہ راستے میں
 آنے والے گڑھے اور کنوئیں نہیں دیکھ سکے گا۔ وہ خود بھی گرے گا اور اپنے
 ساتھ تجھے بھی گرائے گا۔“

غول را کردی تصور رہنمائے تا نہ گشتی منکر اہل خدائے
 ”تو نے ایک آوارہ بھوت کو رہنما سمجھ لیا ہے، پھر کیوں نہ تو اہل اللہ کا منکر ہوگا۔“
 ساختی دجال را مہدی و پیر خرز عیسیٰ را ندانی اے فقیر
 ”تو نے تو دجال لعنتی کو اپنا مہدی و پیر بنایا ہے تو پھر اے فقیر! تو حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کو کیا جانے گا تو تو دجال کے گدھے کے ہی

پچھے جائے گا یعنی گمراہ ہوگا۔“

۔ خود نہ پیرست او کہ شیطان رست از طریق رہرواں کے آگہست
 ”وہ خود پیر نہیں ہے کیونکہ وہ گمراہ کرنے والا راستے کا شیطان ہے وہ
 رہنمائی کے طریقے سے واقف نہیں ہے۔“

۔ از کمال اہل معنی رہ نہ برد بخش داد از جام صورت بود درد
 ”اس نے اہل معانی کے کمال سے راہ نہیں طے کی ہے۔ وہ جو ظاہری جام
 بخش رہا ہے دراصل وہ تلچھٹ اور گارہی ہے۔“

۔ آں کہ رہ ہرگز نداند اے رفیق رہنمائی چوں کند اندر طریق
 ”وہ کہ اے رفیق جو خود راستہ ہرگز نہیں جانتا وہ بھلا راستے میں رہنمائی
 کیسے کرے گا۔“

۔ اہل بدعت شیخ سنت کے بود رہ ندید او چوں ترا رہبر بود
 ”اہل بدعت بھلا شیخ سنت کب ہو سکتا ہے جب کہ اس نے وہ راہ دیکھی
 ہی نہیں۔ پھر وہ تیری راہنمائی کس طرح کرے گا۔“

۔ آں کہ باز عشق باروئے بتاں رہنما نہ بود بود از رہزناں
 ”وہ کہ جو روئے بتاں سے عشق بازی کرے وہ رہزنوں سے بچا کر کیسے
 رہنمائی کر سکتا ہے۔“

۔ آں کہ باشد دامن صورت پرست دامن معنی کجا گیرد بدست
 ”اور وہ کہ جو ہمیشہ صورت پرست رہا ہے وہ دامن معنی کب ہاتھ میں لے
 سکتا ہے۔“

۔ ہر کہ حیران جمال صورت است اہل معنی نیست صاحب شہوت است
 ”وہ کہ جو حسن صورت پر ہی حیران ہو کر رہ گیا ہے وہ ہرگز اہل معنی نہیں
 ہے بلکہ شہوت پرست ہے۔“

۔ آں کہ میلس سوائے لہوست و سماع وجد و حانائش نباشد جز خداع

”وہ کہ جس کو لہو و لعب اور راگ سے رغبت ہے اس کا وجد و حال سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔“

۔ لاف فقر اندر جہاں انداختہ رہبر و رہزن ز ہم نشناختہ
”اس نے تو اپنی پیری فقیری کی سارے جہان میں شیخی اور دھوم مچا رکھی ہے۔ اس وجہ سے رہبر و رہزن کا کوئی فرق نہیں جانتا۔“

۔ صد فسوں و مکر دارد درد زوں مخلص و صادق نماید از برون
”وہ شخص سینکڑوں مکر و فریب اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے جب کہ ظاہری طور پر مخلص اور سچا نظر آتا ہے۔“

۔ رہزنے چون نام خود رہ میں کند عامیاں را در ہلاکت افگند
”کوئی رہزن جب اپنا نام ”رہ میں“ یعنی راستہ دیکھنے والا رکھ لے تو پھر عام لوگ ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں۔“

۔ گوید او من آہن و مس زر کنم و زمنازل ہائے ایں راہ آگم
”پھر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں لوہے اور فولاد کو خالص سونا بنا دیتا ہوں اور اس راستے کی تمام رسموں اور منزلوں سے خوب واقف ہوں۔“

۔ ہر کہ باد کرد آں مکر و دروغ مانداز نور ولایت بے فرغ
”اور جو اس کے فریب اور جھوٹ کا یقین کر لیتا ہے وہ نور ولایت سے خالی ہاتھ اور محروم رہ جاتا ہے۔“

۔ وائے آں طالب کہ دردش فقاد ہرچہ بودش نقد او برباد داد
”اس طالب پر افسوس ہے کہ جو اس کے جال میں پھنس گیا۔ پھر خواہ کچھ بھی ہو اس کا نقد مال و دولت سب برباد ہو جاتا ہے۔“

دلی کون ہے؟:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ ”ملا بدمنہ“ کے آخر میں لکھتے ہیں:
”دلی قرآن شریف میں متقی کو کہتے ہیں — حدیث شریف میں اولیاء

اللہ کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کی صحبت میں خدا یاد آئے اور اس کی صحبت سے دنیا کی محبت کم ہو اور اللہ کی محبت زیادہ ہو۔“

باہر کہ نشینی و نشد جمع دلت دز تو نہ رمید صحبت آپ گلت
زنہار صحبتش گریزاں سے باش ورنہ نکند روح عزیزاں بکلت
یعنی ”جس شخص کے ساتھ تو بیٹھے اور تیری دلجمعی نہ ہو اور اس کے پاس بیٹھنے سے آب و گل کی صحبت دور نہ ہو۔ یعنی خواہشات اور حرص و ہوائے دنیا سے چھٹکارا نہ ہو۔۔۔ تو خبردار! تو اس کی صحبت سے دور بھاگ (یعنی دامن کو بچالے) ورنہ روح عزیزاں (اہل کمال) تجھ سے خوش نہ ہوگی۔“

بیعت کی اہمیت:

شرح عقائد نسفی اور صحیح مسلم میں حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يُدْرِكْ إِمَامَ زَمَانِهِ فَقَدْ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً.

یعنی ”جس نے اپنے زمانے کے امام کو ادراک قلبی سے دریافت نہیں کیا وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔“

گویا اپنے زمانے کے امام کو جو خلیفۃ اللہ اور رہبر کامل ہے پورے طور پر ادراک قلبی سے شناخت کر کے بیعت میں داخل ہو۔ تاکہ معرفت کے حصول کی راہ کھلے اور اجر عظیم کی فلاح میسر آئے۔۔۔ ورنہ معرفت الہی سے محروم ہو کر جاہلیت کی موت مر جائے گا۔۔۔ بفضلہ تعالیٰ خوبی قسمت سے بہ ہمہ صفت موصوف بہر کامل مل گیا تو سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اس کے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ جانے اور بیعت کر کے کمر ہمت باندھے۔ اس کی فرمانبرداری میں بال بھر فرق نہ کرے۔ امید ہے کہ منزل مقصود کو پہنچ جائے گا۔

اللہ سے بیعت کرنے والے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ
 نَكَتْ فَإِنَّمَا يَنْتَكُ عَلَى نَفْسِهِ ۗ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ
 فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

یعنی ”جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ
 کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنی
 جان پر۔ اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے وہ دے گا اس کو
 نیک بڑا اجر۔“

ملاحسین کا شفی فرماتے ہیں:

۔ تھا کہ ترا دریں رہ ننگ از صحبت تست پائے برسنگ
 ”حقیقت میں تجھ کو اس ننگ راہ میں تیری صحبت ہی کی وجہ سے سنگ برپا
 ہے یعنی تیرا قدم بھاری ہے اور تجھ کو راہ رومی دشوار ہے۔“

۔ اول بہ طلب رہ طلب را وا نگاہ دشوار شرائط ادب را
 ”پہلے تو بچی راہ طلب کی آرزو کر اس کے بعد ادب کی شرطیں بجالا۔“
 ۔ بہ شتاب کہ ایں ہمہ سعادت اوّل طلب است و پس ارادت
 ”جلدی کر کہ یہی سعادت ہے پہلے طلب و تلاش ہے اس کے بعد یقین و
 بیعت ہے۔“

۔ چو پائے طلب بروں نہاری ہاں تا نزدی بنا مرادی
 ”جب تو نے اپنی طلب کا قدم باہر رکھا ہے تو جب تک تو نہ جائے گا تا مراد
 ہی رہے گا۔“

۔ زیرا کہ دریں سفر مراحل بے توشہ و رہبر است مشکل
 ”اس وجہ سے کہ اس راہ میں بہت سے دشوار گزار مرحلے ہیں رہبر کامل اور
 زاد سفر کے بغیر اس پر چلنا مشکل ہے۔“

۔ بے رہبر اگر بروں نہی گام در باد یہ کم شوی سر انجام

”اگر تو رہبر کے بغیر اپنے قدم باہر نکالے گا تو آخر کار اس صحرائے بے
کراں میں گم ہو جائے گا۔“

۔ در راہ نخبزد از تو گردے تا سر نہ نمی بیائے مردے
”اس راہ طلب میں تجھ سے گرد سفر بھی نہیں اڑے گی؛ جب تک تو راہ طلب
میں مردانہ وار اپنا سر نہیں دے گا۔“

۔ چوں طالب رہ شدی بہ تدبیر در یاب نخست صحبت پیر
”جب تو تدبیر کے ساتھ طالب راہ ہو تو سب سے پہلے پیر کامل کی صحبت
اختیار کر۔“

۔ از علم و عمل مباح مغرور میاں ہمہ را بنائے منشور
”اپنے علم و عمل پر تو ہرگز غرور نہ کر؛ ان سب کو ایک کمزور بنیاد سمجھ۔“
۔ پندار عمل بہ مشق بہ شکن بنیاد غرور را بر آنگن
”تو اپنے عمل کے زعم کو مٹھی (گھونے) سے توڑ دے اور اس غرور کی بنیاد کو
ڈھا دے۔“

۔ علمت ہمہ رخصت است و حیلہ ایں حیلہ شود ترا عقیلہ
”یہ سب علم عارضی ہے اور ایک حیلہ ہے۔ یہ دراصل تجھے عقل مند بنانے
کے لئے ہے۔“

۔ پیرے طلب اے پسر کہ در راہ از بار خر تو باشد آگاہ
”اے فرزند! تو شیخ کامل کی تلاش کر کہ راہ طلب میں وہ تیرے گدھے کے
اس بھاری بوجھ سے آگاہ ہوگا۔“

۔ چوں بدرقہ تو ہمت اوست اکسیر وجود صحبت اوست
”جب کہ تیرا بدرقہ اس کی ہمت ہوگی اس کے مبارک وجود کی پر تاثیر
صحبت تیرے لئے اکسیر ہوگی۔“

۔ تو ذرہ دہر آفتاب است مفتاح فتوح فتح باب است

”تیری مثال ایک ذرہ ناچیز کی سی ہے۔ جب کہ پیر کامل آفتاب کی مثال ہے۔ وہ فتح کے دروازہ کی فتوحات کے کھولنے والا ہے۔“

۔ پیرے کہ نہ چرخ سازش پیر خود را طلب ذر راہ تدبیر
 ”ایسا پیر جسے صرف آسمان نے پیر نہ بنایا ہے یعنی وہ صرف عمر دراز بوڑھا ہی نہ ہو بلکہ کمالِ باطنی رکھنے والا پیر ہو۔ تو اُسے تدبیر اور کوشش سے تلاش کر۔“

۔ پیر کہ نہ قال غالب اوست آں پیر کہ حال طالب اوست
 ”وہ ایسا پیر ہوا کہ اس پر صرف قال ہی غالب نہ ہو بلکہ وہ پیر صاحبِ حال اہل کمال ہو۔“

۔ پیرے نہ کہ آب و خاک بیند آں پیر کہ جان پاک بیند
 ”وہ پیر نہ ہو جو آب و خاک ہی کو دیکھے بلکہ ایسا پیر ہو کہ جو جان پاک کا مشاہدہ کرنے والا ہو۔“

۔ پیرے نہ کہ در خیال باشد پیرے کہ بہ وجد و حال باشد
 ”وہ پیر بھی نہ ہو جو صرف اپنی خام خیالی میں مگن ہو بلکہ وجد و حال کا جوہر رکھتا ہو۔“

۔ پیرے نہ کہ جتلانے جاہ است آں پیر کہ مقتدائے راہ است
 ”ایسا پیر نہ ہو کہ جو جاہ و مال میں جتلا ہو بلکہ پیر وہ ہو کہ جو مقتدائے راہ طریقت ہو۔“

۔ پیرے نہ کہ پائے بستہ باشد پیرے کہ زخویش رستہ باشد
 ”وہ پیر بھی نہ ہو کہ جو اپنی حرص و ہوا سے پابستہ ہو بلکہ وہ جو اپنی خودی کو چھوڑ کر مستغنی اور ماسوائے اللہ سے بے نیاز ہو۔“

۔ پیرے نہ کہ ہم چوسایہ پست است پیرے کہ ز نور عشق مست است
 ”وہ پیر نہیں کہ جو سایہ کی مثال پست و پوچ ہو پیر ایسا ہو کہ بس نور عشق الہی

سے مست ہو۔“

۔ پیرے نہ کہ غائب ست و دور است پیرے کہ ہمیشہ در حضور است
 ”تیرا مشدودہ نہ ہو جو تجھ سے غائب اور دور ہو بلکہ پیر وہ ہونا چاہئے جو ہر
 وقت مقام حضور میں ہو۔“

۔ پیرے کہ محقق است و کامل پیرے کہ مقرب است و واصل
 ”ایسا پیر جو کامل اور محقق ہے وہ ایسا پیر ہے کہ جو قرب رکھنے والا اور وصل
 سے ہم کنار ہے۔“

۔ آں پیر کہ از کمال تمکین میراث رسیدہ باشدش دیں
 ”وہ پیر جو کہ اپنی تمکنت کے کمال کی وجہ سے دین متین کی میراث کا وارث
 ہو۔“

۔ آں پیر کہ کشف اوعیاں است تحقیق بقاش جاوداں است
 ”وہ پیر جس کا کشف و کمال ظاہر ہے تحقیق اس کی بقا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
 ہے۔“

۔ پیرے کہ نہد اساس و نیت پیرے کہ برد رہ یقینت
 ”وہ پیر جو کہ نیک اساس اور پاک نیت ہو اور وہ پیر جو کہ راہ یقین پر
 مستقل کرے۔“

۔ پیرے کہ بادج قصاب قوسین ہر گوشہ چشم اوست کونین
 ”وہ پیر جو قصاب قوسین کی بلندی پر فائز ہو اس کی عارفانہ آنکھ کا ہر گوشہ
 ایک جہان ہے۔“

۔ پیرے کہ چو در دلت نشیند حال ازل و ابد بہ بیند
 ”وہ پیر جو تیرا دل نشین ہو جائے اور وہ ازل و ابد کے احوال مشاہدہ کرتا
 ہے۔“

۔ در صحبت او چو یافتی راہ پرہیز کن از فضول آ نگاہ

”جب تو اس کی پاک صحبت میں جگہ پائے تو اس جگہ تو ہر فضول بات اور بے ادبی وغیرہ سے پرہیز کر۔“

۔ باید کہ ز خوش مردہ باشی تا راه طلب سپردہ باشی
”بلکہ تمھ کو چاہئے کہ اپنے آپ کو مردے کی طرح بنا لے تاکہ وہ تجھے راہ طلب سپرد کر دے۔“

۔ زان روئے کہ چشم تست احول معبود تو بیز تست اول
”اس وجہ سے کہ تیری نگاہ دو بین ابھی احول ہے تو تیرا معبود تیرا بیز ہی پہلے ہے۔“

۔ از پرتو نور باطن بیز چوں چشم درست شد بہ تدبیر
”اپنے بیز کے نور باطن کے پرتو سے جب تیری آنکھ درست تدبیر کے ساتھ ہو جائے گی۔“

۔ آنگر تو خدا پرست گردی کہ جرم بیز مست گردی
”جب تو صحیح معنوں میں خدا پرست ہو گا اور بیز کے جرم معرفت سے مست الٹ ہو جائے گا۔“

۔ در حالت او کمن تصرف در خدمت او کمن تکلف
”تو اس کے کام میں بالکل تصرف و مداخلت نہ کر اور اس کی خدمت میں کسی قسم کا تکلف بھی نہ کر۔“

۔ تا سر نہ کشی بہ خود نمائی گردست شود بسر در آئی
”تو خود نمائی سے اپنا سر نہ کھینچ اور اگر وہ اپنا ہاتھ بڑھائے تو تو اپنا سر جھکا دے۔“

۔ ابلیس کہ دشمن قدیم است بر گوشہ راہ مستقیم است
”تو یہ بھی جان لے کہ ابلیس لعین جو قدیمی دشمن ہے وہ راہ طریقت کے موڑ پرتاک میں بیٹھا ہوا ہے۔“

۔ از رفتن و پس بہ پرہیز در دامن رہبر خود آویز
 ”تو اپنی راہ راست سے ہٹ کر ادھر ادھر جانے سے پرہیز کر۔ اپنے رہبر
 کامل کے دامن میں چھپ جا اور قدم بہ قدم چلتا جا۔“

۔ تاہمت او ترا سلامت بیروں برو از رہ ملامت
 ”تا کہ اس کی بلندی ہمت تجھ کو سلامت رکھے اور تجھ کو راہِ خطر و ملامت
 سے باہر نکال لے۔“

۔ کیس بادع را بے گزر ہا در ہر گزرے ترا خطر ہا
 ”اس صحرائے خارزار کی بہت سی راہیں ہیں اس کی ہر وہ گزر میں تیرے
 لئے بہت سے خطرات چھپے ہوئے ہیں۔“

۔ ہر واقعہ کہ مشکل تست ہر بیش و کے کہ حاصل تست
 ”ہر وہ واقعہ جو تیرے لئے مشکل ہے اور وہ تھوڑا بہت جو تیرا حاصل و مقصد
 ہے۔“

۔ با ہجر بگو کہ پیر داناست پوشیدہ مدار ازد کہ بیناست
 ”تو اپنے پیر سے کہہ کہ وہ داناست ہے تو اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہ رکھ اس لئے
 کہ وہ صاحبِ نظر ہے۔“

۔ تحقیق بدال کہ ہجر عارف ہر نیک و بد تو مست واقف
 ”تحقیق یہ بات سمجھ لے کہ جو پیر عارف کامل ہو گیا وہ تیرے ہر نیک و بد
 سے واقف اور باخبر ہوگا۔“

۔ لیکن تو طریق صدق مپوئی عیب و ہزے کہ ہست مے گوئی
 ”لیکن تو سچائی کی راہ پر گامزن رہ اور جو بھی عیب و ہنر ہو صاف بیان کر
 دے۔“

۔ نقدے کہ ترا دعد امانت بر دادہ او مکن خیانت
 ”جو کوئی تجھ کو نقد و جنس بطور امانت دے تو اس سے کچھ بھی خیانت نہ کر۔“

۔ بسیار بہ کوش و اند کے داں صد کار بکن کم از یکے دان
 ”تو بہت زیادہ کوشش کر اور س کو کم جان تو سو کام کر اور ان سو کاموں کو
 ایک سے بھی کم سمجھ۔“

۔ چوں پیر نہاد اساس کارت بہ گزار زمام اختیار
 ”جب تیرا پیر تیرے کام کی بنیاد رکھ دے تو پھر تو ہاتھ سے قبضہ و اختیار کی
 لگام چھوڑ دے۔“

۔ از پیر نکو ز خویش بد میں ہر بد کہ رسد گناہ خود میں
 ”پیر سے جو بھی ہو اسے اچھا اور خود کو برا سمجھ جو برائی پیش آئے اسے اپنا
 گناہ خیال کر۔“

۔ الہام شمر ہر آل چہ فرمود تحقیق شناس ہر چہ بہ نمود
 ”پیر طریقت جو کچھ ارشاد فرمائے تو اسے الہام ربانی سمجھ۔ اور جو کچھ بھی وہ
 ظاہر کرے تو اسے صحیح اور تحقیق جان لے۔“

۔ خود را بہ ازد مخواه ز نہاد میداں بہ طفیل او ہمہ کار
 ”تو اپنے آپ کو اسے بہتر ہرگز نہ خیال کر بلکہ اپنے سب کام اس کے
 ذریعے سے تکمیل پانے کا یقین رکھ۔“

۔ کز جنبش او ترا حیات است و ز کوشش او ترا نجات است
 ”کیونکہ اس کی جنبش و حرکت ہی تیری حیات عزیز ہے۔ اس کی مبارک
 کوشش میں ہی تیری نجات ہے۔“

۔ اے طالب اگر دریں مقامی در عالم فقر نیک نامی
 ”اے طالب! اگر تو اس مقام پر پہنچ گیا ہے تو عالم فقر میں نیک نامی حاصل
 کرے گا۔“

۔ ایں مرتبہ را چو در خود آئی میداں کہ تو نیز مقتدائی
 ”جب تو اس مرتبہ پر فائز ہو جائے تو سمجھ لے کہ اب تو بھی مقتدائے زمانہ

ہو گیا ہے۔“

۔ ایں ہست نہایت مریدی ایں جا بہ کمال خود رسیدی
 ”انتہائے مریدی یہی ہے اس مقام پر تو اپنے کمال عروج کو پہنچ جائے
 گا۔“

۔ ایں جا کہ کمال تو یقین است تحفے کہ درخت کرد ایں است
 ”اس جگہ پر پہنچنا تیرا یقینی کمال ہے، یہی وہ مقام ہے کہ جب بیج درخت
 بن جاتا ہے۔“

عقل کی شان:

اس راہ میں عقل سے بھی مشورہ کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ ایک
 عجیب جوہر بے بہا عنایت فرمایا ہے — حکیم ترمذی نے نوادر میں ایک
 حدیث شریف بیان کی ہے:

مَا خَلَقَ اللَّهُ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَ الْعَقْلِ.

”اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو عقل سے زیادہ افضل و بہتر پیدا نہیں کیا۔“

اس لئے عقل کو معطل و بے کار نہ رکھے بلکہ اس سے کام لے — رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو وصیت فرمائی:
 يَا عَلِيُّ إِذَا تَقَرَّبَ النَّاسُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِأَنْوَاعِ الْبِرِّ فَتَقَرَّبْ أَنْتَ
 بِعَقْلِكَ.

”اے علی! جب لوگ اپنی مختلف نیکیوں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں
 تو تو اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر۔“

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۔ گفت بیغمیر علی را کاے علی شیر حقی پہلوانی پہ ولی
 ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 فرمایا کہ اے علی! تو شیر حق (اسد اللہ الغالب) دلیر اور بہادر پہلوان

ہے۔

لیک : زبیری مکن ہم اعتمید اندر آدر سایہ نخل امید
 ”لیکن نہ اپنی اس دلیری پر اعتماد نہ کر بلکہ تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے شجر
 امید کے سائے میں آ جا۔“

ہر کے گر طاصحہ پیش آدرند بہر قرب حضرت بے چون و چند
 ”ہر کوئی طاعت و عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ ”بے چون و چند“ کے قرب
 کے لئے آگے بڑھتا ہے۔“

تو تقرب جو بہ عقل و سرخویش نے چو ایساں برکمال و برخویش
 ”تو قرب الہی کو اپنی عقل اور سر ذاتی سے تلاش کر ان لوگوں کی طرح نہیں
 جو اپنے کمال اور سرمائے کے بھروسے پر آگے بڑھتے ہیں۔“

اندر آدر سایہ آل عاقلے کس نشاند بر داز رہ ناطقے
 ”تو ایسے عاقل شیخ کامل کے سایہ میں آ جا کیونکہ کسی نے صرف نقل و گفتگو
 سے ہی راہ راست نہیں پائی جب تک کہ عمل پیرا نہ ہوا ہو۔“

پس تقرب جو بدسوئے آلہ سر بیچ از طاعت او بیچ گاہ
 ”پھر تو باری تعالیٰ کا قریب تلاش کر اور اس کی طاعت سے ہرگز سرکشی نہ
 کر۔“

زلاں کہ او ہر خار را گلشن کند دیدہ ہر کور را روشن کند
 ”اس وجہ سے کہ وہ ہر کانٹے کو گلشن کر دے گا اور اپنے باطنی فیض سے ہر
 اندھی آنکھ کو بھی بینا (دیکھنے والی) اور صاحب نظر کر دے گا۔“

طل او اندر زمیں چوں کوہ قاف روح او یسرخ بس عالی طواف
 ”اس کا سایہ روئے زمین پر کوہ قاف کی طرح عظیم ہے۔ اس کی روح
 یسرخ کی طرح پرواز کرتی ہے اور مرکز عشق حقیقی کا طواف کرتی ہے۔“

دست گیرد بندہ خاص آلہ طالبان رای برد تا پیش گاہ

”تو اللہ تعالیٰ کے اس خاص بندے کا دست حق پرست تمام لے تاکہ وہ اپنے طالبوں کو پیش گاہ حق میں باریاب کر دے۔“

۔ مگر جویم تاقیامت نعت او سچ آں رعایت و مقطع مجو
 ”اگر ہم قیامت تک اس کی تعریف و توصیف بیان کرتے رہیں پھر بھی اس کی انتہا اور اس کا اخیر معلوم نہ کر سکیں گے۔“

۔ آفتاب روح نے آں فلک کہ زورش زندہ اندانس و ملک
 ”وہ تو آفتاب روحانی ہے بلکہ آسمان اعظم کی آن شان ہے کہ اس کے مقدس نور سے ہر انسان ہر فرشتہ زندہ و پائندہ ہے۔“

۔ در بشر روپوش آمد آفتاب فہم کن واللہ اعلم بالصواب
 ”حقیقت میں پردہ بشری میں آفتاب حقیقت نے پردہ پوشی اختیار کی ہے تو اس کی کنہ کو سمجھ۔ باقی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔“

۔ یا علی از جملہ طاعات راہ برگزین تو سایہ خاص الہ
 ”اے علی! راہ طریقت کی تمام طاعات و عبادات تجھے اللہ تعالیٰ کے سایہ خاص میں پہنچادیں گی۔“

۔ ہر کے در طاعتے بگر یختند خویشمن را مخلصے انجیختند
 ”جس کسی نے بھی آپ کو طاعت میں کھینچ لیا اس نے اپنے لئے راہ نجات حاصل کر لی۔“

۔ تو برو در سایہ عاقل گرین تار ہی زاں دشمن پنہاں ستیز
 ”اس لئے تو جا اور کسی عاقل مرشد کا سایہ تلاش کر تاکہ اپنے چھپے ہوئے دشمن (شیطان و نفیس) سے محفوظ رہے۔“

۔ از ہمہ طاعات لہیبہ لائق است سبق یابی بر ہر آں کو سابق است
 ”تمام طاعت میں تیرے لئے یہی لائق ہے کہ تو اس سے سبق حاصل کر جو سب سے اول اور سابق ہے۔“

۔ چوں گرفتگی پیر بین تسلیم شو ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو
 ”جب تو ایسا پیر و شیخ پالے تو اسی کے آگے سر تسلیم خم کر دے“ حضرت موسیٰ
 علیہ السلام کی طرح جو خضر علیہ السلام کے حکم کے تحت چلے تو بھی منزل
 طریقت پر گامزن ہو۔“

۔ صبر کن بر کار ادائے بے نفاق تا نکوید خضر رو هذا فراق
 ”اے بے نفاق! تو اس کے ہر کام پر صبر و تحمل کرتا کہ وہ خضر طریقت تجھے
 یہ نہ کہہ دے کہ جاؤ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہو سکتا۔“

۔ گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن گرچہ طفلے راکشد تو موکن
 ”اگر وہ خضر طریقت کشتی کو توڑ دے تو تو دم مت مار اور اگر وہ کوئی بچہ مار
 ڈالے تو پھر بھی تو بدظن نہ ہو۔“

۔ دست اور احق چو دست خویش خواند تا یسڈ اللہ فوق ایدیبہم براند
 ”اپنے ہاتھ جیسے اس کے ہاتھ کو تو اللہ کا ہاتھ سمجھ۔ اس لئے کہ ”اللہ کا ہاتھ
 اس کے ہاتھ پر ہے“ کا حکم موافق ہو جائے۔“

۔ دست حق میر اندش زندہ اش کند زندہ چہ کند جان پائندہ اش کند
 ”جب اس کا ہاتھ رواں ہوگا تو مردے کو زندہ کر دے گا زندہ کیا بلکہ غیر
 فانی و پائندہ و دائم بنا دے گا۔“

۔ یار باید راہ را تنہا مرد از مر خود اندریں صحرا مرد
 ”تجھ کو رفیق سفر دوست کی ضرورت ہے تو ایسی پرخطر راہ پر اکیلا ہرگز نہ چل
 بلکہ صرف اکیلے اپنا سر لے کہ اس سخت صحرا میں نہ جا۔“

۔ ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بہ عون ہمت مرداں رسید
 ”یہ راہ کسی نے بھی تنہا طے نہیں کی ہے بلکہ وہ اہل ہمت رہبر طریقت کی
 مدد اور تعاون سے گامزن ہوا ہے۔“

۔ دست پیر از غائبان کوتاہ نیست دست او جز قبضہ اللہ نیست

”بیرحق پرست کا ہاتھ اپنے سامنے سے غائب لوگوں کے لئے بھی کوتاه نہیں ہے۔ اس کا ہاتھ سوائے اللہ کے قبضہ و قدرت کے اور کچھ نہیں ہے۔“

۔ غائبانِ راچوں چنیں خلعت دہند حاضرانِ از غائبانِ لاشک بہ اند
”جو کہ غیر موجود لوگوں کو ایسے انعامات و خلعت فاخرہ عطا کرتے ہیں تو جو ان کے سامنے حاضر و موجود رہتے ہیں وہ تو یقیناً غائبوں سے بہتر ہیں۔“

۔ غائبانِ راچوں نوالہ می دہند پیش مہماں تاجہ نعمت ہا نہند
”وہ سخی اور عالی حوصلہ جو غیر موجودوں کو ایسے طعام اور نوالے عطا کرتے ہیں وہ اپنے مہمانوں کو خدا جانے کیسے خوانِ نعمت مہیا کرتے ہوں گے۔“
۔ گو کے کو پیش شہ بند و کمر یا کے کو ہست بیروں سوئے در
”خواہ کوئی بادشاہ وقت کے سامنے زرین کمر باندھنے والا ہو اور خواہ کوئی بے گھر اور بے وطن فقیر بے نوا ہی ہو۔“

۔ فرق بسیارست ناید در حساب آں ز اہل کشف و یں ز اہل حجاب
”مگر ان کے حساب میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ صرف یہ کہ وہ ظاہری طور پر حاضر خدمت ہیں اور دوسرے اہل حجاب یعنی نظر سے اوجھل ہیں۔“
۔ جہد میکن تا رہے یابی دروں ورنہ مانی حلقہ دار از اندروں
”تو بھی سعی و کوشش کرتا کہ اس اعلیٰ مقام میں تجھ کو رسائی حاصل ہو ورنہ تو حلقہ بیرون در کی طرح باہر رہے گا۔“

۔ چوں گزیدی پیر نازک دل مہاش ست وریزیدہ چو آب و گل مہاش
”جب تو پیرِ کامل کو پالے تو صبر و برداشت اختیار کر نازک دل اور زودرنج مت بن اور پانی اور مٹی کی طرح ست و خستہ حال ہرگز نہ ہو۔“

۔ در بہر زخمی چو پر کینہ شوی پس کجا بے صیقل آئینہ شوی
”اگر تو ہر زخم و درد سے رنجیدہ و پر کینہ ہوگا تو پھر صفائی و صیقل کے بغیر تیرا

دل آئینے کی طرح ہوگا۔“

۔ ایک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت ہے ریا
 ”یہ حقیقت بھی تیرے سامنے ہونی چاہئے کہ اللہ کے دوستوں کی بابرکت
 صحبت میں تھوڑی دیر بھی رہنا سو سال کی بے ریا عبادت سے بڑھ کر
 ہے۔“

۔ مگر تو سنگ خارہ و مرمر بوئی چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی
 ”اگر تو سنگ خارہ کی طرح سخت اور مرمر جیسا بھی ہو تو کسی صاحب دل
 بزرگ کی نگاہ فیض اثر سے مشرف ہوگا تو چپکتے ہوئے موتی کی طرح بن
 جائے گا۔“

۔ مہر چاکاں درمیان دل نشاں دل مدہ إلا بمہر دل خوشاں
 ”تو ایسے پاک طینت لوگوں کی محبت و الفت کو اپنے دل میں جگہ دے مگر
 اپنے دل کو سوائے دل خوش کرنے والوں کے اور کسی کو نہ دے۔“

۔ دل ترا در کوئے اہل دل کشد تن ترا در جس آب و گل کشد
 ”تیرے دل کو اہل دل کے کوچے میں کشش ہونی چاہئے جب کہ تیرے
 جسم کو مٹی اور پانی کے جس میں کشش ہونی چاہئے۔“

۔ ہیں غذائے دل بدہ از ہم دے رو بہ جو اقبال را از مقبلے
 ”اس کے باوجود تو اپنے دل کی غذا حاصل کر اور اپنے اقبال و سر بلندی کو
 کسی مقبول بارگاہ ہستی سے طلب کر۔“

۔ دست زن در ذیل صاحب دولتے تاز افشاش بہ یابی رفیعے
 ”کسی صاحب دولت سرمدی کے سامنے ہاتھ پھیلا تا کہ اس کے فضل و کرم
 سے تو بلندی اور عروج پر پہنچ جائے۔“

۔ گفت حق اندر سفر ہر جا روی باید اول طالب مردے شوی
 ”کسی مرد بزرگ نے یہ بات سچ کہی ہے کہ تو سفر کے دوران جہاں کہیں

بھی جائے وہاں پہلے کسی مرد کامل کی تلاش کر۔“

۔ کوئے نومیدی مرد کا میدہاست سوائے تاریکی مرد خورشیدہاست
”تو ناامیدی کے کوچے میں مت جا کیونکہ امیدیں بہت ہیں (اگر تو
حوصلے سے کام لے) اور تاریکی کی طرف ہرگز نہ جا کہ رہبری کے لئے
بہت سے آفتاب روشن ہیں۔“

۔ صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند
”نیک لوگوں کی صحبت تجھے بھی نیک بنا دے گی برے لوگوں کی صحبت تجھے
بھی خراب اور برا کر دے گی۔“

۔ سایہ یزداں جو باشد دایہ اش دارہا ندا زخیال سایہ اش
”جب سایہ یزدانی دایہ مشفق کی طرح نگران ہوگا تو پھر وہ تجھے ہر برے
خیال اور اثر بد سے محفوظ کر دے گا۔“

۔ سایہ یزداں جو باشد دایہ اش دارہا ندا زخیال سایہ اش
”جب سایہ یزدانی دایہ مشفق کی طرح نگران ہوگا۔ تو پھر وہ تجھے ہر برے
خیال اور اثر سے محفوظ کر دے گا۔“

۔ سایہ یزداں بود بندہ خدا مردہ این عالم و زندہ خدا
”سایہ یزداں خدا کے خاص بندے ہیں۔ یہ سارا عالم مردہ اور خدا زندہ و
پائندہ ہے۔“

۔ دامن اور گیر زد تر بیگماں تار ہی از آفت آخر زماں
”تو اس کا دامن بہت جلدی بے فکری سے پکڑ لے تاکہ ہر مصیبت و آفت
سے نجات پائے۔“

۔ کَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ لِنَفْسِ اُولِيَّاسَ كُو دَلِيلِ سَايَةِ نُوْرِ خُدَا سَت
”اولیاء کرام کا نفس قدسیہ کیسا بلند مرتبہ سایہ ہے جس کی دلیل نور حق کا
سایہ ہے۔“

۔ اندریں وادی مرو بے این دلیل لا اُحِبُّ الْاَفْلِسِينَ گوچوں ظلیل
 ”اس دشوار گزار وادی میں اس دلیل کے بغیر داخل نہ ہو۔ حضرت ابراہیم
 ظلیل علیہ السلام کی طرح تو بھی لا اُحِبُّ الْاَفْلِسِينَ (میں غروب ہونے
 والوں کو نہیں چاہتا) کہے جا۔“

۔ پیر را بگریں کہ بے پیراں سفر ہست بس پر آفت و خوف و خطر
 ”تو کوئی پیر طریقت تلاش کر کیونکہ بے پیر کے سفر کرنا بڑا پر آفت اور بہت
 خوف و خطر کا باعث ہے۔“

۔ آں رہے کہ بارہا تو رفتہ بے قلا ز اندریں آشفته
 ”اس راہ پر کہ جس پر تو نے بارہا سفر کیا ہے تو بغیر رہبر و رفیق سفر کے نہیں
 چل سکتا۔“

۔ پس رہے را کہ ندیدستی تو بیچ ہیں مرد تہا ز رہبر سر بیچ
 ”تو پھر جس راہ کو تو نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی طے کیا ہے بغیر رہبر کے تو
 اس پر ہرگز گامزن نہ ہو۔“

۔ ہر کہ ادبے مرشدے در راہ شد او ز غولان گمرہ و درچاہ شد
 ”جو بغیر مرشد کے سفر اختیار کرتا ہے وہ بھوتوں سے خوف زدہ ہو کر گمراہ ہو
 کر اندھے کنوئیں میں گر پڑتا ہے۔“

۔ گر نہ باشد سایہ پیراے فضول پس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول
 ”اے فضول آدمی اگر تو اس راہ میں پیر کا سایہ نہیں رکھتا تو پھر تجھے بھوتوں
 کی ہولناک آوازوں سے سرگشتہ و پریشان ہونا پڑے گا۔“

۔ غولت از رہ افگند اندر گزند از تو وای تدریں رہ بس بدند
 ”راستے کے بھوت پریت راہزنی کر کے تجھے نقصان پہنچائیں گے پھر تجھ
 سے بڑھ کر اس راہ میں شاید کوئی وای اور خراب نہ ہوگا۔“

۔ شیخ نورانی ترا آگہ کند باخن ہم نور را ہمہ کند

”شیخ نورانی تجھے ہر بات سے آگاہ اور خبردار کر دے گا۔ وہ اپنی باتوں سے اپنے نور ولایت کو بھی تیرے ساتھ کر دے گا۔“

۔ تا تو انی ز اولیا رو بر متاب جہد کن واللہ اعلم بالصواب
”جہاں تک ہو سکے تو اولیاء اللہ سے اپنا چہرہ نہ چھپا، جہاں تک ہو سکے تو کوشش کر، بس اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔“

۔ چوں شدی دور از حضور اولیاء در حقیقت گشتہ دور از خدا
”جب تو اولیاء اللہ کی خدمت سے دور رہے گا تو حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی سے دور ہو جائے گا۔“

پیر کامل مل جائے تو:

جب پیر کامل مل جائے تو طالب خدا پر فرض ہے کہ:

○ — اپنا مال و اسباب جسم و جان پیر پر نثار کر دے

○ — اس کے حکم کا فرمانبردار رہے

○ — اس پر پورا بھروسہ اور تمسک کامل رکھے

جیسا کہ اندھا اپنی لامٹی یا ساتھ والے کا ہر امر میں تابع رہتا ہے اور کوئی حیل و حجت نہیں کرتا۔ اسی طرح مرید کو بھی کمال غلبت بید الغسال (غسل دینے والے کے ہاتھوں میں جیسے مردہ) مرشد کے ساتھ ہونا چاہئے — اور دل میں اس بات کا یقین کامل رکھے کہ اگر مرشد غلطی بھی کرے گا تو اس کی غلطی میں بھی مجھ کو زیادہ نفع ہوگا، یہ نسبت اس کے کہ میں راہ ثواب پر تنہا جاؤں — مرید کو چاہئے کہ ہمیشہ شیخ کے باطن میں خدا کو دیکھے کیونکہ شیخ آئینہ خدا ہے — جو مرید اپنی ارادت و مراد کی راہ پر چلے وہ اپنی مراد کا مرید ہے نہ کہ پیر کا — مریدی تو پیر پرستی ہے اور خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں زناری۔ جیسا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۔ چونکہ ذات پیر را کر دی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
”جب تو نے پیر کامل کی ذات کو قبول کر لیا تو اس کی ذات والا صفات میں

خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کا جلوہ مشاہدہ کر لے گا۔“
 ۱۔ دو مدان و دو مبین و دو نحواس خولجہ را در خولجہ محموداں
 ”تو دوئی نہ جان دوئی نہ دیکھ اور دوئی کا طلب گار نہ ہو۔ تو آقائے عالم کو
 اپنے آقا میں محو جان۔“

۲۔ گر جدا بینی ز حق ایں خولجہ را گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را
 ”اگر تو اس خولجہ کو حق سے جدا دیکھے گا تو کتاب حقیقت کا اصل اور دیباچہ
 گم کر دے گا۔“

۳۔ پیر حق راز احولی ہر کہ دو دید او مرید است در حقیقت نے مرید
 ”پیر حق کو جس نے احولی (دوبنی) سے دو دیکھا وہ گمراہ ہو گیا۔ حقیقت
 میں مرید نہیں ہوا۔“

۴۔ چوں دیدہ عقل آمد احول معبود تو پیر تست اول
 ”بھلا جب کہ دیدہ عقل میں ہنی فتور اور بھینگا پن آ جائے تو تیرے بھیجے
 پن (دوبنی) کی اصلاح کے لئے تیرا پیر ہی تیرا مقصود اول ہے۔“
پیر سے توقعات:

یہ توقع نہ رکھے کہ پیر معصوم اور بڑا عابد ہو۔۔۔ نہ اپنے سر کی آنکھوں سے پیر کی
 صورت کو طاعت و عبادت میں دیکھے۔ بلکہ دل کی بصیرت سے اس کے علم و معرفت و
 حقیقت کو دیکھے۔ جیسے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اکرم
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تھے۔ نہ کہ اس طرح جیسے کفار یعنی ابوجہل و ابولہب وغیرہ
 دیکھتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ. (پ ۹، ع ۱۳۷)

”اور تو دیکھتا ہے ان کو آنکھیں کر رہے ہیں تیری طرف، مگر وہ نہیں دیکھتے۔“

پیر کے گوشت پوست اور سرخ و سفید و سیاہ رنگ اور فریبی و لاغری پر نہ جائے کہ یہ صفات جسمانی ہیں۔ پیر ان سب سے پاک و جدا ہے۔

۔ کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف
دل کے گلنے کے ڈھنگ اور ہی ہیں

صورت حجاب ہے اور حقیقت بے حجابی — لہذا صورت کو چھوڑ اور حقیقت کی طرف دوڑ۔ پیر کے حکم کو حکم خدا جان، اس کے اتباع کو لازم سمجھ۔ کہ اس مقام پر پیر بمنزلہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پ ۵ ع)

یعنی ”جس نے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی فرماں برداری کی، تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا (پ ۷ ع ۵)

”اور ہم نے ان کو امام کیا ہے، ہدایت کرتے ہیں ہمارے حکم کی۔“

۔ شیخ کہ بود کیمائے بے خلل شیخ کو بود عین دریائے ازل
مکمل از پیغمبر ایام خویش تکیہ کم کن برفن و بر کام خویش
”شیخ کامل کیمائے خالص کی مثل ہوتا ہے، شیخ بالکل دریائے ازل کی مانند ہے۔
تو پیغمبر وقت سے اپنے معاملات کے متعلق حجت نہ کر۔ تو ان کے سامنے عاجزی کر،
اپنے ہنر و فن اور کارکردگی پر بھروسہ نہ کر۔“

اہل طریقت کا مذہب:

اپنے تمام حالات بے کم و کاست شیخ کی خدمت میں بیان کرتا رہے۔ تاکہ پیر اس کی تربیت میں کوشش کرے اور خطرات سے محفوظ رکھے۔ شیخ کے سوا کسی سے نہ کہے۔ — مرید مبتدی پیر کے حضور میں ادب سے رہے، اور غیر موجودگی میں بصورت مراقبہ حاضر جانے، گویا حضوری میں ہے — مرید شہمی حاضر و غائب یکساں رہے۔ — مرید کو لازم ہے کہ پیر سے ہمیشہ طالب حقیقت رہے۔ تمام مذہبوں اور

قوموں کو ایک جانے۔ ورنہ راہ سلوک میں طالب کی بجائے فرق ڈالنے والا ہوگا۔ طالب کو مذہب کا فرق اس کی راہ میں حجاب کی طرح ہے۔ ابتدائی حالت میں تو اپنا مذہب ترک عادت رکھے، آخر میں خود بخود کوئی مذہب نہیں رہتا۔

حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس مذہب پر ہیں؟
آپ نے فرمایا:

”أَنَا عَلَىٰ مَذْهَبِ رَبِّي“ یعنی ”میں اپنے رب کے مذہب پر ہوں۔“

کیونکہ جو شخص کسی مذہب پر ہوتا ہے، وہ صاحب مذہب کا پیرو ہوتا ہے۔ مخلص اور اہل طریقت خدا کے مذہب پر ہوتے ہیں۔ اور مخلص۔ وہی ان کا رہنما اور پیر ہے۔

چنانچہ اہل معرفت خود خدا ہی کے مذہب پر ہوتے ہیں۔ اور مخلص نہ مخلص اختلاف توقف ہے۔ ترقی اور طلب میں اخلاص شرط ہے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
”جو شخص اللہ تعالیٰ سے چالیس صبح محبت رکھے، تو اس کے قلب سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر ظاہر ہو جائیں گے۔“

لہذا ہر امر میں اخلاص کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ وہ کام خوبی پیدا نہیں کرتا۔ جو شخص اپنے آپ میں مریدی کی یہ صفات دیکھ لے، اور طالب خدا بننا چاہے تو آئندہ سطور میں جو ضروری باتیں بیان ہوں گی، ان پر عمل کا عزم کر لے۔ یہاں سے پیر کامل جو کہ وقت کا حاکم ہے، اس کی مدد سے سفر کے اسباب مہیا کر کے سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔

راہ طریقت کے مسافر اور ان کی ضروریات

سچے طالب کی ضرورتیں:

راہ طریقت میں طالب صادق کو دس چیزوں کی ضرورت ہے:

- | | | | |
|-------------------|---------|---------|----------|
| ۱- زہد | ۲- توبہ | ۳- توکل | ۴- نفاعت |
| ۵- تنہائی (عزالت) | ۶- صبر | ۷- رضا | ۸- توحید |

۹- مراقبہ و توجہ الی اللہ ۱۰- ذکر الہی

اس سفر کے ان اسباب کو مرحلہ وار بیان کیا جاتا ہے:

(۱) — زہد:

بزرگان دین نے زہد کو بہترین اعمال سے لکھا ہے۔ اگرچہ تَفَقُّهُ فِي الدِّينِ یعنی آیات کریمہ جن کا تمام عالم میں ظہور ہو رہا ہے، تفکر کرنا درجات نقر میں افضل ترین ہے۔ — جو صاحب بصیرت ہیں، خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ میں وہ جب تفکر کرتے ہیں، اور صنعت سے صانع (بنانے والے) کی طرف جاتے ہیں۔ تو ان پر حقیقت اشیاء کا علم منکشف ہو جاتا ہے۔ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا

حتیٰ کہ تفکر میں محو و مستغرق ہو جاتے ہیں — ان کی نظروں میں صنعت معدوم ہو جاتی ہے، ان کی عقل و گمان و قیاس و وہم و ادراک میں سوائے ایک ذات واحد کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ آخر الامر ذات و صفات و علم و ادراک بھی نیست و نابود ہو جاتا ہے — اگرچہ یہ صراط مستقیم اور قریب تر راہ ہے، لیکن چونکہ اکثر بندوں کی عقل توحید و کلمہ طیب کے مضامین عالی کی تفہیم سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان کا عنقائے ادراک تعلیم حقیقی کی طرف پرواز نہیں کرتا۔ بلکہ اضافات و تعینات کے چہرے (قفس) میں قید رہتا ہے، تو کاملین اس مرید کو زہد کی تعلیم فرماتے ہیں۔ تاکہ صفات ملکوتی حاصل کر کے حور و قصور اور بہشتی نعمتوں کا مستحق ہو جائے۔ یا رفتہ رفتہ منزل بہ منزل اپنے مقصود و مقام حقیقی میں پہنچ جائے — بہر حال زہد عمدہ چیز ہے۔ عام و خاص و انحصار اس میں شامل رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ عبودیت کی دلیل ہے اور عبودیت کا ثبوت مرتبہ خلافت ہے۔

زہد کے قواعد ضروری:

یہاں زہد کے قواعد مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں، تاکہ سالک راہ ار، راہ میں پریشانی اور مشکل نہ پائے، اور آرام کے ساتھ اپنے مقصود اصلی کو پہنچ جائے —

طالب خدا کو لازم ہے کہ ان امور کی مداومت رکھے اور ان تین حجابات کے اٹھانے کی سعی کرے:

☆ — **اول** حجاب مال،

☆ — **دوئم** حجاب جاہ،

☆ — **سوئم** حجاب تقلید۔

حجاب اٹھانے کی تدبیر یہ ہے کہ حجاب مال، مال تقسیم کرنے سے دور ہوتا ہے — اور حجاب جاہ تہائی و گوشہ نشینی سے — حجاب تقلید، مذہبی تعصب دور کرنے سے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ نے ”احیاء العلوم“ میں فرمایا کہ مرید کو لازم ہے کہ نہ ہوں کا تعصب چھوڑ دے۔ اگر اس پر تعصب کا غلبہ ایسا ہو کہ سوائے اعتقاد تقلیدی کے نفس میں اور کی گنجائش ہی نہ ہو، تو ہمیشہ اس میں مبتلا رہے گا — اور یہی امر اس کے لیے باعث حجاب ہوگا۔ کیونکہ مرید میں یہ شرط نہیں کہ کسی خاص مذہب کا ہو — اس سے ثابت ہوا کہ متعصب کو دیدار خدا ہرگز نہ ہوگا۔

(۲) — **توبہ:**

جمع لذات و خواہشات نفسانی دنیا و آخرت سے باہر ہونا، اور جو چیز خدا سے باز رکھے، اس سے منہ پھیرنا، اور پچھلے گناہوں سے شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر خطا کر کے معافی مانگنا، یہی توبہ ہے — ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پ ۱۸ ع ۱۰)

”اور توبہ کرو اللہ کی طرف تم سب اے ایمان والو تاکہ تم بہتری پاؤ۔“

مزید فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا (پ ۲۷ ع ۲)

”اے ایمان والو! اللہ کی طرف توبہ کرو یعنی خالص توبہ۔“

یعنی ایسی توبہ کرو کہ پھر کبھی اس کا خیال بھی نہ آئے۔

سب گناہوں کی جڑ دُنیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

”دُنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، اور دُنیا و ما فیہا سے تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں۔“

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

”دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت“

ترمذی و ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

”دُنیا ملعون ہے، اور جو چیزیں اس میں ہیں وہ بھی ملعون ہیں، سوائے ان چیزوں کے جو خدا کے لیے ہوں۔“

ابی موسیٰ سے حدیث پاک روایت ہے:

”جو دُنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے، اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ دُنیا کا نقصان کرتا ہے۔“

چنانچہ باقی (رہنے والے) کو فانی پر ترجیح دیتے ہوئے اختیار کرو۔

۔ در عرض فانی خوار و حقیر دولت پائندہ باقی گیر

یعنی ”اس فانی دولت اور حقیر و ذلیل سرمائے کے بدلے ہمیشہ اور باقی رہنے والی دولت حاصل کر۔“

آخرت کے مقابل دُنیا فانی ہے اور آخرت بہ نسبت خدا کے۔ کیونکہ وہ بھی مَآ دَائِمَةِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ میں داخل ہے۔ راقم کے نزدیک تو یہ دونوں فانی ہیں۔ ان دونوں کو دل سے دور کرے۔ سب سے بہتر سب سے بڑھ کر خدا کی محبت ہے۔ اتباع و اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر جس کا حصول ناممکن ہے۔ کسی کامل کا کہنا ہے:

☆ — دُنیا حرام ہے صاحبانِ آخرت پر،

☆ — آخرت حرام ہے دُنیا والوں پر،

☆ — یہ دونوں حرام ہیں طالبانِ خدا پر۔

چنانچہ سوائے خدا کے کسی سے محبت و الفت نہ رکھے کہ سب کو فنا ہے۔

(۳) — توکل:

یعنی وسائل و اختیار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھنا اپنے وسائل اور اختیار پر بھروسہ نہ رکھنا۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

(۴) — قناعت:

جو کچھ میسر ہو اگرچہ اس سے ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، اسی پر اکتفا کرنا۔ تمام غیر اشیاء سے دامن بچانا جو یار سے باز کرنے والی ہوں — دوسرے لفظوں میں موجود اشیاء پر قناعت و بے نیازی کرنا اور جو چیز موجود نہ ہو اس کی طلب نہ کرنا۔

(۵) — عزلت یعنی تنہائی:

اسے محفل میں تنہائی بھی کہتے ہیں یعنی خلوت در انجمن — دل میں ہر وقت خدا کے سوا کسی دوسرے کی جگہ نہ ہو۔ اسی کو تَطَهُّرُ الْقَلْبِ عَنْ مَّا سِوَى اللَّهِ کہتے ہیں — مبتدی کے لیے عزلت یعنی تنہائی بہتر ہے۔ لوگوں کی آمیزش اور صحبت سے گریز کرے بلکہ نفرت کرے۔

(۶) — صبر:

صرف پروردگار کی ذات پر بھروسہ کرنا، اسی کی امید رکھتے ہوئے دنیا اور اہل دنیا سے کوئی امید نہ رکھنا۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

(۷) — رضا:

اپنی خوشی پر دوست کی خوشی کو ترجیح دینا، دوست کی رضا کو اپنی رضا پر اولیت دینا، مقدم سمجھنا — جو کچھ محبوب سے پہنچے اسے لبیم کرنا۔

(۸) — تو حید:

خالق کائنات اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا — اعتقاد وحدانیت کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر

ایمان رکھنا — توحید کی چار اقسام ہیں:

☆ — توحید اسمائی:

یعنی تمام موجودات کے اسماء کو اسمائے الہی جاننا۔

☆ — توحید انفعالی:

جمع افعال جملہ موجودات کو اللہ کی طرف منسوب کرنا۔

☆ — توحید صفائی:

جملہ صفات موجودات کو صفات خدا جاننا۔

☆ — توحید ذاتی:

جملہ موجودات میں جلوۂ ذات خدا دکھائی دے، جملہ موجودات میں ذات واحد کے سوا کچھ نظر نہ آئے — تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

(۹) — مراقبہ و توجہ الی اللہ:

ظاہری و باطنی آنکھ کو محبوب کے حضور متوجہ رکھنا — اس کی بہت اقسام ہیں۔ آئندہ بیان ہوں گی۔

(۱۰) — ذکر:

ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہنا — اس کی بہت اقسام ہیں یعنی: اذکار و اشغال، مراقبات و تفکرات وغیرہ — ان کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

فقر و فقیر:

یہ بھی ضرور ہے کہ ہمیشہ اپنے نقد حال کو معیار حقیقت فقر و فقیر پر جانچتا رہے۔ کیونکہ کھوٹے مال کا سفر و حضر میں کوئی خریدار نہیں بلکہ قابل سزا ہے اور مجرم سرکار۔ امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حاجت کی چیز نہ ہونے کا نام فقر ہے اور جو

حاجت مند ہے وہ فقیر ہے۔ جو محتاج نہیں وہ غنی مطلق ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب محتاج و فقیر ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ

یہ معنی فقر مطلق کے ہیں۔

مال کا فقیر:

بندے کی حاجات کو اس کی ضروریات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بے شمار ہیں۔ مال کے متعلق اس کی جو حاجات ہیں اس وقت انہیں بیان کیا جاتا ہے۔ جو شخص مال نہیں رکھتا اسے مال کا فقیر کہیں گے، جو اس کے پاس نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس شخص کو اس مال کی حاجت بھی ہو۔

مال کے فقیر کی اقسام:

مال کے فقیر کی چھ حالتیں ہیں:

- | | | |
|---------|---------|-----------|
| ۱- مضطر | ۲- حریم | ۳- قانع |
| ۳- راضی | ۵- زاہد | ۶- مستغنی |

(۱) — مضطر:

جو مال اس کے پاس نہیں اس کی ضرورت میں مضطر ہو۔ مثلاً بھوکے کو روٹی اور ننگے کے پاس کپڑا نہ ہو۔ ایسی حالت والے کا نام مضطر ہے۔ اس کی رغبت طلب کے باب میں کسی طرح کی ہوشیاری یا قوی اس کی طلب حالت رغبت سے بہت کم جدا ہوتی ہے۔

(۲) — حریم:

مال کی طلب عاجزی کی وجہ سے نہ ہو۔ ورنہ رغبت اتنی ہے کہ اگر کوئی سبیل اس کے حصول کی طے گو وہ محنت ہی سے ہو، اس کو ضرور طلب کرے یا طلب میں مشغول رہے۔ ایسی حالت والے کا نام حریم ہے۔

(۳) — قانع:

مال کا ہونا اس کے نزدیک نہ ہونے سے بہتر ہو، اس وجہ سے کہ کچھ مال کی رغبت رکھتا ہے۔ مگر نہ اتنی کہ اس کی طلب میں سرگرم ہو بلکہ ایسی رغبت کہ بلا محنت و کدورت مل جائے، تولے کر خوش ہو۔ اور اگر طلب میں کچھ مشقت کی احتیاج ہو تو اس میں مشغول نہ ہو، اس کو قانع کہتے ہیں۔

(۴) — راضی:

مال کی رغبت اتنی نہ ہو کہ اس کے حصول سے ہو، اور نہ اتنی نفرت کہ اس سے ایذا پائے — یا اگر ملے تو اس کو چھوڑ دے۔ ایسے شخص کو راضی کہتے ہیں۔

(۶) — زاہد:

اگر مال آئے تو برا معلوم ہو بلکہ ایذا ہو، اس کے قبول سے نفرت کرے اور مشغولی سے اجتناب اور اس کے شر سے احتراز رہے۔ ایسے شخص کو زاہد کہتے ہیں۔ ان پانچ حالتوں میں اعلیٰ و افضل زہد ہے — اگر یہ اضطرار کے ساتھ ہے تو یہ اقصائے درجات میں سے ہے — طالب کو ان پانچ حالتوں میں نظر کر کے دیکھنا چاہئے کہ میں کونسی حالت میں ہوں۔ پھر اس سے ترقی کر کے چھٹی حالت میں جو زہد سے بھی افضل ہے، پہنچ جائے:

(۶) — مستغنی:

چھٹی حالت استغناء ہے۔ یعنی آدمی کے پاس مال کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوں تو آئے کی خوشی نہ گئے کا غم۔ ایسے آدمی کو ہم مستغنی کہتے ہیں۔ اسی سبب سے ایسا شخص اس غنی سے جو صفت خداوندی ہے، قریب تر ہے۔

بندے کا اللہ سے قرب:

بندے کا قرب اللہ تعالیٰ سے اس طرح پر ہے کہ صفات الہی میں قریب ہونا قرب مکانی۔ ایسی حالت والے کو ہم مستغنی کہیں گے تاکہ لفظ غنی اس ذات پر بول

سکیں۔ جس کو غناء مطلق ہے — مخفی نہ رہے کہ زاہد ابرار کے درجہ کا کمال ہے، اور اس حالت والا یعنی مستغنی مقربین میں سے ہے تو ضرور ہوا کہ زاہد اس کے لیے درجہ نقصان ہو۔ کیونکہ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ یعنی

”ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیاں ہیں۔“

دُنیا کا برا جاننے والا بھی دُنیا میں ایسا ہی مشغول ہے جیسا اس کی رغبت کرنے والا۔ شغل ماسوا اللہ خدائے تعالیٰ کے لیے حجاب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کچھ فاصلہ پر تو ہے ہی نہیں جو دوری اس کا حجاب ہو بلکہ وہ تَوْنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ یعنی ”آدمی کی رگ گردن سے بھی قریب تر ہے۔“

اور نہ خدا تعالیٰ کسی مکان میں ہے تاکہ آسمان و زمین اور جو اس میں ہیں وہ حجاب ہو جائیں۔ تو اب ثابت ہوا کہ حجاب اس میں اور آدمی میں سوائے مشغولی غیر اللہ اور کوئی نہیں — جو شخص مشغول غیر اللہ ہے وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے مجھب رہتا ہے اور خدا سے منحرف — جو شخص اپنے نفس کے بغض میں لگا ہوا ہے وہ بھی خدا سے مجھب ہے۔ مثلاً جس مجلس میں عاشق و معشوق ہوں اس میں اگر رقیب آجائے اور عاشق کا دل رقیب کے بغض میں متوجہ ہو جائے تو لذت مشاہدہ معشوق سے محروم رہ جائے گا۔ اور اگر عاشق معشوق میں مستغرق ہے تو سوائے دیدار کسی کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔

اشکالات مع جوابات

اس سے پہلے کہ مقصود اصلی کو بیان کیا جائے چند اشکالات مع جوابات برائے طالب و مسافر راہ طریقت کی آگاہی کے لیے تحریر کرتا ہوں۔ تاکہ طالب ہر طرح سے چست و چالاک ہو کر اس راہ میں قدم رکھے، اور کہیں خطانہ کھائے کہ یہاں سے یہ راہ بہت خطرناک ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ!

شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت کیا ہیں:

☆ — شریعت لباس ہے اور طریقت جسم — حقیقت روح ہے اور معرفت ذات

حق۔

☆ — شریعت اتباع ہے اور طریقت انقطاع — حقیقت اطلاع ہے اور معرفت متاع۔

☆ — شریعت بندگی ہے اور طریقت ترک خودی — حقیقت وصال ہے اور معرفت کمال۔

☆ — شریعت فرماں برداری اور طریقت غیر سے بیزاری — حقیقت دوست سے برخورداری — معرفت اپنے آپ سے ہوشیاری۔

☆ — شریعت غنا ہے اور طریقت فنا — حقیقت بقا ہے اور معرفت غنا۔

☆ — شریعت اقوال و افعال ہے اور طریقت اخلاق و احوال — حقیقت صفات و ذات ہے اور معرفت علم و یقین۔

چنانچہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

الشَّرِيعَةُ أَقْوَالِي، وَالطَّرِيقَةُ أَفْعَالِي، وَالْحَقِيقَةُ أَحْوَالِي
وَالْمَعْرِفَةُ أَسْرَارِي۔

سلوک کیا ہے، سالک کون ہے؟

لغت میں سلوک کے معنی ہیں ”رستہ چلنا“۔ اصطلاح صوفیہ کرام میں ”ایک حال و مقام سے دوسرے حال و مقام میں انتقال حسی ہے“ — اے سیرالی اللہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی معشوق کی طرف عاشق کی سیر۔ یہاں انتقال سے مراد معنوی انتقال ہے نہ کہ ظاہری۔ سالک راہ کو روکتے ہیں — ابتدا میں حال احسن، وسط میں عقل معاد اور آخر میں نور اللہ۔

تزکیہ نفس کیا ہے؟

سلوک میں تزکیہ نفس یہ ہے کہ نفس کو اوصاف ذمیرہ حیوانی سے پاک کرے، اوصاف حمیدہ ملکی سے آراستہ اور نفس امارہ کو لوازمہ اور مطمئنہ کے اوصاف سے موصوف

کرے۔ چنانچہ حقیقت سلوک یہ ہے کہ تَخْلِقُوا يَا خَلْقِ اللَّهِ
تصفیہ قلب کیا ہے؟

سلوک دل کا نام تصفیہ ہے۔ یعنی آئینہ دل کو زنگِ ہوم و غموم و حرص و دنیا و حسبِ دنیا
واندیشہ دنیا سے مصفا کرے۔

تخلیہ سر کیا ہے؟

تخلیہ سر یہ ہے کہ سر کو اندیشہ ماسوئی اللہ و غوغائے غیر حق سے خالی رکھے۔ یعنی
اندیشہ غیر حق کو اپنے سر میں راہ نہ دے اور اگر آئے تو نفی کرے۔

تجلیہ روح کیا ہے؟

تجلیہ روح یہ ہے کہ ہور مشاہدہ حق و ذوق و شوق و محبت و اسرار و انوار روح کو متجلی
و متحلی کرے۔

مقصد کسے کہتے ہیں:

وحدت حقیقی میں پہنچنا اور پندار اور خودی و دوئی سے باہر آنا۔

جذبہ کسے کہتے ہیں:

رحمتِ خاص و فیضِ خاص کا نام جذبہ ہے۔

وصول بہ حق کیا ہے:

پندار خودی و دوئی سے انقطاع و تہرئی اور وجود مطلق میں جہل و علم کا نفع ہو جانا۔

فکر کیا ہے:

فکر چہ اسرار کلی حل شدن کوہ کندن در دل خود دل شدن
”فکر و تفکر کیا ہے؟“ — اسرار کلی کا حاصل ہو جانا اور اپنے دل میں سے حرص و
ہوس کے پہاڑ کو کھود کر پھینک دینا اور خود مجسم پاک و صاف دل بن جانا۔“

۔ کار فکرت لاجرم یک ساعت است بہتر از ہفتاد سالہ طاعت است
 ”تیرے فکر کا کام بلاشبہ ایک ساعت کا ہے، مگر یہ ایسا مشکل اور اہم کام ہے کہ
 ستر سالہ طاعت و عبادت سے بہتر ہے۔“

صحو کیا ہے؟

۔ صحو چہ از خود بخود رہ یافتن پس ز خود خود را منزہ ساختن
 ”صحو کیا ہے؟ — خود بخود راہ ہدایت پالینا اور اپنے آپ اپنی خودی سے پاک
 ہو جانا۔“

محو و محویت کیا ہے؟

۔ محو چہ از خویش ہم خویش آمدن پس زہرود نیز درویش آمدن
 محو و محویت کیا ہے؟ — اپنے آپ سے اپنے آپ میں آنا، اور ان دونوں
 حالتوں میں فقیر و درویش بن کر آنا۔

سکر کیا ہے؟

۔ سکر چہ از خار گل انگاشتن جزو را نادیدہ کل پند اشتن
 ”سکر کیا ہے؟ — کانٹوں میں سے پھول اکٹھے کرنا، اور بے دیکھے جزو کو کل
 سمجھ لینا۔“

بسط کیا ہے؟

۔ بسط چہ از ہر دو عالم بر زدن خوبش بر صد عالمے دیگر زدن
 ”بسط کیا ہے؟ — ہر دو عالم سے فارغ و آزاد ہو جانا، اور اپنے آپ کو
 سینکڑوں عالموں کے مقابل جدا بنانا۔“

قبض کیا ہے؟

۔ قبض چہ از جان و دل تن ساختن خانہ در سوراخ سوزن ساختن

”قبض کیا ہے؟ — جان و دل سے جسم و تن بنالینا، اور اپنا گھر سوئی کے باریک سوراخ کے اندر بنالینا۔“

وحدت سے کثرت میں آمد کیوں؟

خود را بہ تکلف دگرے ساختہ ام تا شاد کنم آن دگرے را کہ منم
 ”میں نے بڑے تکلف اور شان سے اپنے آپ کو دوسرا بنایا ہے۔ تاکہ میں اس دوسرے کو شاد و بٹاش کروں، جو کہ درحقیقت میں خود ہی ہوں۔“
 نہ وحدت سے کچھ نقصان تھا نہ کثرت سے کچھ فائدہ حاصل ہوا۔

حق ز ایجاد جہاں افزوں نشد آں چہ ازل آن نہ بود اکتوں نُشد
 ”جہاں و کائنات کی ایجاد سے حق کچھ زیادہ نہیں ہو گیا ہے۔ جو کچھ وہ پہلے نہیں تھا اب بھی وہ نہیں ہوا ہے۔ یعنی جیسا پہلے تھا اب بھی ویسا ہی ہے۔“

پر شور الست کی ندا ہے اب بھی جو تھی وہی آن اور ادا ہے اب بھی
 ہوتی نہیں سنت الہی تبدیل جس شان میں تھا وہی خدا ہے اب بھی
 لیکن کثرت وحدت کے لیے لازم ہے اور وحدت کثرت کے لیے واجب —
 یعنی کثرت وحدت کے ساتھ رہتی ہے۔ اگر وحدت نہ ہو تو کثرت ہو ہی نہیں سکتی۔
 حدیث قدسی ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًّا فَأَخْبَيْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

یعنی ”میں پوشیدہ خزانہ تھا، پس چاہا میں نے یہ کہ پہچانا جاؤں — پیدا کیا میں نے خلقت کو۔“

چوں بفرود بحر غرش کف شود جوش اخبیت لائن اعراف شود
 ”جب بحر مواج جوش و خروش میں آیا تو اس کا جوش کف و جھاگ ہو گیا —
 اور اس کا وہ جوش اخبیت لائن اعراف (میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں) بن گیا۔“

ز دریا موج گوناگوں برآمد زبے چونی بہ رنگ چوں برآمد
 گے در کسوت لیلیٰ فروشد گے بر صورت مجنوں برآمد

دریائے وحدت سے رنگ برنگ کی بے شمار موجیں نکلیں اور ”بے چونی“ سے ”چون“ کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ کبھی تو وہ لیلیٰ کے پردہ و لباس میں چھپ گیا اور کبھی قیس و مجنوں کی شکل میں آشکارا ہوا۔

فقر و فقیر کیا ہیں؟

الْفَقْرُ لَا يَحْتَاجُ إِلَى اللَّهِ

فقر حق است و نہ حق از وے جدا فقر لا یحتاج باشد از خدا
”فقر حق ہے، اور حق اس سے جدا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا فقر سب سے بے نیاز ہے۔“

فقر تحریر و تقریر سے باہر ایک راز ہے۔ مثلاً دولہا دلہن کی شادی اگرچہ والدین کی مرضی سے ہوتی ہے۔ تمام رسوم ان کے وسیلے اور ذریعے سے انجام پاتی ہیں، لیکن وقت وصال کسی کو دخل نہیں ہوتا۔ شب زفاف کی کیفیت دولہا دلہن کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن لطف و مذاق و صل یہ دونوں بھی بیان نہیں کر سکتے۔

ع حال خلوت شاہ و اند یا عروس

اسی طرح مرشد کامل مرید طالب کو سیرالی اللہ اور سیر مع اللہ اور سیر فی اللہ کرا کے پر خدا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد جو راز و نیاز اس کے اور خدا کے درمیان ہوتے ہوتے ہیں، اس کو فقر کہتے ہیں۔ ایسے فقیر کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
حدیث قدسی ہے:

أَوْلِيَانِي تَحْتَ قَبَائِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي

یعنی ”میرے دوست میری قبائیں ہیں، میرے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔“
حاصل اندر وصل چوں افتاد مرد گشت دلالہ بہ پیش مرد سرد
”ہنگام وصل وصال میں جو مشکلات مرد کو درپیش آئیں، ان کو دیکھ کر مرد کے سامنے دلالہ بھی افسردہ و خاموش ہوگئی۔“

صوفی اور ہمہ اوست:

صوفی ہمہ اوست کو صحیح و درست سمجھتا ہے۔ کیونکہ صوفی جب منزل توحید میں پہنچتا ہے اور اس پر توحید کا انکشاف ہوتا ہے تو اسے ہر شے میں ذات واحد کا نظارہ نظر آتا ہے۔ ہر شے میں ذات واحد کی جلوہ گری دیکھ کر نعرہ ہمہ اوست لگاتا ہے۔

ہمسایہ وہم نشیں و ہمراہ ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
 در انجمن فرد نہاں خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست
 ”در حقیقت ہمسایہ وہم نشیں اور رفیق سفر سب وہی ہے۔ فقیر اور گدائے بے
 نوا کی پھٹی ہوئی گدڑی میں بھی وہی ہے۔ اطلس پوش بادشاہ کے لباس میں بھی وہی
 پوشیدہ ہے۔ گوشہ تنہائی میں بھی وہی ہے۔ سب کے بھرے پرے گھروں میں
 کیا محفل کیا تنہائی بخدا سب کچھ وہی ہے اور سب کچھ وہی ہے۔“

عبادت کس لیے؟

عبادت اپنی شناخت کا ذریعہ ہے، کیونکہ آئینہ دل کو جب تک مصقلہ عبادت سے
 صاف نہ کرو گے۔ معرفت نفس محال ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ
 فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

”اپنے نفس کی شناخت خدا کی شناخت ہے۔ جس طرح آئینہ صیقل کرنے سے ہر
 ایک چیز اس کے اندر نظر آتی ہے۔ اسی طرح عبادت و مجاہدہ سے انسان پر اپنے
 اوصاف و کمالات ظاہر ہو جاتے ہیں۔“

۔ بہ طالت کوش گر عشق بلا انگیز سے خواہی

متاع جمع کن شاید کہ عارت گر شود پیدا

”تو طاعت و عبادت میں سخت کوشش کر۔ اگر عشق بلا انگیز چاہتا ہے تو کچھ

اور متاع و دولت پیدا کر لے، شاید کوئی لوٹنے اور تباہ کرنے والا بھی

آجائے۔“

جب تک معرفت تامہ حاصل نہ ہو عبادت نہایت ضروری ہے۔ حضرت منصور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”میں اپنی عبادت آپ کرتا ہوں، کیونکہ ہر شخص اپنے کام کو آپ ہی خوب کر سکتا ہے۔“

یعنی خاص لوگ ماسوائے اللہ کو نفعی کر کے اپنی عبادت آپ کرتے ہیں۔ اسی کا نام مشاہدہ ہے یعنی ”اپنے آپ کو دیکھنا۔“

معرفت تامہ کے بعد عبادت:

معرفت تامہ کے بعد عبادت شرک ہے۔ محبوب سبحانی غوث صمدانی قطب الاقطاب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وَمَنْ أَرَادَ لِلْعِبَادَةِ بَعْدَ الْوُصُولِ فَقَدْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ۔

”جس نے ارادہ کیا عبادت کا بعد وصول کے، پس تحقیق اس نے شرک کیا خدائے عظیم کے ساتھ۔“

وصول سے مراد سیر فی اللہ ہے۔ یعنی ”معشوق میں عاشق کی سیر“۔ یہ سعادت فنائے صفات بشریت اور حقیقی بے اختیاری کے ظہور کے بعد میسر آتی ہے۔ اس مقام میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ عبادت کا شعور دوئی میں ہوتا ہے۔ عارفوں کے نزدیک دوئی شرک ہے۔ جبکہ یکتائی ہوگئی تو دوئی چہ معنی داردا!

شاعر کہتا ہے:

جز برائے یاری و تعلیم غیر سرد باشد راہ خیر از بعد خیر
”سوائے دوستی و یاری اور تعلیم کے لیے اور کسی بات کے لیے نہیں، کیونکہ نیکی کے بعد نیکی کی راہ ٹھنڈی ہوتی ہے۔“

۔ آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی جہل باشد بر نہادن صیقلی
”وہ آئینہ جو خود ہی صاف و شفاف اور چمکدار ہو، اس پر صیقل کرنا جہالت کی بات

ہے۔“

۔ پیش سلطان خوش نشستہ در قبول جہل باشد جستن نامہ در سول
”بادشاہ کے سامنے جبکہ رو برو تو خوش و خرم بیٹھا ہوا ہو، اس وقت نامہ و نامہ بر کو
ڈھونڈنا بے وقوفی ہے۔“

۔ آں مریدے پیش شیخ نامدار نام حق مے گفت بیروں از شمار
”جیسے کہ ایک مرید نے اپنے شیخ کامل کے سامنے بے شمار بار نام حق لیا تو۔
۔ شیخ گفت او را کہ اے بس نام تمام در حقیقت نیست حق را بیچ نام
شیخ نے اس سے کہا:

”اے ناقص و نامتو! ایسا نہ کر کہ حقیقت میں حق کا کوئی نام ہی نہیں ہے۔“
مَنْ عَرَفَ اللَّهَ لَا يَقُولُ اللَّهُ یعنی جس نے خدا کو پہچان لیا، وہ خدا نہیں کہتا۔
ع آں را کہ خبر شد خبرش باز نیاید
اور جس کو حقیقت کی کچھ خبر ہوگی، پھر اس کی کچھ خبر ہی نہیں آئی، وہ خود ہی کھو گیا۔
۔ دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا ہرگز ڈھونڈا تو کہیں پتہ نہ پایا ہرگز
کھونا پانا ہے سب فضولی اپنی یہ خط نہ ہو مجھے خدایا ہرگز
وَمَنْ عَرَفَ رَبَّهُ فَكَلَّ لِسَانَهُ یعنی جس نے (اپنی دانست میں) اپنے رب کو
پہچان لیا، پس گوئی ہوگی زبان اس کی۔

ع جب کہ مہر علی ایہہ جائیں بولن دی

وَمَنْ يَقُولُ اللَّهُ لَا عَرَفَ اللَّهُ یعنی ”جو اللہ کہتا ہے اس نے اللہ کو نہیں پہچانا۔“

۔ ایں مدعیان و طلبش بے خبر اند

یعنی ”یہ (جھوٹے) دعویٰ کرنے والے اس کی طلب و تلاش میں حیران ہیں۔“
۔ جو چاہئے وہ تو، ہے ازل سے موجود حاصل ہے مراد اور مہیا مقصود
کیا بات ہے اہتمام جہد و طاعات کیا چیز ہے اعتبار عبد و معبود
لیکن جب تک معرفت میں یقین کا مرتبہ کما حقہ حاصل نہ ہو جائے عبادت واجب

ہے، بلکہ فرض عین ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ

یعنی ”اللہ کی یہاں تک عبادت کر کہ تجھے یقین آجائے۔“

یعنی موت ارادی یا غیر ارادی — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَّعْرِفَتِكَ

یعنی ”ہم نے تجھے نہیں پہچانا، جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ معرفتِ تامہ محال ہے۔ لہذا ترک عبادت گناہ کبیرہ و تادرت ہے، بلکہ فقیر پر فرض عین ہے کہ عبادت میں کوئی عذر و دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

امیدِ جنت اور خوفِ دوزخ میں عبادت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا

”اور شریک نہ کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو۔“

یوں امیدِ جنت اور خوفِ دوزخ میں عبادت کرنا شرک ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک عابد و زاہد قوم سے ہوا — آپ نے دریافت فرمایا:

”تم کس کے لیے عبادت کرتے ہو؟“ — کہا:

”امیدِ جنت اور خوفِ دوزخ میں۔“

آپ نے فرمایا:

”مخلوق سے امید و خوف رکھتے ہو، میں تم سے نہیں ہوں۔“

پھر دوسری عابد و زاہد قوم سے گزرے اور وہی سوال کیا۔ انہوں نے کہا:

”ہم بغیر مزد و خدا کو یاد کرتے ہیں۔“

آپ نے فرمایا:

”میں تم سے ہوں۔“

پس کسی امید و خوف سے عبادت کرنا شرک ہے۔

خواص کی عبادت:

خواص کی عبادت برویت حق ہوتی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج شریف میں تشریف فرما ہوئے تو رویت حق (کہ نعمائے عظمیٰ الہی سے ہے) آپ کو نصیب ہوئی۔ امام احمد سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ

بعض محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ مگر معراج سے مراد ہی دیدار ہے وگرنہ معراج بے کار — چنانچہ معلوم ہوا کہ نتیجہ معراج رویت حق ہے۔ یہ حدیث پاک بھی ہے:

الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ

یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے، ”یعنی رویت“ — پھر ارشاد فرمایا:

لَا صَلَاةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ

یعنی ”بغیر مشاہدہ کے نماز مردود ہے۔“

اس نماز سے افضل کوئی عبادت نہیں، جو حضور قلب سے ہو۔ اسی لیے آقا علیہ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے فرمایا:

قُرْءَةٌ عَنِّي فِي الصَّلَاةِ

یعنی ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ یعنی رویت حق۔“

اور یہ رویت حاصل نہیں ہوتی مگر موت کے بعد۔ حدیث پاک میں ہے:

إِنَّ أَحَدَكُمْ لَمْ يَرَى رَبَّهُ حَتَّى لَا يَمُوتَ

یہاں موت سے ظاہری مرگ مراد نہیں بلکہ مرگ ارادی مَوْتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا

مراد ہے۔

نے چتاں مرگے کہ درگورے روی بلکہ از ظلمت سوائے نورے روی
”وہ موت اس طرح سے نہیں کہ تو مرکز قبر میں جائے بلکہ تو ظلمت و حجاب سے نور

وظہور کی طرف جائے۔“

اور یہ موت مرشد کامل کی مدد سے ملتی ہے۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ — خاصان حق کی عبادت برویت حق ہوتی ہے — سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الہامات میں سے ہے:

مَنْ لَا مَعْرَاجَ لَهُ لَا صَلَوةَ لَهُ

یعنی ”جس کو معراج نہیں اس کی نماز نہیں۔“ — نماز میں اگر دیدار الہی نہیں تو وہ نماز بھی نہیں۔

۔ نماز زاہداں سجدہ سجود است نماز عاشقان ترک وجود است
”زاہدوں کی نماز تو سجدہ سجود اور عبادت ظاہری ہے، مگر عاشقان الہی کی نماز اپنے وجود و خودی ہی کو ترک کر دیتا ہے۔“

عوام کی عبادت:

عوام کی عبادت شرک سے خالی نہیں۔ آدمی تین قسم کے ہیں:

☆ — خاص یعنی صاحب مشاہدہ ☆ — مقلد یعنی صاحب مراقبہ

☆ — عامی

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا نَكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

یعنی ”اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے، اگر ایسا نہ ہو کہ تو اسے دیکھ سکے، تو وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے۔“

اس حدیث پاک میں دو شخصوں کا حال بیان ہوا ہے:

☆ — خاص الخاص ☆ — خاص

☆ — خاص الخاص یعنی صاحب مشاہدہ:

کیونکہ انسان دو حال سے خالی نہیں یا تو عبادت میں خدا کو دیکھتا ہے۔ یا نہیں!

— اگر دیکھتا ہے تو معراج سے شرف ہوا۔ اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ اور صاحب معراج صاحب مشاہدہ ہوا اور خاص الخاص ہے۔

☆ — مقلد یعنی صاحب مراقبہ:

وہ شخص کہ عبادت میں خدا کو نہیں دیکھتا مگر یہ ضرور جانتا ہے کہ خدا میرے دل کو، میری حرکات و سکنات کو، میرے حال و اطوار کو دیکھتا ہے — اور یہ تصور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اور صاحب تصور کو صاحب مراقبہ کہتے ہیں۔

☆ — عامی:

وہ نہ خدا کو دیکھتا ہے نہ عبادت میں اس کا یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ ناظر ہے اور میں منظور ہوں۔ تو وہ یقینی طور پر تقلیدی طور پر ایک سنا سنا یا مصنوعی خدا بنائے گا۔ اور اسی کو اپنا قبلہ بنا کر نماز و عبادت کرے گا۔ گویا اس مصنوعی خدا کو عبد نے پیدا کیا۔ اس صورت میں عبد خالق اور مصنوعی خدا مخلوق ہوا — اور مخلوق کی عبادت کرنا شرک ہے۔ لہذا وہ مشرک ہوا — بعض کو تو نماز میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میں کیا کرتا ہوں، اسے تو بس نکریں مارنے سے کام ہے۔

— بتے می گفت روزے با برہمن خدائے من توئی اے بندہ من

مرا بر صورت خود آفریدی لیکن خویشتم را خود ندیدی

”ایک دفعہ ایک بت نے ایک برہمن سے کہا: اے میرے بندے میرا خدا تو ہی ہے۔ کیونکہ تو نے مجھے اپنی شکل و صورت جیسا بنایا ہے۔ مگر سخت افسوس ہے کہ تو نے اپنے آپ کو خود نہیں دیکھا اور اپنی حقیقت ہرگز نہیں پہچانی۔“

گو شریعت نے ایسے مشرک کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا، لیکن اس کی عبادت کا نتیجہ سوائے زبانی بکواس کے کچھ نہیں۔ ہاں نیت کا پھل ضرور پائے گا، اور وہ مردہ دل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ حَاضِرَةٌ مَن ذَكَرَ الْخَفِيُّ فَهُوَ حَيٌّ وَ قَلْبُ الْمُسْلِمِ
غَافِلَةٌ مَن ذَكَرَ الْخَفِيُّ فَهُوَ مَيِّتٌ

یعنی ”مومن کا دل تو مشاہدہ سے آگاہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ زندہ ہے۔ اور مسلم کا دل مشاہدہ سے عاقل ہے، لہذا وہ مردہ ہے۔“

— بود معلوم ہر آزاد بندہ کہ ناداں مردہ و داناست زندہ
 ”یہ بات کہ ہر آزاد بندے کو معلوم ہو جائے کہ جو نادان ہے وہ مردہ ہے، اور جو عاقل و داناست ہے، وہی زندہ ہے۔“

ذکر خفی ”معایب“ ہے — ذکر روح ”مشاہدہ“ — ذکر قلب ”وسوسہ“
 — ذکر زبان ”تعلقہ“ — عوام کو سوائے زبانی بکواس کے کچھ حاصل نہیں۔
اسلام و ایمان کیا ہے، مسلم و مومن کون ہے؟

زبان سے اقرار اسلام ہے — دل کا یقین ایمان ہے — زاہد خشک مسلم ہے اور عارف کامل مومن ہے۔ بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ:

”اسلام کی ظاہری بنا پانچ چیزوں پر ہے، اور ایمان کی ظاہری بنا بھی پانچ چیزوں پر — مسلم اپنا ظاہر آراستہ کرتا ہے اور مومن اپنا باطن۔“

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو کچھ عطا کیا، اور دوسرے کو وہ نہ دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ مومن ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”مومن ہے یا مسلم۔“

انہوں نے دوبارہ پھر وہی غرض کیا۔ آپ نے دوبارہ وہی فرمایا — حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا:

”کون سے اعمال بہتر ہیں؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلامی

سائل نے پھر عرض کیا:

”کون سا اسلام افضل ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ایمان“

چنانچہ معلوم ہوا کہ اسلام ظاہری فرماں برداری ہے اور ایمان دلی اطاعت۔
اس لیے کہ مومن کو تو مسلم اسلام کہہ سکتے ہیں لیکن مسلم اسلام کو مومن ایمان نہیں
کہہ سکتے۔ — ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا اسَلَّمْنَا وَلَمَّا

يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ (پ ۲۶ ع ۱۳)

”گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ تو کہہ دے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم
ایمان نہیں لائے، مگر تم کہو کہ ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں بیٹھا ایمان تمہارے دلوں
میں۔“

ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ أَفْضَلُ مِنَ الْكَعْبَةِ

یعنی ”مومن کعبہ سے افضل ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنَ الْمَلَائِكَةِ

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ملائکہ سے بہتر ہے۔“

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

— از ملائک جان خدا وندان دل باشد افزوں تو تجیر را بہل

”خداوند تعالیٰ کے نزدیک مومن صاحب دل ملائکہ سے بھی زیادہ بزرگ ہیں۔“

چاہے تجھے اس میں حیرت و تعجب ہی کیوں نہ ہو، تو تعجب چھوڑ دے۔“

۔ زان سبب آدم بود مجود شان جان او افزوں تر است از بودشان
 ”اسی وجہ سے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام مجود ملائک ہوئے تھے۔ کیونکہ ان
 کی جان پاک ان سے برتر تھی۔“

۔ ورنہ بہتر را سجود دوں بری امر کردن ہیچ نہ بود درخوری
 ”ورنہ بہتر ہستی کم تر ہستی کو سجدہ کرنے سے بری ہے۔ اس معاملہ میں ان کو حکم
 دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ (حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ہی کی وجہ سے
 فرشتوں کو حکم سجدہ دیا گیا تھا۔“

۔ کے پسند و عدل و لطف کردگار کے گلے سجدہ کند در پیش خار
 ”اگر ایسا نہ ہوتا تو کب اللہ تعالیٰ کردگار کا عدل و انصاف اور لطف و کرم اس کو
 پسند کرتا۔ اور بھلا کب پھول کانٹوں کے سامنے سجدہ کرتے۔“

یاد رہے کہ ایمان کامل علم معرفت پر موقوف ہے۔ جب تک کہ عرفان کامل نہ ہو
 ایمان کامل نہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک روز صحابہ کرام نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”خدائے پاک کا علم“

صحابہ نے عرض کیا:

”ہم اعمال کو پوچھتے ہیں، اور آپ علم ارشاد فرماتے ہیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل کارآمد ہوتا ہے، اور جہالت کے ساتھ بہت سا عمل

بھی بے سود ہوتا ہے۔“

یعنی معرفت الہی کے بغیر عمل کچھ کام نہیں آتا۔ وَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ أَنْ يَجْمَعُونَ
 فِي الْمَسَاجِدِ وَيَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَسْمِي

یعنی ”رسمی کلمہ کہنے والے حقیقت سے بے خبر ہیں اور وہ مومن نہیں۔ کیونکہ نہ کلمہ کی

مراد سے واقف نہ مقصود اس آگاہ۔“

چنانچہ ایسے کلمہ گو عارفوں کے نزدیک مشرک ہیں۔ اس لیے کہ زبانی تعاقب کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ کس کی نفی ہے اور کس کا اثبات — اس سے معلوم ہوا کہ مسلم قالی ہے اور مومن حالی — بعض علماء کے نزدیک مومن اور مسلم ایک ہی ہے۔ قرآن کریم میں چند مقام پر مسلم بمعنی مومن آیا ہے۔

کس کی نفی کس کا اثبات:

معروف ہے کہ **الْوُجُودُ وَاحِدٌ غَيْرُهُ لَيْسَ بِمَوْجُودٍ** تو پھر کس کی نفی کس کا اثبات — بات یہ ہے کہ نفی تو انانیت و غیریت کی ہے۔ جس کا وہم و سوسہ دل میں سما گیا ہے اور یہی شرک ہے — اور اثبات وجود مطلق **كَلَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ہے۔

برہان و دلیل عین گمراہی ہے نفی و اثبات محض جان کا ہی ہے اس راہ میں عبارت و اشارت ہے گم یہاں ترک خودی اصول آگاہی ہے

جنت و دوزخ کس کے لیے:

یہ بات مسلم ہے کہ **الْوُجُودُ وَاحِدٌ غَيْرُهُ لَيْسَ بِمَوْجُودٍ** تو جنت و دوزخ کس کے لیے ہے — یہ دونوں انا کے لیے ہیں۔ یعنی جس نے نیکی و بدی کو اپنی طرف منسوب کیا، وہ بہشت و دوزخ کا مستحق ہے۔

تا نمرودی و نہ گشتی زندہ رو باغنی باشی بہ شرکت ملک جو یعنی ”جب تک تو مرے گا نہیں، زندہ رو نہیں ہوگا۔ تو خنی کے ساتھ ہو اور فرشتوں کی شرکت تلاش کر۔“

ورشدی زندہ بوے آن خود ویست وحدت محض است آن شرکت کی است ”اور اگر تو اس کے ساتھ زندہ ہوا تو یہ بھی خود ہوئی ہے۔ وحدت تو محض ہی ہے،

اس میں شرکت کب ہے!“

حدیث پاک میں ہے کہ رب العزت نے فرمایا:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عِبْدِي فَلَيْطُنْ بِي مَا شَاءَ

یعنی ”میں اپنے بندے کے گمان میں ہوں، جو چاہے مجھ سے گمان کرے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرَدَكُمْ فَاصْبِحْتُمْ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ

”یہ وہی تمہارا گمان ہے جو رکھتے تھے اللہ کے ساتھ۔ اس نے تم کو کھپایا۔ پس
ہو گئے تم آج نونے میں (نقصان اٹھانے والوں میں۔“ (پ ۲۳ ع ۱۷)

جنت دوزخ ہیں کیا!:

عوام کے لیے جنت و دوزخ وہی ہیں جو شریعت میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے بیان فرمایا ہے۔ خواص کے لیے طریقت میں وصال یعنی قرب اور حجاب کا
مرقع ہونا بہشت ہے، اور فراق یعنی حجاب و غفلت دوزخ ہے۔

۔ دوزخ و جنت ہی دانی کہ چست جز فراق و جز وصال یار نیست
”تو جانتا بھی ہے کہ دوزخ و جنت کیا ہے۔ سوائے وصال و فراق یار کے
اور کچھ نہیں ہے۔“

۔ وہ دوزخ فراق جہاں میں ہوں تو نہ ہو

وہ جنت وصال جہاں تو ہو میں نہ ہوں

تقدیر کیا ہے؟

تقدیر کے لغوی معنی ہیں ”اندازہ کرنا“۔ مراد یہ ہے کہ ازل سے ابد تک جو
کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یا ہوگا، ہر ایک شے کا ٹھیک ٹھیک اندازہ علم الہی میں موجود
ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدْرِ (پ ۲۷ ع ۱۰)

یعنی ”ہم نے پیدا کیا ہر شے کو پہلے اندازہ کر کے۔“

کیونکہ اس کا علم قدیم اور زمان و مکان کو محیط اور تمام ذرات موجودات پر حاوی
ہے۔ جو کچھ ظہور ہوتا ہے۔ اسی اندازہ کے مطابق ہوتا ہے، سرسوفرق ممکن نہیں۔

اس لیے کہ اس کا علم کامل ہے ناقص نہیں۔ جس طرح ایک استاد معمار یا انجینئر کا مکان سے پہلے اپنے توائل عقلمی و ذہنی سے اس مکان کا پورا نقشہ تجویز کر لیتا ہے جس کی تعمیر مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ وقت کا ظہور کہ جس نے یہ نقشہ ثبت کیا، نقشہ پر مقدم ہے۔ شرع کی زبان میں اسے لفظ ”قلم“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے خلقت میں سے اول قلم کو پیدا کیا۔ چنانچہ فرمایا: ”لکھ!“
 کہا: ”کیا لکھوں؟“ فرمایا: ”لکھ تقدیر کو۔“

چنانچہ لکھا کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔
 وہ قوت کہ جس پر یہ نقشہ ثبت ہوا ”لوح محفوظ“ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ جیسا کہ سورہ بروج میں ارشاد ہوا: **فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ**

پھر جو کچھ استاد کامل نے درود یوار و سقف و بام کا اندازہ نقشہ میں لکھ دیا ہے، اس کے موافق تعمیر شروع ہوتی ہے۔ یعنی جو کچھ تقدیر الہی میں ہے اسی کے موافق ظہور پکڑتا ہے، ایک ذرہ بھر تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی کچا اناڑی استاد ہوتا تو بگاڑتا بناتا محو و اثبات کرتا۔ یہاں عیب و نقصان کی گنجائش ہی نہیں۔ چنانچہ تقدیر الہی میں تغیر و تبدل ہو تو کیونکر ہو۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”اے ابو ہریرہ! سوکھ گیا قلم اس چیز پر کہ تو ملنے والا ہے۔ اور خشک ہوا قلم اللہ کے علم پر (یعنی اس کی تقدیر میں تغیر و تبدل نہیں۔“

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

میں نے دس برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی ہے۔

☆ — اگر میں نے کوئی کام کیا تو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ ”تو نے کیوں کیا۔“

☆ — اور اگر نہ کیا تو یہ نہ فرمایا کہ: ”تو نے کیوں نہ کیا۔“

☆ — اور جو چیز ہو گئی تو اس کو یہ نہ فرمایا کہ: کاش نہ ہوتی۔“

☆ — اور اگر نہ ہوئی تو یہ نہ فرمایا کہ: کاش ہوتی۔“
 اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی مجھ سے جھگڑتا تو
 آپ فرماتے:

”اسے چھوڑ دو۔ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے وہی ہوگا۔“
 مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”ہر شے تقدیر میں ہے یہاں تک کہ نادانی و دانائی۔“
 ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سوال کیا:
 ”علی مجھے خبر دو تقدیر سے۔“

آپ نے فرمایا:

”یہ راہ بہت دور دراز ہے، اس میں نہ پڑ۔“
 اس نے پھر وہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا:
 ”یہ دریا ناپیدا کنار ہے، اس میں مت گر۔“
 اس نے پھر وہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا:
 ”یہ راز الہی ہے، اس کی تفتیش مت کر۔“

غرض کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بخوف شرع شریف یا سائل کی قابلیت
 پر نظر کر کے اس قابل نہ پایا اور جواب نہ دیا۔ فی الحقیقت اس دریا کا غواص ہر کس
 و ناکس نہیں ہو سکتا۔

۔ اسرار حقیقت را ہر دل نبود قابلین در نیست بہر دریا زرنیست بہر کانے
 ”اسرار حقیقت سے واقف ہونے کے لیے ہر دل لائق و قابل نہیں ہوتا۔“
 کیونکہ ہر دریا میں موتی نہیں ہوتے اور ہر کان میں سونا نہیں ہوتا۔“

تدبیر کیا ہے؟

تدبیر کے معنی ہیں:

☆ — کسی کام کے پیچھے پڑنا، یا

☆ — کام کے انجام پر نظر کرنا۔

☆ — عرف میں تدبیر کو غیر تقدیر کہتے ہیں۔

معاشرے میں ایک باریک مغالطہ ہے، وہ یہ کہ ہم تدبیر کے انجام و نتیجہ کو تقدیر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ من اولہ الی آخرہ ہماری جملہ حرکات ہمارے جمیع کاروبار عین تقدیر ہیں۔ — غرض کوئی خیال، کوئی تصور، کوئی قول، کوئی فعل خارج از تقدیر نہیں۔ کیونکہ علم الہی میں ہر چیز کا اندازہ ازل سے ابد تک موجود ہے۔ اگر کوئی ☆ — کوئی پیاسا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے کہ تقدیر میں ہوگا تو مل ہی جائے گا، کوشش سے کیا حاصل۔

☆ — یا یہ خیال کر کے اپنی سعی و کوشش سے پانی بہم نہ پہنچاؤں گا تو بالضرور مر جاؤں گا۔ طلب و تلاش میں مشغول ہوا۔

تو یہ دونوں صورتیں عین تقدیر ہیں — مسند احمد و ابن ماجہ و ترمذی شریف میں یہ حدیث پاک ہے کہ ابی خزاعہ سے اس کے باپ نے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! مجھ کو خبر دیجئے منتروں کی کہ پڑھواتے ہیں اور دوا کی ہم دوا کرتے ہیں، اور بچاؤ کی چیز کی یعنی سپر وغیرہ کہ ہم اس کے سبب بچتے ہیں — کیا اللہ کی تقدیر سے کچھ شے پھیر دیتے ہیں؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر سے ہیں۔“

یعنی یہ تدبیریں بھی خلاف تقدیر نہیں۔

کیا انسان مختار ہے؟

انسان کو مطلق اختیار نہیں محض معذور و مجبور ہے۔ انسان کی نیکی بدی، ہدایت و گمراہی، حرکات و سکنات تمام قبضہ قدرت میں ہیں جیسا کہ ارشادات باری ہیں:

☆ — قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ — یعنی ”تو کہہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔“

(پ ۵ ع ۷)

☆ — وَلَا تَتَّخِرْكَ ذَرَّةٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (پ ۲۰ ع ۹)

یعنی ”بغیر حکم الہی ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جا بجا فرمایا:

☆ — ہم نے کسی کو کچھ اختیار نہیں دیا۔

☆ — ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

☆ — کسی کو طاقت نہیں جو بغیر ہمارے حکم کے کوئی کچھ کر سکے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ارشاد باری ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

”تحقیق تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے۔“

امام مسلم سے روایت ہے کہ عمران ابن حصین نے روایت بیان کی کہ ایک شخص

نے عرض کیا:

”کیا بہشتی دوزخیوں سے شناخت کئے گئے۔“

یعنی کیا پہلے سے جدا ہو چکے ہیں — آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا: ”ہاں!“

پھر عرض کیا:

”پھر لوگ عمل کیوں کرتے ہیں؟ — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا:

”ہر شخص اسی کو کرتا ہے جو چیز اس کے لیے پیدا کی گئی ہے یا اس کے لیے آسان

کی گئی ہے۔“

ایک اور حدیث پاک امام مسلم نے بیان کی ہے۔ عمران ابن حصین سے روایت

ہے کہ مزینہ کے دو افراد نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہ ہمیں اس چیز کی خبر دیجئے کہ لوگ کرتے

ہیں آج کے دن، اور محنت کرتے ہیں — اس میں:

☆ — ایک چیز ہے کہ مقدر کی گئی ان پر اور گزرا ان میں تقدیر سے کہ ہو چکی ہے،

☆ — یا اس چیز میں آئندہ ہونے والا ہے اس چیز سے کہ لایا ان کے پاس ان

کا نبی اور ثابت ہوئی دلیل ان پر۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”نہیں بلکہ ایک چیز ہے کہ مقدر ہو چکی ان پر یا گزر گئی ان پر — اسی کے

مطابق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے:

”قسم ہے جان کی کہ ٹھیک بنایا اس کو، پھر اس کے دل میں ڈالی بدکاری اور پرہیز

گاری۔“

یعنی کیا قضا و قدر پہلے سے نہیں ہے۔ اب پیغمبر علیہ السلام لے کر آئے ہیں اور

لوگ اپنے اختیار سے افعال کرتے ہیں — آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”نہیں نیکی و بدی سب خدا کی طرف سے ہے۔“

غرض کہ اکثر آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ بندہ بالکل بے اختیار ہے —

لیکن شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”بندہ کچھ مجبور ہے اور کچھ مختار ہے۔“

عقائد نسفی میں لکھا ہے: اللہ خالق و العبد کاسب

یعنی ”اللہ تعالیٰ خالق افعال ہے اور بندے کے سب افعال اور اسی پر جزا و

سزا مقرر ہے۔“

۔ گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

یعنی ”اگر میں کچھ کہوں تو مشکل ہے، اور اگر کچھ نہ کہوں تو بھی مشکل ہے۔“

۔ درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ بازے گوئی کہ دامن ترکمن ہشیار باش

”تو نے مجھ کو دریا کے صہور اور گڑھے میں قید کر دیا ہے اور مجھ کو تختہ سے باندھ کر

پھر مجھے کہتا ہے کہ خبردار ہو ہشیار رہ اپنا دامن ہرگز نہ تر کرنا۔“

جب ہر بات طے ہے تو پھر.....:

جب یہ بات کارخانہ قدرت میں پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے تو پھر ثواب و جزا کی امید اور عذاب و سزا کی وعید (دھمکی) کیوں دی جاتی ہے — امام محمد غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اپنے غلام کو، جو دور تھا، سواری و خلعت و زادراہ بھجوایا کہ دربار سلطانی میں حاضر ہو — اب اس میں دو صورتیں ہیں:

☆ — یا تو بادشاہ کو اس کی ذات سے کچھ فائدہ مقصود ہے، یا

☆ — یہ کہ وہ قرب سلطانی سے عزت پائے۔

چنانچہ پہلی صورت شان الہی کے خلاف ہے جبکہ دوسری صورت ممکن ہے۔ لیکن اس غلام نے بھجوائے گئے انعام کو اسی خدمت میں صرف کیا تو وہ شاکر ہے ورنہ کافر — اور اگر انعام لے کر دور بھاگ گیا تو سب سے زیادہ کافر ہوا — اسی طرح اللہ کریم نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ہر طرح کے انعامات سے مشرف کیا تاکہ قرب حاصل کرے نہ کہ دوری — ارشاد باری ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ، ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ

(پ ۳۰، سورہ والتین)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایسے آلات ہیں جن سے بندہ اسفل السافلین سے ترقی کر کے درجہ سعادت قرب الہی حاصل کرتا ہے — اس میں بندے کا فائدہ ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا، خواہ بندہ قریب ہو یا دور۔ اگر اس کی نعمتیں اطاعت میں استعمال کرے گا تو شاکر کہلائے گا ورنہ کافر — اگر بے کار رکھے گا تو یہ بھی کفران نعمت ہے — دُنیا میں جو چیز مخلوق ہوئی ہے وہ اسی لیے ہے کہ بندہ اس کے سبب سے سعادت اخروی تک پہنچے اور قرب الہی حاصل کرے۔

اس سے واضح ہوا کہ ہر ایک اطاعت گزار اپنی اطاعت کے باعث ان انعامات الہی کا شکر گزار ہے جنہیں اطاعت میں استعمال کیا ہے — اور جو کسل مند ہے، وہ

سرے سے استعمال ہی نہیں کرتا، وہ یا تو نافرمان ہے کہ ان کو طریق بعید میں صرف کرتا ہے تو وہ کافر ہے کہ مرضی مولیٰ کے موافق عمل میں نہ لایا — غرض کہ طاعت و معصیت دونوں کو بشیئت ایزدی شامل حال ہے، لیکن اچھا برا معلوم ہونا یہ مشیت کے علاوہ ہے۔ اس لیے کہ بعض خواہش کی چیز محبوب ہوتی ہے اور بعض مکروہ۔ چنانچہ نعمت الہی کو اس کی مرضی کے موافق استعمال کرنا بھی شکر ہے۔

شکر سے مراد یہ ہے کہ نعمت الہی کو جس طرح اس کو محبوب ہو، صرف کرے — جو نعمت الہی اسی کے فعل سے ایسی جگہ صرف ہوئی ہو جو اس کو محبوب تھی تو یہ بھی شکر ہے، اور آدمی کا فعل اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے — مگر چونکہ اس فعل کا محل انسان ہے، اس لیے انسان کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور تعریف کا ہونا یہ انسان پر دوسری نعمت الہی ہے۔ کیونکہ وہی دیتا ہے، وہی تعریف کراتا ہے — اسی کے کاموں میں سے ایک کام ایک بات کا باعث ہوا کہ دوسرا فعل وجہ محبت میں صرف کیا جائے تو بہر حال اسی کا شکر چاہئے —

انسان کو شا کر اس غرض سے کہتے ہیں کہ انسان عارف یا عالم ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ عرفان و علم کا موجد ہے، بلکہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ عرفان و علم کا محل ہے۔ حالانکہ ان کا وجود آدمی میں قدرت ازلیہ سے ہے، وہ خود ایجاد نہیں کر سکتا۔ پھر اس کو شا کر کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ بھی کوئی چیز ہے۔ اور کچھ شے اس لیے ہے کہ اسی نے شے بنایا ہے، اور اگر اس کے بنانے کا لحاظ اٹھا دیا جائے تو لاشعہ محض ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا:

”جب سب چیزوں کا پہلے سے ہی طے ہے تو عمل سے کیا فائدہ!“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِعْمَلُوا كُلَّ مَيْسَرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ (بخاری و مسلم)

یعنی ”عمل کرو اس لیے کہ ہر ایک شخص کو وہی ميسر آئے گا جس کے لیے وہ

پیدا ہوا ہے۔“

اس سے ظاہر ہوا کہ خدا کی مخلوق قدرت کے جاری ہونے اور اس کے فعل کا محل ہے۔ گو خلق خود بھی اس کے افعال میں سے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا بعض فعل بعض کا سبب ہوتا ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں لفظ اِعْمَلُوا ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلا ہے۔ مگر وہ بھی افعال الہی میں سے ایک فعل ہے۔ اس بات کا سبب یہ ہے کہ خلق کو معلوم ہو جائے کہ عمل کرنا مفید ہے۔ لوگوں کا جاننا بھی خدا کا ایک فعل ہے، اور وہ بھی ایک اور بات کا سبب ہے۔ یعنی علم ہی کے باعث حرکات و طاعات کا ارادہ پختہ ہوتا ہے۔ پھر ارادہ و شوق بھی فعل الہی ہے۔ جبکہ حرکت اعضاء کا سبب ہے، اور حرکت اعضاء بھی اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ہے۔ اسی طرح سب باتیں اس کے افعال میں سے ہیں، مگر ایک دوسرے کا سبب ہوتے ہیں۔ یعنی ایک فعل دوسرے فعل کی شرط ہوتی ہے۔ جیسے جسم کا پیدا ہونا عرض کے لیے شرط ہے۔ اور حیات کا ہونا علم کی پیدائش کے لیے شرط ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں، اور اسی اعتبار سے ایک دوسرے کے لیے سبب ہیں۔ ان کے سبب ہونے سے یہ مقصود نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے موجد ہیں۔ بلکہ یہ غرض ہے کہ غیر کے حاصل ہونے کے لیے شرط ہیں کہ

”اَوَّلُ هُوَ يَحْكُمُ تَوَدُّعًا هُوَ“

جیسے کہ اَوَّلُ جو ہر ہو چکے تو زندگی ہو۔۔۔ جب زندگی ہو چکے تو علم پیدا ہو۔۔۔ پھر علم ہو لے تو ارادہ پیدا ہو۔۔۔ اسی طرح آدمی تحقیق کرے گا تو ذات الہی تک ترقی کر جائے گا۔

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے:

یہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ جب ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہے تو پھر ہم کو یوں کیوں حکم ہوا ہے کہ: ”عمل کرو، جو نافرمانی کرو گے تو عتاب و عذاب ہوگا۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم الہی ہم میں ایک اعتقاد کے آنے کا سبب ہوتا ہے۔۔۔ اعتقاد سبب ہے بیان خوف کا۔۔۔ اور جوش خوف باعث ہے ترک

شہوات کا اور دُنیا سے اعراض کا، جس سے اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ یہی ترتیب اسباب ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ:

☆ — جو شخص ازل میں سعید لکھا گیا ہے اس کے لیے یہ اسباب ایسی ترتیب سے میسر ہوتے ہیں کہ مرحلہ وار اس کو جنت میں پہنچا دیتے ہیں۔

☆ — اور جس کو ازل میں شقی لکھ دیا ہے وہ کلام خدا و حدیث مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشائخ و علماء کرام سے دور بھاگتا ہے، کان نہیں دھرتا اور نہ سننے کی وجہ سے جانتا نہیں، اور نہ جاننے کے باعث خوف نہیں کرتا، اور جب خوف نہیں کرتا تو دُنیا کی محبت کیسے چھوڑے گا — اور جب تک دُنیا کی رغبت نہ ترک کرے گا، زمرہ شیطین میں رہے گا۔ جن کی قرار گاہ دوزخ ہے۔ اس گفتگو کو اگر غور سے دیکھو تو ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک قوم جنت میں زنجیروں سے کھنچی چلی جاتی ہے، اور دوسرا گروہ دوزخ میں زنجیروں سے گھسیٹا جاتا ہے۔ یعنی جس کو جنت ملے گی وہ بھی اس کے اسباب کی زنجیروں میں پابند ہے کہ علم و خوف اس پر مسلط ہیں — اور جو دوزخی ہے وہ بھی اسباب کی زنجیروں میں پابند ہے کہ اس پر غفلت طاری ہے۔ اور خدا کے عذاب سے بے خوف اور مغرور رہتا ہے — غرض کہ متقی تو جنت میں بزور کھینچے جاتے ہیں اور مجرم دوزخ میں زبردستی گھسیٹے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ مشیت اسی واحد القہار کی ہے جہاں دم مارنے کی جگہ نہیں۔

ایک سر بستہ راز ہے کہ جو کھلتا نہیں:

بے شک حکم حاکم میں دم مارنے کی جگہ نہیں۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک سالک نے جو مشعل راہ نور الہی رکھتا تھا، سفید کاغذ کو سیاہ دیکھ کر دریافت کیا کہ:

”تو نے اپنا منہ کیوں کالا کیا ہے؟“ — اس نے کہا:

”بھلا کوئی اپنا منہ آپ بھی کالا کرتا ہے۔ یہ تصور سیاہی کا ہے۔“

پھر سیاہی سے پوچھا تو اس نے کہا:

”میں تو چپ چاپ گوشہ میں بیٹھی تھی، یہ ظلم قلم کا ہے۔“

جب قلم سے پوچھا تو اس نے جواب دیا:

”آپ ہاتھ سے دریافت کریں، میں جس کے قبضہ میں ہوں۔“

پھر ہاتھ سے دریافت کیا تو اس نے کہا:

”میں تو فقط گوشت پوست اور ہڈیوں کی ایک سواری ہوں کہ قدرت نام کا سوار

مجھ پر سوار ہو کر اپنے حسب منشاء کام لیتا ہے۔“

پھر اس کی وجہ قدرت سے پوچھی تو اس نے کہا:

”تم مجھے مانتے بدنام کرتے ہو۔ میں تو ہمیشہ اس پر سوار رہتی ہوں۔ کبھی اس کو نہیں

ہلاتی۔ لیکن ایک مؤکل ہے (ارادہ) وہ آ کر مجھ سے زبردستی یہ کام لیتا ہے۔“

پھر ارادہ سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا:

”میں ایک انجمن کا ملازم ہوں جس کے ممبر علم و عقل ہیں۔ صدر انجمن حضرت دل

ہیں۔ ان کے حکم کا فرماں بردار ہوں۔“

پھر سالک نے انجمن سے دریافت کیا کہ:

”ارادہ کو قدرت کے اٹھانے پر کیوں مجبور کرتے ہو؟“ — عقل نے کہا:

”میں تو ایک چراغ ہوں کسی اور نے مجھے روشن کر رکھا ہے۔“

اور دل نے کہا:

”میں لوح بے نقش ہوں، کسی اور نے مجھے پھیلا رکھا ہے۔“

اور علم نے کہا:

”میں ایک نقش ہوں کہ چراغ عقل کی روشنی کے بعد لوح دل پر منقش ہو جاتا

ہوں۔ مگر میں خود منقوش نہیں ہوتا بلکہ قلم ہی اس سادہ تختی پر مجھے نقش کر دیتی ہے تو اس

قلم سے دریافت کر جو مجھ کو اس تختی پر لکھتی ہے۔“

سالک نے حیران ہو کر کہا:

”ہم نے تو قلم نے وغیرہ دیکھا ہے اور تختی لوہے لکڑی کی — اور چراغ آگ سے روشن ہوتا ہے — اور نقش سیاہی سرخی وغیرہ کا — اور ان میں سے کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی۔ میں دریافت کروں تو کس سے کروں۔ اور عجیب تر یہ ہے کہ صریر قلم سنتا ہوں اور قلم نہیں دیکھتا۔“

علم نے کہا:

”میاں صاحب! پست حوصلہ مت بنو — گھبراؤ مت! — کمر ہمت مضبوط باندھو اور مردانہ وار اس منزل مقصود کی راہ لو۔ اور اس تمام راستے کا حال مجھ سے سنو — تمہارے اس راستے کے تین عالم ہیں:

۱ — عالم ملک و شہادت ۲ — عالم ملکوت ۳ — عالم جبروت

اول عالم ملک و شہادت کہ جس میں کاغذ و قلم و سیاہی اور ہاتھ وغیرہ تھے۔ اس عالم کو تم بتدریج طے کر چکے۔

دوسرا عالم ملکوت جو میرے بعد ہے۔ جب مجھ سے آگے بڑھو گے تو اس میں پہنچو گے۔ وہ نہایت دشوار گزار ہے۔ عالم ملکوت جو کہ عالم ملک و عالم جبروت کے درمیان واسطہ ہے، اس میں تم منزلیں طے کر چکے ہو — یعنی اس کے شروع میں منزل قدرت و ارادہ ہے۔ اس عالم کو ان دونوں عالموں کے درمیان ایسا سمجھو کہ جیسے زمین اور پانی کے درمیان کشتی کی چال ہے۔ یعنی نہ تو وہ پانی کی طرح بے قرار ہے نہ زمین کی مانند ساکن۔

تیسرا عالم جبروت ہے جو اس سے زیادہ سخت مشکل ہے۔ جو شخص زمین پر چلتا ہے وہ عالم شہادت پر چلتا ہے — اگر اس کی قوت زیادہ ہوئی اور وہ کشتی میں سوار ہو گیا تو گویا وہ عالم ملکوت کی سیر کرتا ہے — اور اگر اس سے زیادہ قوی ہوا اور پانی پر بغیر کشتی چلنے لگا تو بلا تردد عالم جبروت کی سیر کرے گا — چنانچہ اگر تم پانی پر نہیں چل سکتے تو خیر پھر جاؤ کہ زمین سے تجاوز کر چکے اور کشتی پیچھے چھوڑی۔ اب تو صرف پانی ہی ہے۔

عالم جبروت کا آغاز یہ ہے کہ جس قلم سے لوح دل پر علم لکھا جاتا ہے وہ دکھائی دے۔ اور جس یقین سے پانی پر چل سکتے ہیں، وہ حاصل ہو۔“

سالک نے کہا:

”پانی پر بھی کوئی چل سکتا ہے؟“ — عقل نے کہا:

”وہ حدیث تم نے نہیں سنی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے۔“ — تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ اَزْدَاذُ يَقِينًا لَمَشِيَ عَلَى الْهَوَاءِ

یعنی ”اگر ان کو یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے۔“

پھر سالک نے کہا: ”اچھا اب راہ کا کچھ نشان تو بتاؤ۔“

علم نے کہا:

”تم میری طرف منگنی باندھ کر دیکھو۔ اگر تم کو وہ قلم جو مجھ کو لوگوں کے دلوں پر منقوش کرتا ہے۔ نظر آجائے تو یقین ہے کہ تم اپنے مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔“

کیونکہ جو شخص عالم ملکوت سے بڑھ کر عالم جبروت کے دروازے پر دستک دیتا ہے تو اس کو وہ قلم نظر آنے لگتا ہے۔“

سالک نے کہا:

”میں خوب غور سے دیکھ رہا ہوں لیکن مجھ کو تو وہ قلم نظر نہیں آتا۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سا قلم ہے۔“

علم نے کہا:

”تم نے قرآن شریف میں نہیں پڑھا: اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (پ ۳۰، سورہ علق)

یہاں اسی قلم کا ذکر ہے۔ اور تم یہ خوب جانتے ہو کہ گھر کا سامان صاحب مکان کے مناسب ہوتا ہے اور وہ کس کس شے سے ہے۔ تو اس کا قلم و لوح و روشنائی وغیرہ بھی ویسی ہی بے مثل ہونی چاہئے۔ اگر تم کو یہ چیزیں ایسی نہیں سوجھتی ہیں تو تم

عظمت و جلال سے یہ ندا آئی:

لَا يَسْتَلْ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْتَلُونَ

اس امر کو سن کر سالک ہیبت کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو جناب الہی میں توبہ و استغفار کر کے عرض کی:

”یا الہی! میں نے نادانی سے قلم وغیرہ کو ناحق مطعون کیا۔ تو مالک ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ مجھ کو توفیق عنایت کر کہ میں تیری ثناء کروں۔“ — حکم ہوا:

”تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادتی چاہتا ہے۔ جبکہ وہ لَا أَحْصَى ثَنَاهُ پچھے“ — پھر عرض کیا:

”یا الہی مجھ کو اپنی معرفت عطا فرما“ — حکم ہوا:

”تو صدیق اکبر پر سبقت چاہتا ہے۔ جن کا قول ہے: الْعَجْزُ عَنْ ذُرْكَ الْاِذْرَاكِ اِذْرَاكِ“ — لہذا اب یہاں سے جاؤ۔ اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بات کا امر کرے وہ کرو، جس سے منع کرے اس سے باز رہو، اور دم نہ مارو۔“

واہ! سبحان اللہ! زبردست کے بسوے ہیں۔

ع نیست کس رازہرہ تا گوید کہ چوں

کوئی ایسا نہیں ہے جو ہر ایک راز کو بیان کرے کہ کیا ہے!

کیا خلق کو فنا ہے؟

اہل تحقیق کے نزدیک وجود خلق اصلی و حقیقی نہیں بلکہ عارضی و اعتباری ہے۔ مثلاً قطروں، موجوں اور بلبلوں کا وجود دریا کی ہستی سے جداگانہ نہیں۔ بلکہ دریا ان سب کے ساتھ دریا ہے۔ لہذا دریا کے مقابلے میں اور بانس بھی فانی ہیں، ختم ہو جانے والے ہیں، نیست و نابود ہیں۔ ان کی ہستی، ان کا ہونا صرف اس خیال پر قائم ہے کہ ان کے درمیان باہمی اوصاف کا جو اختلاف ہے، یہ اختلاف ہی ایک کو دوسرے سے منفرد و ممتاز کرتا ہے، پہچان دیتا ہے۔

☆ — قطرے کی شکل و شباهت اور اس کا طرز و انداز موج سے الگ ہے، اور

☆ — موج کی صورت و وضع اور اس کی چال ڈھال بلبلے سے جدا ہے،

☆ — بلبلے کا رنگ ڈھنگ اور اس کی آن و داد دونوں سے نرالی ہے۔

جب اجزا کو باہم مقابلہ کرتے ہیں تو ایک خیالی ہستی ان کی قائم ہو جاتی

ہے — ورنہ محیط کل کے مقابلہ میں جزو کی ہستی کا خیال ہی محض فنا ہو جانے والا اور

ختم ہو جانے والا، مٹ جانے والا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَأِنَّهُمْ مَيِّتُونَ

یعنی ”تحقیق تو اور وہ سب میت و معدوم ہیں۔“

حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الْحَقُّ مَحْسُوسٌ وَالْخَلْقُ مَعْقُولٌ

یعنی ”اصل وجود تو حق ہے، جبکہ خلق حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔“

صرف کچھ کا پھیر ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی ہمہ عیستہ انچہ ہستی توئی

رتعظیم تو پیش تو ہست و نیست اگر باشد و گر نباشد کیے است

”ہر بلند و پست کی بس تو ہی پناہ ہے۔ سب کے سب ہیچ ہیں یعنی کوئی

حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہستی و موجود تو بس تو ہی ہے — تیری عظمت

کے لیے سب تیرے سامنے ہیں بھی اور نہیں بھی۔ اگر یہ سب ہوں تو اور نہ

ہوں، سب برابر ہے۔“

یعنی وجود حق اصلی ہے۔ اسی کے ذریعے سے خلق کا وجود قائم معلوم ہوتا ہے۔ جو

محض خیالی اور تعین عدی ہے — جب اس محیط کل کا وجود قائم و دائم ہے تو خلق کی

ہستی یا نیستی (ہونا یا نہ ہونا) دونوں برابر ہیں — یعنی خلق کا خیال ہی اس کے

مقابلے میں نہیں جم سکتا۔ چنانچہ خلق وہ ہے جو حقیقت میں موجود نہیں۔ اس لیے اس کی

بقا کیا اور فنا کیا! — اگر خلق کو موجود حقیقی مانا جائے تو دو حال سے خالی نہیں:

☆ — یا عین حق ہے،

☆ — یا غیر حق ہے! —

☆ — اگر عین حق ہے تو خلق ایک بے وجود لفظ ہے۔

☆ — اگر غیر حق ہے تو یہ کھلا شرک اور محال عقلی ہے۔

— شرک زور مملکتش دست سائے . خود نتواں بود بشرکت خدائے
یعنی ”اس کی مملکت میں شرک کی دسترس و گنجائش ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
کے ساتھ خود بخود شرکت ممکن ہی نہیں ہے۔“

کیونکہ موجود حقیقی ایک کے سوا ہو ہی نہیں سکتا — اگر دو یا زیادہ ہوں تو ہر ایک ناقص ہوگا۔ اور ناقص بذات خود موجود و قائم نہیں رہ سکتا — لہذا وہ موجود حقیقی نہ ہوا بلکہ اس کی ہستی کسی دوسرے کے ذریعے قائم ہوگی — اور وہ جس کے ذریعے سے ہستی قائم ہے، اس کے مقابلے میں موجود عارضی محض فانی و معدوم ہے۔ اس لیے خلق کی ہستی ایک معدوم ہستی ہے جس کو بالفعل بھی فانی سمجھنا چاہئے نہ یہ کہ اب موجود ہے، اور آئندہ اس پر فنا طاری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُفُّوا عَن شَيْءٍ هَالِكٍ ۖ
وَجَهَنَّمَ ۚ إِنَّهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (پ ۲۰ ع ۱۲)

یعنی ”اور مت پکارو اللہ کے سوا اور حاکم۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔

ہر چیز کو فنا ہے مگر وہ آپ — اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف جاؤ گے۔“

اس آیت کریمہ میں لفظ ”ہالک“ وارد ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فی الحال ہر شے کو فنا ہے — اگر فنا آئندہ مراد ہوتی تو یُھلکُ فرماتا نہ کہ ”ہالک“ — اور غیر اللہ کو پکارنے سے منع فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذات پاک خداوندی کے سوا کوئی موجود حقیقی نہیں ہے — اور جو بذات خود موجود نہیں وہ فانی ہے۔ چنانچہ دوسرے فانی کو پکارنے سے کیا فائدہ — یا یہ کہ اس ذات پاک کے ہوتے ہوئے دوسرے کو موجود سمجھ کر نہ پکارو — کیونکہ جو موجود ہے وہ تو عین ذات واحد ہے نہ کہ دوسرا۔

یعنی موجود حقیقی میں دوئی ممکن ہی نہیں۔

ح . یکے دو کے شودار نام گزرہزار کم

یعنی ”جو حقیقت میں ایک ہے وہ کب دو ہو سکتا ہے اگر میں ہزار نام بھی لوں۔“
جن کو تم اشیاء خیال کرتے ہو اور صفات و حالات و اطوار و اشکال کے اختلاف کے باعث ہر ایک کی حقیقت جدا گانہ سمجھتے ہو، درحقیقت ان کا یہ وجود اعتباری ہے۔ جب تعین اور اعتبار کا حجاب دور ہوا تو سب اشیاء ہالیک یعنی بالفعل فانی و معدوم ہیں یعنی فنا ہو جانے والی، مٹ جانے والی ہیں۔ اور جو باقی و موجود ہے وہ وجہہ اللہ یعنی ذات خداوندی ہے، اسی کا حکم ہے۔ یعنی یہ فراق و امتیاز احوال و انفعال گونا گوں، اور اوصاف و اطوار بوقلموں اسی کی مرضی اور اسی کے ارادہ اور اسی کے حکم سے ہیں۔ وَالْاٰیۃُ تَرٰ جَعُوْنَ اور تصورات و توہمات (وہم و خیال) درمیان سے اٹھ گئے تو بازگشت اسی ذات پاک کی جانب ہے۔ یعنی عین وہی ذات باقی و موجود ہے۔

کجا غیر و کو غیر و کونش غیر سوی اللہ واللہ مافی الوجود
”کہاں غیر اور کون غیر اور کب غیر کا نقش ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے خدا کی قسم!
کوئی وجود موجود ہی نہیں ہے۔“

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا
الشَّمْسَ عَلَیْهِ ذَلٰیلاً ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَسِیْرًا (پ ۱۹ ع ۳)

”کیا تو اپنے رب کی طرف نہیں دیکھتا! — کیسے دراز کیا سائے کو — اور
اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا رکھتا — چنانچہ کیا ہم نے آفتاب کو سائے کی شناخت پر
راہنما — پھر پکڑا ہم نے سائے کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ کر۔“

یعنی اپنے رب کی طرف دیکھ، اپنے ذاتی وصف کو کیسے ظاہر کیا کہ وہ ظہور خلق و
وجود اشیاء ہے (یعنی اشیاء کو وجود عطا کرنے والا اور خلق کو ظاہر فرمانے والا ہے۔ اگر

چاہتا تو ظاہر نہ کرتا۔۔۔ پھر آفتاب ذاتِ پاک کو سایہ یعنی اشیاء کی تمیز و شناخت کے لیے دلیل بنا دیا۔ جس طرح آفتاب عالم تاب طلوع ہو کر آہستہ آہستہ عروج کرتا ہے (یعنی بلند ہوتا ہے) سائے کی درازی (لمبائی) اس کے مقابلے میں کم ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کا ظہور و خفی اور وجود و عدم معلوم و محسوس ہوتا ہے۔۔۔ اسی طرح آفتاب ذات کا وجود باوجود جب منکشف ہوتا ہے (یعنی ذات انسان جب ظاہر ہوتی ہے) تو کائنات کی اشیاء کا وجود بے جود جو سائے کی طرح کالمعدوم ہے (مٹ جانے والا ہے) نیست ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب سمت الراس پر سایہ فگن ہوتا ہے تو سایہ بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے، اور اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ سایہ معدوم و فنا ہو کر اپنی اصل سے واصل ہو گیا۔

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ اس آیت کریمہ کے فائدے میں لکھتے ہیں:

”ہر ایک شے کی اصل اللہ تعالیٰ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر شے وصل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اتنی۔“

لہذا شمس عبارت ہے ذات حق سے اور مَدَّ البَطْل مراد ہے ظہور عالم سے۔۔۔ اور طرز کلام بر سبیل تشبیہ واقع ہوا ہے۔

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۔ اوچو خورشید است و ماچوں سایہ ایم ہم چو نور و سایہ ما ہمسایہ ایم
 ”وہ خورشید عالم تاب کی مانند ہے اور ہم سائے کی طرح ہیں، جبکہ ہم سب سائے کی طرح ہمسائے ہیں۔“

۔ تابع نور است سایہ روز و شب نور خواہی گو بیا سایہ طلب
 ”اور دن رات کا سایہ نور کا تابع ہے۔ اگر تو نور کو چاہتا ہے تو پھر آ تو سائے کو طلب کر۔“

۔ ہستی سایہ یقین از نور داں سایہ را بے شک دلیل نور خواں

”تو سائے کی ہستی کو نور کی وجہ سے یقین کر۔ اور سائے کو بے شک نور کی دلیل سمجھ۔“

۔ نے نماید سالہا از عکس نور سایہ را از نور نتوان کرد دور
”برسوں سے یہ نور کے عکس کی وجہ سے نظر آتا ہے۔ اور سائے کو نور سے جدا نہیں کر سکتے۔“

۔ گر نہاں گردد زمانے نور خور سایہ ہم تا چیز گردد سر بسر
”اگر کچھ عرصے تک سورج کا نور چھپ جائے تو پھر خود سایہ بھی سر بسر تا چیز ہو جائے۔“

۔ سایہ ہاچوں محو نور خور شود وصل اور ادر زماں در خور شود
”چنانچہ جب سایہ نور خورشید میں محو جاتا ہے تو اس وقت اس کا وصال لازم ہوتا ہے۔“

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جس طرح بقائے خلق کہ ایک اعتباری امر ہے نہ کہ حقیقی، اسی طرح اس کی فنا بھی خیالی ہے نہ کہ اصلی۔ جس کا وجود ثابت نہیں اس کی فنا کیا اور بقا کیا۔

۔ من کہ ہمہ ہستی من نیستی است ہستی بے نیست ندانم کہ چیت
”میں کہ جس کی سب ہی ہستی نیستی ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ ہستی بے نیست کیا ہے۔“

تصوف میں فنا کی اقسام:

تصوف میں فنا تین قسم کی ہے:

☆ — فنا وجودی ☆ — فنا عدی ☆ — فنا الفنا (فنا اتم)

(۱)

فنا وجودی (۱) یہ ہے کہ کل اشیاء کا وجود عارف کی نظر میں نیست و نابود ہو جائے، اور ہر فرد میں ذات خدا جدا گانہ جلوہ گر ہو۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے یعنی معنی ہیں۔ لیکن اس میں شرک خفی ہے کہ ناظر و منظور مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ بدستور موجود ہے۔

اسی کو فنا و جودی کہتے ہیں۔

(۲)

فنا عکس ہے یہ ہے کہ عارف کو وجود اشیاء کی بجائے وجود حق جو ادراک ہوا ہے، وہ بھی فنا ہو جائے۔ اور ایک ذات خارج از حسے ولا حسے ہو اور ماوراء وجود و عدم جلوہ گر ہو۔ اس وقت وَخَذَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کے معنی منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں شرک اٹھلی ہے۔ کیونکہ ابھی وقوف و ادراک باقی ہے جو مستلزم دوئی ہے۔

(۳)

فناء الفناء یعنی فناء اتم یہ ہے کہ وقوف و شعور اور حس و ادراک، وجود و عدم کا عین وغیرہ کا، خودی و خدائی کا، یاد و بود کا، ذکر و فکر کا، ہست و نیست کا کچھ اثر باقی نہ رہے۔ نہ واحد نہ اشئین، نہ یکی نہ دوئی، نہ خود نہ خدا، نہ فنا نہ بقا سب محو در محو ہو جائیں۔

نہ انکار نہ اقرار نہ تصدیق نہ ایجاب اعمال نہ افعال نہ سنت نہ کتاب خود ہے نہ خدا ہے نہ خودی ہے نہ خدائی توحید کے دریا میں ہیں سب نقش بر آب فنا کے جو معنی اوپر بیان کئے گئے ہر کس و ناکس کے فہم و قیاس میں نہیں آسکتے۔ مگر ہاں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ مخفی راز منکشف کر دے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اور کچھ ضرور نہیں ہے کہ فنا کے جو اطوار و احوال ایک پر منکشف ہوں، اسی طرح ہر سالک پر ہوں۔ بلکہ اس دریا نے بے پایاں و بحرنا پیدا کنار میں ہر دم نیامد و جذر۔ اور ہر آن تازہ بتازہ اوج موج ہے۔ کسی کو کچھ دکھلایا، کسی کو کچھ سمجھایا۔ اس باہمی اختلاف کے باوجود ہر ایک کا علم و انکشاف ہر ایک کا عرفان و ادراک، ہر ایک کی حالت و کیفیت بجائے خود صحیح و درست ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ العزیز کے منازل سلوک دیگر اکابر سے جداگانہ ہیں۔ لیکن ایک مقام پر خود حضرت عطار نے ایک دوسرے طور پر ذکر سلوک فرمایا ہے:

۔ رہے بے ابتدا و انتہا است دریں رہ جھکی عین صفا است
 ”یہ ایک ایسی عجیب راہ ہے، جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اس راہ میں سب کچھ
 عین صفا کی ہے۔“

۔ یقین کن زاد رہ عجز است اول کہ خود میں گردد اند رہ مبدل
 ”یقین کر اس میں پہلا زاد راہ عجز ہی ہے، کیونکہ اس راستے میں خود بین مبدل و
 پریشان ہو جاتا ہے۔“

۔ دوم فقر است و نقد جملہ این است کہ نقد فقر کل عین الیقین است
 ۔ سوم تسلیم بودن در فنا کش چہارم نوش کردن ہر بلا کش
 ”تیسری بات یہ ہے کہ اس کی فنا میں تسلیم کرنا۔ اور چوتھے اس کی ہر بلا کو نوش
 کر لینا۔“

۔ یقین پنجم فناے بود اللہ ششم دید یقین مرحضرت شاہ
 ”پانچویں یہ یقین کرنا کہ ماسوائے اللہ سب فنا ہے۔ چھٹے حضرت شاہ کے دیدار کا
 خاص یقین رکھنا۔“

۔ عیاں ہفتم نمود نور ذات است ہمہ شاہاں یقین این جائے مات است
 ”ساتویں نور ذات کی نمود کا عیاں ہونا۔ اس جگہ پر تمام یقین کے بادشاہ فنا ہو
 جاتے ہیں۔“

۔ ہمہ یک ذات داں این جا حقیقت نہ کفر است و نہ دین و نہ طریقت
 ”اس جگہ حقیقت میں سب کو ایک ذات ہی جان۔ یہاں نہ کفر ہے نہ دُنیا ہے اور
 نہ کچھ طریقت ہے۔“

توحید کیا ہے؟

التَّوْحِيدُ اسْقَاطُ الْاِضَافَاتِ مَا سِوَى اللّٰهِ — یعنی توحید، اضافات کی نفی
 کرنا ہے جو غیر اللہ ہوں۔

۔ چہست توحید آں کہ از غیر خدا فرد آئی در خلا و در ملا

”توحید کیا ہے یہ کہ تو غیر خدا سے ظاہر و باطن میں یکتا و فارغ ہو جائے۔“
امام غزالی علیہ الرحمہ نے اخروٹ کی مثل توحید کے چار درجے قرار دیئے ہیں۔ اور
توحید کا چوتھا مرتبہ روغن کی مانند فرمایا ہے۔ جو سب سے بہتر ہے، اور یہ مشاہدہ سے
حاصل ہوتا ہے۔ — جس سے سینے کی کشادگی و نور حق مراد ہے۔ چنانچہ ارشاد باری
ہے:

☆ — فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ
(پ ۲۷۸ ع)

”سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ کھول دے اس کا سینہ اسلام کے لیے۔“
☆ — أَلَمْ يَشْرَحْ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ
”بھلا سینہ کھول دیا اللہ نے اسلام پر، چنانچہ وہ نور ہیں اپنے رب کی طرف
سے۔“ (پ ۲۳ ع ۱۷)

اس توحید میں دو اعتبار ہیں:

ایک اعتبار تو صرف توحید و وحدت وجود کا ہے — جس سے یقینی معلوم ہوتا
ہے کہ شاکر و مشکور، محبت و محبوب ایک ہی چیز ہے۔ یہ توحید ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ
کے سوا اور کسی کو موجود نہیں جانتے، اور اس بات کو ہر حال و ہر زمان میں ازلا و ابد آج
جانتے ہیں۔ حقیقت میں ہونا بھی یہی چاہئے۔ اس لیے کہ غیر وہ ہو سکتا ہے جس کو
بذات خود قیام ہو۔ اس طرح کا غیر کوئی موجود نہیں بلکہ محال ہے — کیونکہ موجود حقیقی
وہ ہے جو اپنی ذات سے ہو۔ جس کو بذات خود قیام نہیں، وہ بذات خود موجود بھی نہیں۔
جب اس کا قیام غیر سے ہے تو اس کا وجود بھی غیر سے ہوگا — لہذا اگر ہم صرف اسی
کی ذات کا لحاظ کریں اور دوسری جانب نہ دیکھیں تو اس کا وجود یقیناً نہ ہوگا —
کیونکہ موجود تو وہی ہے جس کو اپنی ذات سے قیام ہے — قائم بالذات اس کو کہتے
ہیں کہ اگر اس کے غیر کو معدوم فرض کیا جائے تو وہ بغیر کسی نقصان کے بدستور قائم
رہے —

جو اس طرح کا قائم بالذات ہے کہ وہ اپنے وجود کو اور اپنے غیر کے وجود کو قائم رکھتا ہے، اسے قیوم کہتے ہیں۔ قیوم سوائے ذات یکتا کے نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ سوائے ذات حسی و قیوم کے اور کوئی موجود حقیقی نہیں۔ چنانچہ جب اس اعتبار سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مصدر و مزج وہی ذات واحد ہے۔ اسی لیے:

☆ — وہی شاکر ہے، وہی مشکور،

☆ — وہی محبت ہے، وہی محبوب!

مثلاً اگر کوئی اپنے فعل یا صنعت کی تعریف کرے تو وہ گویا اپنی ہی تعریف کرتا ہے۔ یا اپنے فعل و صنعت کو محبوب جانتا ہے تو وہ آپ ہی اپنا محبوب ہے۔ یہ دید چشم توحید کی ہے۔ صوفیاء کرام اس دید کو فنائے نفس کہتے ہیں۔ کہ سالک غیر اللہ سے فنا ہو کر سوائے خدا کے کچھ نہیں دیکھتا۔

دوسرا اعتبار یہ ہے کہ ”موجود کو بہ نظر توحید نہ دیکھا جائے“ — یعنی اس کو مقام فنائے نفس حاصل نہ ہوا ہو — ایسے لوگ دو قسم ہیں:

☆ — ایک تو وہ ہیں کہ موجودات کے سوا اور کو موجود ہی نہیں جانتے، اور اس بات کو برا جانتے ہیں کہ کوئی ان کا معبود ہے۔ جیسے فرقہ دہریہ۔

— یہ گروہ عقل سے عاری اور آنکھوں سے اندھا ہے۔ کیونکہ جب تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ مخلوقات کو ہمیشہ زوال اور ذات حسی و قیوم قائم بالذات و برقرار ہے۔ یہ لوگ کافر ہیں۔

☆ — دوسری قسم کے دو گروہ ہیں:

— ایک گروہ وہ ہے جن کی ایک آنکھ کافی بالکل چوہٹ ہے۔ یعنی خدا کو بھی مانتے ہیں، اور دوسری موجودات کو موجود ثابت کر کے پرستش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفًا

یعنی ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے پاس پہنچادیں۔“ — قریب کے درجے میں یہ لوگ مشرک ہیں۔

۲ — دوسرا گروہ وہ ہے کہ ان کی آنکھ پھوٹی تو نہیں مگر اس میں دھندلا اور چندھاپن آ گیا ہے۔ کہ ایک کو رب اور دوسرے کو بندہ کہتے ہیں — یہ گروہ موجود کے ناقص سمجھنے سے حدِ ابتدائے توحید میں داخل ہو جاتے ہیں، گنہ پورے موحد نہیں ہوتے۔ پھر آنکھ میں اگر سرمہ لگایا جائے اور دھندلا پن کھو دیا جائے تو آنکھ کا جتنا نور بڑھتا جائے گا، ماسوائے اللہ کا وجود اتنا ہی کم ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ دوسرا وجود بالکل محو ہو کر ذاتِ الہی کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ یہ مرتبہ توحیدِ کامل کا ہے۔ اتھی۔

ان دونوں کے درمیان بے انتہا مدارج ہیں۔ اسی سبب سے موحدین کے درجات مختلف ہوتے ہیں — جس سرمہ سے آنکھ کا نور زیادہ ہوتا ہے، وہ سرمہ احکامِ الہی ہیں۔ جو رسولوں کی معرفت پہنچے ہیں۔ رسول اس سرمہ کے لگانے والے ہیں کہ سب کو توحید محض کی طرف بلا تے ہیں۔ جس کا مضمون لا الہ الا اللہ ہے یعنی خدائے برحق کے سوا کوئی معبود اصلی نہیں۔

فتاء نفس کلی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** کا حکم آیا تو آپ نے فوراً ہی سجدہ کیا۔ ذاتِ الہی کو افعال میں دیکھا تو عرض کیا:

أَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ یعنی ”میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کی تیرے عذاب سے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کے فعل کی مدد سے اسی کے فعل سے پناہ مانگی۔ پھر یہاں سے ترقی پا کر ان افعال کے مصادر کو مشاہدہ فرمایا۔ یعنی ذات کو صفات میں دیکھا تو عرض کیا:

وَرَأَى عَفْوًا بِرِضَائِكَ مِنْ مَسْخِطِكَ یعنی

یعنی ”میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کی تیرے عفو سے۔“

رضا اور مسخط دونوں صفت ہیں — پھر اس سے بھی ترقی پا کر برائے مشاہدہ

ذات وحدت میں پہنچے تو عرض کیا:

وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لِعْنِي فِي تِيرِي بِنَاهٍ مَا لَمَّا هُوَ تَجْهٍ سَ—

چونکہ اس مقام میں ایک قسم کا توحید کا نقص تھا، یعنی ایک مادح ایک ممدوح —
تو اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ میں قرب ذاتی عنایت فرمایا، کہ جس میں دوئی کا نام و نشان
بھی نہ تھا۔ تو آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات ادا ہوئے:

لَا أُخْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِيكَ

یعنی ”میں پورا نہیں کر سکتا تیری تعریف کو، تو ایسا ہے کہ جیسا خود ہی اپنی تعریف
کرے۔“ یعنی میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ تو مادح ہے اور تو ہی ممدوح — یہ مرتبہ فناء
نفس کلی کا ہے۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي هَذَا الْمَقَامَ بِجَاهِ نَبِيِّكَ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَالِهِ وَسَلَّمَ

معرفت کیا ہے؟

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

الْبِعْزُ عَنْ ذَرَكِ الْإِذْرَاكِ إِذْرَاكٌ

”یعنی عاجز ہونا معرفت کے ادراک سے بھی ادراک ہے۔ یعنی یہی

معرفت ہے۔“

کیا منزل توحید میں سیر ہے؟

حضرت غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ منزل توحید میں کچھ نہیں۔ یعنی نہ
بہشت نہ دوزخ، نہ عابد نہ معبود نہ عبادت، نہ عاشق نہ معشوق نہ عشق، نہ عارف نہ
معروف نہ عرفان، نہ خدا نہ رسول نہ مرسل، نہ مومن نہ کافر، نہ دین نہ ایمان، نہ کفر نہ
اسلام، نہ واحد نہ توحید نہ وحدت، نہ طالب نہ مطلوب نہ مطلب، نہ من نہ مانہ نہ ثناء۔

۔ نے اشارت گنجد ایں جانے بیاں عارف ایں جامی شود کل اللسان

اس جگہ نہ اشارہ و کنایہ ہی کیا جاسکتا ہے نہ ہی بیان کی گنجائش ہے۔ یہ تو وہ مقام ہے کہ جہاں عارف کی زبان گوگی ہو جاتی ہے۔

توحید کی راہ میں ہے ویرانہ سخت آزادی و بے تعلقی ہے یک لخت
 دُنیا ہے نہ دیں ہے نہ دوزخ نہ بہشت نکیہ نہ سرائے ہے نہ چشمہ نہ درخت
 غرض کہ توحید منزل نامرادی ہے۔

نامرادی راکنی گر پیشہ فارغ آئی از غم و اندیشہ
 ”اگر نامرادی کو اپنا پیشہ بنا لے، تو تو ہر غم و اندیشہ سے فارغ ہو جائے گا۔“

جناب قبلہ و کعبہ مرشدی و مولائی سید غوث علی شاہ قلندر قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ طالب مبتدی کے لیے منزل توحید زہر قاتل ہے۔ یعنی دیگر منازل کے طے کرنے سے رہ جاتا ہے۔ کیونکہ طلب دوئی میں ہوتی ہے نہ کہ توحید میں۔ اسی لیے منزل توحید کا نام ویران یا اجاڑ گاؤں رکھا گیا ہے۔ اجاڑ اس کو کہتے ہیں جو پہلے آباد پھر ویران ہو جائے۔ لیکن جو آباد نہیں ہوا تو اجاڑ کیسا۔ اس کے ساتھ ہی یوں بھی فرمایا کرتے تھے کہ میاں جب اصل مقصود توحید ہے تو پھر کیا ضرور ہے کہ اصل کو چھوڑ کر آدمی فرع کی طرف دوڑے اور آبادی و بربادی کے جھگڑے میں پڑے۔ بہتر یہ ہے کہ سب کو دھتاتائے۔

تصوف میں قرب نوافل:

انسان کو لباس و تجلی خیرہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں نَفْسُحُثِ فِيهِ مِنْ رُوحِی کی شان ہے۔ اور اَلْاِنْسَانُ سِرِّي وَ اَنَا سِرُّهُ کی آن ہے۔

آیا ہوں میں جانب عدم ہستی پیدا ہے بلند پائیگی پستی سے
 عجز اپنا بروز کر رہا ہوں ثابت مجبور ہوا ہوں میں زبردستی سے
 جب انسان اپنی اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مجاہدہ کر کے منازل طے کرتا ہے۔ اس میں دو قسم کے کمال پیدا ہوتے ہیں:

☆ — اول قرب نوافل

☆ — دوئم قرب فرائض

قرب نوافل یہ ہے کہ صفات بشریہ زائل ہو جاتے ہیں اور اوصاف الہیہ حاصل۔ یعنی زندہ کرنا، مارنا اور سننا دیکھنا بغیر کان اور آنکھ کے — اس مرتبہ میں بندہ فاعل اور خدا اس کا آلہ ہوتا ہے۔

— علم حق در علم صوفی گم شود این سخن کے باور مردم شود
یعنی ”علم حق صوفی کے علم کے اندر گم ہو، یہ بات بھلا کب لوگوں کو یقین آئے۔“
— علم حق در بحر علم صوفیاں گم شود نے نام ماند نے نشاں
یعنی ”علم حق صوفیوں کے علم کے سمندر میں اس طرح گم ہو جائے کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔“

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد باری ہے کہ میرا بندہ مجھ سے ہمیشہ نوافل کے ذریعے مجھ سے نزدیکی چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو اپنا پیارا جانتا ہوں اور جب میں اس کو پیار کرتا ہوں تو میں:

☆ — اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے،

☆ — اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے،

☆ — اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے،

☆ — اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے،

☆ — اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے،

چنانچہ وہ میرے ہی ذریعہ سے سنتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے دیکھتا ہے، اور میرے ذریعہ سے پکڑتا ہے، اور میرے ہی ذریعہ سے بولتا ہے، اور میرے ہی ذریعہ سے چلتا ہے۔

ایک بار جناب قبلہ و کعبہ نے حدیث مذکورہ پر ارشاد فرمایا کہ یہ قرب تو جب ہوگا تب ہوگا، نہ نومن تیل ہوگا نہ رادھانا چے گی۔ لیکن یہ بتاؤ کہ یہ جسم اور ہاتھ پاؤں آنکھ

ناک کان وغیرہ اب کس کے ہیں۔ اگر کہو کہ انسان کے ہیں تو اس کے قبضہ میں نہیں۔ اور اگر کہو کہ انسان کے نہیں تو پھر کس کے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ اللہ ہی کا ہے، دوسرے کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ جبکہ اللہ کے سوا کچھ موجود ہی نہیں تو پھر شرکت کیسی۔

نقش او کردادست نقاش من اوست غیر اگر دعویٰ کند او ظلم جوست
 ”یہ نقش و تصویر اس نے بنائی ہے اور وہی میرا نقاش ہے۔ اور اگر کوئی غیر اس بات کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ محض ظلم جو ہے۔“

۔ اے پردہ برگزفتہ بہ بازار آمدہ خلقے دریں طلسم گرفتار آمدہ
 ”اے وہ کہ جو اپنے رخ روشن پر نقاب ڈالے ہوئے بھرے بازار میں آیا ہے، تیرے اس طلسم میں ایک عالم گرفتار ہو گیا ہے۔“

”تفسیری مظہری“ میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سار یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لشکر اسلام کا سردار بنا کر بہت دور ملک کفار پر بھیجا۔ مقابلہ کے دوران لشکر اسلام ان کفار سے جو پہاڑ میں پوشیدہ تھے، غافل تھا۔ اور قریب تھا کہ لشکر اسلام کو تہ تیغ کر ڈالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مدینہ منورہ میں منبر پر خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ لشکر اسلام کفار سے غافل ہے۔ خطبہ کے دوران ہی فرمایا:

يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ

یہ آواز تمام لشکر اسلام نے سنی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز ہے۔ فوراً ہوشیار ہو گئے۔ اور پہاڑ کی طرف کفار پر حملہ کر کے فتح پائی۔ کیا یہ آدمی کا کام تھا۔ نہیں۔

انسان کی ذات میں یہ خدایا کی کھیل ہیں بازی کہاں بساط میں جو شاہ ہی نہیں۔
تصوف میں قرب فرانس:

قرب فرانس یہ ہے کہ انسان ذات پروردگار میں ایسا فنا ہو جاتا ہے کہ سوائے

ذات پاک کے اس کی نظر میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ اس مرتبہ میں خدا قائل اور بندہ اس کا آلہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

☆ ————— قَلَمٌ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ (پ ۹ غ ۱۲)

یعنی ”پس نہیں قتل کیا تم لوگوں نے کفار کو (اے صحابہ رسول بقوت خود) یعنی قتل کیا کفار کو اللہ تعالیٰ نے۔“

☆ ————— وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

یعنی ”نہیں پھینکا تو نے (اے محمد خاک کو) جبکہ تو نے پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا۔“ یعنی اللہ ہی نے کفار کی آنکھوں میں خاک ڈالی۔

۔ آپ کے ہاتھوں میں۔ ارا کام ہے آپ کرتے ہیں جہاں کا نام ہے طہارت و فرائض اور اہل طہارت:

وضو و غسل و نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و تجرید و تفرید و توبہ و غیرہ شریعت میں جس طرح یہ اعمال بتائے گئے ہیں، وہ ان کی صورت ہے۔ طہارت میں ان اعمال کی حقیقت مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً

☆ ————— وضو ظاہر میں حدث اصغر سے پاک ہونا ہے، اور باطن میں تطہیر القلب عن ماسویٰ اللہ ہے۔ یعنی دل کو ہستی غیر اللہ کے خیال سے پاک و صاف کرنا حقیقت وضو ہے۔

☆ ————— اسی طرح غسل بظاہر حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنا ہے۔ اور باطن میں شرک و دوائی حدث اکبر ہے۔ پس دریائے توحید میں غوطہ لگانا اس حدث سے غسل کرنا ہے۔ جب سالک بحر فنا میں غرق ہوتا ہے تو یہ غسل آخر ہے پھر کبھی نجس نہیں ہوتا۔

۔ در بحر فنا چو غوطہ خوردی پس بار دگر نجس نہ گردی
”اگر تو بحر فنا میں غوطہ کھائے تو پھر تو کبھی دوبارہ نجس و ناپاک نہیں ہوگا۔“

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۔ شو بہر فعل و قول تج سلف غیر باطن بظاہر تہنپار
 ”تو اپنے ہر قول و فعل میں پہلے بزرگان دین کی پیروی کر اور اپنے باطن کے
 خلاف اپنے ظاہر کو نہ بنا۔“

۔ شو باطن ربوبیت پرواز کن بظاہر عبودیت اقرار
 ”اگرچہ تو اپنے باطن میں ربوبیت پرواز ہی کیوں نہ ہو، مگر تو بظاہر عبودیت ہی کا
 اقرار کر۔“

۔ ظاہر خویش پاک کن بہ وضو باطن خویش را نماز گزار
 ”تو اپنے ظاہر کو وضو سے پاک و صاف کر اور اپنے باطن کی نماز ادا کر۔“
 ۔ پس وضو چست پاک کردن دل صافی دل چہ شستن از اغیار
 ”اور باطنی وضو کیا ہے دل کو پاک و صاف کرنا ہے، اور دل کی صفائی کیا ہے،
 اغیار سے (ماسوی اللہ سے) اپنے قلب کو مصفا کرنا ہے۔“

۔ مسجد تو مقام تسلیم است قبلہ گاہ تو طاق ابروئے یار
 ”تیری مسجد مقام تسلیم ہے اور تیری قبلہ گاہ طاق ابروئے یار ہے۔“
 ۔ در عبادت کے شریک مکن زانکہ لایشرک است حکم نگار
 ”تو اپنی طاعت و عبادت میں کسی کو شریک نہ کر کیونکہ محبوب حقیقی کا حکم ہی یہ ہے
 کہ کسی کو شریک من کرو۔“

۔ روزہ حفظ دل است از خطرات پس بود از مشاہدۃ انظار
 ”روزہ خطرات و اندیشہ سے دل کی حفاظت کرتا ہے۔ تاکہ پھر مشاہدہ حق سے
 انظار ہو۔“

۔ ہستی خویش را زکوٰۃ بدہ بر سر دوستی ملین ہمار
 ”تو اپنی ہستی کو زکوٰۃ بھی دے، اور اس کو اپنے دوست کے سر پر سے نثار
 کر دے۔“

۔ حج چہ باشد زخود سفر کردن بہ کجا جانب ہدایت کار
 ”حج کیا ہے، اپنے آپ سے سفر کرنا، اور خود فراموشی ہے۔ اور کہاں سفر کرنا اپنے
 کام کی ابتداء کی طرف۔“

۔ ہست قربانیت پس از حجت قطع احکام طبع یک بار
 ”اور تیری قربانی یہ ہے کہ توجح کے بعد ایک دفعہ اپنی طبیعت کے سارے احکام
 قطع کر دے۔“

۔ شد جنابت تمام شرک دوئی غسل فرض است زان بہر دیندار
 ”اور جنابت و نجاست تمام شرک اور دوئی ہے۔ اس کے لیے ہر دیندار کو غسل
 فرض ہے۔“

۔ غسل چہ بود بہ درطہ توحید غوطہ خوردن نیا مدن بہ کنار
 ”اور اس کا غسل کیا ہے، بحر توحید کے گرداب میں غوطہ لگا کر باہر نہ نکلنا۔“
 ۔ چیست تجرید کشتت آزاد از ہزاراں ہزار یار و دیار
 ”ترک تجرید کیا ہے، بالکل فارغ اور سب سے آزاد ہو جانا۔ تمام عزیز و احباب
 اور ہزاروں یار و دیار کو بھول جانا۔“

۔ بعد تجرید بایت تفرید یعنی از آخرت شدن بیزار
 ”اس تجرید کے بعد تجھ کو تفرید لازم ہے۔ یعنی تجھ کو پھر آخرت سے بھی بے نیاز
 ہو جانا چاہئے۔“

۔ تو اگر مراد این نجستہ رہی دامن از کائنات خود بہ فشار
 ”تو اگر مبارک راہ کا راہی ہے تو تجھ کو اپنی تمام کائنات سے دامن جھاڑ دینا
 چاہئے۔“

۔ در طریقت گذشتن از لذات در حقیقت گذشتن از افکار
 ”طریقت میں لذت سے گزرنے کے یہ معنی ہیں کہ در حقیقت تمام تھلیل و افکار
 ہی سے گزر جانا، اور ان کو بالکل فراموش کر دینا۔“

چست تو بہ گزشتن از جملہ چہ خدا و رسول و جنت و نار
 ”تو بہ کیا ہے تمام سے گزر جانا۔ کیا خدا و رسول اور کیا جنت و دوزخ سب
 ”بحر وحدت“ میں مستغرق ہو کر فراموش کر دینا۔“

مراتب کے لحاظ سے اقسام آدمی:

گزشتہ صفحات میں یہ موضوع مختصر طور پر پیش کیا گیا تھا، یہاں اسے تفصیل سے
 بیان کیا جاتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنی عقل و عمل کے مطابق درجہ پاتا ہے۔ حدیث پاک
 میں ہے کہ جس کی عقل زیادہ ہے، اس کے مدارج بھی زیادہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ
 ہے کہ:

وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ
 ”اور ہر کسی کو درجہ ہیں ان کے عمل سے، اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کے
 کام سے۔“ (پ ۳۷۸)

چنانچہ اس قیاس آدمی کی چار اقسام ہیں:

۱۔ اعم — ۲۔ عام — ۳۔ خاص — ۴۔ اخص

اعم آدمی:

یہ وہ لوگ ہیں وحشی جو جنگل میں رہتے ہیں۔ اور انسانی صورت کے سوانہ کچھ عقل
 رکھتے ہیں نہ شعور، نہ حق و باطل میں تمیز، نہ کسی مذہب و ملت سے سرور کار۔ وہ گھاس
 پھوس یا زمین پر ریگنے والے کیڑے کوڑوں کی طرح ہیں۔ کسی شمار و قطار میں نہیں، شاید
 ان سے توحید کا سوال ہو۔

عام آدمی:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ (پ ۶، ع ۱)

یعنی ”تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ۔“
 یعنی کافرین و منافقین و مشرکین جو عقل و شعور رکھتے ہیں، حق و باطل میں تمیز

کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے آباء و اجداد کے باطل مذہب و ملت پر چلتے ہیں، اور ہمیشہ کفر و نفاق و شرک میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور خواب و خوار و خواہشات نفسانی کے سوا نہ خدا اور رسول کو جانتے ہیں نہ ان کے کلام کو سنتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں، نہ حق کی جستجو کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ — لَّهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا

وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

”ان کے دل ہیں ان سے سنتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ ڈھوروں (جانوروں) کی مانند ہیں۔ بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ اور یہی لوگ عذاب الیم کے سزاوار ہیں۔“ (پ ۲، ۹ع)

☆ — وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا (پ ۶، ۹ع)

”اور ہم نے تیار کی ہے مکروں کے لیے ذلت کی آگ۔“

☆ — لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ وَالْمُشْرِكِينَ

وَالْمُشْرِكَاتُ (پ ۲۲، ۶ع)

”تاکہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔“

خاص آدمی:

یہ لوگ صاحب عقل و فہم ہیں، کتاب کے وارث ہیں اور مذہب و ملت حقہ رکھتے ہیں۔ اس میں بھی دو گروہ ہیں:

(۱) — ناقص (۲) — کامل

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ (پ ۲۲-۱۶ع)

”پھر وارث کیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو، جن کو برگزیدہ کیا ہم نے اپنے

بندوں سے۔ پس ان میں سے کوئی ظالم لَنْفَسِه ہے۔“

یعنی گناہگار، عامتہ المسلمین، مقلد کہ خدا اور رسول کو تقلید آجاتے ہیں، ان کی رستگاری بعنایت پروردگار ہیں۔ یہ ناقص ہیں!

اور بعض ان میں سے متوسط و درمیانہ رو ہیں۔ یعنی جو مخلوق کو دیکھتے ہیں اور خدا کو برحان و دلائل سے جانتے ہیں۔ ان کی رستگاری بشفاعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ان کو کامل کہتے ہیں۔ یہ گروہ غیر محقق کہلاتا ہے۔ ان کو شہود میں وحدت نہیں ہوتی۔ ان کی نظر اول اشیاء پر پڑتی ہے۔ ان کی وحدت اعتقاد عملی میں ہے یعنی خدا کو دیکھتے ہیں اور خدا کو بہ دلائل و براہین جانتے ہیں۔ اور خلق کے سبب سے خدا سے مجھوب رہتے ہیں۔ اس وحدت کو وحدت ذوالعقل و العلم کہتے ہیں۔ اور یہ مرتبہ علم الیقین کا ہے۔

اخص آدمی:

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عرفان میں ترقی کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (پ ۲۶-۲۷)

یعنی ”اللہ بلند کرے گا درجے ان لوگوں کے کہ ایمان لائے تم میں سے اور ان لوگوں کے کہ دیئے گئے علم اور اللہ ساتھ اس چیز کے کہ تم کرتے ہو خبردار۔“
وارثان کتاب میں سے یہ وہ لوگ ہیں جو علم الیقین سے عین الیقین اور حق الیقین کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذْنِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ

”اور کوئی ان میں (یعنی وارثان کتاب میں سے) جو آگے بڑھ گیا لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی بڑی بزرگی ہے۔“

ان کو محققین کہتے ہیں۔ یہ لوگ صاحب بقا ہوتے ہیں اور سایہ قرب الہی میں تمام آسائش پاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَ نَهْرٍ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ۔

”متقی بیچ بہشتوں کے ہیں اور نہروں کے مقام صدق میں نزدیک بادشاہ

قدرت والے کے۔“ (پ ۲۷ ع ۱۰)

یہ خاص بندگان خدا میں سے انحصار موحدین ہیں کہ ان پر کسی کا غلبہ و حکم نہیں۔ نفس و شیطان کے دھوکے میں نہیں آسکتے۔ ارشاد باری ہے:

☆ — وَإِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (پ ۱۵ ع ۱۰)

”وہ جو میرے بندے ہیں نہیں ان پر تیرا حکم و غلبہ (اے نفس و شیطان)“

☆ — أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (پ ۹ ع ۱۵)

”یہ لوگ ہیں سچے ایمان والے اپنے رب کے پاس، ان کے درجے ہیں اور

بخشش ہے، اور رزق کریم (یعنی علم و عرفان کی رو سے مدارج)۔“

انحصار آدمیوں کے گروہ:

ان میں بھی دو گروہ ہیں: یعنی اکملین و مکملین — گروہ اول یعنی اکملین کو

وحدت شہود میں ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کی نظر بھی اول اشیاء کے وجود ہی پر پڑتی ہے لیکن

ان کا شہود حق کے سوائے نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو شہود خلق میں تمام شہود حق یعنی منظور نظر حق ہوتا

ہے۔ اس کو وحدت ذوالعین و العیان کہتے ہیں کہ شہود حق کے سبب سے ان کی

نظروں سے خلقت مجرب ہو جاتی ہے۔ کسی محقق کا شعر ہے:

محقق را کہ وحدت در شہود است نختیں دید بر نور وجود است

”اس محقق کے لیے جس کے مشاہدہ میں وحدت ہے، اس کی نظر پہلے نور وجود ہی

پر پڑتی ہے۔“

یعنی محقق وہ ہے جس کی اول نظر حقیقت اشیاء کے نور وجود پر ہو۔ اور اشیاء کی

حقیقت اس پر کماحقہ ظاہر و منکشف ہو گئی ہو۔ اور یہ اس وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ

برمتہ کشف الہی پہنچ گیا ہو، اور بہ عین عیان مشاہدہ کر لیا ہو۔ اس کو تحقیق ہو گئی ہو کہ وجود

واحد مطلق کے سوا دوسرا کوئی موجود نہیں۔ اگر کچھ ہے تو موجود اضافی ہے نہ کہ حقیقی۔ بلکہ جمع اشیاء کی حقیقت کو مطلق حق جانتا ہو — چنانچہ وحدت سے مراد یگانگی حق ہے۔ جس نے اس کثرت وہی کی جلوہ گاہوں میں جلوہ گر ہو کر جمع اشیاء کو نور ہستی سے منور کیا ہے۔ اور شہود عبارت رویت حق بحق ہے۔ یعنی وہ محقق کہ مراتب کثرات موہومہ صوری و مغوی سے عبور کر کے بمقام توحید عیانی پہنچ گیا ہے، اور بحکم بَصْرَةُ الَّذِي بِنُصْرِهِ جمع اشیاء کی صورت میں بہ دیدہ حق، حق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لاجرم غیریت و اثنینیت اس کی نظر سے مرتفع (اوجھل) ہو جاتی ہے۔ لہذا حق کے سوا نہ کچھ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے۔ یہ مرتبہ عین الیقین کا ہے یعنی صاحب عین الیقین، جبکہ اس کی نظر میں غیر حق نہیں رہتا۔ لہذا اَوَّل و آخِر جو کچھ معقول و محسوس سے پیش آتا ہے، غیر حق نہیں ہوتا، نہ ظاہر نہ باطن — سچ ہے:

چشم حق بین بجزاز حق نتواند دیدن باطل اندر نظر مردم باطل بین است
 ”چشم حق بین حق کے سوا اور کچھ نہیں دیکھ سکتی، اور باطل صرف باطن بین لوگوں کی نظروں میں نظر آتا ہے۔“

جو کچھ جانتا ہے حق کو جانتا ہے، اور جو کچھ دیکھتا ہے حق کو دیکھتا ہے — اس کی دانش و بینش میں غیر حق نہیں رہتا۔ برہمہ و باہمہ حق ہی حق ہوتا ہے۔ خواہ جانے خواہ نہ جانے، مدرک و مدرک حق ہی حق ہوتا ہے۔

بر دانش و نادانی او حرفی نیست داند و ریا و گزند اند دریاست
 ”اس کے جاننے اور نہ جاننے سے اس پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اگر جانے تو بھی دریا ہے اور نہ جانے تو بھی دریا ہی ہے۔“

اس لیے کہ جو منظور ہوتا ہے وہی مشہود ہوتا ہے۔ لیکن ہر ایک کی نظر لیاقت اور درجہ عرفان جدا جدا ہے — اس دید کے لیے کئی مراتب ہیں جو آئندہ بیان ہوں گے۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جمع اشیاء کے مشاہدہ میں محقق کی اوّل نظر وجود واحد مطلق کے نور پر ہوتی ہے۔ اس شہود والے کو ذوالعین کہتے ہیں۔ اس لیے کہ حق کو ظاہر اور خلق کو باطن دیکھتا ہے۔ اس کے نزدیک خلق مرآت (آئینہ) حق ہے اور

حق اسی میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ آئینے میں صورت مخفی رہتی ہے۔ جبکہ ظہور میں (صورعکسیہ) صورتیں عکس بن کر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ لیکن نظر میں صورتوں کے اس عکس (صورعکسیہ) کے سوا کچھ نہیں ساتا۔ یعنی جو صورتیں آئینے میں ہیں، انہیں کا ظہور ہے۔ لہذا اسی کا نام ظہور باطن ہے۔ چنانچہ عارف جس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، اول خدا ہی کو دیکھتا ہے۔

۔ ولی کر بہ معرفت نور خدا دید بہر چیزے کہ دید اول خدا دید
 ”وہ ولی جس نے معرفت سے نور خدا دیکھا تو پھر اس نے جو چیز بھی دیکھی، اس میں خدا ہی کے جلوہ کو مشاہدہ کیا۔“

یہ مرتبہ ذوالعین و عین الیقین کا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ حق کو ظاہر دیکھتا ہے اور خلق کو باطن۔ کیونکہ حق کی ہستی آفتاب کی طرح ظاہر ہے۔ جو خود بخود ظاہر ہے اور عالم کا ظہور بہر حال اسی کے ذریعے سے ہے۔ اور جو کچھ مدرک ہوتا ہے فی الحقیقت وہ وجود ہی ہے۔ اس لیے کہ غیر اس کا عدم ہے، اور عدم کوئی شے نہیں۔ بقول شیخ اکبر
 — الْحَقُّ مَحْسُوسٌ وَالْخَلْقُ مَعْقُولٌ درست ہے۔ اس کا غیر نہ عیاں ہے نہ
 نہاں۔ اگر عیاں کہو تو نہاں کیا ہے۔ اور نہاں کہتے ہو تو عیاں کون ہے؟
 چنانچہ معلوم ہوا کہ ذات واحد کے سوا نہ کچھ عیاں ہے نہ نہاں۔ هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ
 وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ

۔ روئے تو ظاہر است بعالم نہاں کجا است گراونہاں بود بہ جہاں خود عیاں کجا است
 عالم شدہ است مظہر حسن جمال تو اے جاں بہ گوچہ مظہر و ظاہر جہاں کجا است
 تیرا روئے روشن تو عیاں ہے، عالم میں نہاں کہاں ہے۔ اگر وہ چھپا ہوا ہو تو
 خود جہاں ہی کب عیاں ہے۔ تمام عالم مظہر جمال دوست بنا ہوا ہے۔ اے جان تو
 ہی کہہ کہ کیا مظہر ہے اور جہاں ظاہر کہاں ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ محقق وہ ہے جس کو معرفت الہی بطریق شہود و کشف حاصل ہوئی نہ ازراہ کثرت برحان دلائل۔ اور حق مراد وجود مطلق سے ہے کہ ہر جا بہ جلوہ
 بقلموں تجلی فرما ہے۔ علم و عرفان کی رو سے اس معرفت کے مدارج ہیں۔ ایک سے دوسرا

افضل، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:
 نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ تَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (پ ۱۳-۳۷)
 ”ہم بلند کرتے ہیں درجوں میں جس کو چاہیں اور اوپر ہر جاننے والے کے
 جاننے والا ہے۔“

درجات عرفان:

اہل تصوف نے اس عرفان کے پانچ درجے قائم کئے ہیں۔ تین درجے گروہ اول
 یعنی اکملین میں — اور دو درجے گروہ ثانی یعنی کاملین میں — ان میں ہر
 عارف اپنی اپنی استعداد کے مطابق معرفت سے فائز المرام ہوتا ہے اور درجہ پاتا
 ہے — حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے:

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ فِيهِ أَوْ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ أَوْ مَعَهُ أَوْ قَطُّ
 یہاں فِيہِ مقام عشق ہے — قَبْلَهُ مقام مجذوب سالک — اور بَعْدَهُ مقام
 سالک مجذوب — اور مَعَهُ مقام سالک مطلق — اور قَطُّ مقام مجذوب
 مطلق — قَطُّ بمعنی فقط۔

یعنی کل پانچ درجات ہوئے۔ اب انہیں بالترتیب تشریحی طور پر بیان کیا جاتا ہے:
درجات اکملین:

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق اکملین کے تین درجات مذکور
 ہوئے:

☆ — طالب صادق

☆ — مجذوب سالک

☆ — سالک مجذوب

(۱) — طالب صادق:

جب طالب صادق، اذکار جہریہ و خفیہ و سریہ سے ترقی پاتا ہے — اور مرتبہ ذکر

معنوی و حقیقی یعنی ذکرِ روحی و سرعی میں جس کو مشاہدہ و معائنہ بھی کہتے ہیں، پہنچ جاتا ہے۔ یہاں غلبہ نور و عظمتِ جلالِ الہی سے سالک بے ہوش ہو جاتا ہے۔

— جب ہوش میں آتا ہے تو اپنے آپ کو حقیر و ذلیل و عاجز دیکھ ترقی کا

طالب ہوتا ہے — پھر جمالِ الہی کے انوار کے غلبہ میں طلب کے حواس معطل

ہو جاتے ہیں۔ پھر دیدہ صوری بہ غلبہ دیدہ معنوی اس نور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ نور جب

طالب کے دل پر تجلی کر کے قرار پکڑتا ہے تو اس حالت میں سالک کا ارادہ و فعل، ارادہ و

فعلِ حق ہو جاتا ہے — اس صورت میں سالک کی تمام دید و شنید و دانستِ حق سے

ہوتی ہے۔ وہ جمیع اشیاء میں ہستی حق کو پاتا ہے، پھر اسی کی طرف دوڑتا ہے اور ہل من

مُزْبِد کا نعرہ مارتا ہے۔ اسے قربِ نوافل کہتے ہیں — مقامِ مشاہدہ بَسْمِیْ یَسْمَعُ

وَبَسْمِیْ یَنْصُرُ کا اشارہ اس مرتبہ کی طرف ہے — صنعت میں اوّل نظر معرفتِ سالک

صانع کی طرف جاتی ہے۔ سالک جب اس مرتبہ کے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو عاشق

کہتے ہیں۔ اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ فِيهِ

یعنی ”میں نے نہیں دیکھا کسی کو مگر یہ کہ دیکھا میں نے اللہ کو اس شے میں۔“

(۲) — مجذوبِ سالک:

دوسرا مرتبہ مجذوبِ سالک کا ہے — عشق کے بعد نظر معرفتِ سالک، صانع

سے صنعت میں آتی ہے۔ اور تجلی ذاتی عارف کے قلب پر وارد ہوتا ہے — اس تجلی

میں اس نور کو بے مثل و مانند دیکھتا ہے، اور ہستی حق جانتا ہے۔ بے حجاب اشیاء میں حق

کا مشاہدہ کرتا ہے — اس سے یاد دوسرے سے جو فعل و صفت ظہور پکڑتے ہیں، یقین

سے جانتا ہے کہ یہ افعال و صفاتِ حق ہیں۔ اس مرتبہ کو قربِ فرائض کہتے ہیں۔ وَمَا

رَمَيْتُ إِذْ رَمَيْتُ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ اسی مقام کی گفتگو ہے — یعنی جمیع اشیاء میں

صفات و ہستی ذاتِ حق کو جلوہ گر پاتا ہے — بلکہ ذاتِ حق کو اشیاء سے پہلے دیکھتا

ہے۔ جب سالک اس مرتبہ کے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو **مَجذُوبِ سَالِك**

کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی نظر اشیاء سے پہلے ہمیشہ ذات پر پڑتی ہے۔ اس لیے سلطان العارفين نے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ

یعنی ”میں نے نہیں دیکھا کسی شے کو مگر یہ کہ میں نے دیکھا اللہ کو اس سے پہلے۔“

(۳) — سالک مجذوب:

تیسرا درجہ سالک مجذوب کا ہے۔ فضل الہی سے سالک جب دوسرے درجہ سے ترقی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے تجلی ذاتی کو جمیع صفات کے ساتھ سالک کے دل پر وارد فرماتا ہے۔ عارف جمیع صفات سے معمور اس تجلی ذاتی میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اس تیسرے مرتبہ میں صنعت کچھ باقی نہیں رہتی، تمام صانع ہی ہوتا ہے۔ یہاں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کی شان کھلتی ہے — اور وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّجِيبٌ کی حقیقت کا ظہور ہوتا ہے اور ہستی حق کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ من کل الوجوه سالک فانی ہو جاتا ہے — كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ وَجْهَهُ كَالظُّهُورِ ہوتا ہے، اور عارف جو کہ چشم روح سے ذات حق کا نور ہے، ذات حق کا مشاہدہ کرتا ہے — رَأَيْتُ رَبِّي بِرَبِّي اس مقام کا بیان ہے کہ عارف خودی کے بغیر ذات حق کو ذات حق سے معائنہ کرتا ہے۔ اور اپنا پتہ بھی نہیں پاتا۔ گویا اپنا پتہ بھی لاپتہ ہوتا ہے — اس مقام کو **فناء مطلق** و **اتم** اور اس حال والے کو **سالک مجذوب** کہتے ہیں۔ حقیقت اشیاء چونکہ کما حقہ بعد میں کھلتی ہے اسی لیے سلطان العارفين نے فرمایا ہے:

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ بَعْدَهُ

یعنی ”میں نے دیکھا میں نے کسی شے کو مگر یہ کہ دیکھا میں نے اللہ کو بعد اس شے کے۔“

کہ اشیاء کی حقیقت ذات حق کے سوا کچھ نہیں۔

درجات مکملین:

درجات عرفان میں دوسرے گروہ کے دو مراتب ہیں:

☆ — سالک مطلق

☆ — مجذوب مطلق

(۱) — سالک مطلق:

واضح رہے کہ جو فیض کسی سبب کے بغیر محض موبت الہی سے سالک کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتا ہے، پھر نفس صفات البیہ کے ظہور میں زائل ہو جاتا ہے تو اس کو حال کہتے ہیں — لیکن اگر کسی کسب کی وجہ سے کچھ حاصل ہوا ہے تو وہ:

☆ — یا نور عبادت ہے یا نور وضو،

☆ — یا نور نماز ہے یا نور عقل،

☆ — یا نور دل ہے یا نور روح

اس کو موبت نہیں کہتے۔ اسماء و صفات الہی کے انوار کی تجلی کسب کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ محض موبت و رحمت خاص ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ —

دائمی حال جب سالک کی ملکیت ہو جاتا ہے تو اس کو مقام کہتے ہیں — یعنی سالک نے اقامت کی اور حال، تحول سے مشتق ہے۔ یعنی از تغیر، از لولنے بولنے یا از حالے بحالے — جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سالک کو اس فنا سے ترقی دیتا ہے، اور بقا عنایت فرماتا ہے۔ یعنی اپنے ذاتی نور سے اس کو باقی کرتا ہے۔ تو اس مرتبہ کو جمع الجمع و حیرت کبریٰ و بتاب اللہ کہتے ہیں — چونکہ حال و مقام ارباب قلوب کے خواص سے ہے اور مقام جمع الجمع مقام دل کشا ہے۔ چنانچہ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں مقابل فرق کو جمع جمع کہتے ہیں — فرق سے مراد ہے احتجاب حق بخلق۔ یعنی خلقت کو دیکھتا ہے اور حق کو سن کل

الوجہ غیر جانتا ہے۔۔۔ یہ مرتبہ علم یقین مقام کاملین کا ہے۔ جو کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔۔۔ جمع عبارت ہے مشاہدہ حق بے خلق سے۔ یہ مرتبہ فناء سالک ہے۔۔۔ لیکن جب تک سالک کی ہستی قائم ہے، شہود حق بے خلق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ سالک بھی جملہ خلق میں سے ہے۔ یعنی جب تک شہود میں سے اپنی ہستی نہ جاتی رہے، بے حجاب خلق، شہود حق میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر سالک ہر دو عالم کو نہ دیکھے اور اپنی ہستی ہی کو دیکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ابھی فناء اتم کو نہیں پہنچا، بلکہ خود باقی ہے۔ یہ مرتبہ عین یقین و مقام اکملین کا ہے اور جمع الجمع مقصود ہے۔۔۔ شہود حق قائم مخلق یعنی سالک ذات حق کو جمع موجودات میں مشاہدہ کرتا ہے، جس نے مختلف صفات میں جا بجا ظہور کیا ہے۔۔۔ اور بقا باللہ سے یہ مطلب ہے کہ:

بَعْدَ الْفَنَاءِ رُجُوعُ إِلَى الْبِدَايَةِ

یعنی ”فنا کے بعد سالک ہوشیار ہو کر بدایت و ابتداء کی طرف رجوع کرتا ہے۔“
۔۔۔ بدایت، مرتبہ تفرقہ ہے۔ یعنی

إِذْ رَأَى مِنْ حَيْثُ التَّعِينَاتِ

ہوتا ہے۔ مبتدی کی نظر غیر ظاہر مظاہر پر پڑتی ہے۔ یہ مقام موجب غفلت ہے۔۔۔ جب سالک اپنی بے خودی و فناء اتم کے بعد قعود و تعینات و شخصیات سے باہر آ کر پھر اعتبار تعینات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو اس وقت سالک کی نظر اول ظاہر جو کہ ذات مطلق ہے، پر پڑتی ہے۔۔۔ پھر اس کے نور ذاتی سے تعینات و شخصیات کو دیکھتا ہے۔ اول کو یعنی صاحب جمع کو صاحب حال اور ثانی کو صاحب جمع الجمع کہتے ہیں۔۔۔ اگر جمع الجمع کی حالت سالک کو کشف کی وجہ سے صاحب حال کرتی ہے۔ یہ دونوں مراتب تعینات کے اعتبار سے ہمدر شریک حال ہیں۔ لیکن بتامل فرق بین پایا جاتا ہے۔ کیونکہ صاحب حال اور صاحب جمع الجمع کو اگرچہ خلق اور حق دونوں کا شہود ہوتا ہے۔ لیکن صاحب حال یعنی اکمل کو شہود خلق میں حق پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ شہود حق میں خلق اور صاحب جمعین یعنی مکمل کو ایک کے شہود میں دوسرا غائب نہیں ہوتا۔ اور حجاب

میں بھی نہیں پڑتا، بلکہ دونوں کو جمع الجمع مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مقام کو بقا باللہ، فرق بعد الجمع، سیر کبریٰ، صحو بعد المحو اور حق الیقین کہتے ہیں۔ یہ اقصائے مراتب عرفان میں سے ہے۔

یاد رہے کہ فرق سے مراد یہ ہے کہ سالک کے لئے خلق حجاب حق ہو۔ جمع الجمع کا مطلب یہ ہے کہ سالک کے لئے نہ تو خلق حجاب حق ہو اور نہ حق حجاب خلق ہو۔ بلکہ خلق عین حق اور حق عین خلق منکشف ہو۔

۔ مقام دلکشائش جمع جمع است جمال جان فزائش شمع جمع است
یعنی ”اس کا مقام دلکشا، سب کے جمع ہونے کی جگہ ہے، اور اس کا حسن جان فزا سب کی شمع ہے۔ یعنی سب اس کے پروانے ہیں۔“

چنانچہ عارف مکمل ہستی حق کو جمیع اوقات و احوال میں مشاہدہ کرتا ہے۔ دوئی اور غیریت سالک کی نظر سے اصلاً مفقود و ساقط ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر نہ اشیاء رویت حق میں حجاب ہوتی ہیں نہ رویت حق حجاب اشیاء۔ کیونکہ عارف حقیقت انسانی میں (جو کہ مرتبہ الوہیت ہے) پہنچ گیا ہے۔ جس طرح الوہیت کو وجوب و امکان برابر ہیں۔ اسی طرح اس عارف مکمل کو بھی خلق اور حق میں حجاب نہیں رہتا۔ مخلوق کو معدوم محض اور حق کو موجود مطلق دیکھتا ہے اور بطور حق الیقین جانتا ہے۔ اس لئے کہ مطلق نے ان وہی قیدوں میں مقید ہو کر عبودیت کا اقرار کیا ہے۔ یہ مرتبہ عبدیت و خلافت، حق ہے کہ بندگان حق کو حق کی تعلیم فرماتا ہے۔ یہ مرتبہ عبدیت و خلافت حق ہے کہ بندگان حق کو حق کی تعلیم فرماتا ہے۔ ظاہر میں عبد اور باطن میں حق ہوتا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں ابتداء و انتہا میں ذات کو کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ جو تھی وہی ہے۔ البتہ علم کا فرق ضرور ہے۔ اور یہ فرق قابل سند ہے۔ یہ مقام، **ببرخ البرخ** ہے کہ وجوب و امکان اعتدال کے مقام پر ہوں تاکہ ایک کو دوسرے پر غلبہ نہ ہو۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (پ ۲۷-۱۱ع)

اس مقام میں سالک کو کثرتِ آئینہ وحدت اور وحدتِ آئینہ کثرت بن جاتی ہے۔ یعنی وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت دیکھتا ہے۔ یوں عارف متصرف عالم **وَسَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمَوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ** کا مصداق بن جاتا ہے۔ اور صاحب اختیار ہوتا ہے۔ جب چاہتا ہے تجلی حق کو اپنے اوپر وارد کر لیتا ہے جس صفت میں چاہتا ہے متصف ہو کر ان صفات کے اثر کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ متصف بصفات حق و متخلق باخلاق اللہ ہو گیا ہے۔ اس لئے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا ہے:

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ مَعَهُ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْمًا كُنْتُمْ
اس معیت کو دیکھنا چاہئے۔ اور یہی قابل اعتبار ہے۔

۔ ہست رب الناس را جان ناس اتصال بے تکلیف بے قیاس
”لوگوں کے رب کا انسانوں کی جان کے ساتھ بے کیف و بے قیاس
اتصال ہے۔“

جیسے رویت کثرت میں سالک وحدت حقیقی سے محتجب نہیں ہوتا۔ ایسے ہی رویت وحدت میں بھی کثرت سے محتجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۔ فرق چہ بود عین غیران کا شتق جمع غیرش را عدم پنداشتق
”بس فرق کیا ہے عین و مطلق کو غیر سمجھنا اور جمع یہ ہے کہ اس کے ماسوائے کو
عدم شمار کیا۔“

۔ صاحب تقلید اہل فرق داں گوندید از حق دریں عالم نشان
”جو صاحب تقلید ہیں تو ان کو اہل فرق جان۔ کیونکہ وہ اس جہان میں حق
کا نشان نہیں دیکھتے۔“

۔ ہر کہ گوید نیست کلی، بیچ غیر در یقین اوست مسجد عین دیر
”اور جو یہ کہے کہ بالکل کوئی غیر نہیں ہے۔ اس کے یقین میں مسجد اور بت

خانہ ایک ہی ہے۔“

جمع جمع است آنکہ می بیند عیاں در مرایابی ہمہ فاش و نہاں
”جمع جمع وہ ہے جو کہ کھلم کھلا یہ مشاہدہ کرے ورنہ سب ظاہر باطن میں مجھ
کو دیکھے۔“

صاحب جمع است پیشش نیست فرق

جان اور در بحر وحدت گشت غرق

”صاحب جمع“ کے سامنے کچھ ”فرق“ نہیں ہے اس کی جان تو بس بحر وحدت
میں فرق ہوتی ہے۔“

رتبہ اول بکامل ہست و بس بردوم اکمل جزا و حق نیست کس
”کامل کا رتبہ اول ہے اور بس ہے۔ دوسرے اکمل جو ہوتا ہے سوائے اس
کے حق کوئی نہیں ہے۔“

مرتبہ ثالث مکمل لائق است زانکہ او از ہر دو ال فائق است
”تیسرا مرتبہ مکمل کے لائق ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلے دونوں سے فائق اور
برتر ہے۔“

اگرچہ کسی مرتبہ و مقام کی حد و نہایت نہیں۔ لیکن صوفیہ کرام نے اس مرتبہ کو
انتہائے مقام عرفان میں لکھا ہے، اور یہ مرتبہ سالک مطلق کا ہے۔

(۵) — مجذوب مطلق:

پانچواں درجہ مجذوب مطلق کا ہے۔ مجذوب مطلق وہ شخص ہے کہ روز اول و عالم
اردان میں اس کی تجلیات ذات حق میں ایسی فنا ہو گئی ہیں کہ جب عالم دنیا میں آتا ہے تو
مجذوب ہو کر آتا ہے جب تک رہتا ہے مجذوب ہی رہتا ہے۔ اور جب دنیا سے جاتا
ہے تو مجذوب ہی جاتا ہے۔ غرض جس حال میں ہے اسی حال میں مبتلا رہتا ہے۔
اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ ابتداء و اوسط و آخر میں ذات حق کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں
آتا۔

امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ فرمایا: **أَوْقَطُ** یعنی فقط۔ لہذا مجذوب ہو کر آیا ہے اور اسی حالت جذب میں چلا جائے گا۔ ایسے مجذوب سے کچھ فیض و فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن مرتبہ خلافت وہی ہے جو گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے، اور وہی مقام نہایت ہے۔

رسول رب العالمین کسے کہتے ہیں؟

شرعی زبان میں رسول صاحب کتاب، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ و خاص بندے کو کہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق خدا کے لئے مبعوث ہوا ہو۔ صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ رسالت خدا کی طرف سے ہر شخص کو میسر ہے۔

۔ آئینس ست اہل بصارت کہ اشارت داند

نکتہ باہست بے محرم اسرار کجاست

”بس وہی دل کی آنکھ والا (اہل بصارت) ہے جو کہ اشارت کو جانے اور سمجھے“

حقائق اور نکات تو بہت ہیں مگر محرم اسرار (ہم راز) کہاں ہے۔“

دل مومن عرش الہی:

مخصوص مومن اس مرتبہ کے مستحق ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

○ — **قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللَّهِ** ”مومن کا دل خدا کا عرش ہے۔“

○ — **الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى** ”اللہ تعالیٰ عرش پر تشریف فرما ہے۔“

(پ ۱۶، ع ۱۰)

حدیث پاک میں ہے:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ أَصْبَعَيْنِ مِنَ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ يُقَلِّبُ مَا يَشَاءُ

یعنی ”مومن کا دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے (یعنی جلال و جمال

میں)، جدھر چاہتا ہے، پھراتا ہے۔“

لہذا ان کو الہام کا ہونا کچھ تعجبات سے نہیں — اب مخفی نہ رہے کہ نعت میں

رسول پیغامِ برد و قاصد کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جمیع موجودات سے جو آواز، جو راحت و غم، جو خطرہ، جو خیر و شر، جو نیکی بدی انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے، وہ رسولِ حقِ برحق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

○ — قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ (پ ۵ ع ۱۲۸)

”کہہ کہ سب چیز اللہ کی طرف سے ہے۔“

○ — قَالَهُمْهَا فُجُورًا وَتَقْوَاهَا (پ ۳۰ ع ۱۶)

”اس کو الہام کرتا ہے اس کی بدکاری و نیکوکاری کا۔“

اور حدیثِ پاک میں ہے:

لَا تَسْخَرُكَ ذَرَّةٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ”حکمِ خدا کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكُمُ مَا يُرِيدُ

یعنی ”کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے، اور حکم کر دیتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔“

جبکہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو ثابت ہوا کہ یہی حکمِ الہی ہے کہ تم میں اور تمہارے دلوں میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ہر وقت تمہاری رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

○ — وَفِيكُمْ رَسُولُهُ (پ ۵ ع ۱۴)

”اور تم میں اس کا رسول ہے۔“

○ — وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ (پ ۵ ع ۱۳)

”اور جان لو یہ بات کہ تحقیق تم میں رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔“

ارشاد سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے قوم! — آؤ میری طرف، تاکہ ہم خدا کے سامنے عاجزی کریں — اور تقدیر و افعال میں اس کی موافقت کریں — اور ظاہری و باطنی طور پر اس کے

آگے اپنے سر جھکائیں — اور اس کی تقدیر کے ہر کاب پیادہ پا چلیں۔ کیونکہ وہ پیغمبر خدا ہے۔ اس کی مکریم عین مکریم خدا ہے۔

پس وہ تقدیر جو رسول حق ہے ہم کو خدا تک پہنچائے گی۔ اور یہ بھی مسلم الثبوت ہے کہ ہمارے کل امور یعنی افعال و حرکات و سکنات و ارادہ و گفت گو وغیرہ تقدیر سے وابستہ ہیں، اور تقدیر رسول حق ہے۔ چنانچہ اس پر ایمان لانا اور دل و جان سے حکم قبول کرنا ہر فرد بشر پر فرض عین ہے۔ خواہ جمالی ہو یا جلالی، عتاب ہو یا خطاب۔ اپنے آپ کو اس کے ذریعہ سے خدا تک پہنچانا لازم — کیونکہ یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ فیاض مطلق کا اول فیض: عالم ارواح میں آیا ہے، پھر عالم حس و شہادت میں — لہذا جو کچھ ہمارے دل میں کہیں سے وارد ہو یا خود بخود پیدا ہو، اس کو غیر کی طرف یا اپنی طرف منسوب کرنا جہالت ہے۔ بلکہ وہ خدا کا بھیجا ہوا رسول برحق ہے۔ اس کا مطیع فرمان ہو کہ وہ ہادی و موصل الی المطلوب ہے۔

تنبیہ:

اے عزیز!۔ اب یہ راہ بھی بہت دور دراز ہے، اور خوف و خطرہ دوئی سے محفوظ نہیں — خدا و رسول کا فرق اٹھا اور قریب کی راہ چل کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ تاکہ منزل مقصود کو جلد پہنچ جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ کل ذاتی امور میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر دو اسم باہمی کے اور کچھ وجود میں نہیں رکھتے۔

۔ چہ می گویم کی ہست ایں نکتہ باریک شب روشن میان روز تاریک
 ”میں بس کیا کہوں یہ ایک بڑا باریک نکتہ ہے کہ روز سیاہ کے درمیان میں شب روشن موجود ہے۔“

اگر تم نور حق کو نور حق سے بہ نظر غور و تاامل دیکھو گے تو تم کو یہ راز بخوبی منکشف ہو جائے گا کہ ذات حق جمیع صفات میں جلوہ گر ہے بلکہ من کل الوجوہ ظہور ذات ہے۔ مثلاً جب نور آفتاب نظر میں سماتا ہے تو نور نظر آتا ہے۔ اسی طرح اگر دیدہ دل کو نور تو حید ذات سے منور کر کے نظر کر دو گے تو تم خود ہی کہہ اٹھو گے کہ ذائست ذیسی برسی —

اور یہ تمام اپنی ہی نظر کی خوبی ہے۔ جس کی جیسی نظر ہے، ویسا ہی اس کا ظہور ہے۔
دیو کو دیو نظر پڑتا ہے اور حور کو حور۔

۔ یکے خورد شید بیند دیگرے نور قیاس ہر یکے باشد ز ہم دور

”ایک سورج کو دیکھتا ہے اور دوسرا نور حقیقی کو دیکھتا ہے۔ ہر ایک کا قیاس

دوسرے سے دور ہوتا ہے۔ جس کی جیسی سمجھ ہوتی ہے، ویسا ہی وہ سمجھتا ہے۔“

کیونکہ اگر تم بقید تعین کسی صفت پر صفت کے خیال سے نظر ڈالو گے تو وہ صفت ہی ہے، ورنہ عین ذات۔ یعنی تعینات خارجیہ سے قطع نظر اگر تم اپنے نور بصیرت سے تعین کے بغیر ہر صفت کو ذات میں لا کر بغور دیکھو گے کہ

”یہ صفت عین ذات ہے یا غیر ذات“

تو تم پر کما حقہ، حقیقت اشیاء عیاں ہو جائے گی۔ کہ نور صفات میں عین نور ذات جلوہ گر ہے۔ اور ہر صفات کے نور میں عین وہی نور ذات ہے۔ جو ہر ایک شے میں برنگ بولقموں پر تو انداز ہے۔ اور ہر صفات کے نور پر نور ذات بطرز دیگر نور افشاں ہے۔ جیسے نور آفتاب ہر شجر و حجر، آب و ہوا، ارض و سما، گل و شتر پر گونا گوں جلوہ کناں ہے۔ ”نُورٌ عَلٰی نُورٍ يُهْدِي اللهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ“ — یہ نور ذات و نور صفات بھی تعینات کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ ایک ذات بے کم و کاست ہے کہ جس کو ایک بھی نہیں کہہ سکتے۔ پس صفات و صور کو چھوڑ کر معنی و ذات میں آ — تاکہ تو اپنی حقیقت میں جو تیرا مقصود اصلی ہے پہنچ جائے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

۔ چند باشی عاشق صورت بگو طالب معنی شود معنی بچو

”تو بتا، کب تک ظاہری صورت کا عاشق و شیدار ہے گا۔ بس اب تو طلب

گار معنی بن اور اصل حقیقت کو تلاش کر۔“

۔ صورت ظاہر فنا گردد بدال عالم معنی بماند جاوداں

”تو جان لے، یہ صورت ظاہری ایک دن فنا و نابود ہو جائے گی، اور عالم

حقیقت ومعنی ہمیشہ باقی رہے گا۔“

۔ صورتش دیدی زمعنی غافل
از صدف در راگزین گر عاقلی
”تو تو صورت کو دیکھتا ہے، اور اس کے معنی و حقیقت سے تو غافل ہے۔ تو
صدف کے اندر سے گوہر نایاب حاصل کر، اگر تو عقل مند اور سمجھ دار
ہے۔“

۔ از یک اندیشہ گر آید در درون صد جہاں گردو بیک دم سرنگوں
اگر صرف ایک وسوسہ و اندیشہ ہی تیرے دل (باطن) میں آئے۔ تو اس
سے سینکڑوں جہاں یک دم سرنگوں ہو جائیں گے۔“
۔ جسم سلطان گو بصورت یک بود صد ہزاراں لشکرش در تگ بود
”اگرچہ سلطان کا جسم ظاہری صورت میں ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر سو ہزار لشکر
اس کے نقل و حرکت میں ہوتے ہیں۔“

۔ باز شکل و صورت شاہ صفی ہست محکوم یکے فکر خفی
”پھر اس شاہ خفی کی شکل و صورت ایک مخفی فکر کی محکوم ہوتی ہے۔“

۔ خلق بے پایاں زیک اندیشہ بین گشتہ چوں سیلے روانہ بر زمین
”تو اس تمام بے شمار و بے اندازہ مخلوق کو صرف ایک فکر و اندیشہ کا باعث
خیال کر، جو ایک طغیانی و سیلاب کی طرح روئے زمین پر جاری ہے۔“

۔ خلق عالم چون رمدست و حق شبان می دو اند جملہ را روز و شبان
”تمام مخلوق ایک گلہ و ریوڑ کی مانند ہے اور حق تعالیٰ اس کی راعی (گڈریا)
ہے، وہ اس کو دن رات، صبح و شام چلاتا رہتا ہے۔“

۔ پس چرا از الہی پیش تو کور تن سلیمان است اندیشہ چومور
”پھر کیوں بے وقوفی کی وجہ سے تیری آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔ جسم
حضرت سلیمان کی طرح ہے اور اندیشہ چیونٹیوں کی مثل ہے۔“

۔ یوسف حسنی تو اس عالم چو چاہ دین رسن چیز است از امر الہ

”اور تو اس عالم میں کتوئیں کے اندر حسین یوسف کی طرح سے ہے، اور خدا

تعالیٰ کے حکم سے اس کی رسی ایک چیز ہے۔“

۔ در رکن زن دست بیرون روز چاہ تا بہ بنی بارگاہ بادشاہ

”تو اس رسی کو ہاتھ سے پکڑ لے اور کتوئیں سے باہر نکل آ۔ تاکہ پھر بادشاہ

حقیقی کی بارگاہ عالی کا مشاہدہ کرے۔“

۔ تا بہ بنی عالم جان جدید عالم بس آشکار ناپید

”اور پھر تو نئی جان کے عالم نو کو دیکھے اور یہ عالم کہنہ وفاقی ناپید و معدوم ہو

جائے“

۔ خاک بربادست و بازی می کند کش نمائے پردہ سازی می کند

”خاک ہو پر ہے اور بازی (کھیل) کرتی ہے کہ وہ اس کی پردہ سازی کی

نمائش کرتی ہے۔“

۔ خاک ہم چوں آلتے در دست داد باد را واں عالم عالی نژاد

”خاک کو ایک آلے کی طرح اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے، تو ہوا کو ایک

عالی نژاد عالم سمجھ۔“

۔ خاک را دیدی بر آید بر ہوا در میان خاک بنگر باد را

”تو نے خاک کو دیکھا کہ وہ کس طرح ہوا کے اوپر آ جاتی ہے۔ تو اس خاک

کے اندر بھی ہوا کو دیکھ لے۔“

۔ دیگ ہائے فکر سے بنی بہ جوش اندر آتش ہم نظر میکن یہ ہوش

”تو اپنے فکر و عقل کی دیگ کو بھی تو جوش مارتا دیکھتا ہے، تو ہیشاری کے

ساتھ آگ میں بھی مشاہدہ کر سکتا ہے۔“

۔ چند بنی گردش دو لاب را سر بروں کن ہم بہ ہیں میزاب را

”تو نے بار ہا دو لاب (رہٹ) کی گردش کو بھی دیکھا ہوگا۔ تو اپنا سر اٹھا اور

پر نالوں کو بھی دیکھ۔“

یعنی تو رہٹ کی طرح گردش کرتے ہوئے آسمان کو جس میں مکلوں کی طرح اجرام فلکی اور چاند سورج اور ستاروں کے دائرے گھومتے ہیں۔ تو اس کا مشاہدہ کر اور آسمانی میزاب رحمت بارش کے پرنالوں کو بھی سراٹھا کر دیکھ۔

۔ ایں جہاں چوں خس بدست بادغیب عاجزی پیشہ گرفت از داد غیب
 ”یہ عالم کائنات ایک تنکے کی طرح بادغیب کے ہاتھ میں مسخر ہے۔ اس نے حکم غیب سے عاجزی و تابعداری کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ یعنی مشیت الہی کے خلاف مطلق کچھ نہیں کر سکتا۔ تمام کارخانہ عالم اسی ذات مطلق کے حکم کے موافق سرگرم کار ہے۔“

۔ دست پنہاں و قلم بین حظ گزار اسپ در جولاں و ناپیدا کنار
 ”دست قدرت تو پردہ غیب میں پوشیدہ ہے اور تو اس کے مخفی ہاتھ میں قلم تقدیر کو برابر چلتا ہوا دیکھ لے۔ یہ گھوڑے کی طرح بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔ اس کی دوڑ کا کوئی احاطہ یا کنارہ نہیں ہے۔ لاناہایت جولانی دکھا رہا ہے۔“

۔ جسم حس اسپ است و نور حق سوار بے سوار ایں اسپ خود ناید بکار
 ”یہ جسم حس ایک گھوڑے کی مانند ہے اور نور حق تعالیٰ اس کا سوار ہے۔ بغیر سوار کے یہ گھوڑا خود کسی کام کا نہیں ہے۔“

۔ نور حق بر نور حس را کب بود وانگہے جاں سوئے حق راغب بود
 ”حق تعالیٰ کا نور، نور حس پر سوار ہوتا ہے، پھر روح انسانی حق تعالیٰ کی طرف راغب ہوتی ہے۔“

۔ نور حس را نور حق تزئین بود معنی نُورُ عَلٰی نُورِ ایں بود
 ”نور حس کی نور حق سے تزئین و آرائش ہوتی ہے۔ اور نُورُ عَلٰی نُورُ، یعنی نور کے اوپر نور کے یہی معنی ہیں۔“

۔ نور حس سے کشد سوئے ثریٰ نور هوش می برد سوئے علی
 ”نور حس انسان کو تحت الثریٰ کی طرف کھینچتا ہے جبکہ نور حق اس کو بلندی و عروج

کی طرف لے جاتا ہے۔“

۔ لیک پیدا نیست اس راکب برو جز آثار وہ گفتار نکو
”لیکن یہ ایک راکب و سوار اس کے اوپر بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ صرف اس کے

نیک آثار اور گفتار اور بہتر طور و طریق ہی سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔“

۔ نور حس با اس غلیظی مختفی است چوں خفی نہ بود ضیائے کال صغی است
”نور حس بھی اس غلیظ انسان میں پوشیدہ ہے اور کیوں نہ مخفی ہو، اس لئے کہ وہ

اس مصفا (پاک و صاف) نور ہی کی ضیا و انوار سے ہے۔“

۔ نور حس گو غلیظ است و گراں ہست پنہاں در سوار دیدگاں
”اگرچہ نور غلیظ اور بھاری ہوتا ہے مگر وہ دیکھنے والوں کی ”مردک چشم“ آنکھ کی

سیاہ پتلی میں پنہاں ہے۔“

۔ نیست را بہ نمود ہست آں محتشم ہست را بہ نمود بر شکل عدم
”وہ صاحب شان ”نیست“ کو ”ہست“ دکھاتا ہے اور ہست کو عدم کی شکل سے

ظاہر و نمایاں کرتا ہے۔“

۔ بجز را پوشیدہ کف کرد آشکار بادرا پوشید وہ نمودت غبار
”وہ سمندر کو پوشیدہ اور جھاگ کو آشکارا و ظاہر کرتا ہے۔ اور ہوا کو چھپا کر غبار اور

گرد کو نمودار کرتا ہے۔“

۔ خاک را بنی بہ بالا اے علیل بادرا نہ جز بہ تعریف و دلیل
”اے محبت کرنے والے! تو خاک کو بلندی پر دیکھتا ہے۔ اگر ہوا کو چشم ظاہر سے

نہیں دیکھ سکتا۔ صرف اس کی تعریف و دلیل ہی پیش کر سکتا ہے۔“

۔ کف ہی بنی روانہ ہر طرف کف بجز دریا ندارد منصرف
”یہی کف اور جھاگ تو ہر طرف رواں دواں دیکھتا ہے۔ مگر یہ بھی خیال کر کہ تو یہ

کف و جھاگ کف ہی بنی روانہ ہر طرف رواں دواں دیکھتا ہے۔ مگر یہ بھی تو خیال کر
کہ تو یہ کف و جھاگ جو دیکھ رہا ہے، یہ کسی موجزن سمندر کے بغیر ہرگز ظاہر نہیں ہو

سکتا۔“ یعنی یہ تمام اس بحر حقیقت کی موجوں کی جھاگ ہے۔“
 کف بہ حس بنی و دریا از دلیل فکر پنہاں آشکارا قاتل و قلیل
 ”تو کف و جھاگ کو تو اپنی حس سے دیکھ سکتا ہے اور اس دریا کو دلیل و حجت سے
 سمجھے گا۔ اسی طرح فکر و تخیل، پوشیدہ اور بحث و گفتگو ظاہر ہوتی ہے۔“

اصطلاح صوفیاء میں رسول سے کیا مراد ہے:

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں رسول سے مراد وہ ذات ہے جو عالم غیب اور عالم
 شہادت کے درمیان جامع ہو بلکہ:

○ ——— احدیت و واحدیت کے درمیان جامع ہو، اور

○ ——— ذات و صفات کے درمیان جامع ہو۔

یعنی:

○ ——— صفات کے اعتبار سے عین عالم شہادت ہے، اور

○ ——— روحانیت کے اعتبار سے عین عالم ارواح ہے، اور

○ ——— سر کے اعتبار سے عین عالم ذات کہ عین عین عین ہے، اور

○ ——— عالم شہادت عرش رحمانی سے تا تحت الثریٰ مراد ہے۔

اور بالائے عرش عالم مثال اور اس کے محیط عالم ارواح ——— اور اس پر مرتبہ

ربوبیت و الوہیت و حقیقت انسانیہ و اعیان ثانیہ و واحدیت اور اس سے برتر مرتبہ

وحدت ہے۔ جسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں ——— اس سے اعلیٰ تر احدیت صرف یعنی

ذات ذوالجلال و الجلال اور اس کے اصل ہو ——— یعنی تعین و وجود مطلق و ذات بحت

وراء الوریٰ و منقطع الاشارات و کنہ حق سبحانہ، کہ جس کو ہویت و حقیقت احدیت صرف

کہتے ہیں۔ اور یہ تمام مراتب جو اوپر بیان کئے گئے۔ سب حضرت انسان میں موجود

ہیں ——— بعض میں بالفعل اور بعض میں بالقوۃ ——— چنانچہ تمام قابلیت درخت، ہر تخم

میں مندرج ہے ——— اب ذرا ہمدن گوش ہوش اور بہ توجہ دل سنو کہ:

”جس وقت خانہ تاریک عدم سے یہ روشنی ظہور نمودار ہوئی، اور جو کچھ احاطہ عدم

میں تھا، دید میں آیا تو اس کا نام عبودیت و ربوبیت رکھا گیا۔“

چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

رد پدید آمد چو آدم شد پدید زدو کلیدے ہر دو عالم شد پدید
یعنی ”کائنات کی پیدائش کا راستہ ظاہر ہو گیا جبکہ ظہور آدم علیہ السلام ہوا، اور اس
سے ہر دو عالم کی کئی ظاہر ہو گئی۔“

یہ ہر دو صفات ذاتی ہیں — اور ہر دو جہان میں انہیں دو صفات کا ظہور ہے
— اور یہ ہر دو تعبیر وجود انسانی میں موجود ہیں۔ جیسے نقطہ متمثل و متمائل — ان
دو حروف یعنی واؤ اور میم کا کہ یہ دونوں حرف ایک نقطہ سے برآمد ہوئے ہیں۔ اور دونوں
کی اصل وہی ایک نقطہ ہے — مثلاً (م)۔ اگر نظر میم پر پڑتی ہے تو واؤ غائب ہو جاتی
ہے۔ اور جب واؤ پر نظر کریں تو میم نثار ہے — پس میم کی غیبت میں حضور کی واؤ
ہے، اور واؤ کی غیبت میں ظہور میم ہے — یعنی از روئے صورت بعد بلا قرب اور
از روئے منی قرب بلا بعد ہے — میم سے من عبادت ہے اور واؤ سے مراد یعنی اس
کی غیبت میں ہمارا ظہور، اور ہماری غیبت اس کی نمود — چنانچہ ہر دو صفات میں
سے جس پر نظر ڈالو وہی ہے۔ یعنی اگر ”میں“ کی قید میں گرفتار ہو گیا تو ”میں“ ہے ”وہ“
نہیں — اور اگر ”میں“ کی قید سے نکل گیا تو وہی ”وہ“ ہے، ”میں“ نثار ہو
گیا — اگر منصور علیہ الرحمہ انا الحق کہہ اٹھے تو سبحان اللہ سزاوار دار ہوئے۔

چنان در ذات او کن جسم پنہاں کہ گردد الف در بسم پنہاں
”تو اس کی ذات میں جسم کو اس طرح پوشیدہ کر کہ جس طرح ”بسم اللہ“
میں الف چھپا ہوا ہوتا ہے۔“

اگر تو عین دیکھے تو عین ہے — اور اگر غیر دیکھے تو غیر غرض جو کچھ اپنے دلی
یقین سے اپنی ذات کو قرار دے گا تو وہی ہے۔ اگرچہ در حقیقت تو کچھ اور ہی ہے۔ کہ
جہان زبان بیان گنگ اور پائے فکر لنگ ہے۔ لیکن:

گر در دل تو گل گزر و گل باشی در بلبل بے قرار بلبل باشی

تو جزدی وقت کل ست گروزے چند اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی
 ”اگر تیرے دل میں پھول کا خیال آئے تو پھول ہوگا۔ اور اگر بلبل بے
 قرار کا خیال ہو تو بلبل بن جائے گا۔ تو اپنی اصل کے اعتبار سے جزد ہے اور حق
 کل ہے۔ اگر تو چند دن تک اپنے سامنے کل کا فکر و اندیشہ کر لے تو تو کل ہو جائے
 گا۔“

در حقیقت ذات الہی ہماری ذات میں عین عین عین ہے۔ یہ ہماری غیریت
 جمال ہویت پر ایک خال ہے، تاکہ اس کا حسن دو بالا ہو۔ ورنہ اس غیریت اضافی
 کا کچھ اعتبار نہیں۔ لہذا عبودیت اور ربوبیت دونوں ذاتی صفات ہیں۔ رسول
 اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب تعبیر ربوبیت غالب آتا تھا، اور صفت عبودیت اس
 کے غلبہ میں محو ہو جاتی تھی تو اس وقت زبان مبارک سے جو کچھ فرماتے وہ کلام اللہ
 ہوا۔ اور جب صفت عبودیت میں واپس آتے، اس وقت زبان مبارک سے جو کچھ
 صادر ہوتا، وہ حدیث ہوتا۔ اور جبرئیل (علیہ السلام) مراد ہے اس خاطر سے جو
 دونوں تعبیروں کے درمیان یعنی عبودیت کے تعبیر میں ربوبیت کے حال سے خبر دینے
 والا ہے اور صفت ربوبیت کے غلبہ میں اس کی ہرگز گنجائش نہیں۔

۔ در عشق پیام در نہ گنجد خود بود در راں و گرنہ گنجد
 یعنی ”عشق حقیقی میں کسی پیام کی گنجائش نہیں ہے۔ سب کچھ وہ خود ہی ہے۔“

اس کے اندر دوسرے کی گنجائش نہیں ہے، وہ وحدت محض ہے۔“

۔ چوں در آید وصال راحلہ کم شود گفتگوئے دلالہ

”جب وصل و وصال کا وقت آتا ہے تو اس خاص وقت میں دلالہ کی گفتگو بھی کم
 بلکہ ختم ہو جاتی ہے۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسْعَيْنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقْرَبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ

یعنی ”اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے، اس میں کسی کی گنجائش نہیں۔ نہ

فرشتہ مقرب کی اور نہ نبی مرسل کی۔“

بلکہ دائرہ احدیت میں لَا شَرِيكَ لَهٗ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بے کار ہیں — محمد
ظاہر حق ہے اور حق باطن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) — بلکہ ظاہر و باطن حق ہی حق
ہے — هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔

يَا مَنْ بُدِّ اَجْمَالِكَ مِنْ كُلِّ مَا بَدَا بادا ہزار جان مقدس ترا فدا
عشق است بس کہ در دو جہاں جلوہ می کند گہہ در لباس شاہ و گہہ از سوت گدا
”اے وہ ذات پاک! جس کا جمال پاک ہی سب کی ابتداء و بنیاد ہے۔ تیری
ذات قدسی پر ہزاروں مقدس جانیں قربان ہوں۔ چنانچہ ایک تیرا ہی عشق ہے کہ جو
دونوں جہاں میں جلوہ نمائی کرتا ہے۔ تو کبھی شاہی لباس میں شان و شوکت سے ظاہر ہوتا
ہے اور کبھی وہ فقیر بے نوا کی پھٹی پرانی گذری میں نمایاں ہوتا ہے۔“

موجودات گویا ایک لفظ یا صورت ہے۔ اور اس لفظ کے معنی یا صورت کی حقیقت
حق — چنانچہ معنی و حقیقت کو بغیر لفظ و صورت، اور لفظ و صورت کو بغیر معنی و حقیقت
ظہور و وجود نہیں — نہ مطلق کو بغیر مقید آرام اور نہ مقید کو بدون مطلق قرار۔

خیالات پری بے شیشہ نقش طاق نسیاں کن

محال است ایں کہ ہر جا جسم گم شد جاں شود پیدا

”تو پری بیکر کے خیال کو بغیر شیشہ و بوتل کے بھول جا۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ جہاں
جسم گم ہو، وہاں جان ظاہر ہو جائے۔“

برہم بولے کایا کے اولے برہم بن کایا کیا بولے

مَنْ فَهَمَ فَهَمَ

روح کیاشے ہے؟

حکماء روح کو نفسِ ناطقہ کہتے ہیں — جمہور کے نزدیک عقلِ کل ہے — اور
اطباء کی تصریح یہ ہے کہ:

○ جب غذا بے خون بن کر دل کے بائیں پہلو میں پہنچتا ہے اور پکتا ہے اور

لطیف بخار ہو کر جگر میں پہنچتا ہے تو اس کو روح طبعی کہتے ہیں۔

○ — خون جب جگر سے دماغ میں آ کر اعصاب میں دوڑتا ہے، اس کا نام روح نفسانی ہے۔ اور

○ — جب خون اعصاب سے دل میں ہو کر شریانوں کے ذریعے تمام جسم میں سرایت کرتا ہے تو اسے روح حیوانی کہتے ہیں۔ اس روح کا منبع دل ہے — یہ روح آفتاب جسم ہے۔ جیسے چراغ خانہ۔

یہ تمام ارواح یعنی روح طبعی، روح نفسانی اور روح حیوانی مخلوق ہیں اور فانی ہیں — ایک روح انسانی ہے۔ جسے روح اللہ، روح ربانی اور امر رب کہا جاتا ہے — وہ اجسام میں داخل یا خارج ہونے سے پاک ہے — اور عقل و سمجھ، اور شعور کی رسائی سے برتر ہے — اہل شریعت اس روح کو امر رب اور اہل تصوف مظہر حق و سر ذات کہتے ہیں۔

— گر نہ بودے ذات حق اندر وجود آب و گل را کے ملک کر دے وجود یعنی ”اگر وجود میں ذات حق پوشیدہ نہ ہوتی تو اس مٹی پانی کے پتلے کو تمام فرشتے کیوں سجدہ کرتے“۔

خوشی غمی کا احساس روح کو ہوتا ہے یا بدن کو:

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ روح کی چار اقسام ہیں:

(۱) روح طبعی (۲) روح نفسانی (۳) روح حیوانی (۴) روح ربانی۔

روح ربانی درد و غم، خوشی، رنج و فکر و اندیشہ، تکلیف و راحت اور ثواب و عذاب سے منزہ و مبرا ہے — کسی وقت میں، کسی حالت میں، کسی شان میں، کسی زمان و مکان میں کچھ لوٹ نہیں رکھی۔ اَلَا لَئِنْ كُنَّا كَان — اور روح حیوانی اور جسم جبکہ اس کے ساتھ ظاہری حواسِ خمسہ غیر باطلہ یعنی کارکن شریک حال ہوتے ہیں تو جسم ان سب امور کا موجب ہوتا ہے — اور جب یہ ظاہری حواسِ خمسہ باطل و بیکار ہوتے ہیں تو جسم کو بھی ان سب باتوں سے کچھ اثر نہیں ہوتا — مثلاً اگر کسی شخص کو بے ہوشی کی دوا

استعمال کرائی جائے تو پھر اس کا جو عضو چاہو سر، ہاتھ، پاؤں کاٹو، اس کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارا فساد جسم میں ان حواس عشرہ غیر باطلہ کا ہے۔

جو مجذوب مطلق ہیں، ان کو بھی کسی طرح کی تکلیف و راحت نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ ان کے حواس معطل محض ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے طالبان حق اس بات میں کوشش کرتے ہیں کہ یہ ظاہری حواس باطل ہو جائیں۔ اور باطنی حواس خمسہ جو باطل پڑے ہوئے ہیں، ہوشیار ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

حواس خمسہ باطنی کا یہ خاصہ ہے کہ جب ہوشیار ہوتے ہیں تو اچانک اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ حواس خمسہ ظاہری ہوشیاری کی حالت میں ہمیشہ مخلوق کی طرف رجوع رکھتے ہیں۔ اس لئے جسم کو اشیاء کا اثر ان کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ انفرادی طور پر ان تینوں میں سے کسی ایک پر بھی کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔

قلب کیا ہے؟

نفس ناطقہ جب کہ معانی کلی و جزوی کو جس وقت چاہے مشاہدہ کر لے، اسے قلب کہتے ہیں۔ حکماء کے نزدیک اس مرتبہ کا نام **عقل مستفاد** ہے۔
 آں کہ دانا گفت عقل مستفاد در حقیقت راں کہ دل بودش مراد
 ”جس کو دانا و حکماء نے عقل مستفاد (فائدہ بخش) کہا ہے، تو حقیقت میں جان لے کہ ”دل“ اسی سے مراد و مقصد ہے۔ ورنہ گوشت کا یہ دھڑکتا ٹکڑا صحیح معنوں میں دل نہیں ہے۔ یہ تو اس کا جسم ظاہری ہے۔“

قلب ظاہر و باطن کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قوائے روحانی اور جسمانی اسی سے نکلتی ہیں۔ ہر ایک قوت کو اسی سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ قلب اصل میں مرتبہ الہیہ کی صورت ہے۔ جیسے روح ربانی مرتبہ احدیت کی صورت ہے۔ اسی لئے اس میں ہر شے کی سمائی ہے، حتیٰ کہ حق بھی۔ لہذا قلب یعنی قلب عارف باللہ رحمت الہی کی اقسام میں سے ہے۔ رحمت سے مراد یہ ہے کہ حق اس

کے ذریعے سے اپنے بندوں پر رحمت و اشفاق کرتا ہے۔
تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سب کی گنجائش ہے:

(۱) — علم (۲) — رحمت (۳) — قلب

ایسا قلب جو کہ حق کی گنجائش رکھتا ہو، اس شخص کا ہو سکتا ہے جس کو جمع تجلیات ذاتیہ الہیہ اور تجلیات اسمائے حاصل ہوں — پھر اس میں غیر حق کی گنجائش باقی نہیں رہتی — اسی لئے جب حق تجلی فرماتا ہے تو غیر حق متجلی لہ کی نظر میں فنا ہو جاتا ہے — مثلاً احدیت کی تجلی ہو تو کثرت مضمحل ہو جاتی ہے اور دوئی نابود۔ ناچار متجلی لہ کو اپنے نفس کا شعور نہیں رہتا۔ چنانچہ ایسی حالت میں غیر کا ملاحظہ کسی آنکھ سے کرے کیونکہ وہ اپنے آپ کو بھی عین حق دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دو تجلیاں ہیں:

(۱) تجلی غیب یا اعتبار اسم باطن۔

(۲) تجلی شہادت یا اعتبار اسم ظاہر۔

جب تجلی غیب ہوتی ہے تو قلب کو اس کی گنجائش کی استعداد عطا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ بندے کے دل کو جب یہ استعداد حاصل ہو جاتی ہے تو عالم شہادت میں حق اس پر تجلی شہودی فرماتا ہے۔ چنانچہ بندے کا دل اس کو دیکھتا ہے۔ یہ تجلی خود متجلی لہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد بندے اور حق کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اور بندہ حق کو ایسی صورت میں دیکھتا ہے جو اس کے اعتقاد میں ہے۔ چنانچہ کیا دل، دنیا میں اور کیا آخرت میں، حق کو بحالت تجلی ایسے دیکھتا ہے جو اس کے اعتقاد میں ثابت ہے — لیکن ظاہر ہے کہ اعتقادات رنگ برنگ ہیں تو تجلی حق اگر اس کے اعتقاد کے مطابق ہوگی تو اس کی تعظیم کرے گا اور نہ ہی انکار — مگر کالمین جو حق کو کسی خاص اعتقاد میں مقید نہیں کرتے، وہ جس تجلی میں بھی دیکھتے ہیں، خوب پہچانتے ہیں۔

مرد باید کہ باشد شناس تا شناسد شاہ را در ہر لباس

”مرد آدمی کو چاہئے کہ وہ بادشاہ وقت کو پہچاننے والا ہو۔ تاکہ وہ بادشاہ حقیقی کو ہر

لباس میں پہچان لے۔“

قلب عارف:

قلب عارف وہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی ذات کو نفس حق اور ذات حق پہچانے۔
کیونکہ نفس عارف غیر حق نہیں ہے، اس لئے خود ہی عارف ہے اور خود ہی معروف
— اسی طرح جملہ موجودات غیر حق نہیں ہے بلکہ سب صورتوں میں وہی ظاہر ہے۔

○ — اہل عرفان کی صورت میں وہی عارف و عالم ہے، اور

○ — اہل ایمان کی صورت میں وہی مقرر و مسلم ہے، اور

○ — غافلوں کی صورت میں وہی جاہل ہے، اور

○ — کافروں کی صورت میں وہی منکر ہے۔

قلب کو یہ علم اپنے نفس سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ تجلیات حق کو اور ان کی رنگارنگی کو
مختلف صورتوں میں پہچانتا اور جانتا ہے — کیونکہ جیسی تجلی دیکھتا ہے، خود بھی اس کے
ساتھ منقلب ہو جاتا ہے۔ اور یہ اسی کا حصہ ہے جو مقام جمع میں تجلی جمع کا مشاہدہ کر پاتا
ہے — اہل عقل و فکر اس سے محجوب ہیں۔

مولانا عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

دل بمعنی جو ہر روحانی است دل نہ از جسم است و نہ جسمانی است

”جو ہر روحانی کو دل کہتے ہیں۔ یہی اس کا مقصد و معانی ہے۔ دل نہ جسم

ہے نہ ہی جسمانی ہے۔“

دل چہ باشد غیر نفس ناطقہ آں کہ بردے تافت از حق بارقہ

”دل کیا ہے وہ جو کہ نفس ناطقہ کے بغیر ایسا ہو کہ اس پر تجلی حق کی بجلی چمکتی ہو۔“

آں کہ دانا گفت عقل مستفاد در حقیقت داں کہ دل بودش مراد

”وہ جس کو داناؤں نے فائدہ بخش عقل کہا ہے، تو حقیقت میں یہ سمجھ لے کہ دل

سے یہی مقصد و مراد ہے۔“

استفادہ گر کئی زان دل بہ کن
تایابی تو علوم من لدن
”اگر تو اس دل پاک سے فائدہ و فیض حاصل کرنا چاہتا ہے تو کر لے۔ تاکہ تجھ کو
باطنی اسرار کا علم (علم لدنی) حاصل ہو جائے۔“

چوں مچر شد دل از حرص و ہوا
تافتن گیرد دراں نور خدا
”جب تیرا دل حرص و ہوا اور خواہشات دنیوی سے جدا ہو جائے گا تو اس پر
نور الہی اپنا پر تو وحشی فرمائے گا“

معنی کلی و جزوی اندرو
چوں مشاہد گشت اور را دل بگو
”جزوی و کلی کے معنی اس کے اندر پوشیدہ ہیں۔ جب تجھ کو ان کا مشاہدہ ہو
جائے تو پھر اس کو دل کہہ۔“

دل چہ باشد مطلع انوار حق
دل چہ باشد منبع اسرار حق
”دل کیا ہے، مطلع انوار حق ہے۔ دل کیا ہے، اسرار حق کا منبع ہے۔“

دل کہ شد بر یاد غیر او حرام
گر بدانی او بود بیت الحرام
”اور وہ دل وہ ہے جس پر غیر کی یاد حرام ہوتی ہے۔ اگر تو جانے تو بس وہی
کعبہ (بیت الحرام) ہے۔“

در حقیقت داں کہ دل شد جام جم
می نماید اندرش ہریش و کم
”تو حقیقت میں یہ جان لے کہ دل گویا ایک جام جم ہے، اور اس کے اندر
ہر شے آئینے کی طرح نظر آ جاتی ہے اور اس میں مطلق کمی بیشی نہیں ہوتی۔“
دل بود مرآة بوجہ ذوالجلال
در دل صافی نماید چوں جمال
”ایسا دل چہرہ ذوالجلال کا آئینہ ہے، اس طرح دل صافی میں جمال ذات
نظر آ جاتا ہے۔“

پیش سالک عرش رحمان است دل
جملہ عالم چوں تن و جان ست دل
”مرد سالک کے سامنے دل ”عرش الہی“ ہے، اور تمام عالم جسم کی مانند
ہے اور دل اس کی جان ہے۔“

۔ لوح محفوظ ارنداستی دل است پیش دانا دل بہ از آب و گل است
 ”اگر تو لوح محفوظ کو نہیں جانتا تو جان لے وہ بھی دل ہی ہے۔ عقل

مند اور دانا کے سامنے دل آب و گل سب سے بہتر ہے۔“

۔ حق نہ گنجد در زمین و آسمان در دل مومن بہ گنجد این و آن
 ”حق تعالیٰ کا نور زمین و آسمان کی وسعت میں نہیں سما سکتا۔ مگر وہ دل
 مومن میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔“

۔ در دل مومن تو ان دیدن عیاں آں چہ پناہاں است از خلق و جہاں
 ”مومن کے دل میں وہ سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے، جو کہ تمام خلق اور
 جہان سے پوشیدہ ہے۔“

۔ جملہ عالم جرعه نوش جام دل از مکاں تا لا مکاں یک گام دل
 ”تمام عالم جام دل سے گھونٹ (جرعہ) نوش کرنے والا ہے۔ مکان سے
 لے کر لا مکاں تک دل کیلئے صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے۔“

۔ ریخت ساقی بحر ہادر کام دل ہم نہ شد سیراب درد آشام دل
 ”دل کے منہ میں ساقی ازل نے سمندر انڈیل دیئے۔ مگر دل کی تلچھٹ اور
 گار پینے والے عاشقان سے آشام پھر بھی سیراب نہیں ہوئے۔“

۔ مخزن اسرار راشد دل کلید گنج مخفی ہست اندر دل پدید
 ”عارف کا دل اسرار الہی کے خزانوں کو کھولنے والا ہے (یعنی کنجی ہے)۔
 مخفی خزانے دل کے اندر ظاہر ہوتے ہیں۔“

۔ ہفت دریا را بیک دم در کشید می زندا نعرہ هل من ملسز زند
 ”اگر ساتوں سمندر ایک دم پی جائیں، وہ پھر بھی ”اور پلاؤ اور دو“ کا نعرہ
 ہی بلند کریں گے۔“

۔ ساقی و خم خانہ را یک چرہ کرو تشنہ لب او را بر آید آہ سرد
 ”اور وہ ایسے بادہ نوش ہیں کہ وہ ساقی و شراب خانہ کو بھی پی جائیں، اس

کے باوجود پیاسے ہو کر ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیں۔“

۔ تابِ نوحِ نادر و غیرِ دل جائے کردہ مچھ در دیرِ دل
”نوحِ کی تاب و جمالِ دل کے سوا کسی اور شے کو نہیں ہے۔ انہوں نے
مچھ کو اسی لئے دل کے بت خانے میں جگہ دی ہے۔“

۔ صد ہزاراں آسمان و آفتاب مشتری و نیز زہرہ ماہتاب
”سینکڑوں آسمان ہیں اور ان میں آفتاب ہیں، مشتری ہے، زہرہ سیارہ
ہے، چاند ہے۔“

۔ صد زمین و کوہ و دشت و بحر و بر ایں کہ می بینی دو صد چیزیں دگر
”اور سینکڑوں زمین، پہاڑ، جنگل، خشکی اور سمندر جو تم دیکھتے ہو، اس سے دو
سو گنا زیادہ۔“

۔ ہست از دریائے دل یک قطرہ در فضائے دل نماید ذرہ
”دریائے دل کے ایک قطرہ کی مانند ہیں اور وہ دل کی لا انتہا فضا میں ایک
ذرے کے برابر بھی نظر نہیں آتے۔“

۔ وسعتِ دل بر ترست از ہر چہ ہست مظهرِ علمِ الہیِ دل شد است
”اس دل کی وسعت و سمائی کائنات کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ دل تو
علمِ الہی کا مظہر ہے۔“

۔ بلکہ دل را کس ندیدہ غایتے در احاطہ حق دل آید آیتے
”بلکہ دل کی حقیقت و غایت کسی نے دیکھی ہی نہیں۔ اس دل کی حد و احاطہ
کے متعلق بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک آیت ہے۔“

۔ واجب و ممکن ہمہ در دل نمود جان و دل بیرون ز عقل و فہم بود
”واجب و ممکن سب دل میں ظاہر ہیں۔ جان و دل عقل و فہم سے باہر ہیں۔“

۔ آلِ چہ از احوالِ دل کردم عیاں قطرہ میدانِ بحر بے کراں
”یہ جو کچھ میں نے دل کے بارے میں احوال بیان کئے ہیں، تو اسے بحر

بے کران کا بس ایک قطرہ سمجھ لے۔ اس کی تمام حقیقت احاطہ بیان میں ہر گز نہیں آسکتی۔“

عارف کے دل کی وسعت کے بارے میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

”اگر عرش، اور جو کچھ احاطہ عرش میں ہے۔ کسی عارف کے گوشہ دل میں جا پڑے تو عارف کو اس کا احساس بھی نہ ہو۔“

مولانا روم اور دل:

۔ گوشہ بی توشہ دل شہ رہے است تاب لا شرقی ولا غرب از ہے است
”دل کی شاہراہ بے توشہ کا گوشہ تنہائی ہے۔ یہ بغیر مغرب و مشرق ہر سمت چمک دھک دکھانے والا چاند ہے۔“

۔ دل نباشد غیر آں دریائے نور دل نظر گاہ خدا وا نگاہ کور
”اس کا دل دریائے نور کے بغیر دل کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ دل اگر نظر گاہ خدا ہو تو وہ روشن و منور ہے، ورنہ وہ دل اندھا ہے۔“

۔ دل محیط است اندریں حیطہ وجود زرہی افشاند از احسان وجود
”دل اس احاطہ وجود میں ایک بحر بے کنار ہے۔ اور وہ وجود مسعود الہی کے فیض و احسان سے زرپاشی کرتا ہے۔“

۔ لطف شیر وانگیمیں عکس دل است ہر خوشی را آں خوش از دل حاصل است
”دودہ اور شہد کا لطف اسی دل مصفا کا عکس ہے۔ دونوں جہاں کی ہر ایک خوشی اسی دل خوش وقت سے حاصل ہوتی ہے۔“

۔ بس بود دل جو ہر و عالم عرض سایہ دل چوں بود دل را غرض
”بس یہ دل ایک جوہر حقیقی ہے اور تمام عالم عرض و حادث یعنی عارضی ہے۔ جبکہ دل کی غرض و مقصد سایہ دل اور تجلی جمال ذات سے منور ہوتا ہے۔“

۔ مادر و بابا و اصل خلق اوست اے خنک آنکس کہ دل داند ز پوست

”ماں باپ کی شفقت بھی اسی کے ذریعے سے ہے۔ یعنی ماں باپ کی محبت اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ اے وہ شخص جو ایسے دل کو جسم و کھال سے جدا سمجھتا ہے، یعنی حقیقت دل سے واقف ہے وہ صرف گوشت کے لوتھڑے ہی کو دل نہیں سمجھتا، وہ بڑا مبارک ہے۔“

۔ صد جو ال زر بیاری اے غنی حق بگوید دل بیار اے منحنی
 ”اے دوست مندا! اگر تو سیم وزر کے سینکڑوں بورے بھی لائے گا، جب بھی اللہ تعالیٰ تجھ سے یہی فرمائے گا کہ اے کم حیثیت تو دل خالص و مخلص ہی پیش کر۔ یعنی باری تعالیٰ کی نظر میں محبت و خلوص سے بھرپور نورانی دل کی ہی قدر و عزت ہے، مال و دولت کے خزانوں کی نہیں۔ کیونکہ وہ سب فانی اور عارضی ہیں۔“

۔ من ز صاحب دل کنم در تو نظر نے بہ نقش سجدہ و ایثار زر
 ”میں نے ایک صاحب دل (ولی) سے پوچھا کہ تیری نظر میں نہ تو نقش سجدہ نہ ایثار دولت کا خیال ہے۔ یعنی ظاہری عبادت و مال کی سخاوت کی تیری نظر میں کچھ وقعت نہیں ہے۔“

۔ گفت لا تنظر الی تصویر کم فابتنوا و القلب فی تدبیر کم
 ”تو اس نے فرمایا: تو ان ظاہری نقوش و تصاویر کی کمی اور زیادتی کو نہ دیکھ، بس تو دل مصفا حاصل کر اور اسی کے لئے تدبیر و کوشش کر۔“

۔ گرز تو راضی است دل من راضیم ور ز تو معرض بود اعراضیم
 ”اگر دل تجھ سے راضی ہے تو میں بھی تجھ سے راضی ہوں۔ اور اگر وہ تجھ سے جدا ہوگا تو میں بھی تجھ سے جدا رہوں گا۔ یعنی اگر تو صحیح معنوں میں دل حاصل کر لے تو میں تجھ سے ہوں گا۔“

۔ باتو اچوں ہست ہستم من چناں زیر پائے مادراں شدتن جناں
 ”تیرے ساتھ وہ جیسا ہوگا، میں بھی ویسا ہی ہوں گا۔ ماؤں کے قدموں ہی

میں جسموں کی جنت ہوتی ہے۔“

آں ولی آور کہ قطب عالم است
جان جان جان جان آدم است
”اس ولی کو جب قطب عالم ہو، اور وہ تمام نبی آدم کی جان جان ہو۔“

از برائے آں دل پر نور و بر
ہست آں سلطان دلہا منتظر
”تو اس کے ذریعے دل پر نور حاصل کر، دلوں کا وہ سلطان تیرا منتظر ہے۔“

رو بہ یاد آں دے لے کو شاہ جو ست
کہ امان سبز دار کون از دست
”تو اپنے دل کو پیش کر جو اس شاہ کا طالب ہے، کہ وہ اس تمام دنیائے سرسبز کی امان و پناہ ہے۔“

ریزہ دل را بہل دل را بہ جو
تا شود آن ریزہ چوں کو ہے ازو
”اس ظاہری دل کے کلڑے چھوڑ، جو دل انوار الہی کے بحر پائیاں کا ظرف ہو، اس دل کو ڈھونڈ، تاکہ دل کا یہ کلڑا اس سے پہاڑ کی مانند عظیم الشان ہو جائے۔“
معدہ را بہ گزار دوسے دل خرام
تا کہ بے پردہ زحق آید سلام
”تو معدے کو چھوڑ دے اور حرص و ہوا سے آزاد ہو کر دل کی طرف پیش قدمی کر، تاکہ حق تعالیٰ کی طرف سے تجھ کو پھر بے حجابانہ سلام آئے۔“

طالب دل شو کہ تاباشی چوئل
تا شوی شاداں و خنداں ہم چوگل
”تو بس دل کا طالب بن تاکہ تو جام بن جائے اور کھلے ہوئے پھول کی طرح خوش و خرم ہو جائے۔“

دل بہ خرتا دایما باشی جوان
از تجلی چہرہ ات چوں ارغواں
”تو دل حاصل کر تاکہ ہمیشہ جوان مرد بنا رہے۔ اور تجلی انوار کی وجہ سے تیرا چہرہ سرخ اور روشن ہو جائے۔“

گر تو اہل دل زء بیدار باش
طالب دل باش در پیکار باش
”اگر تو اہل دل نہیں ہے تو بیدار و ہوشیار ہو جا، تو طالب دین بن جا اور خوب جدوجہد کر۔“

۔ کالہ حکمت کہ گم کردہ دل است پیش اہل دل یقین آں حاصل است
 ”فلسفہ و حکمت کا اسباب تو گم کردہ دل ہے، مگر اہل دل کو اس کا یقین حاصل
 ہے۔“

۔ اے برادر یک دم از خود دور باش با خود آؤ غرق بحر نور باش
 ”اے بھائی تو اپنی خودی سے ایک دم دور ہو جا، پھر تو اپنے (خود) آپ میں آ
 یعنی اپنی حقیقت کو سمجھ اور بحر نور میں غرق ہو جا۔“

۔ باغ دل سبز و تروتازہ بہ میں پر ز غنچہ درو و سرو و یاسمین
 ”باغ دل کو سرسبز و شاداب دیکھ۔ جو کہ غنچوں اور گلاب اور سرو و یاسمین کے
 پھولوں سے بھر پور ہے۔“

۔ باغِ ہا و میوہ ہا اندر دل است عکس لطفِ آں بریں آب و گل است
 ”اس دل کے اندر ہی تمام سرسبز و پر بہار باغات اور ہر قسم کے پھل اور میوے
 ہیں۔ اس کا عکس لطف اس دنیائے آب و گل (مٹی و پانی) میں نظر آتا ہے۔“
 ۔ باغِ ہا و سبزہ ہا در عینِ جاں بر بروں عکس چو در آبِ رواں
 ”باغ اور سبزہ زار حقیقت میں عین جان میں ہیں۔ اور یہاں دنیائے فانی میں
 تو اس کا عکس و سایہ ہی آبِ رواں میں عکس کی مانند نظر آتا ہے۔“

۔ قطرہ دل رایکے گوہرِ فقاد کاں بدریا ہا و گردوں ہاندا
 ”اس دل کے قطرے کو ایک ایسا گوہر تابدار عطا ہوا، جو کسی دریا و سمندر اور کسی
 آسمان کو عطا نہیں ہوا۔“

۔ عرش با آنورد با پہنائے خویش چوں بدید اور ابرفت از جائے خویش
 ”چمکتے ہوئے اس نورانی موتی کو جس میں محبت و جمال الہی کی چمک اٹھ رہی
 تھی، عرش اعظم نے اپنی عظمت و وسعت کے باوجود اس کا جب مشاہدہ کیا تو
 تجلیات کی ہیبت سے وہ بھی اپنی جگہ سے ہل گیا۔“

۔ خود بزرگی عرش باشد بس بدید لیک صورت کیست چوں معنی رسید

”عرش مقدس کی بزرگی اگرچہ خود دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، مگر وہ کیا صورت ہے جو اس پر اسرار معنی و مقصد کو پہنچی۔ یعنی یہ امانت محبت اور انوار الہی، دل کے سوا اور کوئی برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا سب محروم رہے۔ اور فیض الہی کا یہ عطیہ اسی دل آدم کے سپرد کیا گیا۔“

دل کہ گر ہفصد چوں اس ہفت آساں اندر و آید شود یا وہ نہاں
”یہ باطن یہ دل اس قدر وسیع و لانہایت ہے کہ اگر اس میں اس آساں جیسے سات سو آساں بھی سما جائیں۔ اور وہ بھی اس دل میں گم اور بے نشان ہو جائیں۔“

اصل ارض اللہ قلب عارف ست لامکان است و مدار فوق و پست
”اس لئے عارف کا دل اصل میں اللہ کی وسیع زمین کی تفسیر ہے اور لامکان کی طرح وہ غیر محدود ہے۔ اس کے اندر بلندی و پستی وغیرہ کچھ نہیں ہے۔“

گر بردید خوشہ از او صاحب او پس چہ و اسع باشد ارض اللہ بگو
”اگر اس کے جمالی اوصاف اور مخفی اسرار سے کوئی پھول یا پھل ظاہر ہو تو وہ ایسا وسیع و عظیم الشان ہوگا کہ تو اس کو اللہ کی وسیع زمین کا مطلب کہہ۔“

چون بود ارض اللہ آں مستوسعیت
”اس ارض فانی کا چونکہ چوتھائی حصہ آباد ہے اور سمت و جہت و حدود کے بغیر نہیں ہے، اس لئے اسے کس طرح اللہ کی وسیع زمین کہہ سکتے ہیں۔“

ربیع آزانے حدونے عد بود کم ترین دانہ دہد ہف صد بود
”اس میں جو کم سے کم دانہ پیدا ہوتا ہے، وہ بھی سات سو حصے زیادہ ہوتا ہے۔“

ایں حکایت کرد آں ختم رسل از ملیک لا یزال و لم یزال
”یہ حکایت تو حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوب بیان فرمائی ہے

آساں بار امانت نہ توانست کشید قرعہ عشق بنام من دیوانہ زوند

”یعنی امانت محبت کے اس بوجھ کو آساں بھی نہ اٹھا سکے۔ اس لئے عشق کا یہ پروانہ دیوانے

(انسان کے نام ہی نکلا۔“)

جیسا کہ مالک لا زوال نے فرمایا ہے۔“

۔ کہ نہ گنجیدم در افلاک و خلا در عقول و در نفوس با ہدی
”میں ان وسیع آسمانوں اور خلائے عظیم میں بھی نہیں سانا، اور نہ ہدایت والے،
صاحبان عقل اور پاک نفوس والے یعنی فرشتوں میں۔“

۔ در دل مومن یہ گنجیدم چو ضیف نے زچون وینے چگونہ نے کیف
”مگر میں صرف ”مومن کامل“ کے دل صافی میں بغیر کسی ”کیسے، کیوں“ اور کی
بیشی۔

کے مہمان ہوتا ہوں۔ یعنی اس کی کوئی وجہ اور تشبیہ یا مثال بیان نہیں ہو سکتی کہ وہ
عقل و سمجھ سے باہر ہے۔“

۔ ہر دو کون اسپ ترحم تا خیم پس عریض آئینہ برسا خیم
”میں نے دونوں جہانوں میں اپنے ترحم کا گھوڑا دوڑایا۔ آخر کار میں اس وسیع
آئینہ یعنی دل مومن کو پسند کیا اور اپنے انوار و صحبت کے لئے انتخاب کیا۔“

۔ ہر دم این آئینہ پنجاہ عرس بشنو آئینہ ولے شرحش پسر
”اس آئینے میں ہر دم پچاسوں شادیاں اور خوشیاں ہوتی ہیں۔ اور وہ محبت الہی
سے ہر لمحہ مسرور ہوتا ہے۔ اس آئینہ حق سے تو خود سن لے مگر اس کی شرح و
تفصیل نہ پوچھ۔“

۔ بے چینیں آئینہ این خوبی من برتا بدہم زمین ہم زمن
”اس آئینے کے بغیر میری یہ بے مثال خوبی ساری زمین و سارے زمانے میں
بھی ہرگز نہیں چمکتی۔“

۔ وصف بیداری دل اے معنوی در نکلجد در ہزاراں مثنوی
”اے اہل معنی! اس دل کی بیداری کا وصف اور خوبی ہزاروں مثنویوں میں نہیں
آ سکتا۔“

۔ شاہ بیدار است حارس خفته گیر جاں فدائے خفتگان دل بصیر

”بادشاہ عالم پناہ! تو بیدار ہے، جبکہ حارسِ محو خواب ہے۔ میری جان ان سونے والوں کے صدقے و قربان۔ جن کا دل خواب میں بھی جاگ رہا ہے اور وہ دل آنکھیں رکھتا ہے۔“

۔ بہر نازش بستہ بود اوچشمِ سر عرش و فرشش جملہ درپیشِ نظر
”اگر اس نے راحت کے لئے اپنی آنکھیں بند کی ہیں اور بظاہر سو رہا ہے۔ مگر اس عالم میں بھی تمام کائنات اور عرش و فرش سب اس کے پیشِ نظر ہیں۔“

۔ پس دوچشمِ روشن صاحبِ نظر بہتر از صدمہ درست و صد پدر
”اس لئے کہ ایسے صاحبِ نظر کی دونوں روشن آنکھیں سینکڑوں ماں باپ کی شفقت و الفت سے بدرجہا بہتر ہیں۔“

۔ خاصہ چشمِ دل کہ آں ہفتاد پوست پیشِ چشمِ حس کہ خوشہ چین اوست
”دل کی اس مبارک آنکھ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ سترِ حجاب و پردے رکھتی ہے۔ اور یہ چشمِ حس اس کی خوشہ چین ہے۔ یہ بھی اسی کی وجہ سے ہر شے کے بارے میں علم رکھتی ہے۔“

۔ صاحبِ دل آئینہ شش رو بود روئے حق از شش جہت آنسو بود
”درحقیقت صاحبِ دل شش پہلو آئینہ ہے۔ جس میں ہر طرف سے روئے حق کی تجلیات و انوار منعکس ہوتے ہیں۔“

۔ ہر کہ اندر شش جہت دار و مقرر کے کند در غیر حق یک دم نظر
”جو کچھ تمام کائنات اور تجھے سمتوں میں موجود ہے، وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس کی نظر و وحدت میں، میں ہرگز غیر حق نظر نہیں آتا۔“

۔ ایں صفائے آئینہ و صفِ دل است صورتِ بے انتہا را قابل است
”یہ اس آئینہ دل کی صفائی کا وصف ہے کہ بے انتہا اور لا تعداد صورتیں بیک وقت مشاہدہ کرنے کے قابل ہے۔“

۔ صورتِ بے صورتی بے حد و غیب ز آئینہ دل تافت بر موی زحیب

”اور وہ مقدس و بے مثل صورت بے صورتی جو بے حد اور ظاہری نظر سے غائب و پوشیدہ ہے، وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخفی آئینہ دل پر ہی چمکی تھی۔“

۔ اگرچہ ایں صورت نہ گنجد در فلک نے بعرش و فرش دریا و سمک

اگرچہ وہ صورت تمام آسمانوں میں بھی نہیں سما سکتی۔ اور نہ وہ عرش و فرش اور دریا و مچھلی میں گنجائش پذیر ہوتی ہے۔“

۔ زانکہ محدود دست و محدود دست آں آئینہ دل را بنا شد حد بداں

”اس لئے کہ وہ سب اشیا محدود ہیں اور شمار کی جانے والی ہیں یعنی ان کی حدود تعداد ہے مگر تو جان لے کہ صرف یہی آئینہ دل ایسا بے مثل ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں، کوئی انتہا نہیں۔“

۔ تا ابد نوبہ نو صدر کا یذ بدد سے نماید بے جبابی اندرد

”اس (آئینہ دل) میں ہمیشہ نئی صورتیں بے جبابی سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔“

۔ عقل ایں جاساکت آید یا مضل زان کہ دل با اوست یا خود اوست دل

”اور یہ وہ جگہ ہے جہاں عقل انسانی یا تو حیران ہو کر ساکت ہو جاتی ہے، یا اپنی غلط فہمی سے گمراہ ہو جاتی ہے۔“

۔ ایں جمال دل، جمال باقی است دو لبش از آب حیواں ساقی است

”یہ جو دل کا جمال و مشاہدہ ہے، یہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، غیر فانی ہے۔ در حقیقت یہ آب حیات کے ساقی کے دو لبوں سے سرمست ہے۔“

۔ خود ہم آب است، ہم ساقی و مست ہر سہ یک شد چوں طلسم تو شکست

”اصل میں تو وہ خود ہی آب و ساقی ہے، اور خود ہی مست و مخمور ہے۔ یہ سے و مستی و ساقی سب کچھ ایک ہو جائے گا، جس وقت تیرا طلسم ظاہری (فانی زندگی) شکستہ ہو جائے گا۔“

۔ اوست عین جملہ اشیاء اے پسر باتو گفتم راز پنہاں سر بر

”اے فرزند! وہی تمام اشیاء کا عین و حقیقت اور اصل جانِ جان ہے۔ بس میں

نے تجھ سے یہ پوشیدہ راز تمام بیان کر دیا ہے۔“
عشق و محبت کیا ہیں؟

حضرت عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عشق چہ بود قطرہ دریا ساختن از دو عالم با خدا پروا سخن
 ”عشق کی حقیقت کیا ہے؟ — نا چیز قطرے کو دریا و سمندر بنا دینا۔ اور
 دونوں عالم سے بے نیاز ہو کر صرف خدا تعالیٰ سے لو لگانا اور اس میں محو ہو جانا
 ہے۔“

عشق آں باشد کہ باطل حق شود قید را بگوار و اند مطلق شو
 ”عشق وہ ہے کہ اس سے باطل بھی حق ہو جائے، اور تمام قید و بند سے خود کو
 آزاد جان کر فرد مطلق ہو جاتا ہے۔“

عشق از ہستی نمودارستن است در مقام سردی پوستن است
 ”عشق اصل میں اپنی ہستی کو صحیح معنوں میں آراستہ کرتا ہے۔ اور مقام سردی
 یعنی حضوری ذات الہی میں تعلق پیدا کرتا ہے۔“

عشق افراط محبت گفتہ اند در ایں معنی چہ نیکو سفتہ اند
 ”عشق کو محبت و الفت کی شدت و افراط کہا گیا ہے، اور ان معنوں میں کیا خوب
 موتی پروئے ہیں۔“

عشق شد ایجاد عالم را سبب گوش کن اَجْبِیْتُ اَنْ اَعْرِفَ زَرَب
 ”یہی“ عشق حقیقی“ تو ایجاد عالم اور پیدائش مخلوق کا سبب ہوا ہے۔ تو ذرا غور
 سے سن کہ حق تعالیٰ نے ”میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں“ خود فرمایا ہے۔“

عشق آمد واسطہ کون و مکان گر نبودے عشق کے بودے جہاں
 ”اسی لئے عشق واسطہ کون و مکان (تمام عالم و عالمیان) ہوا۔ اگر یہ عشق نہ
 ہوتا تو یہ جہاں کیسے ظہور میں آتا۔“

عشق آمد عروۃ الوثقائے دین عشق باشد رہبر راہ یقین

”یہی عشق دین حق کی مضبوط سیڑھی ہے، اور یہی عشق رہبر راہ یقین و ہدایت ہے۔“
 - عشق عاشق را بود جل اہتین عاشق بالا بود از کفر و دین
 ”عشق صادق عاشق کے لئے بڑی مضبوط رسی اور ذریعہ ہے۔ عشق حقیقی کفر و
 دین سے بلند و بالا ہے۔“

- عشق دریا نیسیت بے حد و کراں عشق بیرون ست از شرح و بیان
 ”یہ عشق تو ایک دریائے بے حد اور بے کنار ہے۔ یہ عشق اپنی شرح و تفصیل
 سے باہر ہے، اس کی تمام حقیقت بیان میں نہیں آسکتی۔“

- درد دل عاشق چو عشق آتش فروخت ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت
 ”جب عاشق کے دل میں آتش عشق بھڑکتی ہے تو معشوق و محبوب حقیقی کے علاوہ
 ہر چیز جل کر فنا ہو جاتی ہے۔“

- گر مقام عشق ماوائے تو شد برفراز نہ فلک جائے تو شد
 ”اگر ایسے عشق حقیقی کا مقام تیرا مسکن ہو جائے تو پھر نویں آسمان سے بھی اوپر
 تیری جگہ مقرر ہو۔“

- عشق مرآة جمال روئے دوست عشق آرد مر ترا در کوئے دوست
 ”عشق دراصل جمال دوست کا آئینہ مصفا ہے، اور یہ عشق ہی تجھ کو کوئے
 دوست میں لے جائے گا۔“

- دین عاشق عشق و تجرید و فناست مرتبت تفرید و ترک ماسواست
 ”عاشق کا دین بس سب سے علیحدگی و جدائی اور فنا ہے۔ اور اس کا
 مقام و مرتبہ محبوب کے سوا سب کچھ چھوڑ کر فردویگانہ ہو جانا ہے۔“

- عشق حق چوں در دولت مادرا کند جان و دل در زماں شیدا کند
 ”پس جب عشق حق تیرے دل میں سما جائے گا تو وہ تیری جان و دل کو اپنا والہ و
 شیدا بنا لے گا۔“

- چوں محبت تافت در دل ذرہ گشت عالم پیش او یک پرہ

”جب محبت کا ایک ذرہ بھی تیرے دل میں چپکے گا تو پھر تمام عالم اس کے سامنے گھاس کے تنکے کی طرح ناچیز ہو جائے گا۔“

ہر کہ از جام محبت نوش کرد عقل را دیوانہ و مدہوش کرد
 ”لہذا جس نے بھی جام محبت نوش کیا، اس کی عقل و سمجھ دیوانہ و مدہوش ہو گئی۔“
 لذت جام محبت ہر کہ یافت روئے دل از لذت کونین تافت
 ”اور جس نے بھی اس جام محبت کی لذت پائی، اس کا دل اور اس کا چہرہ کونین کے تمام لطف و لذت سے پھر گیا، یعنی پھر وہ سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔“
 از محبت آں زماں یابی اثر کز وجود خویش گردی بے خبر
 ”تو اس محبت کا اثر اس وقت محسوس کر سکے گا جب تو اپنے وجود سے بے خبر ہو جائے گا۔“

بے محبت پیچ کس کامل نہ شد در مقام قرب حق واصل نہ شد
 ”پہلی محبت کے بغیر کوئی بھی نہیں بنا ہے۔ اور نہ ہی مقام قرب حق میں کوئی واصل ہوا ہے۔“

راہ عشقش کو فنا اندر فناست عاشقان رازیں فنا حاصد بقاست
 ”راہ عشق وہ راہ ہے جو کہ فنا کے اندر فنا ہے۔ عاشقان صادق کو اس فنا سے سینکڑوں بقائیں حاصل ہوتی ہیں۔“

عالم امکان کیا ہے؟

عالم امکان ایک عظیم الشان مجموعہء طلسمات ہے (مقام حیرت ہے) کہ جسے حکیم مطلق نے اپنی حکمت و قدرت کاملہ سے قائم فرمایا ہے۔ جا بجا ہر منزل و مقام پر ایک جدا گانہ طرز و طریقہ، اور نئے رنگ اور نئے ڈھنگ کا ایک طلسم حیرت افزا باندھا ہے۔ — جملہ اہل عقل (عقلاء) و اہل حکمت (حکماء) اور فلاسفر اس دریائے طلسمی میں غرقاب ہیں۔ اور جائے گریز نہیں یعنی ایسی جگہ و مقام نہیں جہاں سے بچ کر یا ہٹ کر گزر جانا ممکن ہو۔ یہ جان لانا والا سراپ سا ایک ایسا مقام (سراپ جان کاہ) ہے

جہاں خطا و کوتاہی (غرض گاہ) کا اندیشہ ہے۔۔۔ یہاں کا گرفتار کبھی بیدار و ہوشیار ہو کر آزاد و شاد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہیں فنا ہو کر برباد ہو جاتا ہے۔۔۔ الا ماشاء اللہ نیا آنے والا مسافر جو بطون سے ظہور میں آکر اس طلسمی جنجال میں پہلا ہی قدم رکھتا ہے تو حیران و پریشان ہو کر دم بخود ہو جاتا ہے۔ کہ ہیں! وہ کیا تھا اور یہ کیا ہو گیا۔۔۔ ہائے وہ آزادی اور یہ گرفتاری!۔۔۔ پھر روتا ہے، چلاتا ہے۔ مگر کون سنتا ہے فغان درویش (درویش کا رونا دھونا)۔۔۔ اب مفر کہاں!۔۔۔ چنانچہ اس طلسم کدے میں پہلے سے گرفتار شدگان جمع ہو کر اس کو بہلاتے ہیں، پھسلاتے ہیں، چکارتے ہیں، لوری دیتے ہیں:

”ہے ننھا جگ جگ جیو۔۔۔ کیوں، کیا ہوا؟۔۔۔ ابھی تو تم کو بہت کچھ اس چمن کی ہوا کھانی ہے۔“

چاروں طرف کی آوازوں سے چونکا ہو کر ادھر ادھر دیکھتا ہے، اور گھبراتا ہے۔۔۔ آخر کار آہستہ آہستہ اس طلسم کی سیر و تماشا ئے دل فریب میں مبتلا ہو کر مجوسانہ جس دوام کی الفت و محبت میں برے حالوں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ (یعنی اس جادو نگری کی سیر اور دل بھانے والے نظاروں میں کھو کر، اور یہاں کے رہنے والوں کی الفت و محبت بے نیازی سے زندگی گزارنے لگتا ہے)۔۔۔ اور یہ جنم قیدی جو کچھ بولیاں بول رہے ہیں، یا سن رہے ہیں، یا دیکھ رہے ہیں، یا کر رہے ہیں۔۔۔ یہ بھی وہی بولی بولتا ہے، اور سنتا ہے، اور دیکھتا ہے، اور کرتا ہے۔۔۔ اور جن بے ہودہ اشغال ماسوائے اللہ میں یہ مشغول ہیں، خود بھی انہیں مشاغل لہو و لغو میں مصروف ہو جاتا ہے۔۔۔ انجام کار حالت زار میں بے نیل و مرام اسی طلسم میں فنا ہو کر رہ جاتا ہے۔۔۔ خالی ہاتھ آیا تھا، اور خالی ہاتھ بے سرو سامان مگر رو سیاہ ہو کر گیا۔۔۔ اور جن سعادت مندان ازلی پر بفضلہ تعالیٰ اس طلسم کا حقیقی راز منکشف ہو جاتا ہے تو اس تار و پود عنکبوت:

مَثَلُ الْاَلْدَيْنِ اَتَّخِذُوْا مِنْ ذُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ كَمَثَلِ الْعُنْكَبُوْتِ ط

أَتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَمِنْ أَوْهَنِ الْبُيُوتِ لَيْسَتْ الْعَنْكَبُوتُ لَوْ كَانُوا

يَعْلَمُونَ ۝ (پ ۲۰-ع ۱۶)

کو توڑ کر اور بسنِ ذونِ اللہ سے سے منہ موڑ کر آزادانہ طریق پر تباہ زندگی سرور
الوقت و شاد کام رہتا ہے۔ پھر اپنے اصلی وطن کی طرف سالمانانہ رجوع کر جاتا ہے۔

فقط والسلام!

باز آدم برسر مطلب یعنی تعلیم مقصود اصلی جس سے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ

رَبَّهُ مراد ہے۔

پہلا باب:

علم الیقین

ہر چیز کی شناخت اور پہچان کے لئے یقین کے تین درجے ہیں:

○ — علم الیقین

○ — عین الیقین

○ — حق الیقین

جو شخص کسی چیز کے بارے میں بتلانا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس چیز کا نام لے کر اس کی صورت و ہیئت، شکل و ماہیت اور وصف بیان کرتا ہے۔ اس بیان سے جو علم سننے والے کے ذہن نشین ہوتا ہے — مثلاً کسی نے بیان کیا کہ ایک ریل گاڑی اس صورت و شباهت کی ہوتی ہے۔ اس میں بہت سی کھلیں لگی ہوتی ہیں۔ اس کے پیچھے دس پندرہ بوگیاں لگا دیتے ہیں۔ ان بوگیوں میں بہت سے لوگ ٹکٹ لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔

ریل گاڑی کسی جانور کے کھینچے بغیر لوہے کی پٹری پر پانی کی بھاپ سے (آج کل بجلی کے ذریعے) سب بوگیوں کو فی گھنٹہ بیس پچیس میل (آج کل اس سے کہیں زیادہ تیز رفتار سے) کھینچ کر لے جاتی ہے — اس کا نام علم الیقین ہے۔ یہ کان سے متعلق ہے یعنی سننے سے متعلق ہے یعنی ”سن کر جاننا“۔

جب اس کو اسٹیشن پر لے جا کر اس کی شکل دکھا دی تو اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔ یعنی ”آنکھوں سے دیکھ کر علم ہونا“۔ گویا اس علم کا تعلق آنکھوں سے ہے۔

اور جب اس کا تجربہ کرادیا، یعنی ٹکٹ لے کر گاڑی میں سوار کرا کے فی گھنٹہ اس کی

رفتار کا یقین بھی دلا دیا، تو اس کو حق الیقین کہتے ہیں۔ یعنی ”یقین کامل“ — اس کا تعلق دل سے ہے۔

چنانچہ ہر چیز میں یقین کے یہی تین درجے ہوں گے یعنی وصف، صورت اور تجربہ ذات، شے — جب ہم نے ہر شے کی شناخت میں یقین کے تین درجے پائے اور تیسرے درجے میں تجربہ ذات شے، تو ہم نے بھی اس کتاب میں تین باب مقرر کئے ہیں۔ تاکہ ہر ایک شخص کو:

○ — اپنی صورت و صفات و ذات کا علم، اور

○ — ذات الہی کی شناخت کا انکشاف

اپنی استعداد کے مطابق ہو جائے — جب تک انسان کو کسی چیز کا علم نہ ہوگا اس کی طلب محال ہے — اور جب علم ہو تو طالب اس کی طلب و تلاش میں سرگرم اور کوشاں ہوگا — جب طلب پیدا ہوئی تو پھر طالب دیدار ہوگا۔ جب دیدار میسر آیا تو پھر مشاق وصال ہے۔

فصل اول

تمہید تزللات و تعینات

— گنجینہ اسرار کمالش ماہم آئینہ انوار جمالش ماہم
 ”ہم اس کے اسرار کمالات کا خزانہ ہیں، اس کے جمال کے انوار کا آئینہ
 ہم ہیں۔“

راز داران اسرار معرفت و نکتہ شناسان راز حقیقت پر واضح ہو کہ اس گنجینہ مکتوم کا طلسم جس کو حکیم مطلق نے اپنی حکمت کاملہ سے خاکی پیرائے میں ظاہر فرمایا ہے — اکثر طلسم کشایان حقیقت نے اس لائیل (حل نہ ہونے والے) طلسم کی عقدہ کشائی میں عقل و ادراک علم و معرفت کے وسائل سے حتی الوسع بہت کچھ رہنمائی فرمائی ہے،

لیکن پھر بھی اکثر خاص و عام اس نیرنگ کی حقیقت سے محض ناواقف ہو کر مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں۔

یہ ذرہ ناچیز خادم الفقراء اس نیرنگ خیالی کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے — اس بولتی ہوئی تصویر کہ جس کو صانع برحق و نقاش ازل نے اپنی صنعت باللہ سے تختہ خاک پر ایک صورت حیرت افزا کا نقشہ کھینچ کر، اپنی روحی سے ظاہراً متکلم بنایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت سے مٹی کی ایک بولتی ہوئی حیران کن تصویر و نقشہ بنایا — اس کی اصل صورت و حقیقی جمال بے مثال کے نور سے دیدار حقیقت کی طلب کرنے والوں کی آنکھیں منور و مشرف کرتا ہے — بلکہ تمہیں تمہاری ظاہری اعتباری صورت و اصل باطنی حقیقت کو (جو گرہن لگے سورج کی طرح ہے) کھول کر بتاتا ہے — شاید کہ ظاہر سے بطون میں غواصی کر کے درغر خود شناسی کو حاصل کرے، اور اپنی اصل صورت کے انوار حیرت افزا میں محو درمحو ہو جائے۔

اس نیرنگ قدرت یعنی اپنے حسن و جمال ظاہری و باطنی کو دیکھو کہ مصور حقیقی نے اس تصویر دل پذیر کو کس خوبی سے خاکی لباس میں جلوہ گر فرمایا ہے — ارشاد باری ہے:

وَالْبَيْتِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سَيْنِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ لَقَدْ خَلَقْنَا
الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ (پ ۳۰ ع ۲۰)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے ان آیات مبارکہ کا ترجمہ

یوں ارشاد فرمایا ہے:

”قسم ہے انجیر کی، اور زیتون کی، اور طور سینین کی، اور اس امن والے شہر کی — ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب اندازے پر — پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے — مگر جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں، سو ان کو نیک ہے بے انتہا۔“

ماہرین فن، کامل استادوں اور نامور کاری گروں کا یہ معمول ہے کہ جب کوئی شے صاحب شان و پیش بہا بنانا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کا خوب اندازہ کر کے نقشہ کھینچتے ہیں۔ چنانچہ صالح مطلق نے بھی انسان کو بنانے سے پہلے اس کی صورت کا خاکہ بنایا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

○ — وَصَوَّرَ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ (پ ۲۲، ع ۱۵)

”اور تمہاری صورت کھینچی، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت“

○ — صَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ (پ ۲۸، ع ۱۵)

”تمہارا نقشہ بنایا، سو بہت خوب نقشہ بنایا۔“

یعنی ارادہ ازلی میں سب سے پہلے تمہاری صورت کا نقشہ کھینچا۔ پھر نقشہ ازلی کے مطابق تمہاری صورت بنائی۔

احسن التقویم کی ازلی تصویر کا نقشہ:

اب اس خاکی طلسم و طلسمی پتلے کی صورت کا نقشہ بغور ملاحظہ فرمائیے۔ اس صالح مطلق نے اس نیرنگ قدرت میں کس خوبصورتی سے اپنے نام اور جان کو نامعلوم ظاہر فرما کر مظہر اتم بنایا ہے۔ صورت طلسم احسن تقویم یہ ہے۔ ارشاد باری ہے:

سَسْرِيهِمْ اَيْنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۗ

اَوْلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ اَلَا اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ

مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ اَلَا اِنَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (پ ۲۵، تم مجدہ، رکوع ۶)

”ہم ان کو جلد دکھا دیں گے اپنی نشانیاں اطراف عالم میں، اور ان کے

نفوس میں، یہاں تک کہ (وہ پکار اٹھیں گے) تحقیق یہ ہے حق۔ آیا

تیرا پروردگار کافی نہیں یہ کہ وہ ہر چیز پر حاضر و شاہد ہے۔ خبردار ہو

تحقیق وہ شک میں ہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے۔ خبردار ہو تحقیق

وہ ہر چیز کو محیط ہے۔“

واحدیت یعنی حقیقت انسانی جو کہ پر تو وحدت یعنی حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ہے، عالم آفاق و مفصل ہے — اور وحدت جو احدیت ذات کا پر تو ہے، یہ عالم امر و بالا جمال ہے — چنانچہ اسی طرح جسم و صورت عالم آفاق و بالتفصیل ہے — اور روح و جان عالم امر و بالا جمال ہے — یعنی ہم اپنی الوہیت و وحدانیت کے نشان و آثار (تمہارے اجسام میں کہ عالم کبیر مفصل ہے، — اور تمہاری جانوں میں کہ جو عالم صغیر مجمل ہے) آشکارا دکھا دیں گے، کہ یہ حق! — خدا کے دیدار سے انکار مت کرو — وہ تو سب کو محیط ہے۔ نفس انسانیہ میں بھی دکھائیں گے کہ وہ تیرا عین ہے — ہمارے نفس انسانیہ میں حسب مراتب ظہور و تجلیات ہیں، کہ تمام عالم ہمارا مظہر ہے — تاکہ آفاق و انفس میں دیکھنے والا ہماری آیات کے ذریعے اس بات کا مشاہدہ کرے کہ:

☆ — عالم کبیر و عالم صغیر میں حق ہی ظاہر ہوا ہے اور

☆ — ان دونوں کے اعیان میں از روئے رحمت خود تجلی فرما کر اپنے وجود کے ساتھ ان کو اتحاد دیا اور

☆ — اپنے نور سے ظہور میں لایا ہے۔

لہذا عالم کبیر بالتفصیل و عالم صغیر بالا جمال دلالت کرتا ہے کہ آفاق و انفس میں حق ثابت ہے — چنانچہ اپنے نفس کا عارف اپنے پروردگار کا عارف ہوگا، اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو مظہر و صورت حق دیکھتا ہے — اور حق کو روحِ مربی اور اپنا مدبر جانتا ہے۔

چوں عالم است مظہر حسن و جمال دوست اے دل غریب نیست کہ حیران عالی
 ”جبکہ تمام عالم حسن و جمال دوست کا مظہر ہے تو پھر اے دل تو غریب نہیں
 ہے اس لیے کہ اس عالم کی دید میں حیران ہو گیا ہے۔“

حق کے ساتھ تیرے عین کی نسبت ایسی ہے جیسے تیرے جسم کی نسبت تیرے عین کے ساتھ ہے — جس طرح تیرا جسم تیرے عین کی صورت ہے اسی طرح تیرا عین بھی حق کی صورت ہے — اور جس طرح حق تیرے عین میں ظاہر ہے اسی طرح تیرا

عین تیرے جسم میں ظاہر ہے۔ اور جس طرح حق تیرے عین کا روح پرورش کنندہ ہے، اسی طرح تیرا عین کہ وہ تیری جان ہے۔ وہ تیرے جسم کی مدد صورت ہے۔ چنانچہ تیرا جسم ہے اور جان۔ اور جان اور تو۔ جملہ عالم ہے اور عالم تجھ میں حیران!

صورتِ حقیقی و ہمتِ جاں بود صورتِ بے جاں کجا انسان بود
 ”صورتِ حق اور حق ہی درحقیقت تیری جان ہے۔ بے جان صورت بھلا کب انسان ہو سکتی ہے۔“

چوں ز صورتِ درگزشتی جاں توئی قیدِ جاں بہ گزشتی جانان توئی
 ”جب تو اس ظاہری صورت سے گزر جائے گا اور آزاد ہو جائے گا تو پھر تو جان ہو جائے گا۔ تو اس قیدِ جان کو چھوڑ دے کہ جانان بھی تو ہی ہے۔“
 چنانچہ عالم سے حق کا زوال ہرگز ممکن نہیں کیونکہ حق کے بغیر عالم معدوم محض ہے۔ اور زوالِ حق کے بعد نمودِ عالم محال ہے۔

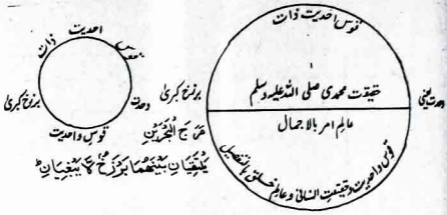
بہ صفتِ ذاتِ راتواں دانست بہ صفتِ ذاتِ کے شود محدود
 ”صفت کے ذریعے ذات کو جان سکتے ہیں، صفت کے بغیر ذات کب محدود ہوگی۔“

سراپائے انسان میں ظہورِ الہی

اب اس ظلم کا سراپا بیان کیا جاتا ہے تاکہ اس کے ظاہر و باطن، جسم و جان میں جو آیاتِ بیناتِ الہی مستتر ہیں منکشف ہوں اور وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (پ ۲۶ ع ۱۸) کا راز مخفی آشکارا ہو جائے۔

چہرے میں ظہور:

سراپائے انسان کی ابتدا چہرہ نورانی سے کرتا ہوں لیکن اس سے پہلے کہ میں چہرہ انور کی حقیقت میں کچھ لب کشائی کروں سب سے پہلے دائرہ واحدیت ذات قائم کرتا ہوں تاکہ بخوبی سمجھ میں آجائے:



دائرہ احدیت ذات کو سامنے رکھتے ہوئے اس طلسمی پتلے کے چہرہ منور آفتابی پر نظر ڈالیں تو محسوس ہوگا کہ تمام چہرہ دائرہ احدیت ذات ہے اور

☆ — ذہن وحدت و حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برزخ کبریٰ

☆ — چہرے کا نصف بالائی حصہ تا ذہن — قوس احدیت ذات عالم امر بالا جمال ہے۔

☆ — چہرے کا نصف زیریں (بچے والا) حصہ — قوس احدیت و حقیقت انسانی اور عالم خلق بالتفصیل ہے۔

اب چہرے پر دو بارہ نظر جمائیں اور خوب غور و فکر کریں کہ:

☆ — دایاں کان — الف اور

☆ — دائیں رخسار کا نصف بالائی حصہ اور دائیں کپٹی اور نصف پیشانی تا بیخ بینی — لام (ل) اول۔

☆ — سر بینی اور پیشانی کا نصف حصہ اور بائیں کپٹی تا بائیں رخسار کا نصف — لام (ل) ثانی

☆ — حلقہ گوش چپ (بایاں کان) — ہائے ہوز

اسی طرح بالعکس لھیہ زیریں ہے — اور ہر دو برو میں قاب قوسین او اذنی یعنی

قرب ذاتی و مقام معراج ہے۔

رگ رگ میں ہے تیری پکار:

گردن کے دونوں جانب کی شرگ میں سے نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ
الْوَرِيدِ — اللَّهُ اللَّهُ اور أَنَا الْحَقُّ کی آواز آ رہی ہے — بلکہ لطائفِ تہ و ہر
شریان و رگ و ریشہ اللہ ہی اللہ پکار رہا ہے — ذرا اپنی گردن کی شرگ پر اور اپنی
نبض پر ہاتھ رکھ کر کان لگاؤ۔ سچ ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ (پ ۲۵ ع ۱۳)
”آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی اللہ ہے“

بس ہم اس ظلم کی بھول بھلیوں میں ہیں جس کو شوق دیدار ہو ڈھونڈے۔
یار نزدیک تر از من بہ من است ویں عجب تر کہ من از وے دورم
”میرا دوست میرے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ مگر یہ بات بھی
عجیب تر ہے کہ میں اس سے دور ہوں یعنی میں اپنی ظاہری نظر کی وجہ سے
اس کی قربت کو نہیں دیکھ سکتا۔“

آنکھوں میں ہے جمال تیرا:

دو درہچہ چشم شہ نشین صدر محل شاہی کے دو جھروکے ہیں۔ جہاں سے ملائکہ کو
فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ کا حکم فرمایا تھا — عَيْنُ اللَّهِ نَاطِرَةٌ إِلَيْنَا کا اشارہ ہے یعنی
”خدا ہم کو دیکھتا ہے“ — اور یہ دو عین عین سورہ ص (صاد) ہیں — اور دوئی
اس لیے ہے کہ وحدت سے کثرت میں ظہور فرمایا — ان عیون میں ایک عجیب
حکمت اور رکھی گئی ہے یعنی:

انسان میں عین — عین میں نقطہ ذات — اور نقطہ ذات میں پھر انسان اسی
حلیہ سے موجود ہے۔

وَعَلَىٰ هَذَا إِلَىٰ مَرَاتِبٍ غَيْرِ النَّهَائِيَةِ

خدا بندے میں اور بندہ خدا میں عجب نسبت ہے بندے اور خدا کی
حالت نماز میں شانِ الہی:

جب انسان نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو قیام کی حالت میں الف احدیتِ ذات پایا جاتا ہے یعنی اپنی شان میں اول نمبر کی صنعت ہے اور اپنا ثانی نہیں رکھتا۔
— جب رکوع کرتا ہے تو رکوع کرنے والا خالصاً (لله) ہو جاتا ہے۔ مثلاً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بغلیں حلقہ سر

- ☆ — ہر دو پاتا بغلیں — لام اول (ل)
- ☆ — ہر دو دست تازخ — لام ثانی (ل)
- ☆ — حلقہ سر — ہائے ہوز (ہ)

یہ مقام فتا ہے یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سجدہ میں ایک صنعت غریبہ رکھی گئی ہے۔ جب ساجد سجدہ کرتا ہے تو:

- ☆ — جانب راست (دائیں)۔ اللہ (ذوالجلال والجمال بے مثال)
 - ☆ — بالعکس (بائیں) — محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
 - ☆ — جانب چپ — محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
 - ☆ — اور بالعکس — اللہ (ذوالجلال والجمال بے مثال)
- ہو جاتا ہے — اول جانب راست (دائیں طرف) ملاحظہ فرمائیں:

☆ — ساق پا — الف ہے — (ا)

☆ — زانو سے بغل تک لام اول — (ل)

☆ — بازو کی کہنی سے زرخ تک لام ثانی — (ل)

☆ — حلقہ سر — ہائے ہوز (ہ)

[اللہ]

پھر جانب چپ (بائیں) خیال فرمائیں:

☆ — حلقہ سر — میم اول (م)

☆ — بغل — ہائے حلی (ح)

☆ — سرین — میم ثانی (م)

☆ — ساق تا انگشت پا — حلقہء دال (د)

[محمد]

یہ صنعت اتحاد کو ظاہر کر رہی ہے کہ اللہ اور محمد میں اتحاد ہے، کچھ جدائی نہیں یعنی کچھ فرق نہیں — احدیت ذات اور وحدت میں صرف اجمال علم کا فرق اعتباری ہے — یعنی ذات مرتبہ احدیت میں سازج و صرف۔ اور مرتبہ وحدت میں علم بالا جمال ہے — وحدت کہ جس کو برزخ کبریٰ و حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں — یہ احدیت ذات اور واحدیت کے درمیان واسطہ ہے۔ یعنی خالق و مخلوق میں ایک واسطہ ہے۔ مخلوق کو فیضان الہی اسی مرتبہ کے ذریعے سے پہنچتا ہے۔ یہ نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

مرتبہ ذات	مرتبہ حقیقت محمدی	مرتبہ مخلوق
احدیت بحت	وحدت علم بالا جمال	وحدت علم بالانفصیل
خالق بالواسطہ	واسطہ	مخلوق

اگر واسطہ درمیان نہ ہو تو مرتبہ ذات میں ذات احدیت مستغنی ہے اور استغنا مانع

مخلوق۔

واجب ز وجود نیک و بد مستغنی است واحد ز مراتب عدد مستغنی است

در خود ہمہ را چو جاوداں سے بیند از دیدن شان برون ز خود مستغنی است

یعنی ”واجب نیک و بد وجود سے بے نیاز ہے اور واحد تعداد و شمار کے مراتب سے فارغ ہے — وہ اپنی ذات میں سب کچھ ہمیشہ کی طرح دیکھتا ہے یعنی ”جیسا پہلے تھا ویسا اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا“ — اسی وجہ سے وہ ان کو اپنی ذات سے باہر دیکھنے سے بھی بے نیاز ہے۔ (گویا اللہ الصمد ہے۔ وہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے بے

نیاز ہے، مستغنی ہے۔“)

لہذا واسطہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) درمیان میں رکھا گیا کہ وہ دونوں مراتب: مرتبہ احدیت و مرتبہ واحدیت کی طرف متوجہ رہے۔ یعنی مرتبہ احدیت سے فیض لے اور مرتبہ واحدیت کو پہنچا دے۔

۔ ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدو کا

حالت تشہد میں جلوہ گری:

اب اس کو قاعدہ النجیاتیات میں دیکھئے تو پھر وہی اسم ذات و اسم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجود ہے۔ یعنی:

☆ — جانب راست ساق پایا — الف (ا)

☆ — زانو سے بغل تک لام اول — (ل)

☆ — بازو سے زرخ تک لام ثانی — (ل)

☆ — حلقہ سر — ہائے ہوز — (ہ)

اب جانب چپ (بائیں طرف) آئیے:

☆ — حلقہ سر — میم اول — (م)

☆ — بغل حائے ہلی — (ح)

☆ — سرین — میم ثانی — (م)

☆ — زانو تا انگشت پا — حلقہ دال — (د)

واہ سبحان اللہ! کیا اتحاد ہے —

سفینہ سینہ میں رونق افروزی:

اب سفینہ سینہ کو دونوں جانب ملاحظہ فرمائیں:

☆ — بازو سے راست یا چپ — الف (ا)

☆ — جانب راست یا چپ تا میانہ صدر — لام اول (ل)

☆ — ناف و میاں صدر سے تا جانب چپ یا راست — لام ثانی (ل)

☆ — حلقہ بازوئے چپ یا راست — ہائے ہوز — (ہ)

روئیدگی موئے سینہ (سینے پر بالوں کا اگنا) بھی اسی طرز کو بتلاتی ہے۔
پشت کا بھی دو نصل جانب یہی حال ہے کہ:

☆ — بازوئے چپ یا راست — الف (ا)

☆ — کولہے سے تا میاں استخوان پشت — لام اول (ل)

☆ — استخوان پشت میاں پشت سے تا کولہہ راست یا چپ — لام ثانی (ل)

☆ — حلقہ بازوئے راست یا چپ — ہائے ہوز (ہ)

سینہ اور پشت دونوں جانب سرکاری مہر اس لیے لگائی گئی ہے کہ یہ صدر محل شامی ہے اور خاص سلطانی جلوس کے لیے تیار ہوا ہے — اس میں تختِ سلطانی جسے دل کہتے ہیں قائم کیا گیا ہے تاکہ کوئی غیر جھانکنے نہ پائے — یا حرز جان ہے کہ نظر بد سے محفوظ رہے — قَلْبِ الْمُؤْمِنِ عَرْشِ اللَّهِ تَعَالَى یعنی من کا دل اللہ کا تخت ہے — حدیثِ قدسی ہے کہ ”اگر میری گنجائش ہے تو مومن کے دل میں ہے“ — بندہ مومن کی تخصیص قرب بالفعل کی وجہ سے ہے۔ ورنہ قرب ذاتی و بالقوة سب کو حاصل ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است من کلجم بیج در بالا و پست
”حضور انور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بلندی و پستی میں ہرگز نہیں ساتا“ —

در زمین و آسمان و عرش نیز من کلجم ایس یقین داں اے عزیز
”اس وسیع و عریض زمین اور عرش میں نہیں ساتا۔ اے عزیز تو اس بات کا یقین

کر“ —
من کلجم در زمین و آسمان لیک کلجم در دل پہ شکست گان

”میں زمین و آسمان میں تو نہیں سماتا مگر میں ان مومنوں کے صافی و مخلص دلوں میں جو ”مجت الہی“ کی شدت میں پارہ پارہ ہو گئے ہیں گنجائش پذیر ہوتا ہوں۔“

۔ در دل مومن گنجم اے عجیب
گر مرا جوئی دراں دل حا طلب
”عجیب اور حیران کن بات یہ ہے کہ میں دل مومن میں سماتا ہوں۔ اگر تو مجھے تلاش کرنا چاہے تو ان کے دلوں میں تلاش کر۔“

فی الحقیقت یہ دل اسرار ربانی و تخت رحمانی ہے۔

ہاتھ پاؤں میں تصویر یار:

اب ہاتھ پاؤں کو دونوں جانب دیکھئے:



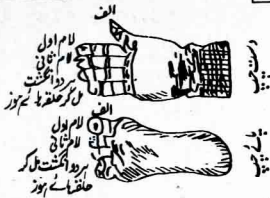
☆ — اول انگشت دست و پائے راست کہ حضر ہے — الف (ا)

☆ — یہ نصر تا بن انگشت میانہ — لام اول (ل)

☆ — سر انگشت میانہ سے تا بن انگشت شہادت — لام ثانی (ل)

☆ — انگشت شہادت اور انگشت ز — ہر دو مل کر ہائے ہوز — (ہ)

بالعکس اس طرح پر دست و پائے چپ کو دیکھئے کہ:



- ☆ — انگشت دست و پائے چپ کہ حضر ہے — الف (ا)
 - ☆ — انگشت زرو انگشت شہادت سے تا بن انگشت میانہ — لام اول (ل)
 - ☆ — سر انگشت میانہ سے تا بن بنصر — لام ثانی (ل)
 - ☆ — بنصر اور حضر ہر دو مل کر حلقہ ہائے ہوز (ہ)
- اسی طرح بالعکس اور دونوں پاؤں ناف سے نیچے تک
مکوس ہے۔ مثلاً ----



یعنی اس جسم ناسوتی کی ذات میں نفی رکھی گئی ہے جس کو فنا لازم و ملزوم ہے — اور جس قدر منفذ جسمانی ہیں اس شاہی محل کے لیے روشن دان اور ہوا کی آمد و رفت کے لیے ممبری بنائے گئے ہیں تاکہ پر انوار اور ہوادار رہے — اور لطائف ستہ:

- ☆ — لطیفہ اخفی — جوام الدماغ ہیں ہے۔
- ☆ — لطیفہ خفی — جو ہر دو گوشہ ابرو سے بالا اور پیشانی کے درمیان ہے۔
- ☆ — لطیفہ روح — دائیں پستان کے نیچے۔
- ☆ — لطیفہ سر — سینے کے درمیان۔
- ☆ — لطیفہ قلب — بائیں پستان کے نیچے۔
- ☆ — لطیفہ نفس — زیر ناف

یہ چھ فانوس نہایت شفاف اور روشن اس شاہی محل میں روشنی کے لیے لگائے گئے ہیں تاکہ شاہی محل پر انوار رہے۔

حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی شاہی محل کے دربان و جاسوس و مخبر ہیں — ان کا مفصل حال کتاب کے آخر میں بطور تمثیل لکھا جائے گا — اور یہ حلیہ اکثر جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔

ہر شے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے:

اس بیان بالا سے معلوم ہو گیا کہ تمام اشیاء قبضہ الہی میں ہیں اور قبضہ دلیل ملک — اگر کوئی دوسرا شخص مخالفانہ قبضہ کرے تو فوجداری میں گرفتار ہو — پھر ایسا دیوانہ کون ہے کہ جو ان اشیاء کو اپنی طرف منسوب کر سکے۔ جدھر دیکھو اللہ ہی اللہ ہے — اسی لیے نماز میں حکم ہے کہ:

حالت قیام میں سجدہ گاہ کو دیکھو تاکہ خالی لباس عاریت کو بھول نہ جاؤ — اور رکوع میں پاؤں کو — اور سجدہ میں ناک کو — اور وقفہ سجدین میں ہاتھوں کو — اور قعدہ میں سینہ کو دیکھتے رہے کہ اللہ پر نظر رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلاشبہ سچ فرمایا ہے کہ

الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ

”نماز مومن کے لیے معراج ہے“

یعنی دیدارِ خدا۔ اگر مشاہدہ ہے تو سستی کو دیکھو گے ورنہ اسم ہی کو دیکھتے رہو۔

ظہورِ انساں صورتِ الہی پر:

اب میں حیرت میں ہوں کہ وہ بندہ جس کو غیر اللہ کہتے ہیں وہ کہاں ہے؟ — جا بجا اول و آخر ظاہر و باطن سرکار ہی سرکار ہے۔ پھر غیر کس کو کہا جائے — غیر کا تو کہیں نام و نشا ہی نہیں پایا جاتا — واہ سبحان اللہ! کیا احسن تقویم ہے کہ ہر مقام پر خود ہی جلوہ نما ہے۔

سوئی اللہ واللہ ما فی الوجود

کجا غیر کو غیر کو نقش غیر

”کہاں غیر ہے کون غیر ہے اور کون ساقش غیر ہے۔ سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے خدا کی قسم وجود میں کوئی نہیں ہے۔“

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر ظاہر کیا — صورت سے مراد اسماء و صفات الہیہ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے جمیع اسماء و صفات سے ظاہر فرمایا ہے — بلکہ اپنی ہویت سے جو مخفی ہے موصوف اور اپنی ذات کو حقیقت انسانیہ میں مستتر کیا ہے — چنانچہ انسان کا ظہور اس کی ہویت میں ہے — اور انسان کی حقیقت، حقیقت الہیہ سے ہے — یہ اسم اعظم الہی ہے کہ وہ حقائق اسماء غیر متناہی کا جامع ہے۔

۔ اے کشادہ در خزانہ جود یافتہ کائنات از تو وجود
”اے پاک ذات ہستی مقدس! تو نے اپنے فیض و کرم سے خزانہ لازوال کھول دیا ہے۔ اس تمام کائنات نے تجھ سے ہی وجود پایا ہے۔“

۔ چند از عشقت آتش افروزی تاکہ از جان ما براری دود
”تو کب تک اپنے عشق کی آگ بھڑکائے گا اور کب تک ہماری جان سے دھواں نکالے گا۔“

۔ سالہا با تو بودم آسودہ فارغ از غصہ ہائے بود و نبود
”برسوں تیرے ساتھ میں آسودہ حال اور خوش رہا ہوں اور اس ہونے نہ ہونے کے غم و غصہ سے فارغ و بے پرواہ رہا ہوں۔“

۔ خواستی آمدن بہ عین از علم تا ہویدا شوی بہ غیب و شہود
”تو نے علم سے مشاہدہ و عین (حقیقت) میں آ جانا چاہا، تاکہ تو غیب و شہود میں ظاہر ہو جائے۔“

۔ پس دوئی در میانہ پیدا شد از طریقہ مجرّدی و قیود
”چنانچہ بیچ میں دوئی پیدا ہوئی اور مجرّدی (یکنائی) و قیود کے طریقے سے ہماری ہستی ظاہر ہوئی۔“

۔ ماشدیم آئینہ جمال ترا ہر کہ درما جمال دید آسود
 ”پھر ہم تیرے جمال باکمال کا آئینہ بنے جس نے بھی ہم میں تیرا حسن و جمال
 دیکھا وہ آسودہ و خوش دل ہوا۔“

۔ نے چہ جائے دوئی موہوم است بود آں تو ہست و ما و نبود
 ”اس دوئی موہوم (وہمی) ہماری ہستی کی کیا ضرورت ہے۔ ہونا تو تیرا ہے تو ہو
 ہم نہ ہوں تو کیا ہے؟“

۔ در جلابیب صورت و معنی نیست غیر از تو شاہد و مشہود
 ”اس صورت و معنی کی نقابوں میں تیرے سوا کوئی شاہد و مشہود نہیں ہے۔“

۔ می کنی جلوہ ہائے حسن و جمال در لباس وجود ہر موجود
 ”حسن و جمال کے جلوؤں کی یہ نمائش تو ہی کر رہا ہے۔ ہر وجود کے لباس میں تو
 ہی موجود ہے۔“

۔ گوید آں عارفی کی ہم چو حسین بہ جمال تو چشم او بہ کشود
 ”وہ عارف جو کسی کو ایسا حسین و جمیل کہے تو حقیقت میں تیرے جمال پر ہی
 اس کی آنکھیں کھلی ہیں یعنی وہ جس کو دیکھتا ہے اس میں تجھ ہی کو نہیں دیکھا
 دیکھتا ہے۔“

۔ کہ جہاں صورت ست و معنی یار لیس فی الدار غیرہ ذیبار
 ”کیونکہ یہ جہاں اصل میں صرف ظاہری صورت ہے اور اس کے معنی و حقیقت
 وہ دوست ہی ہے۔ بے شک۔ ان مقام میں اس کی ذات واحد کے سوا اور
 کوئی مکین و موجود نہیں ہے۔“

ججج کتب سماویہ و یذ شاستر رر جملہ ات دایان اسی طلسم کی شان و شوکت کو بتلا
 رہی ہیں۔ اور کل انبیاء علیہ السلام اور اولیاء اللہ رشی منی اس کی حمد و ثنا میں رطب
 اللسان ہیں۔ تمام حکماء و فلاسفر اس کی حقیقت میں حیران و سرگردان۔

تخلیق آدم علیہ السلام:

جب اس طلسم کی صورت و سیرت اور ظاہری و باطنی صفات کا نقشہ مشیت ایزدی میں منظور ہو گیا تو اسی کے موافق صفحہ اظہار میں لایا گیا۔ چونکہ یہ کام شاندار تھا اللہ تعالیٰ نے چار بڑی ذی شان قسموں کے بعد:

(۱) — قسم ہے مجھ کو اس درخت انجیر کی، جس نے آدم کی حالت برہنگی میں اپنے پتوں کا لباس عنایت کیا۔

(۲) — قسم ہے مجھ کو اس درخت زیتون کی، جس نے موسیٰ کو اندھیری شب میں اپنی روشنی سے رہنمائی فرمائی۔

(۳) — قسم ہے مجھ کو اس طور سینا کی جس نے اپنے نور سے موسیٰ کے دعویٰ کو توڑا اور بے ہوش کر کے گرا دیا۔

(۴) — قسم ہے مجھ کو اس امن والے شہر کی جہاں تم امن میں رہتے ہو (یعنی مکہ معظمہ) ارشاد باری ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (پ ۳۰، سورہ والتین)

”ضرور بنایا ہم نے آدمی اچھے سے اچھے انداز پر“

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ

”آدم کو اپنی صورت پر بنایا“ — سُبْحَانَكَ رَبَّنَا عَنِ الصُّورِ الْمَحْسُوسَاتِ

وَالْمَعْلُومَاتِ وَالْمَكْشُوفَاتِ وَالْمَفْهُومَاتِ وَالْمُدْرِكَاتِ وَاللَّغْوَلَاتِ —

نہ یہ صورت محسوسہ بلکہ اپنی خاص سبب صفات کے عکس سے یعنی: حیامت، علم، ارادہ، قدرت،

سخ، بھر، کلام اور اسماء و صفات سے متصف کیا — لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ جو ہماری

۱- تورات میں لکھا ہے کہ تین اور زیتون ان دو پہاڑوں کا نام ہے جہاں پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت

سلیمان علیہ السلام کو نیا دی و مسائل و اسباب کے بغیر پیغمبری اور بانظاہری عطا فرمائی — اسی طرح موسیٰ علیہ

السلام کو طور سینا پر — آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلد الامین کے پہاڑ جبل ثور پر باوساکن و اسباب

ثبوت و ایسی شہنشاہی عطا فرمائی کہ سلاطین زمانہ مقابلے میں بھاگتے نظر آئے۔

صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات بھی اسی طرح کی ہوں گی جن کا عکس ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات میں سوائے اس کے کہ ہم ہیں اور کچھ کیفیت بیان نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کا مصداق ہے۔

پھر چاہا کہ اس میں اپنی روح پھونک کر زمین پر اپنا نائب بناؤں — اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کا عندیہ اور ان کی لاعلمی ان پر ظاہر کرنے — اور غرور عبادت توڑنے کے لیے ان سے دریافت فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (پ ۳۷)

”اور بنب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو مجھے بنانا ہے زمین پر ایک نائب۔“

اللہ تعالیٰ نے جاعل فرمایا ہے فاعل نہیں فرمایا — جاعل اور فاعل میں جو فرق ہے اس مخفی راز کو خوب جانتے ہیں۔ فرشتوں نے کہا:

قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ (پ ۳۷)

”بولے کیا تو رکھے گا اس میں جو شخص فساد کرے اور کرے خون“

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

”اور ہم پڑھتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری ذات کو“

فرمایا: ”مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا علم و عبادت کے بارے میں دعویٰ سنا تو اب امتحان کی ٹھہری۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

”اور سکھائے آدم کو سارے نام۔“

یعنی آدم علیہ السلام کو جملہ اسمائے الہیہ اور کونیہ کے ذاتی و صفاتی اسرار اور اسمائے خطاب و عہدے سکھادیئے اور جمیع علوم و فنون میں چاق و چوبند کر دیا تو اب امتحان شروع ہوا:

ثُمَّ عَرَّضْهُمْ عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِیْنَ

”پھر پیش کیا ان اسماء کو فرشتوں پر چنانچہ کہا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر ہو تم
چے۔“

یعنی اسماء الہیہ وکونیہ کے ذاتی و صفاتی اسرار اور اسمائے خطاب و عہدہ بتاؤ۔
قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ
الْحَكِيمُ

”کہا انہوں نے پاک ہے تو ہم کو نہیں مگر جو سکھایا تو نے ہم کو تو ہی ہے
جاننے والا حکمت والا۔“

قَالَ يَادُمْ أَنْبِئُهُمْ بِأَسْمَاءِ نَبِيهِمْ
”اے آدم بتا دے ان کو نام ان کے۔“

یعنی اسمائے الہیہ وکونیہ کے ذاتی و صفاتی اسرار خطاب و عہدہ اور جمیع علوم و فنون
کے اوصاف بتا اور سنا دیئے۔ چونکہ آدم علیہ السلام پہلے ہی ذات الہی سے جمیع
اسماء الہیہ وکونیہ کے ذاتی و صفاتی اسرار و خطاب و عہدہ و جملہ علوم و فنون کی پوری تعلیم و
تکمیل پا چکے تھے۔ بفضلہ تعالیٰ فوراً ہی بالتشریح بیان کرنا شروع کر دیا۔

فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَاءِ نَبِيهِمْ ”پھر جب بتا دیئے ان کو نام ان کے۔“

یعنی جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو اسماء الہیہ وکونیہ کے ذاتی و صفاتی اسرار و خطاب و
عہدہ اور جمیع علوم و فنون کے اوصاف بتا اور سنا دیئے تو آدم علیہ السلام امتحان میں پاس
ہو گئے اور سب فرشتے قیل۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا
تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ

”کہا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو تحقیق میں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں
کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو ظاہر کرتے ہو تم اور جو پوشیدہ رکھتے ہو۔“

چنانچہ سب ملائکہ سرگوں ہوئے اور آدم علیہ السلام کے سر پر سہرا خلافت باندھا گیا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ

”اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا انہوں نے مگر ابلیس نے“

یعنی اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم فرمایا کہ اب تم اپنے استاد کو سجدہ کرو کہ اب وہ واجب التعظیم ہے۔ تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ لہذا مدرسہ سے خارج کر دیا گیا کہ اپنے استاد کی تعظیم بجا نہ لایا اور مردود بارگاہ الہی ہوا۔

ملائکہ نے از روئے رشک اور اپنے ناز عبادت اور اظہار علم کے لیے یہ بات کہی کہ

☆ — ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔

☆ — ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا۔

☆ — ایسے کو نائب کیوں کرتا ہے۔

☆ — کیا ہم میں سے ایسے پاکیزہ صفات والا کوئی اس قابل نہیں جو نیابت پر شرف پائے۔

بھلا یہ شور محبت کی نمکینی اور شیریں الفت کی چاشنی ملائکہ میں کہاں تھی — حکم ہوا:

”بس تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔“

ملائکہ کو یہ خیال گزرا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ ہم سے از روئے مشورہ دریافت فرماتا ہے — حالانکہ ان کے خیالات ان پر ظاہر کرنے تھے۔ چنانچہ اپنی لاعلمی پر قائل اور ناز عبادت پر سرنگوں ہو گئے۔

خلیفہ کے کہتے ہیں؟

واضح رہے کہ خلف سے خلیف اور خلیف سے خلیفہ بنایا گیا ہے اور اس کی جمع خلائف ہے۔

☆ — خلف باختلاف حرکات کثیر المعانی ہے۔

☆ — خلف بہ فتح اول و سکون ثانی پیچھے آنے والا ہے اور فرزند لائق اور قرن بعد قرن ہو۔

☆ — بہترین فرزند لائق کو کہتے ہیں یعنی پیچھے آنے والا یا پیچھے چھوڑ ہوا —
چونکہ بیٹا باپ کے بعد آتا ہے اس کو خلیفہ کہتے ہیں — پھر وہ اپنے باپ کا
قائم مقام ہو جاتا ہے۔

☆ — جو سوار کے پیچھے کوئی سواری ہو یا حواج ضروری اس کو خلیفہ اور ردیف کہتے
ہیں۔

جو بڑا بادشاہ اپنے کل اختیاراتِ سلطنت کسی کو سپرد کر دے تو اس کو نائب و خلیفہ
کہتے ہیں — اور بادشاہ کا نائب اور خلیفہ وہ ہو سکتا ہے جو بادشاہ کے ذاتی و صفاتی
اوصاف رکھتا ہو مثلاً انسان کا نائب انسان ہی ہوگا نہ کہ گھوڑا نہ گدھا۔

ہر علم و فن کے استادوں کا یہ دستور ہے کہ جب اپنے کسی شاگرد کو اپنے علم و ہنر کی پوری
تعلیم و تکمیل کر دیتا ہے تو اس کے سر پر گہڑی باندھ کر اپنے اکھاڑہ کا خلیفہ اور اپنا قائم
مقام بنا دیتا ہے تاکہ وہ اور شاگردوں کو اپنے استاد کے سامنے تعلیم کرے چنانچہ:

☆ — علماء میں دستار فضیلت

☆ — فقراء میں خرقہ خلافت

☆ — کشتی و نبوت و بانک و پتہ وغیرہ میں گہڑی

☆ — انگریزی مدارس میں ڈگری کی سند۔

دی جاتی ہے — اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جمیع اسماء و علوم و
فنون کی تعلیم و تکمیل پورے طور پر کر دی۔ چنانچہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا سے ثابت
ہے — پھر اپنا نائب و خلیفہ بنایا اور اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ کی دستار ان
کے سر پر رکھ کر عالم ناسوت کے اکھاڑہ میں بھیج دیا تاکہ دوسروں کو تعلیم کریں۔

تفسیر بحر الرائق میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو اس لیے خلیفہ کیا گیا ہے کہ وہ جمیع
موجودات و کمونات کے خلف ہیں۔ ان کے بعد کسی دوسری مخلوق میں خلیفہ حق نہیں ہو
سکتا۔ (ہاں بے شک یہ خاتمِ خلافت ہیں جیسے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء)
— کیونکہ آدم علیہ السلام مجمع غرائب و منبع غیب شہادت خلاصہ عوالم جسمانی و

روحانی، جامع حقائق علوی و سفلی ہیں — آدمی کیا ہے، ایک برزخ ہے — صورت خلق و باطن حق، متصل با دقائق جبروت و مشتمل بر حقائق ملکوت۔ اٹھی!

کیا سیدنا آدم علیہ السلام غیر اللہ ہیں؟

علماء ظواہر فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام غیر اللہ ہیں، انہیں خدا سے کچھ بھی نسبت نہیں، نہ ذاتی نہ صفاتی — اگر وہ ایسے ہی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کے لیے سجدہ کا حکم جو خاص اعزاز و تعظیم شاہی تھی، کیوں فرمایا — نیز رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ

اگر اس حدیث قدسی کے یہی معنی ہیں جو علماء ظواہر فرماتے ہیں کہ آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جملہ حیوانات و نباتات و جمادات کو اپنی اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی

☆ — کتے کو کتے ہی کی صورت پر

☆ — اونٹ ہاتھی کو اونٹ ہاتھی ہی صورت پر اور

☆ — نیم آدم کو نیم آدم ہی کی صورت پر اور

☆ — پہاڑ پتھر کو پہاڑ پتھر ہی کی صورت پر

پیدا کیا ہے تو پھر اس حدیث میں آدم علیہ السلام کی تخصیص کیوں ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث کس ضرورت سے ارشاد فرمائی ہے۔ حالانکہ

كَلَامَ الْمَلُوكِ مُلُوكُ الْكَلَامِ ہوتا ہے نہ یہ کہ:

دندان تو جملہ دررہا نند پشمان تو زیرو ابرو اند

”تیرے تمام دانت تیرے منہ میں ہیں اور تیری دونوں آنکھیں تیری بھوؤں کے نیچے ہیں“۔ (یہ شعر لفظی کی مثال ہے)

خدا جانے اس میں کیا مجید ہے — خلیفہ اس حجاب کا نام ہے جو آئینے کے پس پشت لگایا جاتا ہے تاکہ اپنے حسن و جمال کا نظارہ کرے۔ اسی لیے:

قَلْبُ الْإِنْسَانِ مِثْرَةٌ الرَّحْمَنِ

کہا گیا ہے۔ یعنی قلب انسانی آئینہ رحمانی ہے۔ اس آئینے میں اللہ تعالیٰ اپنے حسن و جمال کا جلوہ ملاحظہ فرماتا ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ قُلُوبَكُمْ
وَأَحْوَالِكُمْ

”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال و احوال کو دیکھتا ہے۔“

۔ ما بروں را ننگریم و قال را ما دروں را ننگریم و حال را
”ہم ظاہر کو نہیں دیکھتے اور نہ زبانی گفتگو کو، ہم تو صرف باطن کو دیکھتے ہیں اور حال کی قدر و وقعت کرتے ہیں۔“

چنانچہ اس سے واضح ہو گیا کہ قلب انسان کامل بالفعل اور قلب عوام الناس بالقوۃ ضرور خدا تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ اس راز مخفی پر کوئی شخص لب کشائی کرے تو منصور دار پر ضرور کھینچا جائے۔

خلافت آدم علیہ السلام پر عہد و پیمان:

ارادۃ ازلی میں اظہار آدم علیہ السلام جب منظور ہوا تو عالم ارواح میں آدم علیہ السلام اور ان کی ذریات سے بقسم اس بات کا عہد و پیمان کیا گیا کہ ہم تم کو ایک امانت کہ وہ عشق و محبت ہے یعنی ہماری محبت کے سوا تمہارے دل میں کسی کی گنجائش نہ ہو، سپرد کر کے خاکی لباس میں زمین پر اپنا نائب و خلیفہ اس شرط سے مقرر کرتے ہیں کہ ہمارے حکم کی پوری تعمیل کرو اور راز مخفی جو ہمارے تمہارے درمیان الانسآن بسری و انا بسرہ کا ہے وہ کھلنے نہ پائے اور شرط امانت کی پوری طور پر تکمیل کر کے ہمارے پاس سالمًا و غانمًا واپس لاؤ۔ — ارشاد باری ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى

أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا (پ ۹، ع ۱۲)

”اور جس وقت (یعنی عالم ارواح میں) نکالی تیرے رب نے آدم کے بیٹوں کی پشت میں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر (یعنی بقسم اقرار کرایا) ”کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب“ سب نے کہا ”البتہ ہم قائل اور شاہد ہیں“۔

پھر حکم ہوا: نَحْنُ يُعْحَىٰ وَبِمَيْتٍ وَآلَيْنَا الْمَصِيرُ (پ ۲ ع ۳)

”ہم جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہمارے پاس پہنچنا ہے۔“

یعنی ہم تم کو زندگی دیں گے اور ماریں گے پھر ہمارے پاس آنا ہوگا۔ سب نے جواب دیا:

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (پ ۲ ع ۳)

”ہم اللہ کے لیے اور ہم اسی کی طرف پھر جائیں گے۔“

پھر ارشاد ہوا کہ جو شخص اپنے عہد پر پورا رہے گا اس کو ہم دوست رکھیں گے اور جو عہد کو توڑ دے گا وہ نافرمان ہوگا۔

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ

”کیوں نہیں جو پورا کرے اپنا اقرار اور پرہیزگار رہے تو اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو۔“

پھر ارشاد ہوا: فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

(پ ۳ ع ۱۶)

یعنی جو عہد شکنی کرے گا وہ نافرمان گنا جائے گا۔

بار خلافت انسان ہی کے لیے خاص ہے:

جب عہد و پیمان ہو چکا تو اتمام حجت کے لیے کہ آئندہ کوئی اپنے دل میں یہ خیال نہ کرے کہ کیا ہم اس قائل نہ تھے سب کو حکم فرمایا کہ تم میں سے ہماری امانت کون اٹھا سکتا ہے اٹھائے۔ جو اٹھائے گا وہی ہمارا خلیفہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ

يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

(پ ۲۲، ۶۷)

”البتہ ہم نے پیش کی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پھر سب نے اس کو قبول نہ کیا کہ اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اس کو انسان نے اٹھالیا۔ یہ بڑا ہی ظالم ہے اور بے خبر ہے۔“

اس آیت کریمہ کی دو تشریحات ہو سکتی ہیں:

(۱) اول یہ کہ كَانَ صیغہ ماضی ہے اور ظَلُومًا بمعنی ظلمت و تاریکی اور جَهُولًا بمعنی نادانی و جہل — یہ دو وصف ہیں یعنی انسان امانت اٹھانے سے پہلے تاریکی جہل میں تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ سب نے اس امانت یعنی عشق و محبت کے اٹھانے سے انکار کر دیا ہے، تجھ میں ایسا کون سا وصف ہے جو تو اس امانت کے اٹھانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اپنے اسرار کی روشنی ڈالی اور اس نے فوراً ہی اس امانت کو اٹھالیا۔ اس میں اسرار ربانی ہے۔

(۲) دوسری تشریح یہ ہے کہ انسان کے سوا ان میں سے کوئی مرد میدان نہ تھا جو اس امانت کو اٹھا سکتا کیونکہ یہ دو وصف ظلوم و جہول کے انسان ہی میں رکھے گئے تھے جبکہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑ وغیرہ میں یہ صفات رکھی ہی نہیں گئی تھیں تو اس امانت کے متحمل کیونکر ہو سکتے تھے۔ اس لیے سب نے انکار کیا اور انسان سے تو آپس ہی کا معاملہ تھا اور پہلے ہی باتیں ہو چکی تھیں۔ اس کو ان دونوں صفات میں کامل طور پر موصوف بھی کر رکھا تھا۔ اشارہ پاتے ہی اس امانت کو اٹھالیا۔ ظلوم و جہول اس لیے کہا گیا ہے کہ اپنے نفس پر ظلم و جبر کر کے اس امانت کی حفاظت بھی کر سکتا تھا اور نفس و شیطان کے دھوکے میں آ کر اس کی حفاظت سے بے خبر اور غافل بھی رہ سکتا تھا۔ اسی سبب سے مستحق ثواب و عذاب ہوا۔

جب بار امانت اٹھا چکا تو پھر.....:

یہ حکم ہوا:

- ☆ — إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُوَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (پ ۵۷۵)
- ”اللہ تعالیٰ تم کو حکم فرماتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔“
- ☆ — وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَضَعُكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (پ ۶۷۸)
- ”اللہ کا حکم مانو یہ تم کو کہہ دیا ہے شاید کہ تم یاد رکھو۔“

اب حفاظتِ امانت ہر فرد و بشر پر واجب و لازم ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ امانت وہی شخص سلامت پہنچا سکے گا۔ جو پورے طور پر اس کی حفاظت کرے گا یعنی عشق و محبت کو ذاتِ الہی کے سوا کسی غیر جگہ صرف نہیں کرے گا۔

سب سے پہلے ہمارے ہادی و آقائے نامدار سرورِ انبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیمِ الہی باقامتِ تمام اقرار کیا:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (پ ۷۸۷)

”میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا خاص اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہان کا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ یہی مجھ کو حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں۔“

اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج میں پورا کر دکھایا۔ چنانچہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَفَعِيَ شَاهِدُ حَالٍ هِيَ — پھر اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (پ ۱۳۷۶)

”اے رسول پہنچا جو کچھ اترا تجھ کو تیرے رب کی طرف سے۔“

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَضَعُكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (پ ۶۷۸)

”اور یہ راہ ہے میری سیدھی ہو اس پر چلو اور مت چلو کئی راہیں (یعنی نفس و

شیطان کی راہ) پھر تم کو بھٹکا دیں گے اس کی راہ سے۔ یہ کہہ دیا ہے تم کو شاید تم بچتے رہو۔“

بار امانت کا صلہ:

جب انسان امانت اٹھا چکا اور حفاظت امانت کا عہدہ و پیمان لیا گیا تو نفس و شیطان دو بادی چور جوٹھگی اور رہزنی و فریب میں کامل عیار تھے۔ ہر فرد بشر کے پیچھے لگا دیئے کہ ہاں سلامت نہ لے جانے پائے جس طرح ممکن ہو چھینوتا کہ ہمارے دربار سے عزت یا ذلت پائیں۔

طرفین میں ہنگامہ جدال و قتال گرم ہوا۔ جو لوگ باتجربہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نفسوں پر ظلم و جبر کر کے حفاظت امانت میں ہمد تن مصروف ہو گئے اور ہوشیاری کے ساتھ راہزنوں سے صحیح و سلامت بچ کر نکل گئے اور صاحب امانت کو بوقت طلب امانت بحفاظت تمام پہنچا دی۔ اس صلہ میں ان کو حضوری کا اختصاص ملا اور مراتب اعلیٰ پر پہنچ کر دیدار خدا کا شرف حاصل ہوا۔ جو لوگ کہ نفس و شیطان کے دھوکے میں آ کر ان کی فرمائش پوری کرنے میں مشغول رہے امانت میں خیانت کر بیٹھے تو وہ بقدر اپنی غفلت و خیانت کے عذاب الیم میں سزاوار ہوئے۔

انسانوں کے چار گروہ:

امانت اٹھانے کے بعد انسان کے چار گروہ بن گئے:

(۱) — کفار و مشرکین

(۲) — ظالم نفس

(۳) — متخصد (میان رو)

(۴) — سابق "بِالْخَيْرَاتِ" (بقابلت) یعنی صاحبان مرتبہ قرب

(۱) وہ گروہ جو نفس امارہ و شیطان لعین کے دھوکے میں آ کر ان کی فرماں برداری میں بالکل مصروف اور حفاظت و امانت سے بے خبر ہو گیا ہے۔ یہ گروہ کفار و مشرکین کا ہے اور نفس اس کا امارہ — ارشاد باری ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَةَ بِالسُّوءِ (پ ۱۳ ع ۱)

”نفس امارہ البتہ کھینچ کر لے جانے والا ہے برائی کی طرف۔“

خواہش نفس و شیطان اس گروہ کا معبود ہے۔ اِلٰهَةٌ هَوَاهُ۔ اس گروہ کی مذمت

میں ارشاد باری ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اِذَانٌ
لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَمَا لَانْعَامٍ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْغٰفِلُوْنَ (پ ۹ ع ۱۲)

”ان کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں — ان کی آنکھیں ہیں ان سے
دیکھتے نہیں — ان کے کان ہیں ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ ڈھوروں
کی مانند بلکہ ان سے بھی گمراہ زیادہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین درجے بیان فرمائے ہیں یعنی:

☆ — حق الیقین ☆ — عین الیقین ☆ — علم الیقین

اور ان کے آلے دل آنکھ کان ہیں — دل سے اصل حقیقت کو سمجھ لینا اور

آنکھ سے اس کی ظاہری صورت کو دیکھنا اور کان سے اس کے اوصاف سنا — سو یہ
کفار مشرکین احکام الہی کو نہ دل سے سمجھتے ہیں نہ آنکھ سے دیکھتے ہیں نہ کان سے سنتے
ہیں — یقین کے ان تین مدارج میں سے ایک کو بھی حاصل نہیں کرتے۔ یہ لوگ
ڈھوروں سے بدتر ہیں اور حفاظت امانت سے بالکل بے خبر و غافل۔ باوجود یہ کہ اس کی
یاد دہانی کے لیے رسولوں کو وقتاً فوقتاً بھیجا گیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ بغیر حجت و تکرار رسولوں
کی زبان سے احکام الہی سنتے دیکھتے اور بہ یقین دل مان کر امانت الہی کی حفاظت
کرتے۔ لیکن یہ کفار و مشرکین دل سے سمجھنا تو درکنار پھر کر دیکھتے ہی نہیں بلکہ سنا بھی
گوارا نہیں کرتے — ان سے تو ڈھور ہی اچھے ہیں کہ کہنے کو مان جاتے ہیں جبکہ ان
میں اتنی قابلیت بھی نہیں اور کیوں کر ہو — ارشاد باری ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ سَدًا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًا فَاَعْيَشْنَاهُمْ فَنَهُم
لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (پ ۲۲ ع ۱)

”اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار پھر اوپر سے ڈھانپ دیا سو ان کو نہیں سوجھتا“۔

یہ گروہ روح القدس کی روشنی سے محض بے نصیب و شیطانی ظلمت سے بالکل گھرا ہوا ہے۔ یہ خیانتی گروہ مستوجب عذاب عظیم ہے۔

(۲) باقی تین گروہوں کو جنہوں نے علیٰ قدر مراتب استعداد امانت الہی کی حفاظت میں کوشش کی ہے۔ اس آیت میں بیان فرمایا ہے،

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ
وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذْنِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ
الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (پ ۲۲، ۱۶)

”پھر ہم نے کتاب (یعنی شرائط و لوازم امانت) کے وارث کیے۔ وہ لوگ جن کو برگزیدہ کیا اپنے بندوں میں سے۔ پھر ان میں بعضے ظالمِ نفس ہیں اور ان میں بعض میانہ رو ہیں۔ ان میں سے بعض آگے بڑھ گئے لے کر خوبیاں۔ اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی“۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل نجات کے تین گروہ علی ترتیب مدارج ثلاثہ یقین بیان فرمائے ہیں:

اول گروہ صاحب علم یقین جو ظالمِ نفس ہیں۔ جن میں روح القدس کی روشنی اور شیطان کی ظلمت و نفسِ امارہ کی امارگی غالب ہے۔ اس میں دو درجے کے لوگ ہیں:

☆ — ادنیٰ ☆ — اعلیٰ

اس گروہ کو **ظالمِ نفس** اس لیے کہا گیا ہے کہ احکام الہی کو سن کر نفس پر ظلم و جبر کرتے ہیں اور نفسِ امارہ شیطانِ لعین کی مخالفت کر کے کسی قدر امانت کی حفاظت کرتے ہیں کہ شریعت میں استقامت کر کے اعمال و افعال میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں — اس گروہ کا نفسِ لوامہ ہے۔ یہی کم بدی زیادہ۔ اور بدی کرنے کے بعد ملامت کرنا اس کا کام ہے۔ یہ دوئم درجہ کے لوگ ہیں۔

(۳) بعض وارثان کتاب میں سے جن کا نفس حالتِ میانہ روی میں ہے۔ یہ گروہ ہے جس میں روح القدس کی روشنی اور شیطانی ظلمت بدرجہء مساوات ہے۔ ارادہ نیکی بدی مساوی ہیں۔ یعنی بعض وقت ان کا نفس فرمانِ الہی کو بخوشی خاطر بجالاتا ہے۔ بعض اوقات حفاظتِ امانت کا کام بااکراہ و جبر لیا جاتا ہے۔

متقی سالک راہِ طریقت جو عین الیقین کے درجہ میں ہیں۔ اس گروہ کا نام **مقتصد** ہے یعنی میانہ رو۔ ان کا نفس مطمئنہ ہے یعنی اطمینان دہندہ۔ ارشاد ہے:

يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِزْجِعِي اِلَى رَبِّكَ رَاضِيَةً مُرْضِيَةً
فَاذْخُلِي فِي عِبَادِي وَاذْخُلِي جَنَّتِي (پ ۳۰ ع ۱۴ فجر)

”اے نفس مطمئنہ! خوش رہے تو پسند کیا گیا۔ پس داخل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔“

یعنی اس عین الیقین کے مرتبہ سے ترقی کر کے خاص بندگان خدا میں داخل ہو جا۔
(۴) جو حق الیقین کے مرتبہ میں پہنچ گئے ہیں اور مستحق دیدارِ الہی ہیں۔ اسی کا نام جنتِ الہی ہے۔ وارثان کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اپنے نفسوں کو خاص خدائے تعالیٰ کی محبت میں مجاہداتِ شاقہ پر ڈال کر **حق الیقین** کے اعلیٰ مراتب میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس گروہ میں روح القدس کی روشنی بہت زیادہ اور نفس و شیطان کی بدی بہت ہی کم بلکہ روح القدس کی روشنی غالب آ کر سراسر خیر و برکت ہو کر حق الیقین کے اعلیٰ درجہ میں پہنچ گئے ہیں اور نفس پر کلیتاً فتح یاب ہو کر خوبیوں میں آگے نکل گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ان کی راحتِ جان بن گئی ہے۔ یہ انحصار بندگانِ الہی میں سے ہیں۔ اس گروہ میں بھی ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ یعنی اولیاء اور انبیاء نفس ان کا ملہمہ ہے۔ یعنی دیدارِ الہی کا الہام کرتا اور وصال کی خوش خبری دیتا ہے۔ اس گروہ کا نام سابق بالخیرات ہے۔ ان کا رتبہ قرب کا ہے۔ بخود فانی و بخت فانی۔ اس مرتبہ کو بقا باللہ کہتے ہیں۔

۔ گم شدم در خود نے دائم کجا پیدا شدم شبنمے بودم بدریا غرقہ دریا شدم

سایہ بودم زاول بر زمیں افتادہ خوار راست کاں خورشید پیدا گشت من پیدا شدم
 ”میں اپنے آپ میں گم ہوا اور میں نہیں جانتا کہ میں کہاں پیدا ہوا۔ میں تو ایک
 قطرہ شبخیم تھا۔ دریا میں جب غرق ہوا تو پھر دریا ہی میں ہو گیا۔ پہلے تو میں ایک سایہ تھا۔
 روئے زمین پر ذلت و خواری میں (گم نامی) میں پڑا ہوا تھا۔ سچ یہ ہے کہ جب وہ
 خورشید منور ظاہر ہوا تو میں پیدا ہوا ورنہ میں بے نشان ہی تھا۔“
 اس گروہ کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ فِي جَنَّةٍ وَنَهْرٍ فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ عِنْدَ مَلِكٍ مُّقْتَدِرٍ
 ”مومنین و عاشقین، وصال و کشادگی میں ہیں۔ مقام راسخی میں نزدیک
 بادشاہ قدرت والے کے“ (پ ۲۷، ع ۱۰)

صاحب تفسیر بحر الحقائق نے لکھا ہے کہ مقعد صدق مقام وحدت و قربت ہے کہ جس کا
 ثبوت کلمہ عند سے پایا جاتا ہے۔ تفسیر کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ کلمہ عند
 تقریب و تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے کہ جس کی نسبت رسول
 اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أُبَيْتُ عِنْدَ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي

”میں مہمان ہوتا ہوں نزدیک اپنے پروردگار کے وہ مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔“

اے محرم سر لایزالی

مرآة جمال ذوالجلالی

”اے لازوال اسرار الہی کے محرم راز ‘ تو اس جمال ذوالجلال کا آئینہ ہے“

ہستی مشابہ کہ خواہی

از قربت حضرت الہی

”تو نے حضرت جل و علا کی قربت مقدس سے مشرف ہو کر ایسی مشابہ ہستی پائی

جیسی کہ تو نے چاہی۔“

ہرگز زسد اشارت آں جا

گم گشتہ بود عبارت آں جا

”اس مقام راز میں عبادت و الفاظ گم ہو گئے۔ وہاں ہرگز اشارہ و کنایہ کی گنجائش

نہیں ہے۔ یعنی اس کا ذکر بیان و گفتگو اور شرح و تفصیل میں نہیں آ سکتا۔“

مہمان بیتِ عِنْدِ رَبِّیْ صاحبِ دل لَا یَنَامُ قَلْبِیْ
 ”جیسا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنے رب کا مہمان ہوتا ہوں اور وہی مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے یعنی عارفِ کامل کو ظاہری طعام وغیرہ کی حاجت مطلق نہیں ہے۔ اس کو اپنے رب کریم سے غذائے روحانی عنایت ہوتی ہے۔ جو صاحبِ دل ہوتا ہے اس کا دل بھی ہر وقت بیدار و ہوشیار ہی رہتا ہے۔ وہ سوتا ہے تو بھی جاگتا ہے۔“

قربے کہ عبارتِ شِجْد در حوصلہ خرد نگیند

”وہ تو ایک ایسا ناقابلِ بیان قرب و نزدیکی ہے کہ وہ تحریر و عبارت آرائی میں نہیں آ سکتا اور نہ وہ بالائے خیال و عقل راز دارِ عقل و خرد ہی میں آ سکتا ہے۔“

مزید مدارج و مراتب کے لیے تحریریں:

حق الیقین کے بے انتہا مدارج و مراتب ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس یقین کے اعلیٰ مدارج میں اعلیٰ قدر استعداد پہنچے ہیں۔ اولیاء اللہ ان کے تحت رہتے ہیں۔ اللہ کریم کے فضل سے حق الیقین کے کسی درجہ پر پہنچ جانا بس یہی بڑی بزرگی ہے۔

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ

پھر اللہ تعالیٰ ان تینوں گروہ کی تحریریں کے لیے فرماتا ہے:

بَلِیْ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ (پ ا ع ۱۳)

”کیوں نہیں جس نے اپنی ذات کو اللہ کے تابع کر دیا، وہ محسن ہے۔ پھر اس کے لیے اجر ہے اس کے رب کے پاس اور نہ خوف ہے ان پر نہ کوئی غم۔“

یعنی پکا مسلمان وہ ہے جو اپنی ہستی کو مع جمیع اعتقادی و عملی طاقتوں کے خاص اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اعتقادی طاقت کے یہ معنی ہیں کہ اس بات کو بہ یقین کامل جان لے کہ درحقیقت یہ تمام قوائے وجود مولیٰ کریم کی رضامندی و اطاعت، محبت و عشق

و شناخت کیلئے جس کا دوسرا نام امانت رکھا گیا ہے پیدا کیے گئے ہیں —
 عملی طاقت کے یہ معنی ہیں کہ حقیقی نیکیاں جن کو ہم دوسرے لفظوں میں حفاظت
 امانت سے تعبیر کرتے ہیں جو ہر ایک قوت کے متعلق اور توفیق الہی سے وابستہ ہیں۔
 خالصاً اللہ ایسے ذوق و شوق اور حضور قلب سے بجالائے کہ گویا اپنے معبود حقیقی کو دیکھ رہا
 ہے — لہذا جس کی اعتقادی و عملی نیکیاں اس درجہ محبت ذاتی و جوش طبعی پر مبنی ہوں
 گی۔ عند اللہ وہی مستحق اجر عظیم ہے۔ یعنی نقد نجات اس کو حاصل ہے نہ اس کو کچھ خوف
 ہے نہ کوئی غم۔ کیونکہ جب انسان ذات و صفات الہیہ میں موافقت تامہ پیدا کر لیتا ہے تو
 اللہ تعالیٰ اس کو اپنے رنگ میں غوطہ دے دیتا ہے اور رنگ الہی اس کی عبودیت کو ڈھانپ
 لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ

”ہم نے لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ اللہ سے بہتر ہے اور ہم اس کی

عبادت کرنے والے ہیں۔“ (پ ا ع ۱۶)

یعنی سچے امانت دار۔ جب اللہ تعالیٰ کا رنگ چڑھ گیا تو بس اسی کا نام نجات کامل ہے۔
 لہذا پہلی آیت کا یہ جملہ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ فَإِنَّهُ لَمِنْ عِبْدِهِ یعنی
 جس نے من کل الوجوه اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا اور اپنا کچھ اختیار باقی نہ
 رکھا — كَأَلْمِثِّبٍ بِيَدَا تَغْسَالٍ بس اسی کا نام فنا فی اللہ ہے۔ اور وَهُوَ مُحْسِنٌ کا
 جملہ مرتبہ بقا کو بیان کرتا ہے یعنی جب فَنَّا فِي اللَّهِ ہو کر خدائی رنگ میں غوطہ لگا تو وہ محسن
 یعنی درجہ بَقَا بِاللَّهِ میں ہے۔ از خود فانی بخدا فانی — اللہ تعالیٰ رسول اکرم صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی حالت کو بیان فرماتا ہے۔:

وَمَا زَمَيْتُ إِذْ زَمَيْتُ وَلَكِنَّ اللَّهَ زَمَى

”اور نہیں پھینکا تو نے (اے رسول) جبکہ تو نے پھینکا لیکن اللہ نے کفار کی

آنکھوں میں خاک ڈالی۔“

یعنی اس وقت تو از خود نہیں تھا بے خود تھا بلکہ خدا کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا تو تو
 میں تھا — مقام غور ہے کہ ایک مشت خاک کفار کے ہر فرد کی آنکھوں میں پڑ جائے

اور کوئی جانور بھی نہ بیچ سکے اور کفار سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلیں۔ یہ خدائی رنگ کی قوت نہیں تھی تو اور کیا تھا۔

آپ کے ہاتھوں میں سارا کام ہے آپ کرتے ہیں جہاں کا نام ہے اس مرتبہ میں ذاتِ حقِ فاعل ہے اور بندہ اس کا آلہ — پھر اس آیت کے آخر تک کے فقرے بقا باللہ پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی جب انسان فنا فی اللہ سے بقا باللہ کی جانب عبودیت کی حالت میں عود کرتا ہے اور اپنے معبود کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو بقا باللہ سے مشرف ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حالت کا ملکہ کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ کَانَكَ تَرَاهُ یعنی عبد عبادت کے وقت اپنے معبود کو گویا دیکھ رہا ہے۔ اسی کا نام بقا باللہ ہے۔ اس وقت اس کے رب کے پاس اس کے لیے اجر یعنی دیدار ہے — ان پر نہ کچھ خوف ہے نہ کوئی غم —

کَانَكَ تَرَاهُ اس لیے کہا گیا ہے کہ مکاحقہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ:

☆ — یہ محاط وہ محیط

☆ — یہ قطرہ وہ دریا

چنانچہ قطرہ دریا پر کیسے حاوی ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت والے کے بارے ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً ط فَأَدْخِلِي فِي

عِبَادِي وَادْخِلِي جَنَّتِي (پ ۳۰، ۱۳۴)

”اے نفس مطمئنہ! پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی وہ تجھ

سے راضی، پھر مل میرے بندوں میں (یعنی اب تو ہمارے بندوں میں شامل

ہو جس کا صلہ دیدار ہے) اور داخل ہو میری بہشت میں۔“

یعنی میرے رنگ میں آ اور دیدار پا کیونکہ نور آفتاب نظر میں سسائے تو نور نظر آئے۔

عطائے خلافت کے بعد رخصت:

جب انسان امانت الہی اٹھا چکا یعنی اس بات کو قبول کر لیا کہ میں اقرار کے موافق

پورے طور پر عمل کروں گا اور راز مخفی کو ظاہر نہ ہونے دوں گا اور بحفاظت تمام امانت کو

آپ کے پاس پہنچا دوں گا تو حکم ہوا کہ جاؤ رخصت، خدا حافظ و ناصر۔
بمسفر رھت مبارک باد
”اس سفر کو جانا مبارک ہو تو سلامتی کے ساتھ جائے اور سلامتی سے واپس آئے۔“
یہ مسافر آمادہ سفر ہو کر منتظر خطاب و خلعت ہوا۔ چنانچہ

☆ — وَالْقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ كَمَا خَلَقْتُمْ (پ ۵ ع ۷)

☆ — إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (پ ۲۳ ع ۱۱)

کا خطاب عنایت فرمایا۔ پھر:

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (پ ۳۰ سورہ والتین ع ۱۷)

”ہم نے اس کو پھینک دیا نیچوں سے نیچے“

یعنی آخر تعین و تنزل میں جو سب سے اسفل درجہ ہے جس کو عالم ناسوت یا عالم اجسام کہتے ہیں پھینک دیا — اس کی تفصیل و تشریح عنقریب آئے گی۔

سجدہ آدم علیہ السلام میں کیا راز تھا؟

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کا اظہار کرنا چاہا تو ملائکہ کو حکم ہوا:

إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي

فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (پ ۲۳ ع ۱۳)

”میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا اور پھر میں جب ٹھیک بنا چکوں، اور پھونکوں اس میں اپنی جان (روح) تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔“

یعنی جب میری جان اس میں پہنچ جائے تو تم اس کو فوراً ہی سجدہ کرنا۔ دراصل وہ میں ہی ہوں گا — سب ملائکہ اس کے منتظر ہوئے کہ وہ نائبِ ذی شان عالم امر سے کب تشریف فرمائے عالم ظہور ہوتے ہیں — إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ عَلْتِ فاعلیٰ کی طرف اشارہ ہے — اور بَشَرًا عَلْتِ صوری اور مِّنْ طِينٍ عَلْتِ مادی اور فَإِذَا سَوَّيْتُهُ تا آخر آیت عَلْتِ فاعلیٰ — عَلْتِ شرف کو دانا خوب جانتے ہیں۔ ذَٰلِكَ ذِكْرٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ یہ یادگار ہے یاد رکھنے والوں کو۔

وَيَذَا خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ (پ ۲۱ ع ۱۳)

”اور شروع کے انسان کی پیدائش ایک گارے سے“

یعنی پھر مٹی کی صورت بنائی۔ جب نقشہ ازلی کے موافق یہ طلسمِ خاک کی بنیاد تیار ہو گیا تو اس نقش و مزین پتلے کے دل میں اپنی روح پھونکی، اور آنکھ بچا کر تختِ شہای پر خود ہی جلوس فرمایا۔ اور شہ نشین کے عین جھروکوں میں سے ملائکہ کو حکم ہوا کہ:

فَقَعُوا لَهُ سِنَجِدِينَ

”پس گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔“

۔ آں کس کہ خاک مارا گل کردد خانہ ساخت

خود در میاں در آمد و مارا بہانہ ساخت

”وہ محبوب جس نے ہماری اس خاک کو گارا (گیلی مٹی) بنا کر گھر بنایا، وہ

خود ہی اس کے اندر آیا اور ہم کو اس نے بہانہ بنالیا۔“

واہ سبحان اللہ! کوزے میں سمندر کا سا جانا اسی کا نام ہے۔ — فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةَ

كُلُّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا إِبْلِيسَ (پ ۲۳ ع ۱۳)

”پھر سجدہ کیا سب فرشتوں نے مگر ابلیس نے نہ کیا۔“

اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین سے دریافت فرمایا:

يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدِي (پ ۲۳ ع ۱۳)

”اے ابلیس تجھے کیا انکاو ہوا کہ سجدہ کرے اس چیز کو جو میں نے اپنے

دونوں ہاتھوں سے بنائی ہے۔“

دونوں ہاتھوں یعنی جلال و جمال سے، اور یہی دونوں اس کی صفات میں رکھے

ہیں۔ مگر کس وجہ سے چوکڑی بھول کر انکار کر بیٹھا۔ یہ نہ سمجھا کہ سجدہ تو مکین و جان

کو ہے، جو اول و آخر، ظاہر و باطن روح سرکاری ہے، نہ کہ مکان کو جو حادث و فانی

ہے۔ البتہ ذات الہی اور جان الہی میں نام کا فرق ضرور ہے۔ جیسے دریا و قطرہ اس

کے سوا اور کچھ فرق بھی نہیں۔ دانا داند و بیٹا بیٹہ۔ مگر اس انکار میں بھی ایک بھید

ہے، جس کا اظہار مناسب نہیں۔ اللہ اکبر! اس گنجِ مخفی کُنُثْ کُنُثْ زَا مَخْفِيًا کے لیے

خاکی طلسم کس خوبی اور ترتیب گم کردہ راہی سے مرتب کیا ہے — اور کیا لطیف بہروپ بدلا ہے کہ جس میں بڑے بڑے دانش مند و صاحب علم خصوصاً معلم المملکت جیسے دھوکا کھا گئے۔

۔ بدلا نہیں کوئی بھیس ناچاری سے ہر رنگ ہے اختیار سرکاری سے بندہ شاہد ہے اور طاعت زیور یہ سوانگ بھرا گیا عیاری سے اور دھوکہ نہ کھائیں تو تعجب ہے کہ اول ایک مٹی کا پتلا بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے سجدہ کروایا — اور اپنی صفات خاص یعنی:

”حیات و علم و ارادہ و قدرت و سمع و بصر اور کلام“

سے موصوف کر کے اس کا نام انسان و بشر و آدم رکھا — سب نے اس کو تماشا اور بھان متی کا سوانگ (بہروپ) خیال کیا تھا۔ لیکن جب اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ کا خطاب اور وَلَقَدْ كَرَّمْنَا كَاخْلَعْتَ عنایت ہونا معلوم ہوا تو سب کی آنکھیں کھل گئیں کہ ہیں! — کیا تھا اور کیا ہو گیا!!

۔ اخفا کے لیے اس قدر جوش و خروش یہاں ہوش کا مقتضا ہے بنا مد ہوش حسن ازلی تو ہے ازل سے ظاہر یعنی ہے تجلیوں میں اپنی روپوش چنانچہ قید جسمانی و حجاب جہل اور غیریت اعتباری کے لباس میں زمین پر اعتباراً و مجازاً بھیج دیا گیا — ورنہ نہ کہیں سے آیا نہ گیا۔ جہاں کا تھاں اور جوں کا توں موجود ہے — واہ سبحان اللہ! اس طلسم خاکی نہاد میں کس خوبی کے ساتھ بطون سے ظہور میں جلوہ آراء ہوئے — کیسی آڑ میں شہ نشین کے جھروکوں میں سے دیدار بازی ہو رہی ہے۔ ہائے:

۔ دیدار سے نمائی و پرہیز سے کنی بازار خویش و آتش ماتیز سے کنی
”اے محبوب! تو دیدار بھی دکھاتا ہے اور پرہیز بھی کرتا ہے۔ تو اس طرح سے اپنی گرم بازاری اور ہماری آتش شوق کو تیز کرتا ہے۔

۔ بائیں ہمہ سادگی ہے پرکاری بھی شوخی بھی ہے اس میں اور عیاری بھی
چھپ چھپ کے ہے تاک جھانک اپنی کرتا اس سے کوئی سیکھ جائے مکاری بھی

حسن نہ آنت کہ ماند نہاں گرچہ بود پردہ جہاں در جہاں
 ”حسن حقیقت میں وہ نہیں ہے جو چھپ جائے۔ اس پر تو اگر جہان در
 جہان کے بے شمار پردے بھی پڑے ہوں تو ان حجابات کے باوجود وہ ہرگز
 نہ چھپ سکے۔“

۔ جبکہ وہ ماہ دل فردز، صورت مہریم روز

آپ ہی ہونظارہ سوز، پردہ میں منہ چھپائے کیوں

اگر کبھی انسان اپنی اصلی حالت اور سرانسانی کا پر تو کچھ بھی معلوم کر لیتا ہے تو
 اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی اور اَنَا الْحَقُّ وغیرہ کہہ اٹھتا ہے۔

۔ بہر طرف نگری صورت مرا بنی اگر بخودنگری یا بسوئے اس شر و شور

”جس طرف بھی تو دیکھے میری ہی صورت نظر آئے گی۔ خواہ تو اپنے آپ
 کو دیکھے یا اس دنیائے شور و شر کو مشاہدہ کرے۔ تجھے ہر جگہ میرے سوا اور
 کچھ نظر نہیں آئے گا۔“

ز احولی منگر ہر دو چشم نیکو کن کہ چشم بد بود امروز از جمال دور

”تو احولی (دوبینی) نہ کر، اور دوئی کو مت دیکھ — تو اپنی دونوں
 آنکھوں سے صرف حق اور نیک ہی دیکھ۔ کیونکہ بری نظر جو برائی دیکھے۔ وہ
 آج بھی میرے حسن و جمال کے حقیقی مشاہدے سے محروم ہے۔“

۔ بصورت بشرم ہاں و ہاں غلط کنی

کہ روح سخت لطیف است و عشق سخت غیور

”تو بشری صورت پر ہاں ہاں غلط نہ کر۔ کیونکہ روح بہت لطیف اور نہایت
 غیرت مند ہے۔“

۔ ترا بقاف چو ہرگز نبودہ است گزر زما حکایت عنقا کجا کئی باور

”تجھ کو اس کے ”قاف عشق“ میں ہرگز رسائی نہیں ہوئی ہے۔ پھر تو میری
 زبان سے عنقا کی کہانی سن کر کب یقین کرے گا۔“

لہذا اگر یہ دعویٰ قید جسمانی و تعینات صوری میں کرتا ہے تو وہ نافرمان و منکر کافر و ملعون و مردود کہلاتا ہے۔ کیونکہ راز مخفی کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے فرعون، نمرود اور شداد وغیرہ ہیں۔ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ — اگر تعینات صوری و قید جسمانی کو توڑ کر شراب معرفت کی مستی میں نعرۂ آنا الحق لگاتا ہے تو حالت سکر کے اعتبار سے اس کو معافی کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ شارع علیہ السلام نے صاحب سکر کو مرفوع القلم کر دیا ہے۔ یہ لوگ عارف کہلاتے ہیں — چنانچہ بزرگان دین کی زبان مبارک سے اس قسم کے الفاظ بہت کچھ سرزد ہوتے ہیں۔ جو آئندہ کسی موقع پر تحریر میں آئیں گے — ارشاد باری ہے:

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ

”مگر جو یقین لائے اور بھلائیاں کیں، سوان کو نیک ہے بے انتہا۔“ (پ ۳۰، ع ۲۰)

یعنی جس نے اعتقادی و عملی نیکیاں اپنے جوش طبعی و شوق قلبی سے حفاظت امانت کے لیے کیں — اور توحید و معرفت کر کے حجاب جہل کو پھاڑا اور تعین اعتباری و غیریت مجازی کو توڑ کر خود شناسی و عرفان ذات حاصل کر کے اسرار الہی سے واقف ہو گیا، تو اس کے لیے وصال بے زوال ہے — اور جو نفس و شیطان کے دھوکے میں گرفتار ہو کر غفلت و جہل کی وجہ سے امانت الہی میں خیانت کر بیٹھا، اور توحید و معرفت اور خود شناسی سے محروم رہا تو وہ ہمیشہ جملائے فراق ابدی رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَضَلُّ سَبِيلًا

”اُو جو اس جہان میں اندھا ہے سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے، اور راہ

سے زیادہ دور پڑا۔“ (پ ۱۵، ع ۸)

یعنی جو یہاں توحید و عرفان حاصل نہ کر سکا، اور دیدار الہی سے مشرف نہ ہوا، وہ وہاں بھی دیدار الہی سے محروم و محجوب رہے گا — کیونکہ عشق و محبت جو امانت الہی تھی، غیر جگہ ضائع کر بیٹھا۔

فصل دوم

وحدت وجود اور وحدت شہود

صوفیاء کرام کے دو گروہ:

تزللات خمسہ احدیت یعنی:

☆ — وحدت ☆ — واحدیت ☆ — ارواح

☆ — امثال ☆ — اجسام

میں صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دو گروہ ہیں:

(۱) — ایک گروہ ”ہمہ اوست“ فرماتا ہے، اس گروہ کا نام ”وجودیہ“ ہے۔

(۲) — دوسرا گروہ ”ہمہ ازوست“ فرماتا ہے، اس گروہ کا نام ”مشہودیہ“ ہے۔

گروہ مشہودیہ کے نزدیک صفات نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات، بلکہ زائد بر ذات وحدت اور واحدیت میں سب کا اتفاق ہے — اور مثلاً تزللات اخیرہ: ارواح و امثال و اجسام میں اختلاف — ہر گروہ اپنے مدعا کو معقول و منقول سے ثابت کرتا ہے —

اب وجود و شہود کے بارے میں چند محققین کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ طالب صادق کو بصیرت حاصل ہو، اور منکشف ہو جائے کہ

”ہر دو گروہ کا مقصود اثبات و احدانیت ذات واحد ہے نہ کہ غیر۔“

اصطلاح صوفیاء میں نسبت کیا ہے؟

مرزا جان جاناں علیہ الرحمہ اصطلاح صوفیاء میں نسبت کے معنی بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”عربی زبان کی لغت میں نسبت کے معنی و مقصد ہے ”علاقہ بین الطرفين“
 — یعنی دونوں سے ملے ہوئے علاقے — اصطلاح میں صوفیا اس سے یہ مراد
 لیتے ہیں کہ وہ علاقہ جو مخلوق اور خالق کل حق جل شانہ، کے درمیان واقع ہے — اور
 جسے متکلمین (یعنی حکمائے اسلام و علمائے صوفیاء) صانعیت اور مصنوعیت کہتے ہیں۔ جیسی
 نسبت کوزہ اور کوزہ گر کی ہے۔ بظاہر یہ بات کتاب و سنت سے بھی معلوم ہوتی ہے
 — اگر صوفیاء وجودی عقیدے کے ہوں تو وہ اس سے ”ظہور وحدت و کثرت“ مراد
 لیتے ہیں۔ جیسے کہ پانی، موج اور حباب وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے — اور یہ
 کثرت ”وحدت حقیقی“ میں ہرگز مانع نہیں ہوتی۔

یعنی اس سے ”وحدت مطلق“ میں کوئی کمی یا زیادتی یا فرق ہرگز نہیں ہوتا۔ ذات
 وحدت اسی طرح اَلْاَن كَمَا كَانَ یعنی جیسی پہلے تھی ویسی اب بھی ہے۔

اس تعبیر سے ان کا مقصد صرف اثبات عینیت کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ وہ ان
 معنوں کی تاویل و مثال شرع و عقل کے ذریعے سے بھی دیتے ہیں — اگر وہ گروہ
 ”شہودیہ“ عقیدہ رکھنے والوں کا ہے تو اصل کی جو نسبت سائے سے ہے، وہ معنی مراد
 لیتے ہیں — یعنی کسی شے کا دوسرے مرتبہ و درجہ میں ظہور — ظاہر ہے کہ یہ بات
 کثرت موجودات ظنی (سایہ) حقیقت میں وحدت حقیقی کے وجود مطلق میں ہرگز دخل
 نہیں ہو سکتی — پہلے اور دوسرے گروہ کی تعبیر و مقصد میں یہ فرق ہے — اگرچہ
 ظل (سائے) کی حقیقت دوسری ہے مگر وہ اس کی اصل کی حقیقت غیر سے نہیں ہے۔
 یعنی سائے کا وجود اپنی اصل (یعنی نور) کے بغیر نہیں ہو سکتا — چنانچہ اسی اصل نے
 دوسرے مرتبہ (درجہ) میں ظہور کیا ہے۔ اس مقام پر ایک کے حقائق و احکام کا دوسرے
 پر محمول کرنا درست نہیں ہے — نور مطلق اپنی حقیقت میں نور ہی ہے، اور سایہ اپنی
 حقیقت میں سایہ (یعنی عارضی و فانی) ہے — اور امواج و دریا، دُڑیا گور وغیرہ کی
 مثال بھی صحیح ہے۔ کہ یہ سب عین دریا ہی ہے۔ دریا کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں

ہے۔ صرف اس کی ظاہری و عارضی شکل و صورت ہے۔ اس وجہ سے شہودیہ اس مراد و تعبیر سے بہ لحاظ صورت، غیریت کا اثبات کرتے ہیں۔ اس طور سے کہ ”توحید“ میں وجود حقیقی ظن نہیں کرتا۔ کتاب و سنت کو ان معنوں میں باسانی اخذ اور معلوم کیا جاسکتا ہے۔

پہلے طور کی نسبت کے معنی اور تصویر صوفیاء ”وجودیہ“ کی کتابوں سے معلوم کرنی چاہئے۔ ”شہودیہ“ کے طور پر یہ ہے کہ ان کے نزدیک ممکنات کے حقائق عدم وجود سے علم الہی کے مرتبہ میں مرکب ہیں۔ ان معنوں میں کہ اضافات کا عدم ہونا کہ وہ جہل سے تعبیر ہوتا ہے۔ عدم القدرت عجز سے تعبیر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سب مفہومات فرق و امتیاز رکھتے ہیں۔ ایک ثبوت علم الہی کے مرتبہ میں پیدا کیا ہے۔ صفات حقیقیہ کے مظاہر جو ان عدمات^۱ (عدم کی جمع) کے مقابل ہیں، بنائے ہیں۔ ان صفات کے انوار ان مظاہر میں منعکس ہوئے۔ یہ مخلوط^۲ تعینات عالم کی ابتداء ہوئے۔

چنانچہ ان کے نزدیک اعیان ثابتہ علم سے مرکب ہیں۔ معدوم اشیاء اضافیہ اور حقیقی صفات کے احوال (سایہ) سے، اور سائے کے خارجی مظاہرات میں (یہ خارجی مظاہرات خارجی حقیقی کا سایہ ہیں) آثار خارجیہ کا مصدر ہوا ہے۔ اس لیے یہ اعیان ثابتہ اس گروہ کے خیال میں وجود ظنی سے موجود اور ظاہر ہیں نہ کہ حقیقی وجود کے باعث موجود ہیں۔ یعنی ان مظاہرات اور ظاہری موجودات کا اصل و حقیقت میں کوئی ذاتی وجود نہیں ہے۔

یہ چیزیں صرف خارجی سائے کے لحاظ سے محقق و ظاہر ہیں، نہ کہ خارج حقیقی ہیں۔ وجود حقیقی کے تحقق ہونے کا جو مقام ہے، اور تمام عالم میں جو کچھ موجود ہے، وہ سب اسی عکس و سایہ کے وجود و توابع کے ذریعے سے استفادہ کرتا ہے۔ جو کہ حق تعالیٰ جل شانہ، کے وجود مقدس سے سایہ فگن ہے۔ جیسا کہ ارشاد مبارک ہے:

۱۔ عدم کی جمع یعنی فانی و نابود اشیاء ۲۔ مخلوط: ملی جلی ۳۔ اعیان ثابتہ: مظاہر قدرت

فَلَا مَوْجُودٌ بِالْوُجُودِ الْحَقِيقِيِّ فِي الْخَارِجِ الْحَقِيقِيِّ إِلَّا اللَّهُ
 ”وجود خارج میں کچھ موجود نہیں ہے، وجود حقیقی میں اللہ کے سوا۔“

یعنی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود حقیقی ظاہر میں بھی نہیں ہے۔ — یہ جو کچھ مظاہر عوالم و کائنات ہیں، یہ سب بے وجود اور معدوم ہیں۔ لہذا
 حوالہ توحید اور یہی یقین کر لینا ”توحید“ ہے۔ جیسا کہ کسی صاحب دل نے فرمایا!

ع بخدا در دو جہاں غیر خدا چیزے نیست

یعنی ”خدا کی قسم! دونوں جہاں میں اللہ کے سوا اور کوئی شے حقیقت میں
 موجود نہیں ہے۔“

چونکہ عدم سے نشاء و مقصد، شر اور نقص ہے — ”وجود مبتداء“ اول تمام خیر و
 کمال ہی ہے — جبکہ عالم، عدم سے مرکب ہے۔ بلکہ اس کے (ظاہری) وجود کے
 ساتھ ذاتی طور سے عدم ہے۔ اس کا وجود بالکل عارضی و فانی ہے — جبکہ وجود حق
 سب پر محیط اور چھایا ہوا ہے۔ اور وہ خیر و حسن محض ہے — یعنی وہ صفات حسنہ سے
 متصف ہے۔ اس کی ذات مقدس میں کمی و خرابی اور نقص کا شائبہ و امکان بھی نہیں
 ہو سکتا۔

اسی لیے عین^۱ عالم نہیں ہو سکتا۔ ناچار عالم مجموعہ حسن و عیب ہوگا — لیکن
 حسن کا وجود تمام فائدہ بخش ہی ہے اور وہ حق تعالیٰ کا وجود مقدس ہے — تمام
 اطراف و سمت و غیرہ عیوب و نقائص سب عدم ہی کی وجہ سے حاصل و متعلق ہیں —
 چنانچہ جس وقت سالک اپنی قوت استعداد اور اپنے مرشد کے جذب اور فیض باطنی سے
 (جو کہ درحقیقت جذبہ الہی کا غل (سایہ) ہے)، دائرہ امکان سے اوج و جوب^۲ کے
 ساتھ سیر علمی کے لیے سفر کرتا ہے — اس کا مطلب و مقصد خرقِ حجابِ ظلمت و نور
 ہے۔ جو کہ حدیث پاک کے مطابق خالق اور خلق کے درمیان ایک واسطہ اور ذریعہ
 ہے۔ — اس کے خلوص و برکات جو ان محاذ و مقامات سے نسبت رکھتے ہیں، جو کہ

۱ عین: اصل و حقیقت ۲ اوج و جوب: مقام وحدت کی بلندی

ظاہر و مظہر کے درمیان تحقیق ہوئے ہیں۔ ان تجاہات کے رفع کرنے کے لیے کہ وہ ظہورِ شمسِ حقیقی کے انوار کے مانع ہیں، وہ سالک کے لیے ایک آئینہ تعین ہیں، تمام و کمال ظہور میں آتے ہیں۔ ان انوار و حقیقت کا سیلاب اس آئینہ تعین کو مستور و پوشیدہ کر دیتا ہے۔ یعنی اس سیر علمی و روحانی میں سالک کو انوار و تجلیات کی شدت کی وجہ سے ایسی فنا حاصل ہوتی ہے کہ آئینہ تعین مستور ہو کر سوائے انوارِ الہی کے اور کچھ نظر نہیں آتا، اور وہ خود محو و بے خود ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس حالتِ خاص کو ”فنا“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ فنا کے بعد یہ لازمی ہے کہ پھر حق تعالیٰ جل شانہ، کی طرف سے ہر مقام کے لائق و مناسب ”وجود وہی“ عطا ہو۔ تاکہ سالک اس وجود کے ذریعے سے کارخانہ بشریت کو چلائے اور احکامِ شریعت پر عمل درآمد کرے۔ اس کو بقا سے منسوب کرتے ہیں۔ (یہ بقا فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے)۔

لہذا سالک نے اگر تجاہاتِ ظلمات و انوار کے وہ تمام خوارق طے کر لیے، اور وہ تجلیاتِ صفات و شیونات^۱ سے گزر چکا ہے۔ نبوت کے زمانے میں نبی مقرر ہوتا ہے۔ پھر جس عصمت و عفت کے اس اعلیٰ درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پھر اس سے گناہ و شر کے واقع ہونے کا احتمال بھی معدوم ہو جاتا ہے۔ (یعنی وہ انبیاء و اولیاء کی طرح معصوم و مبرا ہو جاتا ہے)، ورنہ سفر طے کرنے کے مناسب و مقدر شر سے دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا امکان و وجوب عدم^۲ سے ہوتا ہے کہ وہ شرمحض ہے۔ وہ وجود حق تعالیٰ سے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خیر و حسن محض ہے۔ جب سالک کے باطن پر طغیانی انوار اور تجلیاتِ حقہ کی شدت کی وجہ سے ظلماتِ عدم (کثافت و تجاہاتِ عدم) مضمحل ہو جاتے ہیں تو بہت سی خبروں کا مصدر بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس سے نادانستہ طور پر شر کے وقوع کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ولی، نائبِ نبی بھی ہوتا ہے، اور بنی نوع انسان کی تربیت و اصلاح بھی خود کرتا ہے۔ یعنی

۱ آئینہ تعین: مظہر کائنات ۲ شیونات: شانیں شان کی جمع ۳ وجوب عدم: عدم کا لازم ہونا۔

وہ مصلح عالم اور ہادی جہان ہوتا ہے۔

یہ وہ معنی و مطلب ہے جو کہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام معصوم اور اولیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں۔ اس گروہ صوفیاء کی اصطلاح میں مختصر طور پر یہ مقصد ہے ظہور نسبت کا۔ یہ مشرب ”اہل شہود یہ مجددیہ“ کا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، اور برکت و سلام ہو۔

اے برخوردار! ”وحدت و جوڈ“ کی تصویر تمہاری عرض کے موافق تحریر کر دی گئی۔ اب یہ جانو کہ میں کتاب کی شرح میں وہ مراتب سترا لکھتا ہوں یعنی ”حق تعالیٰ اپنے علم قدیم میں تمام کلی و جزوی حقائق جانتا ہے۔“

یعنی وہ ہر شے کے متعلق، ہر ہونے والی بات سے یہ تمام و کمال واقف ہے۔ کسی شے کا علم اس شے کے وجود کے علم کے ساتھ لازم ہے۔ لہذا یہ چاہئے کہ تمام اشیاء اس کے علم ازلی میں موجود ہوں۔ اسی وجہ سے گروہ صوفیاء ”اعیان ثابتہ“ کے علم الہی سے متعلق ہونے کے قائل ہیں۔ اشیاء کا وجود جب علم میں ہو جیسا کہ اس گروہ کے نزدیک مسلم ہے، اور وہ اس سے موسوم ہے کہ یہ باطن و وجود، تقدم و تاخر (اول و آخر) نہیں ہے زمانے کے لحاظ سے وجود خارجی کے برخلاف ہے۔ اس لیے کہ اس میں تقدم و تاخر ضروری و لازمی اور ظاہر ہوتا ہے۔

اس لیے یہ لازم ہوا کہ وجود علمی وجود خارجی کا غیر ہو (یعنی اس کی حقیقت میں فرق ہو)۔ اور یہ بھی چاہئے کہ وہ اصل پر فروعات کے تقدم کی مانند اس پر مقدم ہو۔ اور تقدم ذی ظل بر ظل (یعنی جس کا سایہ ہو، اس کا اول ہونا سایہ پر لازمی ہے) اور خارجی اشیاء کے وجود کے صادر ہونے کی کیفیت وجود علمی سے وہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ صورت کو اپنے ”علم الہیہ“ کی صورت و اشکال سے خارج میں لائے۔ اس لیے کہ اس کا مطلب وجود منبسط (کل کائنات) ہے۔ جو اس گروہ صوفیاء کے نزدیک ”وجود ظاہری“ کے پیدا کرنے سے موسوم ہے۔

→ اس صورت سے اس صورت میں پردہ ظہور میں آثار مطلوبہ لائے۔ تو اس صورت اور نور کے درمیان یہ ”وجود نسبی“ جو کہ الایۃ لہ مجهول الکفایت معلوم ہوتا ہے۔ — ”وجود منبسط“ کے آئینے میں اس صورت علمی کے ظل و عکس سے اس طرح سے منطبع کیا کہ یہ انطباع اطلاع وجود کو برہم کرنے والا نہ ہو۔ — یعنی وہ اس کے ہونے نہ ہونے سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مثال سے اعلیٰ ہے۔ وہ تو بے مثل و بے مثال ہے۔ چنانچہ عکس رائے مقابلہ کے وقت آئینہ سے آئینہ میں پیدا ہوتا ہے۔ — اس آئینے کا نور سلب یا کم نہیں ہوتا۔ عقل سلیم بڑے غور و خوض اور تامل و تفکر کے بعد آئینہ کے اندر یا آئینے پر دیکھی ہوئی صورت کو صحیح طور سے نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ اس مقام پر نہ دخل ہے نہ ارتسام ہے۔ — اگرچہ ظاہری طور پر اور عوام کی عقل میں (یعنی عام لوگوں کے خیال میں) دیکھی ہوئی صورت اور دیکھئے ہوئے وصف ایک ہی طرف سے معلوم ہوتے ہیں، جو کہ آئینہ کہلاتا ہے۔ — لیکن حقیقت کے لحاظ سے ہر ایک صورت اور آئینے میں نظر آنے والی اشیاء ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ یعنی شکل اور صورت کا رنگ آئینے سے پیدا و ظاہر ہے۔ — اور آئینے کی گہرائی اور اس کا حدب اس کی صورت سے ظاہر ہے۔ — مولانا جامی علیہ الرحمہ ”مراتب ستہ“ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”اگر وجود کو آئینہ اعتبار کریں۔ — آپس کے ظاہر میں آثار (نشانات) اور علمی صورتوں کے احکام ہیں۔ — لِأَنَّ الْأَعْيَانَ النَّابِتَةَ فِي الْعِلْمِ مَا شَبَّهَتْ رَائِحَةَ السُّجُودِ فِي الْخَارِجِ — یعنی بے شک ”اعیان ثابتہ فی العلم سے خارج ہیں۔ تو وجود کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا۔“

اگر صور علمیہ کو آئینہ قرار دیں تو اس کے ظاہر میں تجلیات اسمائے صفات اور شیونات (مظاہر و شان) وجود حق تعالیٰ ہی ہیں، نہ کہ وجود حقیقی بعینہ اس میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شانِ مرآة (آئینہ) یہ ہے کہ گویا:

علم کا خزانہ صفحہ منقوش کی طرح، اور —

وجود منبسط آئینہ صیقلی کی بجائے اس نقش کے مقابل میں ہے — نہ اس نے کوئی نقش اس صفحے پر بنایا ہے اور نہ کوئی شکل و صورت اس مرآۃ وجود میں آئی۔ کیونکہ ”خروج صورتِ علیہ“ کا داخلہ قیام حادثہ کا قدیم کے ساتھ موجب ہے — اور یہ ہر دو باتیں محال ہیں۔ چنانچہ باطن وجود اور ظاہر وجود کے درمیان طرفین کے آثار و احکام کا انعکاس ایک عجیب اور حیران کن ظلم کی طرح برپا ہے۔“

تعبیر یہ کیا جاتا ہے گروہ صوفیاء کے نزدیک ان کی اصطلاح میں ”وہم“ کے مرتبہ سے اور دائرہ امکان سے کہ وہ ”تزلزلات ثلاثہ“ امکانیہ^۱ سے متعلق ہے۔ جو کہ ”تزلزلات خمسہ“ مشہورہ سے ہیں۔ یعنی:

☆ — تزلزلِ روحی ☆ — تزلزلِ مثالی ☆ — تزلزلِ جسدی
چنانچہ مرتبہ علم واجب^۲ سے متعلق ہے، اور تزلزلِ وجودی ہے، یعنی واحدیت ہے۔ اس کا مطلب ہے حق تعالیٰ جل شانہ، کا اپنی شان اور صفات کو ملاحظہ کرنا — مرتبہ علم میں مفصل و مجمل ہے۔ کہتے ہیں کہ خارج میں سوائے وجودِ واحد^۳ کے اور کوئی شے پایہ ثبوت و تحقیق کو نہیں پہنچتی ہے۔ اور یہ جو کثرت نظر آتی ہے — صرف مرتبہ وہم و خیال میں ہی موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے اس وہم کو ثبوت و یقین پر بنایا ہے — یعنی حقیقت میں یہ ہستی وہم و خیال ہے۔ جیسا کہ مرزا غالب نے کہا ہے:

ع ہستی کے فریب میں مت آجا یو اسد

یعنی — عالم تمام حلقہء دام خیال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر جو بنائے آثار ابدی قائم کئے ہیں۔ وہ وہمی نہیں ہیں کہ وہم (وہم و گمان کرنے والے) کے رفع (دور) سے مرتفع ہو جائے — اس سے ان کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ وہم کا اطلاق اس مرتبہ پر ہوا کہ کثرت کی کوئی دوسری

۱ حادثہ: عارضی و فانی ع امکانیہ: وجود ممکن ع مرتبہ علم واجب: ذات الہی ع وجود واحد: ذات الہی

حقیقت نہیں ہے۔۔۔ وہی ”وجود واحد“ اس وجود منبسط کے آئینے میں تجلیات فرماتا ہے۔ اس کثرت تجلیات کا منشاء کثرت شیونات (شان مظاہر) ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے وجود مقدس سے ملی ہوتی ہیں۔ وہ ”مرتبہ علم“ میں اسی طرح کشادہ ہوتی ہیں جس طرح درخت دانے میں کشادہ ہوتا ہے۔۔۔ چنانچہ اسی طرح ”حقائق ممکنات“ ہوئے ہیں۔ ان حقائق کا انعکاس ”وجود منبسط“ کے آئینے میں پڑا ہے، اور ”عالم و کائنات“ کے نام سے موسوم ہوا ہے۔۔۔ جبکہ وجود وہی کی اشیاء عالم کا کوئی اور حقیقی وجود نہیں ہے۔ اپنی کوئی دوسری حقیقت نہیں رکھتا۔ وہ تو صرف وجود علمی کا ہی عکس ہے۔۔۔ حقیقت میں اس طرح ”مرتبہ علم“ میں وجود علمی کی حیثیت سے موجود ہیں۔ اور مرتبہ علم سے باہر نہیں آئی ہیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا، علم ”صفات الہی“ سے ایک صفت ہے، اور یہ صفات ”گروہ صوفیاء وجودیہ“ کے خیال و اعتقاد میں ”عین ذات“ ہیں۔۔۔ لہذا اس تقریر سے وجود اشیاء عین وجود حق ہیں۔۔۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

إِنْ شِئْتَ قُلْتَ حَقًّا وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ خَلْقًا

یعنی ”جب تو نے چاہا کہا: ”حق“۔۔۔ اور جب تو نے چاہا کہا: ”خلق“۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ وجود واحد کے علاوہ خارج میں کوئی وجود موجود نہیں ہے۔ یہی معنی و مطلب ”وحدت وجود“ کا ہے۔ یہ معنی ان حضرات پر کھلے اور مشاہدہ ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

علم کی اقسام:

حضرت مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ ساکل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علم دو قسم پر ہے:

☆ — علم حضوری

☆ — علم حصولی

علم حضوری وہ ہے کہ جو عالم ذات سے لازم ہوتا ہے یا اس کا عین ہے۔ چنانچہ علم

نفس (ذات) اپنے ساتھ یا اپنے عوارض یعنی متعلقات کے ساتھ ہوتا ہے۔ علم حصولی، معلومات کی شکل و صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ وہ آئینے میں عقل و حواس کے ذریعے سے منعکس ہوتا ہے۔ سالک جب ”سیر علمی“ کے لیے دائرہ امکان سے اوج و جوب پر پہنچ کر عروج و کمال حاصل کرتا ہے۔ (اس مشاہدے کو علم حضوری کہتے ہیں)۔ یہ علم، علم حضوری کی قسم سے ہے، یہ علم حصولی نہیں ہے۔ یعنی اس کا تعلق تعلیم و تعلم (یعنی لکھنے پڑھنے) سے نہیں۔ ”عارف“ کے علم حضوری کے متعلق کی کیفیت حق تعالیٰ سے یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک ”وجود اشیاء“ (موجودات) حقیقی نہیں ہے بلکہ مثل سایہ (ظلی) ہے۔ (جیسے کہ حضرت عطار و حضرت رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

”وہ نور ہے اور ہم سب سایہ کی مثال ہیں۔“

یعنی یہ جو کثرت نظر آتی ہے حق تعالیٰ کے وجود حقیقی کے انوار کا سایہ ہے۔ خارج میں ”وجود واحد“ کے سوا کوئی غیر محقق نہیں ہے۔ لا مَوْجُودَ إِلَّا اللهُ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔

اس ظلال (سایوں) کا تعدد و کثرت، وجود کے شیونات کی کثرت کی وجہ سے ہے۔ ظل (سایہ) جس وقت تک اپنی اصل سے عاقل ہے، اور اپنی ظلیت (سایہ پن یعنی سایہ ہونے کا شعور) سے واقف نہیں، اس وقت تک وہ اپنے کو وجود مستقل سمجھتا ہے۔ اور اپنے زعم باطل میں یہی ثابت کرتا ہے۔ بولنے میں لفظ آنا (میں) سے اشارہ ہے۔ اسی ”وجود وہمی“ سے معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ اصطلاحی سفر قطع (ختم) ہوتا ہے، اس گروہ کے نزدیک اس کا مطلب ”حق تعالیٰ اور خلق کے درمیان نورانی و ظلمانی حجابوں کا دور ہونا ہے۔“ جو کہ حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔ یعنی وہ اس اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا ہے تو پھر وہ اپنے اصل سے واصل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے آپ کو اس اصل کے سایہ سے پہلے نہیں دیکھتا۔ اور اس کے وجود و توابع کو

اصل ہی سے مستعار اور عارضی سمجھتا ہے۔ یعنی اس پر حقیقت ہستی عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ یہ معلوم کر لیتا ہے کہ ظل کی حقیقت علیحدہ نہیں ہے، بلکہ وہی اصل ہے جس نے دوسرے مرتبہ میں ظلی تعین سے ظہور کیا ہے۔

لہذا واضح ہو کہ جس کی طرف اشارہ ہے، اور لفظ آنا کا مرجع حقیقت میں ”اصل“ ہے نہ کہ ظل و سایہ ہے۔ اس وقت اس کی حضوری کا علم (کہ وہ اس کے ”تعین ظلی“ کے لیے لازم ہے) ”اصل“ سے لازم و متعلق ہوتا ہے۔ لفظ آنا سے اشارہ اولاً ”اصل“ و چون ”راجع ہوتا ہے۔ چونکہ یہ اعتبارات ”اصل“ سے اعتباری ہے، دوسرا یہ کہ یہ ”آنا“ ظل سے رجوع کرتا ہے۔ جب یہ حالت قائم و دائم ہو جائے تو اس کو ”دوام“ حضور“ یعنی ”ہمیشہ کی حضوری“ کہتے ہیں۔ یہ حضوری تحقیق کے بعد فنا و زوال پذیر نہیں ہوتی۔ اس میں اگر کبھی کچھ فتور یا کمی ظاہر ہوتی ہے تو ”علم اعلم“ کی فترت میں واقع ہوتی ہے، نہ کہ عین علم حضوری میں نمودار ہوتی ہے۔ عارف کا ”علم حصولی“ عوام الناس کی طرح باقی رہتا ہے، مگر اس وقت تک جب تک کہ حواس باقی رہتے ہیں کیونکہ امور بشری کا ہونا ان ہی پر موقوف ہے۔ اس علم ظاہری کو حق تعالیٰ کی بارگاہِ اعلیٰ میں ہرگز رسائی و باریابی نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ ان حواس کو اس بارگاہِ قدسی میں بالکل دخل نہیں ہے۔ ان اشتباہات سے منشا و مقصد یہ ہے کہ ”علم اعلم“ کے ذہول کو ”علم حضوری“ کے اندر فتور سمجھ کر منکر دوام ”حضور“ ہوتے ہیں۔

یعنی علم ظاہری و امور دنیا کے اجراء کے وقت ”علم حضوری“ سے حجاب ہوتا ہے۔ ورنہ امور بشری کس طرح سرانجام ہوں۔ کیونکہ دل جب اس محبوب حقیقی کے مشاہدہ و حضوری میں مستغرق اور محو ہو تو پھر ماسوا کا ہوش کب ہوگا۔

چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”میں نماز پڑھتا ہوں اور لشکر اسلام کی تیاری کرتا ہوں“

یہ اشارہ ان دونوں علموں کی طرف ہے کہ:

☆ — لشکر کی تجبیز و تیاری علم حصولی سے متعلق ہے، اور

☆ — ”حضور صلوٰۃ“ علم حضوری کی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس خلیفہ معظم کی نماز ہرگز بے حضوری نہیں تھی۔ جبکہ جہاد کی تدبیر اسباب و ضروریات لشکر کے تصور کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتی۔ لہذا جب تک ہر قسم کے علم جمع نہ ہوں، یہ دونوں کام عبادات کے اندر داخل ہیں، ایک ہی وقت میں ایک ہی ہستی سے نہیں ہو سکتے۔^۱ ورنہ خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول مبارک کے معنی صحیح نہ ہوں گے۔ چنانچہ اس پر غور کرو اور حقیقت سمجھو۔ والسلام!

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا انکار:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمہ کا ”توحید و جودی“ کے عقیدہ پر انکار علمائے ظاہر کے مثال و طریق پر نہیں ہے۔ بلکہ اس مقام سے کہ گروہ ”صوفیاء و جودیہ“ کلام کرتے ہیں، اور اس کی تصدیق و تسلیم اس قدر ظاہر کرتے ہیں کہ آپ ”مقصودِ اصلی“ کو اس مقام سے بلند و اعلیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فی الجملہ ”الحق والخلق“ کے درمیان ”غیریت“ اس طور سے ہے کہ وہ وحدت حقیقی کے وجود میں خلل نہیں ڈالتی۔ کیونکہ وہ ”خارج“ (ظاہر) میں حقیقی ثابت ہوا ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ بخلاف وجودیہ گروہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ انہوں نے حق اور خلق کے درمیان ”عینیت“ ثابت کی ہے۔ مسئلہ ”وحدت و جود“ و ”وحدت شہود“ کی تصویر اور بیان دوسرے مکتوب میں ہے۔ والسلام!

صوفیاء میں لفظ ”وجود“ کا اطلاق:

حضرت صوفیاء لفظ ”وجود“ کا اطلاق تین معنوں میں ظاہر کرتے ہیں:

(۱) — ایک وجود کو ”کون و حصول“ کے معنوں میں کہ وہ امر استزاعی اور معقول

لے تجبیز: سامان و اسباب تیاری ح یعنی عارف کامل بیک وقت ”حضور حق“ ہونے کے باوجود ”دل پایاز

دست بہ کار“ کے موافق ہوتا ہے۔ ح کون و حصول: مراتب و جود

ثانوی ہے۔

(۲) — دوسرا وجود منبسط کہ اس کا منشا و مقصد انتزاع معنی اول ہیں۔ اس سے ظاہر وجود اول وجود سے صادر ہونے والا تعبیر کیا ہے — ظاہر ہے کہ یہ دونوں وجود ذات حق تعالیٰ مقدم و اول سے متاخر (بقدم) ہیں — وہ ذات مقدس ان ہر دو وجودوں کے ساتھ مصدر آثار نہیں ہو سکتی۔

(۳) — تیسرے وہ وجود کہ پہلے پہل اور سب ابتداؤں کی ابتدا ہے — اس ”گروہ وجودیہ“ کے زعم و خیال میں عین ذات ہے — ذات اور وہ وجود مصدر آثار ہے — حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خود مصدر، آثار خود ہے — جبکہ ہر دو وجود و ذات حقیقت میں ایک ہی ہوں — پھر آثار و صدور^۱ خواہ وجود سے منسوب کرو یا ذات سے، مطلب ایک ہی ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا کشف:

میرے مخدوم حضرت نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا حقائق ممکنات کے مسئلہ میں کشف یہ ہے کہ ”مرتبہ واحدیت“ میں (کہ اس کا مطلب و مقصد ”خانہ علم الہی“ میں تفصیل و کمالات الہیہ ہے) ہر صفت کمال کے مقابلہ میں عدم علم کہ جس کو جہل سے تعبیر کرتے ہیں — صفت قدرت کے مقابلہ میں عدم قدرت کہ جس کو عجز و مجبوری کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

یہ اعدام^۲ جو ایک دوسرے سے فرق و امتیاز رکھتے ہیں، ان کی بناءً مقابلہ و محاذ^۳ پر ہے — وہ ان صفات کے انوار و ظلال سے روشن اور ظہور کا سبب ہوئے — وہ تعینات عالم کی ابتدا اور ممکنات کے حقائق ہوئے ہیں، وہ اعدام ان حقائق کے مواد کی جگہ ہیں — وہ عکس و ظلال ان میں صور حالہ (صورت ہائے موجود) کی جگہ ہیں — اس وجہ سے یہ ”اعیان خارجہ“ ممکنات کے کہ وہ ان حقائق کے مہبط^۴ پر

۱ صدور: لکھنا ظاہر ہونا مع اعدام: نہ ہونا غیر موجود مع محاذ: مقام نزاع معرکہ کی جگہ

۲ مع اعیان خارجہ: بیرونی اور ظاہری اصلیں مع مہبط: مقام نزول

ظہور آثار کا باعث ہوئے۔ وہ وجود و عدم ہر دو اقوال کو قبول کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے خیر و شر کا مصدر ہوتے ہیں۔ نیز حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا کشف یہ ہے کہ مبادی تعینات، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفات ہیں، اس لیے کہ وہ اطلاق مذکورہ کے اصول ہیں۔ وہ وجود و جوہی (واجب) رکھتے ہیں۔ لہذا ان حضرات کے حقائق میں عدم و داخل نہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ حضرات بھی ممکنات سے متعلق ہیں۔ ”حقیقت ممکن“ ان حضرات کی تحقیق کے موافق بغیر عدم کے غلط نہیں ہوتی۔ پھر اس کے مطابق ہونے کی راہ کونسی ہے؟ میرے مخدوم موصوف جبکہ مختلف و متفرق اعدام کے درمیان مقابلہ و محاذات و صفات مقدرہ کے وجود ”علم الہی“ کے مرتبہ میں مقرر ہوئے۔ چنانچہ اس وجہ سے اعدام صفات کے رونما و ظہور کرنے والے ہوئے، اور صفات ان اعدام کے مظاہر ہوئیں۔ لیکن اس جگہ مقابلہ بالعکس ہے۔ اور اس جگہ صفات بجائے مادہ اور اعدام صور حالہ (اشکال موجود) کی جگہ ہیں۔ اس صورت میں عدم کی جہت ضعیف واقع ہوئی اور وجود کی جہت قوی ہوئی۔ اسی وجہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔ وہ شر کا مصدر نہیں ہوئے (یعنی ان سے صفات خیر ظاہر ہوتی ہیں، اور شر و فساد ان سے ظہور میں نہیں آتا)۔ لیکن ان کے ”وجود خارجیہ“ عدم و وجود دونوں کو قبول کرتے ہیں۔ عدم کا اس قدر دخل ان حضرات کے متعلق ثبوت امکان کے لیے کافی ہے۔ والسلام!

حضرات مجددیہ کے مذہبی اعتقاد:

اے میرے مخدوم! حضرات مجددیہ کے اعتقاد میں ممکنات کے حقائق اعدام اضافیہ^۲ اور ظلال صفات حقیقت سے مرکب ہیں۔ یعنی ان اعدام نے تقابل کی بنا پر اسماء و صفات کے علم الہی میں ایک ثبوت پیدا کیا ہے، اور اسماء و صفات الہی کے مظاہر ہوئے ہیں اور تعینات عالم کے مبادی بنے ہیں۔ خارج میں ایک ظل (سایہ) کہ ظل خارج حقیقی ہے۔ خداوند کریم کی ”صفت کاملہ“ سے وجود ظل کے ساتھ موجود

۱ غلط: سبیل جول ۲ جہت: سمت 'مُطَرَفٌ' زُجْجٌ وجہ: ۳ اعدام اضافیہ: عدم سے متعلق زائد عدم

ہو گیا۔ اس ترکیب کی بنا پر خیر و شر کا صدور و ظہور ہوا۔ وجودِ ظلی اپنی عدم ذاتی جہت سے کسبِ شر کرتا ہے۔ وجودِ ظلی سے کسبِ خیر کا ظہور کرتا ہے۔ یہ حقیقت مخفی و پوشیدہ نہیں ہے کہ ”عالمِ حس“ میں ایک شخص (کوئی) آئینہِ متصلِ لہرِ انوارِ شمس کو مشاہدہ کرے، بملاحظہِ اولیٰ وہ آئینے کو نہیں بلکہ وہی انوارِ شمس دیکھے گا۔ اس وجہ سے کہ انوارِ شمس کی شعاعوں میں آئینہِ مخفی اور پوشیدہ ہو گیا ہے۔ جب وہ اس کی ذات پر نظر کرے گا تو بلحاظِ اول وہی آئینہ کے تعین سے اپنے آپ کو دیکھے گا، انوار کو نہیں۔ اس لیے کہ اس کی نظر ظاہر پر نہیں ہے۔ چنانچہ صوفی کی نظر بھی جب اچھے اور برے (خیر و شر) کے مظاہر پر وجود کی جہت پر (کہ وہ اس میں مظاہرہ کرتا اور مصدر ہوا ہے) پڑتی ہے۔ جب وہ اپنے اندر نظر کرتا ہے تو اس کی نگاہِ عدم کی جہت پر (کہ وہ اس کی ذات سے متعلق ہے، جس کا منشاءِ شر ہے) پڑے گی۔ وہ خود کو خیر و کمال سے بالکل عاری دیکھے گا۔ اور عارضی خیر و کمال کو (کہ وجود کی جہت سے ہے) کسب کیے بغیر اپنی ذات سے نہ پائے گا۔ ناچار وہ خود کو کافر فرنگی اور دوسری تمام خسیں و خراب اشیاء سے بھی بدتر جانے گا۔ اس بات سے یہ معلوم ہوا کہ اس قول کے قائل کا مقصود یہ ہے کہ صوفی کامل، خیر و کمال (نیک و بد وغیرہ) کو خود سے ہرگز منسوب نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو فعلِ مستعار^۱ جانتا ہے۔ یہی ”فتائے تام“ (پوری فنا) کے معنی ہیں۔ اور یہی صحیح ”حاصلِ شہود“ ہے۔ اگر صوفی کی نظر اپنے وجود کی جہت اور اپنے مستعار انوار پر پڑتی ہے۔ اس آئینہ کی جہت (کہ وہ عدم ہے، مستور اور پوشیدہ ہو جائے۔ پھر اس سے دعویٰ اَنَا الشَّمْسُ^۲ نکلتا ہے۔ بس یہی راز ”اَنَا الْحَقُّ“^۳ کہنے کا ہے۔ جیسا کہ حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا۔ اگر آں جناب نے اپنی ذات میں مشاہدہ کیا تو وہ یہ کہنے پر خود مجبور تھے۔ لیکن انہوں نے غلبہٴ سکر^۴ کی وجہ سے وجود کی جہت میں دیکھنے کی خطا کی۔ غلبہٴ سکر میں جہت وجود اور عدم جہت کی تمیز

۱ آئینہِ متصل: اَنَا آئینہ ۲ مستعار: عارضی جو کسی کے ذریعے سے حاصل ہو ذاتی نہ ہو۔

۳ اَنَا الْحَقُّ: میں سورج ہوں۔ ۴ اَنَا الْحَقُّ: میں حق ہوں خدا ہوں

۵ سکر: بے ہوشی، مشاہدہٴ تجلیات و غلبہٴ عشق میں خود فراموشی، نشے کی حالت

نہیں ہوتی — چنانچہ اکثر سالک حضرات سے اس راہ میں اس طرح کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔

مکتوب قاضی ثناء اللہ پانی پتی بنام حضرت غلام علی دہلوی:

اے میرے مخدوم! عقلاء (اہل عقل) کا مقولہ ہے کہ وہ ممکن کے ساتھ فی نفسہ (بذات خود) نہیں ہے — تو کیا اس کی علت سے وہ نہیں ہے — پس ”ممکن“ کی اس کی علت سے نسبت کہ جب تک وہ فی نفسہ آئیس (کیا نہیں ہے)، اور جو وجود ثابت ہو، اور ”واجب الوجود“ محقق نہ ہو، موجود نہیں ہوتا — جب موجود نہ ہو تو کسی شے کو اس پر محمول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حمل ایجابی کے لیے وجود موضوع شرط ہے — اس طرح حالت عدم میں کسی شے کا اس کے نفس سے سلب ہونا صحیح ہے۔ پھر زید کو زید نہیں کہہ سکتے — چنانچہ ”ممکن“ کے لیے اس کی علت، اس کی ذات سے سب سے قریب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

”میں اپنے بندے کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہوں۔“

چنانچہ بہتر کلام وہ ہے کہ ”ممکن“ چونکہ اپنے وجود میں ”واجب“ کا محتاج ہے۔ تو وہ بقا میں بھی ”واجب“ کا محتاج ہے یا نہیں — بعض متکلمان واجب اور ممکن کے درمیان کوزہ و کوزہ گر کی نسبت جان کر کہتے ہیں کہ ممکن بقاء میں محتاج نہیں ہے — اس قول سے برخلاف جمہور عقلا (حکمائے اسلام و صوفیاء وغیرہ) خدا تعالیٰ ”صانع کل“ سے ”عالم مخلوق“ کی بے نیازی اور استغنا لازم آتا ہے۔ ”نص قطعی“ عدم وجود کی حاجت پر دلیل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

”اے لوگو! تم اللہ کی طرف فقیر ہو، اور وہ اللہ (بے نیاز) غنی و حمید

• (صاحب تعریف ہے) (پ ۱۳ ع ۱۳ سورہ قاطر)

لہذا اس قول کے قائل اس قسم کی بعض تجدید امثال کے قائل ہوئے — یہاں تک کہ ہمیشہ کی احتیاج ثابت ہو۔ اور واقعی احتیاج کے دوام ثبات اور ان سب تکلفات کی ضرورت نہیں ہے — وہ نسبت جو ”ممکن“ کو ”واجب“ کے ساتھ ہے، کوزہ و کلال کو اس سے کیا مشابہت ہے؟ — کیونکہ کوزے کا مادہ جو عناصرِ اربعہ (آگ، ہوا، پانی، مٹی) ہے۔ کلال کے (مادہ) کی مانند ہے۔ بلکہ وہ کلال سے پہلے خود مخلوق الہی ہے۔ کوزہ بصورت کہ وہ عرض (حادث و فانی) ہے، وہ بھی حق تعالیٰ سبحانہ کی مخلوق ہے — مگر وہ کلال کے ہاتھ کی حرکات اللہ تعالیٰ عزیرحلانہ کی عادت کی بنا پر جاری ہوئی ہیں، اس کی عادتوں کی صورت میں آئیں — پھر یہ حرکات کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کی بناء پر عادتوں میں واقع ہوئیں — یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اس وہم و قدرت اور ارادے کی وجہ سے جو کہ کلال (مخلوق) میں ظاہر ہوا — کلال کو ان حرکات کا کاسب (کرنے والا) کہتے ہیں، نہ کہ وہ اس کا خالق ہے — پس ”ممکن“ اور ”واجب“ کے درمیان کوزہ و کلال کی مانند نسبت خیال کرنا محض غلط فہمی اور عقل کا قصور ہے۔

وَمَا لِلتَّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ

”اور نہیں ہے وہ مٹی کے ساتھ (بنا) اور وہ رب (سب حاکموں کا حاکم) ہے۔“
 بلکہ ”ممکن“ اور ”واجب“ کے درمیان جو نسبت ہے، وہ ”الانیۃ مجہول الکفایت“ (جس کی کیفیت مجہول ہو) سے معلوم ہوتی ہے کہ جو مثال نہیں رکھتی۔ پس اس کی تشبیہ و تمثیل کیا بیان ہو جیسے کہ فرمایا:

وَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ إِلَّا فِي الذَّاتِ وَلَا فِي صِفَاتٍ وَلَا فِي

النَّسَبِ وَلَا فِي الْأَعْتَابِ وَلَا فِي شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ

”کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے لیکن اپنی ذات میں، اور نہ اپنی صفات میں، اور نہ نسب میں، اور نہ اعتبارات میں، اور نہ اشیاء میں سے کسی

شے (چیز) میں — (یعنی وہ ذات پاک ہر طرح بے مثل ہے)۔“

۔ چہ گویم باتو از مرغے نشاندہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم
”میں تجھ سے اس پرندے کا نشانہ کیا بیان کروں کہ جس کا آشیانہ عنقا کے ساتھ
ہو — عنقا تو صرف لوگوں کے سامنے ایک نام ہی ہے۔ (یعنی اس کو کسی نے دیکھا
نہیں ہے) مگر میرے پرندے کا نام بھی معدوم اور گم ہے۔“

اور ”حق“ وہ ہے کہ ”ممکن“ اپنی بقا کے لیے اپنی علت موجودہ کے ساتھ (اس کا)
محتاج ہے — کیونکہ بقا کا مطلب ہے: دوسرے زمانہ میں وجود ہے۔ چونکہ ”ممکن
وجود“ پہلے میں متقاضی^۱ (ہونے کا) نہیں ہے تو پھر زمانہ ثانی میں کیونکہ متقاضی ہوگا —
کیونکہ حقیقت کا تقاضہ زمانوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوگا۔ حقیقت میں زمانہ بھی
موہوم (وہم) ہی ہے — اگر حرکت فلکی کی مقدار ہوتی ہے، نیز حقیقت امکانی کو
متقاضی وجود نہیں کر سکتے۔ حالانکہ یہ مذہب (عقیدہ) باطل ہے۔ کیونکہ فلکِ زمانہ کے
لحاظ سے حادث^۲ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ السَّمَوَاتِ فِي يَوْمَيْنِ (پ ۲۳ ع ۱۵ حم سجدہ)

”پھر ان آسمانوں کو دو دن میں سات آسمان بنایا۔“

آسمانوں کو جو متحرک نہیں سمجھتے، وہ ان کو زمانہ ہی خیال کرتے ہیں، اور صبح و شام
سے فرق ظاہر کرتے ہیں۔ غرض ”ممکن“ دوسرے زمانہ میں بھی وجود کا تقاضا نہیں
کرتا۔ کیونکہ اگر وہ وجود کا تقاضا کرے تو پھر وہ ”ممکن“، ”ممکن“ ہی نہ ہو بلکہ ”واجب“
ہو — پھر اس بات سے قلبِ ماہیت (حالت کا بدلنا) لازم ہو جائے — جیسا کہ
کہتے ہیں:

الْشَيْءُ مَا لَمْ يَجِبْ لَمْ يُوْجَدْ —

”جو شے قبول نہیں کرتی، وہ ایجاد نہیں ہوتی۔“^۳

۱ موجودہ: ایجاد کی ہوئی پیدا کی ہوئی۔ ۲ متقاضی: تقاضا کرتی ہوئی ضروری و لازم

۳ حادث: واقع ہونے والی یعنی فانی ۴ جس میں مادہ قبولیت و صلاحیت نہ ہو۔

اور جو کہا ہے: "الْمُمْكِنُ مَحْفُوظٌ" "بِوَجُوبَيْنِ سَابِقٍ" "لاَحِقٍ"
 "ممکن، سابق ولاحق کے وجوہین سے محفوظ ہے۔"

یہاں اس سے مراد بالغیر ہے۔ یعنی اپنی علت کے تقاضے سے واجب ہے، اپنے نفس و ذات کے تقاضے سے نہیں۔ اس لیے کہ وہ امر محال ہے — پس اس بات سے ثابت ہوا کہ ممکن اپنی بقائے وجود کے لیے صانع تعالیٰ شانہ، کا اس وقت تک محتاج ہے کہ "ممکن" جب تک "واجب" کی طرف سے فیض وجود ہوتا رہے — "ممکن" موجود رہے اور مصدر آثار^۱ ہوا — جب "فیضانِ حیات منقطع (ختم) ہو جائے تو صفحہ ہستی پر پھر اس ممکن کا کوئی اثر و نشاں باقی نہ رہے — لہذا ممکن کا حال و کیفیت اس زمین کے حال کی مثال ہے کہ جو آفتاب کے سامنے اس وقت تک روشن ہو جب تک آفتاب کا سامنا رہے۔ یا چاند اور ستارے باقی رہیں، مگر درمیان میں جب ابرو وغبار آجائے اور وہ (روشنی) کا سامنا نہ رہے۔ پھر اس پر نور و روشنی کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ (جیسا کہ ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں)۔

۔ او جو جان ست و جہاں چوں کالبد کالبد از دے پذیرد آلید
 "چونکہ وہ جان کی طرح ہے، اور جہاں جسم کی طرح — یہ جسم اسی سے زندگی قبول کرتا ہے۔"

چنانچہ ان معنوں میں "ممکن" (کل موجودات) کو ظن واجب کہتے ہیں۔ جیسے کہ آفتاب کا روئے زمین پر (جو ظل ہے) اس کو ظن آفتاب کہتے ہیں — نہ ان معنوں میں کہ ممکن کو واجب کے ساتھ مماثلت و مشابہت ہے — اس وجہ سے اس جگہ ظل کو اصل کے ساتھ کوئی مشابہت و مماثلت نہیں ہے — بلکہ ان معنوں میں، جیسے کہ ظل (سایہ) کی کچھ حقیقت و اصلیت حاصل نہیں ہے، اس کا وجود وہی اصل وجود ہے۔ (یعنی اگر اصل وجود نہ ہو تو ظن یعنی سایہ بھی نہ ہو) — اسی طرح ممکن کا بھی اصل وجود نہیں ہے، اس کا وجود بھی وہی اصل ہے — پس تو نہیں دیکھتا کہ ممکن کی

ماہیت اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اس کا وجود اس "مصدر" کے معنوں میں ہے کہ جس پر "مبداء فیاض" (حق تعالیٰ جل شانہ، فیض و کرم کی ابتداء کرنے والا) نے فیض بخشا ہے۔ یہ ایک امر انتزاعی یعنی اختلافی بات ہے کہ اس سے کوئی چیز منقسم نہیں ہوئی، نہ اس کا وجود وہی نسبت رکھتا ہے جو ممکن کو واجب سے بہم پہنچی۔ وہ بھی نسبت کرنے والوں کے درمیان ایک امر ہے۔ پس "وجود ممکن" بمعنی صابہ الوجودیہ (خود وجود والا) نہیں ہے۔ مگر ذات واجب و حق تعالیٰ و تقدس یا اس کی صفات میں سے کوئی صفت۔ (یعنی حقیقت میں کوئی وجود اصلی سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے موجود نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہے، سایہ ہے، ظل مستعار ہے اور عارضی و فانی ہے۔)

سوال یہ ہے کہ:

"وجود ممکن" بدیہی و ظاہر ہے، جو کہ خدا تعالیٰ صانع مطلق پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ وہ "ممکن وجود" سے ہی صادر ہونے پر اختلاف اور جھگڑا کرتا ہے، اور اس کی موجودیت کا حکم کرتا ہے۔ پس اگر حق تعالیٰ ذات واجب شانہ، کی مضافاً اس اختلاف و نزاع کی ہو تو چاہئے کہ صانع تعالیٰ کا منکر "انتزاع وجود" نہ کرے، اور ممکن کی "موجودیت" کا دعویٰ نہ کرے۔

جواب:

اس بات کا لازم کرنا منع ہے۔ یعنی جو شخص "مضافاً انتزاع" کی خبر نہ رکھتا ہو تو وہ جھگڑا و اختلاف نہ کرے۔ اور ممکن کی موجودگی کا حکم نہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی شخص چاند کو صاف پانی میں یا آئینے میں دیکھے۔ خواہ وہ اپنی نظر آسمان پر نہ کرے، اور اس کی خبر نہ رکھتا ہو، البتہ وہ ضرور پانی یا آئینے کے اندر چاند کی موجودگی کا حکم کرے گا۔ اسی طرح جو کہ ممکن کو دیکھتا ہے، وہ اپنی حماقت یا کند ذہنی اور جبل سے جتنا چاہے اس وجود اصلی کی خبر نہ رکھے، اور حکم کرے۔ حقیقت

۱۔ انتزاع وجود و وجود کا اختلاف و جھگڑا

میں وہ ”وجود ممکن“ کا غایبہ مافی الباب (اصل و حقیقت کی گہرائی) کے لحاظ سے اسی وجود ممکن کو وجود اصل جانتا ہے۔ جیسے طوطی آئینے میں خود کو دیکھتی ہے تو اس کا وجود اس کے وہم میں (آئینے میں بشکل اصلی نظر آتا ہے) اصلی ہی ہے، وہ اس کے ساتھ بولنے لگتی ہے۔ (حالانکہ وہ اس کا عکس و سایہ ہی ہوتا ہے) — اس لیے ثابت ہوا کہ ”ممکن“ کا خزانہ وہم کے سوا کوئی تحقیق اور ثبوت نہیں ہے۔ اس کی کثرت وہی کا وجود ”وجودیت“ کے لحاظ سے (صرف) واحد حقیقی ہے۔ (یعنی اس آئینہ متجلی میں کوئی غیر ہرگز منعکس نہیں ہے)۔ اس وحدت میں کثرت سے کوئی حقیقی خلل نہیں آتا۔ مگر وہ اس کے دامن منزہ لیک نہیں پہنچتا۔ چنانچہ زید کی شکل و صورت جو آئینہ خانہ میں متعدد (بہت سی) نظر آتی ہے، وہ زید صرف ایک ہی زید ہے۔ اسی کی مختلف شکلیں ہیں۔ جیسے کہ فرمایا ہے:

وَهُوَ الْأَن كَمَا كَانَ وَأَعْيَانُ الْعَالَمِ مَا شِئْتُ رَائِحَةُ الْوُجُودِ
 ”وہ جیسا پہلے تھا، ویسا اب بھی ہے، اور میں نے عالم کی حقیقتوں میں (کسی غیر) وجود کی خوشبو نہیں سونگھی۔“

لَا دَمَ فِي الْكُونِ وَلَا إِبْلِيسَ لَا مُلْكَ سُلَيْمَانَ وَلَا بَلْقِيسَ
 فَالْكَوْلُ عِبَادَةٌ وَأَنْتَ الْمَعْنَى يَا مَنْ هُوَ لِلْقُلُوبِ مِقْنَطِيسَ
 ”اس جہان میں نہ آدم ہیں، نہ ابلیس ہے — نہ ملک سلیمان ہے اور نہ بلقیس ہے — سب کچھ عبارت اور الفاظ (ظاہر) ہی ہے۔ اس کی حقیقت و معنی صرف تو ہی ہے۔ اے وہ ہستی مقدس! (تیرے سوا) قلوب کے لیے کون مِقْنَطِيس (باعث کشش و محبت ہے)۔“

اور جب کہ اس وہم و وجود کثرت کا منشاء صرف ”ذات واحد“ واجب تعالیٰ شانہ، یا اس کی صفات قدسیہ ہی ہے، نہ کہ فرض کرنے والوں کا فرض و خیال، اور نہ اعتبار کرنے والوں کا قیاس و اعتبار — اس وہم و ہم سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حقیقت قیاس و اعتبار کرنے والوں کے نفی و انکار سے نفی بھی نہیں ہوتی۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (پ ۳، ع ۱۱)
 ”اے ہمارے رب! تو نے یہ سب غلط و باطل نہیں بنایا۔ تیری ذات پاک
 ہے، تو ہمیں عذاب (نار) دوزخ سے بچا۔“

یعنی مَا خَلَقْتَهُ بِاطْلًا لَا يَتَرْتَبُ عَلَيْهِ الْأَحْكَامُ وَالْآثَارُ بَلْ خَلَقْتَهُ
 ذَلِيلًا عَلَى صَانِعِهِ سَبِيلًا إِلَى مَعْرِفَتِهِ فَإِنَّهُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ
 عَرَفَ رَبَّهُ سُبْحَانَكَ عَنْ كُلِّ مَالٍ ”يَلِيْقُ لِسَانِكَ فَقِنَا عَذَابَ
 النَّارِ الْمُتَرْتَبُ عَلَى عَدَمِ الْعُرْفَانِ وَالْإِيمَانِ“

یعنی ”اس کو اس نے باطل نہیں بنایا۔ ان احکام و آثار کو وہ (بے
 فائدہ) مرتب نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے اس کو (اپنی ذات) صانع (کے
 کمال) پر دلیل و ثبوت بنایا۔ اپنی معرفت کے لیے راہ ہدایت بنائی۔ چنانچہ
 جو اپنے نفس (ذات) کی حقیقت کو سمجھا، اس نے اپنے رب اعلیٰ کو
 سمجھا۔ اس کی ذات ان سب مال و اسباب سے پاک ہے جو کہ اس
 کی شان پاک سے میسر ہوتے ہیں۔ پس ہم کو (اے ہمارے رب!) اس
 ترتیب پائی ہوئی نار (آگ) کے عذاب سے بچا اور محفوظ رکھ۔ جو کہ عدم
 عرفان و ایمان کی وجہ سے سزاوار ہوتی ہے۔“

اے مخدوم! جبکہ ”ممکن“ اور ”واجب“ کے درمیان نسبت اس طرح تحقیق ہوئی کہ
 اس کا وجود (حقیقت کی نظر سے) وہی ذات تعالٰی و تقدس ہے۔ چنانچہ ”صوفیاء
 وجودیہ“ اپنے غلبہ سکر میں اس کثرت وہی کو ”عین واجب“ کہتے ہیں۔ ان کو
 شدت سکر (بے خودی) میں اس کی عدم ذات نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے وہ ”ہمہ
 اوست“ (سب وہی ہے) کے قائل ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

ہم سایہ و ہم نشین و ہمراہ ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
 ”ہم سایہ و ہم نشین و ہمراہ ہے وہی۔ اللہ! وہ سب کچھ ہے، ہے سب
 کچھ وہی ہی۔“

لیکن وہ ”مرتبہ تزییہ“ کو علیحدہ ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں:
 ”در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست
 ”تہائی و خلوت کی انجمن میں اور گھر کے مجمع و محفل عام میں چھپا ہوا واللہ وہی ہے
 اور واللہ وہی ہے۔“

”نہاں خانہ جمع“ مرتبہ تزییہ سے عبارت و مقصد ہے۔ اگر کوئی ”مرتبہ تزییہ“
 کی نفی کرے، اور وجود کو کلی طبعی کی طرح اس کثرت کو منحصر جانے تو وہ طمد ہے۔
 ”صوفیاء شہودیہ“ نے چونکہ صحو و افاقت حاصل کر لی ہے، اسی وجہ سے وہ وحدت حقیقی کے
 شہود کا اس کثرت وہی میں حکم کرتے ہیں۔ اور وہ ”ہمہ از اوست“ (سب کچھ اسی سے
 ہے) کہتے ہیں۔ گہری نظر سے جب غور کریں تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سب نیست و
 فانی ہیں۔ صرف وہی حسی و قیوم اللہ تعالیٰ جل شانہ موجود ہے۔ جیسا کہ خود اللہ
 تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

”سوائے اس کے (رخ روشن کے) تمام اشیاء ہلاک ہونے والی ہیں۔“

اور حدیث پاک ہے:

إِنَّ أَصْدَقَ الْقَوْلِ قَوْلُ اللَّبِيدِ: إِلَّا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ

جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بے شک سب سے سچا قول شاعر عرب کبید کا یہ ہے:

”سوائے اللہ تعالیٰ کے سب اشیاء باطل ہیں۔“

یہ دلیل اس مدعا و مقصد پر ہے کہ اس کے لیے ”ہالک و باطل“ بمعنی ”اس
 کے ہلاک ہونے والی“ یا ”باطل ہو جائے گی“۔ اس مدعا پر ان معنوں میں دلیل
 ہے کہ وہ پہلے ہلاک و معدوم تھیں، وہ پھر باطل ہو جائیں گی۔ ہالک و باطل بہنا مجازاً
 ہے اور تکلف سے ہے۔ حقیقی معنی تو اس سے ظاہر ہیں کہ ہالک و باطل فی الحال
 بلکہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔

اے میرے مخدوم! بات یہ ہے کہ ”ممکن“ کو ”واجب“ کہا جائے گا۔ یہ ”صوفیاء“ وجودیہ“ کے نزدیک ہے۔ اور ”گروہ شہودیہ“ کے نزدیک باصفات واجبہ یعنی ”اعیان ثابتہ“ کے ساتھ کمالات واجبہ نے ”حضرت علم الہی“ میں اجمال و تفصیل کے ساتھ ظہور پایا ہے، وہ مشہود (مظاہرات) ہزئے۔ پس ان صفات خاص کو ”عین ذات“ کہتے ہیں۔ بے شک اس لیے ان کو ”ہمہ اوست“ (سب وہی ہے) کہنا گراں نہ ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو چونکہ جذب بصیرت کا ملہ عطا ہوئی تھی، جناب موصوف نے ذات مقدس حق تعالیٰ جل شانہ، کو تمام عالموں سے غنی و بے نیاز مشاہدہ کیا۔ صفات کو دو مرتبہ دیکھا اور عین ذات بھی کہا۔ شیون اعتبارات (مظاہر و شان) سے تعبیر نرمائی، اور اسے ذات پر زائد بھی کہا۔ چنانچہ اہل سنت و جماعت اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کی سعی مبارک کے قابل ہو گئے ہیں۔ یہ آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ سے بھی ظاہر ہے، اور ”ممکنات“ کی کسی ایک کے ساتھ بھی۔ ذات و صفات حق تعالیٰ کے مراتب و شان سے مذکورہ بالا نسبت واسطہ نہیں پائی۔ ان پر ایک دوسرا ہی عالم ظاہر ہوا۔ اس کو انہوں نے ظلال (سایہ) سے موسوم کیا۔ وہ ”اعداد اضافیہ“ ہیں، یعنی نقائص لصفات الہیہ جل عظمیٰ، جو مقابلہ کی وجہ سے ”حضرت علم الہی“ میں ثبوت و تقرر یافتہ ہیں، ممکنات کے اس مرتبہ ”ظلال“ سے مذکورہ نسبت ظاہر ہوئی۔ ”حقائق ممکنات“ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ دائرہ ظلال کا ظاہر ہوئیں۔ (یعنی حضرت موصوف کو اس دائرہ ظلال کا جسے دوسرے ”حقائق ممکنات“ کہتے تھے، مشاہدہ ہوا۔ اور یہ حقیقت ان پر اس طرح روشن ہوئی۔) اس لیے (لازمی طور سے) ”بے شک وہ حقائق سبحانہ، سب اعلاؤں سے اعلیٰ، پھر سب اعلیٰ سے اعلیٰ ہے۔“ ان کی زبان مبارک پر جاری ہوا۔ کمال ادب و خوف کی وجہ سے ان کی زبان پر ”ممکن و واجب“ سوائے نسبت خالقیت و مخلوقیت“ کے اور کچھ جاری نہ ہوا۔ جیسا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ سَبْعُونَ أَلْفَ حِجَابًا مِنْ نُورٍ وَظَلَمْتُ لَوْ كَشَفْتُ لِأَخْرَقْتُ
 سُبْحَانَ وَجْهَهُ مَا أَتَّهَى إِلَيْهِ بَصْرَةٌ مِنْ خَلْقِهِ
 ”بے شک اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار حجابات نور و ظلمات کے ہیں۔ اگر وہ کھل
 جائیں تو (سب کو) جلادیں۔ اس کی ذات پاک اعلیٰ ہے۔ مخلوق کی
 نظروں میں کوئی انتہا نہیں ہے، جو آسکے۔“

سوال یہ ہے کہ:

پہلی تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ ”ممکن“ کو ”واجب“ کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ وہ
 نسبت ”وجود ممکن“ کا سبب ہے مصدر کے معنوں میں اور بیان کے علاقے کے
 ساتھ — ذات واجب کی نسبت یا نسبت صفاتی۔ صفات حق تعالیٰ (ظاہر کرنے)
 سے ”وجود ممکن“ وجودیت والا قرار پایا۔ اسی نسبت کے علاقے سے زبان شرع شریف
 میں ”واجب کو خالق“ اور ”ممکن کو مخلوق“ کہتے ہیں — گروہ صوفیاء کی اصطلاح میں
 ”واجب کو اصل“ اور ”ممکن کو ظل“ کا نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ
 الرحمہ کے مذہب و عقیدہ سے ہے — ظلال ممکنات کی وہ نسبت نہ ذات سے ہے نہ
 صفات سے۔ بلکہ وہ دائرہ ظلال مغائر ذات و صفات ہوتے ہیں۔ اور اعدام اس کے
 مفہوم میں داخل ہوتے ہیں — اس وجہ سے لازمی بات ہے کہ ظلال ممکنات سے
 ہوں۔ اور یہ محال ہے اور نص قطعی (قرآن) کے خلاف ہے یعنی

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

”نہیں ہے کوئی معبود (سوائے اس کے) لیکن وہ خالق (پیدا کرنے والا) ہے

تمام اشیاء کا۔“

جواب:

جو چیزیں ظلال (سایہ) کے مفہومات میں داخل ہیں، اعدام سے بھی وہی مراد
 ہے۔ جو کہ صفات کمال سے متضاد حیثیت رکھتی ہیں۔ جیسے:

”موت و جہاں — عجز و مجبوری — ناپیما، بہرا اور گونگا وغیرہ“

جو کہ اپنے متضاد کے ساتھ مرتبہ علم میں مقرر ہوں۔ یعنی:

”ذات — علم — قدرت — سمع — بصر اور کلام وغیرہ

منابلہ کے سبب ظہور پذیر ہوئے — یعنی ”ضدین ایک ملاحظہ سے ملحوظ ہوئے

ہیں، اور یہ ظلال کے نام سے موسوم ہوئے — اس میں شک نہیں کہ یہ معدوم علمی

شکلیں دریا ئے علم الہی کی ایک موج ہیں۔ اس میں امکان و حدوث (یعنی ہونے نہ

ہونے) کو کوئی گنجائش نہیں ہے۔ صفت علم کے ساتھ اس کی مغائرت (فرق و اختلاف)

حقیقی نہیں اعتباری ہے — جب یہ کہا جاتا ہے کہ ظلال و مغائرت ذات و صفات

ہوئے اور اعدام ان کے مفہومات میں داخل ہوئے، اس لیے لازمی ”ممکنات“ سے

ہوں گے۔ یہ مقدمہ ممنوع ہے — کیا تم نہیں دیکھتے کہ صفات مغائر ذات ہیں، اور

وہ ممکنات سے نہیں ہیں۔ تعدد و کثرت اور قدامت مستقلہ محال ہے، نہ تعدد ذات و

صفات — مغائرت ذات و صفات سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک عقل میں جدا جدا آتی

ہیں۔ ہر ایک کا دوسرے پر محمول و قیاس کرنا موافقت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ نہ ہی

یہ بات ہے کہ وہ بظاہر خارج میں ہر ایک مستقل ہو، ہر ایک دوسرے سے جدا ہو سکے۔

اس متغائر و مختلف قسم کو اہل کلام (اشعری) کی اصطلاح میں لاعین اور لاغیر (نہ

حقیقت اور نہ غیر) کہتے ہیں — جب تو نے صفات کا حال ذات کے ساتھ معلوم

کر لیا، اسی طرح سے ظلال کا حال ہے جو صفات کا دریا ئے علم کے ساتھ ہے۔

اے میرے مخدوم! مذکورہ نسبت جو کہ خالقیت اور مخلوقیت کی صحیح نسبت ہے، اور

جس قدر ممکن کی نسبت حق تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ”ظلال“ سے بیان کی گئی ہے،

درحقیقت وہ نسبت اس کی ذات سے ہے — ”وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک

نہیں“۔ صفات و ظلال حجابِ سجنجلی سے زیادہ نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے خود فرمایا:

اللَّهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۗ

الْمِصْبَاحُ فِي رُجَاةٍ ۗ وَالرُّجَاةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ۗ يُوقَدُ مِنْ

شَجَرَةَ مَبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ ذَيْتُهَا يُضِيءُ، لَوْ
 لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۖ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۗ
 وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ﴿۱۱﴾ فِي بَيِّنَاتٍ
 أَذْنُ اللَّهِ أَنْ تَرْفَعُ وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ لَا يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْعُدْوِ
 وَالْأَصَالِ (پ ۷، ع ۱۱)

”اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے
 جیسے کہ طاق میں چراغ رکھا ہو، اور وہ قندیل گویا چمکتا تارا ہے۔ وہ چراغ
 اس مبارک درخت زیتون سے جلایا جائے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی اور
 قریب ہے کہ اس کا تیل جل اٹھے، اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے، روشنی
 پر روشنی ہوتی رہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے نور سے ہدایت دے۔ اور
 اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر شے کو جانتا
 ہے۔ وہ چراغ ان کے گھروں میں ہے جن کے بلند کرنے کا اللہ نے حکم
 دیا ہے۔ اور یہ کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور وہ اپنے گھروں میں صبح و
 شام خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔“

یہ آیت مبارکہ شَجَرَةَ مَبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ (زیتون کا مبارک درخت) کہ یہ چراغ
 روشنی کا سبب ہے، یہ مرتبہ ذات سے متعلق کنایہ ہے۔ اس کے لیے شرقی ہونا یا غربی
 ہونا لازمی نہیں ہے۔ وہ (ذات مقدس و بے نہایت) تو ہمہ جا اور ہمہ رخ ہے۔ یعنی
 جدھر تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے۔ — جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:

وَيَكَادُ ذَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ

”اور قریب ہے کہ اس کا تیل جل اٹھے، اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے۔“

اس آیت کریمہ کا کنایہ (اشارہ) شیون و اعتبارات کے مرتبہ سے ہے۔ اس لیے
 کہ وہ مرتبہ ذات سے شامل ہے۔ — اور مبصباح ”کا کنایہ بھی مرتبہ صفات سے ہے
 کہ وہ ذات مقدس پر زائد ہے۔ وہ بہت سے آثار اور نشانیوں کے ظہور کا مصدر ہوا

ہے۔ زُجَاجِجَہ (ششے کا ققمہ) کا کنا یہ مرتبہ ظلال سے ہے اور مُسْکُوۃ کا کنا یہ عالم امکان سے تعلق رکھتا ہے۔

غرض کہ حاصل یہ ہے کہ نور شجر مبارک نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار ذات کے ذریعے مصباح صفات کے شیونات کو روشنی بخشی، — مصباح صفات (چراغ صفات) کے توسط سے ظلال (سایہ) کے زجاجہ (ششے کا ققمہ) کو درخشاں کیا — کَانَهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ یعنی جگمگاتے ہوئے موتی جیسے ستارے کی مانند بنا دیا — اور اس زجاجہ کے ذریعے ظلمت عالم امکان کے ظلال اور ظلمت کفر کو مومنین کے شیون اور قلب کی قدیل سے دور کر دیا — اور اسی طرح ظلمت غفلت اور شرک خفی کو عارفین کے قلوب کی قدیل سے دور کر دیا۔ (یعنی اس کے ذریعے مومنین و عارفین کے دلوں کو مصفا کر کے منور بنا دیا۔) اور پھر نُورٌ "علیٰ نُورٍ مُنصَّرٍ ظہور میں آیا — ارشاد باری ہے:

يَهْدِي اللهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ

"اللہ تعالیٰ اپنے نور سے جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔"

یہ آیت عارف کو ہدایت کرنے سے عبارت ہے۔ یہ مراتب نور و معرفت اور نور ذات کے پھیل جانے سے تمام مراتب شیون و صفات اور ظلال و ممکنات اور اسم ذات میں ایراد سے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

"اللہ تمام زمین و آسمانوں کا نور ہے۔"

اس وجہ سے دلیل واضح ہے کہ وہ ذات مقدس ہی تمام اشیائے عالم میں وجود والی ہے نہ کہ کوئی اور شے (یعنی کسی اور شے کا تو وجود حقیقی ہی نہیں ہے) اے میرے مخدوم! پہلی تقریر میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب تک ممکن کو علت سے نسبت میسر نہ ہو، حمل اولیٰ (اول قیاس) بھی اس سے ساقط و خارج ہو جاتا ہے۔ پھر زید کو زید نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ ذات ممکن سے علت ممکن، بذات ممکن سب سے قریب

ہے۔ اس آیت مبارک کا معنی:

نُحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

”ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

کایہ انکشاف و ظہور ہوا — اہل عقل کے نزدیک جو قاعدہ مقرر ہے کہ
”ذات سے (قریب) کوئی چیز دوسری چیز کے مساوی نہیں ہو سکتی، (جبکہ)
پہلی زیادہ قریب ہے۔“

اصل اور ظل میں یہ قاعدہ مفقود ہے، بلکہ ظل کے مقابلے میں اصل، ذات ظل
سے قریب تر ہے — چنانچہ یہ جاننا چاہئے کہ ذات ظل سے جب اصل قریب تر ہے،
تو اسی طرح اصل الاصل کی اصل بھی سبب سے قریب تر ہے۔

پس ”ذات بحت“ حق تعالیٰ یعنی ذات واجب، شیونات سے ممکن کے قریب تر
ہے — اور شیونات صفات سے اس سے قریب تر ہیں — اور صفات اس سے
ظلال سے قریب تر ہیں — اور ظلال اس سے اس کی ذات سے قریب تر ہیں۔

اور جو کچھ حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ:

”حق سبحانہ، تعالیٰ وراء الوراہ ثم وراء الوراہ“

تو یہ اعلیٰ ہونا مراتب قرب میں ہے نہ کہ مراتب بعد (دوری) میں — چنانچہ
وہ ذات مقدس ”وجدان“ میں دور ترین ہے، اور وجود میں قریب ترین ہے —
حقیقت میں وہی اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

اے میرے مخدوم! چنانچہ ذات بحت اور عالم امکان کے درمیان ظلال و صفات،
حجاب سجنجلی سے زیادہ معلوم نہیں ہوتے — اسی طرح بندوں کے افعال
اختیاریہ کے درمیان قدرت و ارادت، اور حق تعالیٰ جل شانہ، کے درمیان حجاب
سجنجلی سے زیادہ سمجھ میں نہیں آتی ہے — اس مقام پر مسئلہ ”جبر و قدر“ کو سمجھنا
چاہئے۔ چنانچہ حرکت ارادی و اختیاری اور حرکت ارتعاش (مجبوری) کے درمیان فرق
ظاہر ہے، اور وہ بندے کے وجود کی قدرت پر مبنی ہے — اس قدرت کو حق تعالیٰ نے

اپنے بندے کے اندر پیدا کیا ہے، اسے اپنی قدرت کاملہ کا حجاب بنایا ہے۔ وہ اس کے اختیار پر لٹی نہیں کرتا۔ اگرچہ حقیقت میں اختیار حقیقی اسی قادر مطلق کو باطن حاصل ہے، مگر وجود ظاہری محض آلہ و بے اختیار نہیں۔ لہذا مذہب جبریہ باطل ہوا۔ کیونکہ:

☆ — بندے کو اختیار بھی دیا ہے،

☆ — بندہ مجبور بھی ہے،

☆ — نیک و بد کی سمجھ بھی دی ہے۔

چونکہ بندے کی ناقص قدرت حجاب سجنجلی سے زیادہ نہیں ہے، اس رو سے مذہب قدریہ باطل ہوا۔ حق تعالیٰ سے خلق کی نسبت اور بندے کے کسب کی نسبت کہ وہ اس حکم الہی سے مستفید ہے:

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ
”تم کو پیدا کیا اور تم نے عمل نہیں کیا۔“

اس آیت سے یہ بات ثابت ہے۔ قدرت کاملہ کو اس حجاب سجنجلی میں جب فعل و اختیار کے ساتھ ثابت کرتے ہیں، تو ان کے نزدیک اس فعل سے تو ہم قدرت ہے نہ کہ حقیقت قدرت ہے۔

سوال یہ ہے کہ:

جو کچھ پہلی تقریر سے واضح ہوا وہ یہ ہے کہ عالم امکان میں کوئی شے وجود حقیقی نہیں رکھتی، یہ تمام ایک وہی دائرہ ہے۔ اس لیے فعل کے ساتھ قدرت حقیقی اور فعل سے پہلے قدرت وہی کیا معنی رکھتی ہے؟

جواب:

عالم کی بنیاد وہم پر یقین پذیر ہوئی ہے، اس لیے اسے ”قدرت حقیقی“ کہتے ہیں۔ فعل سے پہلے وہم کا موہوم کرنا غیر یقینی ہے۔ چنانچہ اسے ”توہم قدرت“ کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ:

مناط تکلیف علماء کے اتفاق سے ”حقیقت قدرت“ نہیں بلکہ ”توہم قدرت“ ہے۔ چنانچہ قدرت میں اگر مناط تکلیف واقع ہوئی تو غیر یقینی کائناتِ اغوال (وہمی) بھی قابل اعتبار ہوئی۔ اور جس کی تکلیف حقیقی (لازمی ہوتا) ہو، اسی طرح وہ بھی اس وجہ سے جائز ہو کہ وہم و خیال کو ممنوعہ اشیاء تک رسائی و پرواز حاصل ہے۔ ممکنات میں جیسے وہم بطریق اولیٰ۔ ورنہ ”حج بیت الحرام“ اور ”زیارت بیت المعمور“ کی قدرت کا وہم (کہ وہ ساتویں آسمان میں ہے) یکساں و برابر ہیں۔ کیا پھر ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؟

جواب:

اول تو یہ بات کہ ضروری و حقیقی تکلیف جائز ہے، لیکن تفصیل سے واقع نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ہے:

وَلَا تَحْمِلُنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا

”اے ہمارے رب! تو ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال۔“

جو اس کے عدم وقوع کے جواز پر دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ ”توہم قدرت“ سے مراد جو مناط تکلیف ہے، تو بات یہ ہے کہ جبر یہ کے نقطہ نظر سے قدرت کا وہم عادتاً ہوتا ہے اور فعل کا واقع ہونا اور۔۔۔ قدرت کہ بندے کا اختیار ظاہری طور پر حال کا متحمل ہوتا ہے۔ لہذا جبر یہ پر زیارت و حج بیت الحرام کا اعادہ (اگر) مقدر میں ہو تو فرض ہے، جبکہ زیارت بیت المعمور فرض نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی زیارت بیت المعمور کرنے کی قسم کھائے تو امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک امکان حقیقی کی نظر سے اس کے صاحب کے خلاف یقین منعقد ہوگا۔ اور نظر بر امتناع عادی فوراً حائث ہوگا اور اس پر کفارہ لازم آئے گا۔۔۔ ظاہری حال پر نظر سے ابو جہل کا ایمان لانا واجب ہوا، مگر اس کے ترک سے وہ کافر ہوا۔ مگر یہ کہ علم ازل (الہی) میں ایمان لانا اس کے

مقدر میں ہی نہ تھا۔ اگر وہ ایمان لاتا تو جہل پر علم کا انقلاب لازم ہوتا۔ لہذا اس اعتبار سے اس کا ایمان لانا محال تھا۔ باقی اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

مکتوب قاضی ثناء اللہ یانی پتی علیہ الرحمہ بنام شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمہ:

محققان طریقت نے اس طرح فرمایا ہے کہ انسان دس لطیفوں سے مرکب ہے:

(۱) — پانچ عالم خلق (دنیا و جہان) سے متعلق ہیں۔ ان میں چار عناصر و نفس حیوانی کہ، وہ ایک جسم لطیف ہے۔ یہ جسم کثیف کے ہر عضو میں سرایت رکھتا۔ وہ عناصر اربعہ سے کوئی شے نہیں ہے، بلکہ اپنی لطافت کی جہت سے خود آئینہ مصفا ہے۔

(۲) — دوسرے پانچ لطیفے عالم امر سے متعلق ہیں چنانچہ آفتاب آسمان پر ہے، اور مقابلہ صفائی کی وجہ سے شیشے کے آئینے میں آفتاب کا عکس ظاہر ہوتا ہے۔ نور حرارت اور آفتاب کے رنگ آئینے میں نظر آتے ہیں۔ حالانکہ آفتاب نے اپنے اوج و بلندی سے نیچے اترنا نہیں کیا ہے۔

اسی طرح لطائف عالم امر: قلب و روح، سروخنی و انہی — ان کا مقر و مقام بلندی عرش پر ہے۔ جیسے کہ آیت کریمہ ہے:

الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

”کہہ دیجئے اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روح امر حکم ربی سے ہے۔ اور نہیں دیا گیا ہے تم کو علم سے لیکن کم۔“

اس کی شان میں ہے کہ وہ (روح) اس (نفس حیوانی کے) آئینہ بھلی میں منعکس ہوئی اور اس کے آثار و مظاہر کی شکل و صورت، نفس حیوانی کے ذریعے سے جسم انسانی میں ظاہر ہوئی۔ احادیث مقدسہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے کہ ملائکہ الموت:

☆ — روح انسانی کو جسم سے نکالتے ہیں اور حلہ ہائے ہشتی پہناتے ہیں۔

☆ — یا اگر وہ بندہ گناہ گار ہو تو اسے دوزخ کی آگ (موج) سے پوشیدہ کر دیتے

ہیں۔

یہ سب احوال نفس حیوانی کے متعلق ہے کہ وہ روح علوی (آسمانی یا بالائی) سے

مرکب ہے۔ کیونکہ لباس کا پہنانا بغیر جسم و بدن کے تصور میں نہیں آ سکتا۔

پس یہ جاننا چاہئے کہ جب تک انسان کے لطائف عشرہ پاک و صاف نہ ہوں، وہ ہرگز تجلیات ربانی کے لائق نہیں ہو سکتے۔ لہذا دوسرے طریق میں پہلے تزکیہ (صفائی و پاکی) لطائف عالم خلق کی سعی کرتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدات اور جذب شیخ کامل کے ذریعے تصفیہ لطائف (عالم خلق کی صفائی) تو میسر ہو جاتی ہے، مگر لطائف عالم امر ابھی مکدر ہوتے ہیں۔ صوفی ان ظلمات و کدورت کی صفائی اور تزکیہ اپنے آپ سے باہر خواب اور معاملہ آفاق میں مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ

☆ — یا تو کوئی ستارہ دیکھتا ہے،

☆ — یا چاند یا آفتاب کو ناقص و کامل نظر آتا ہے۔

اسے ”سیر آفاقی“ (عالم بالا) کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ ”سیر انفس“ کرتا ہے۔ تزکیہ باطن کے ذریعے ”عالم امر“ میں رسائی حاصل کرتا ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں پہلے تزکیہ عالم امر میں پرواز کرتے ہیں، اس کے انوار اپنے قلب و روح اور سر خود اپنے آپ میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے ”سیر نفسی“ کہتے ہیں۔ اسی کو ”سفر در وطن“ بھی کہتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

سَتَرْنَاهُمْ اَكْثَنًا فِي الْاَفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ

”میں اپنی نشانیاں ان کو آفاق (عالم) میں اور ان کی ذات و نفس میں دکھاؤں گا۔“

صوفیاء کرام کے نزدیک یہ اس کا اشارہ و کنایہ ہے۔ اس کے اندر دو سیریں ہیں۔ کیونکہ قدمائے سلسلہ نقشبندیہ لطائف عالم امر کے تزکیہ کے بعد تصفیہ نفس و عناصر کرتے ہیں۔ مجددیہ سلسلہ والے دونوں کو باہم مخلوط کرتے ہیں۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ خارج میں ذات حق تعالیٰ موجود ہے۔ حق تعالیٰ کے سوا خارج میں کوئی شے موجود نہیں ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق صفات ثمانیہ حقیقیہ، حقیقت میں بھی خارج میں موجود ہیں، اور دیگر صفات بھی ان معنوں میں موجود ہیں کہ شان و

صفات کی اضداد کا منشا و مقصد خارج (زمانے) میں موجود ہے۔ صوفیاء وجودیہ ذات مقدس پر صفات زائد نہیں مانتے — خارج میں ذات حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا اثبات اور وجود شمار نہیں کرتے۔ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اقدس و اعلیٰ نے جب اپنی ذات و صفات کو مجمل طور سے جانا تو اس مرتبہ اجمال علمی کو ”وحدت“ کہتے ہیں — جب تفصیل سے جانا تو اس مرتبہ تفصیل علمی کو ”واحدیت“ کہتے ہیں۔ مرتبہ تفصیل کے عکسوں کو کہ وہ بھی مرتبہ علمی میں تحقق ہیں ”تعیین روحی“ اور ”تعیین مثالی“ اور ”تعیین جسدی“ کہتے ہیں — ان تنزلات خمسہ کو اور حضرات خمسہ کو جیسے کہ عکس و ظلال کو عین ذی ظل کہتے ہیں۔ کہ وہ صفات ہیں۔ صفات کو زائد برذات نہ جانیں بلکہ عین ذات جانیں۔ اس لیے وہ ”ہمہ اوست“ کے قائل ہوتے ہیں۔ جب خارج میں سوائے ذات (حق) اور کچھ موجود نہ جانیں تو کہتے ہیں کہ ”خارج میں حق کے علاوہ میں نے (کسی غیر) وجود کی خوشبو نہیں سونگھی“ — حضرت مجدد علیہ الرحمہ اور ان کی طرح دوسرے بزرگ کہ جو زیادہ قوی بصیرت رکھتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ:

”صفات عین ذات نہیں ہیں، بلکہ وہ ذات برذات ہیں۔ کیونکہ ذات صفات کی محتاج نہیں ہے۔“

فرض کیا کہ صفات ذات کے ساتھ نہ ہوں تو تمام صفات کے کام بھی ذات ہی سے سرانجام ہوں — چنانچہ ذات اپنی ذات کی حیثیت سے بے شک کار علمی کرتی ہے۔ اسی طرح سے شان حیوۃ و القدرۃ اور سمع و بصر اور ارادہ و کلام اور تکوین صفات گویا یہ سب شیونات کے فروعات اور ان کے عکس ہیں — غرض کہ اعتبارات سمع و بصر وغیرہ جو ذات میں ہیں، ان کو شیونات کہتے ہیں۔ یہ سب صفات زائدہ کے عکس اور فروعات شان ہیں — حکماء و صوفیاء وجودیہ انہی شیونات و اعتبارات کو (کہ وہ عین ذات ہیں) صفا کہتے ہیں — مگر وہ صفات زائدہ نہیں کہتے اور نہ ثابت کرتے ہیں۔

یہ اعتبارات و شیونات باہم مترادف (یکساں و برابر ہیں)، مختلف اور غیر نہیں ہیں — چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ صفات کے تغیر و اختلاف کے باوجود ذات سے ممکن کو (کہ وہ شر و برائی کا مقصد نہیں) صفات کا عکس نہیں کہتے۔ اس وجہ سے ادب و احترام کرتے ہیں کہ کناس خسیں کو صفات مقدسہ کی حکایت کرنے والا کہیں۔ مگر جماعت معصومین یعنی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ علیہم السلام کو عالی صفات مظاہر جانتے ہیں — لہذا عصمت (چونکہ) ان کی خاصیت ہے اور دوسرے اس دولت و نعمت سے مشرف نہیں ہیں۔ بلکہ وہ صفات کے ظلال کے عکس ہیں۔ جس کا مطلب ”اضداد صفات“ سے ہے۔ جو کہ مرتبہ علم میں موجود ہیں۔ وہ ضدیت کے مقابل ہونے کی وجہ سے انوار صفات سے منور ہوئے ہیں۔ وہ ظلال مرئیات (مظاہرات) مبادی (ابتدا) تعینات ممکنات ہیں — حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک خارج حقیقی میں سوائے ذات واحد و صفات ثنائیہ (آٹھ) کوئی شے موجود نہیں ہے۔ لیکن خارج میں کہ ظل خارج حقیقی ہے — حق تعالیٰ نے ظلال کے عکسوں کو وجود ظلی (سایہ) سے موجود بنایا، اور اپنے احکام کا فشاء اور اپنی ”قدرت کاملہ“ کے آثار (نشانیوں) بنایا — اس صورت میں ”ہمہ اوست“ (سب وہی ہے) کہنا خطا ہے، بلکہ ”ہمہ از اوست“ (سب اس سے ہے) کہنا چاہئے — جبکہ

- ☆ — عالم عکس و ظلال ہیں،
- ☆ — ظلال، عکس صفات ہیں،
- ☆ — صفات، عکس شیونات ہیں،
- ☆ — شیونات، ظاہر ذات ہیں،
- ☆ — ذات حق تعالیٰ ”ذات ممکنات“ سے ممکن کے ساتھ قریب تر ہے اور صفات بھی۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ:

”ہر چند مختلف (چیزوں) میں سے ایک، دوسری مختلف چیز سے زیادہ قریب نہیں ہو سکتی۔“

عقل متغائر و مختلف اشیاء کے درمیان قریب تر ہونا تصور نہیں کر سکتی۔ لیکن کشف^۱ کی نظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظل کی نسبت اصل، ذاتِ ظل کے قریب تر ہے۔ اور ظل کی نسبت ”اصل الاصل“ نفس ظل اور اس کی اصل سے قریب تر ہے۔ اسی طرح ظل کی نسبت اس کی اصل سے، اور اصل کی اصل سے ”اصل الاصل“ کی اصل زیادہ قریب ہے۔ اگر تو یہ چاہے کہ مدعی کو قائل معقول کر لے تو اس تقریر سے تو اس کو قائل کر سکتا ہے۔ کیونکہ قبول کرنے کے لیے وجود موضوع شرط ہے۔ لیکن موضوع کے نہ ہونے کے وقت پہلا قیاس (حمل) صحیح نہیں ہے، اور سلب بسیط یعنی پوری طرح جذب کرنا یعنی اچھی طرح قائل کرنا (صحیح ہے) — زید کے نہ ہونے کے وقت ”زید“ کہنا سچا نہیں ہے، اور زید کے ساتھ، زید نہیں ہے صادق ہے۔ لہذا پہلے تو یہ چاہئے کہ زید کو اپنی علت (عادت یا وجہ) سے نسبت حاصل ہو کہ وہ اس کے وجود کا نتیجہ (ثبوت) ہو۔ پھر زید کو زید کہنا درست ہے۔ چنانچہ اس کی ذات سے اس کی ذات پر قیاس کرنے پر نسبت اس کی علت سے پہلے ممکن ہے۔ چنانچہ علت ذات سے قریب تر ہے۔ یہ تمام تقریر و گفتگو، قلب مشکک (شک کرنے والے) کے اطمینان کے لیے ہے۔ وگرنہ یہ آیت کریمہ:

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

”ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

ایمان بالغیب کے لیے کافی ہے۔

اے برادر! واجب کی اقرابت کے باوجود ممکن کی نسبت اس کی ذات سے یہ ”ممکن“ واجب سے دور ہوا ہے۔ واجب و ممکن کے درمیان حجاب ہے اور واجب سے غفلت ہے۔ علم کے بغیر واجب کا ممکن سے تعلق، خواہ وہ علم حصولی ہو کہ بغیر علم کے تعلق رکھے۔ یا علم حضوری کہ اس کی ذات مقدس سے تعلق رکھے۔ شاید کہ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک حجاب النور علم سے نور کا حجاب اس کی طرف کنایہ ہو۔ کیونکہ نور کے ساتھ علم کی تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

”بے شک اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب (پردہ) ہیں۔“

یعنی جب تک یہ حجابات دور نہ ہوں، جمالِ حق کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اشارہ دونوں قسم کے حجابات سے ہے کہ:

☆ — اول: حجاباتِ غفلتِ ظلماتی

☆ — دوسرے: حجابِ علم

حجابِ علم، حجابِ نورانی سے متعلق ہے جیسے کہ

”الْعِلْمُ حِجَابُ الْأَكْبَرِ“ ”علم سب سے بڑا حجاب ہے۔“

حجابات کا دیکھنے والا دائرہ ظلال سے عبارت و مطلب ہے۔ کیونکہ اسمِ ہادی نورانی ظلال رکھتا ہے اور اسمِ المضل کا ظلال ظلماتی ہے۔ حق تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور اولیائے حق کو ان کا نائب مقرر فرمایا۔ تاکہ وہ ہدایت و موعظت کر کے مخلوق کے درمیان سے حجابات دور کریں اور سالکانِ طریق (راہِ حق) پر چلنے والے) کے دلوں میں محبتِ الہی کی آگ روشن کریں۔

”عشق آں شعلہ است کاں چوں برفروخت ہرچہ جز معشوق بد کلی بسوخت
”عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑکا تو محبوب کے سوا ہر شے کو بالکل جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

”جو انسان جس سے محبت رکھتا ہے، اس کے ساتھ ہوگا۔“

جب حق تعالیٰ کی ذات کی حقیقت حاصل کرے تو بندہ خدائے تعالیٰ سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ یہ قرب جو حاصل ہو تو یہ مراتب غیر متناہی^۱ سے متعلق ہے، اور یہ ارشاد باری:

”میں اپنے بندے کو نہیں گراتا ہوں اور اس کو نوافل کے ساتھ اپنے سے قریب کرتا ہوں۔“

پس جبکہ بندے کو قرب الہی میسر ہوتا ہے تو عالم مثال میں اس کا ظلال بصورت دائرے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور وہ خود کو عالم مثال میں دیکھتا ہے۔ وہ عالم بالا میں اس حد تک سیر کرتا ہے کہ وہ دائرہ ظلال میں پہنچ کر اس دائرے میں خود کو داخل جانتا ہے۔ وہ ظلال کے رنگ سے بھی کم تر اور بہت زیادہ مضحل و فانی ہو کر (اپنے کو) اس کی بقاء سے باقی دیکھتا ہے۔ جب وہ اس طرح دیکھتا ہے کہ وہ اس کے اصول کی سیر کرتا ہے، اپنی قدر و حوصلہ کے موافق دائرہ ظلال کی انتہا تک مشاہدہ کرتا ہے، اور جیسا کہ اس کا حال نہیں لکھا، ورنہ وہ دائرہ اس کی ذات میں بلکہ کوئی دائرہ نہایت (انتہا) نہیں رکھتا۔

۔ نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

بمیر و تشنہ مستقی و دریا، ہم چنیں باقی

”نہ تو اس کے حسن و جمال ہی کی انتہا ہے، اور نہ سعدی کے کلام کی حد ہے۔“

پیا سہ پیاس کے نارے مر جائے اور دریا اسی طرح باقی ہے۔“

چنانچہ فنائے قلب و روح و سر و خفی اور انہی، صفات و اسمائے الہی کے ظلال بھی اس مقام میں دستیاب ہوتے ہیں۔ لیکن انہی کی رسائی سب سے بالاتر رسائی ہے۔ اس کی کمتر طے منزل، دائرہ ظلال ہے، کہ وہ مبادی تعینات و ممکنات ہے۔ سوائے انبیاء کرام اور ملائکہ کے (دوسرے لوگوں کو) ان اصول کے اندر کی سیر کہ وہ اسماء و صفات میں واقع ہوتی ہے، وہ انبیاء علیہم السلام کے مبادیات (ابتدائی سیر سے متعلق) ہیں۔ ان اصول سے بالائی سیر (یعنی اصل کے ساتھ) صرف انبیاء علیہم السلام ہی سے مخصوص ہے، وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہوتی۔ حضرات انبیاء کی وراثت اور پیروی کے طفیل سے یہ اسماء و صفات کہ مبادی تعینات انبیاء ہیں ظہور کے لحاظ سے نہ کہ بطون۔

کے حساب سے — ظہور و بطون کے معنی یہ ہیں کہ اسماء و صفات کے دو اعتبارات ہیں:

☆ — ایک کا قیام ذات سے ہے اور وہ حق کے ساتھ ہے۔ اس کو بطون کہتے ہیں۔

☆ — دوسرا اعتبار آثار کے صادر ہونے کا اور ممکنات کی تربیت کی حیثیت سے اور وہ مخلوق کی طرف ہے، اس کو ظہور کہتے ہیں۔

پس اسماء و صفات باعتبار ظہور، مبادیٰ تعیناتِ انبیاء علیہم السلام ہیں — ان مقامات کا حصول و وصول ”ولایت کبریٰ“ اور ”ولایت انبیاء“ کے نام سے موسوم ہے۔ اس مقام پر فنائے نفس حاصل ہوتی ہے — چنانچہ وصول مرتبہ طلال سے ”ولایت صغریٰ“ اور ”ولایت اولیاء“ کا نام رکھتی ہے۔ اسماء صفات بطون کے اعتبار سے مبادیٰ تعینات ملائکہ ہیں۔ اس ولایتِ اعلیٰ کا حصول و وصول ”ولایت ملاء اعلیٰ“ کا نام رکھتا ہے۔ ان دونوں مقامات کے طے کرنے کے بعد ”ذاتِ بخت“ (حق) کا وصول ہے۔ اس مقام کا وصول اصل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس ”مقامِ اعلیٰ“ کو نبوت کے عہدہ و منصب کی وجہ سے وصول کرنے کے باعث انبیاء کرام علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔ ورنہ ”ولایت ملائکہ“، ولایتِ انبیاء“ سے فوق ہے۔ امتیوں میں سے جو حضرات اکمل ترین ہوتے ہیں، انبیاء کی بدرجہ کمال پیروی کی وجہ سے وہ بھی اس بے مثال مرتبہ پر فائز ہو کر واصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ:

(۱) ثَلَاةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ (پ ۲۷ ع ۱۳)

”بہت سے اولین میں سے، اور تھوڑے آخرین میں سے۔“

اسی مقام کی بطرف کنایہ و ارشاد ہے — ”ارباب کمال ولایت“، اصحابِ ایسین^۲ ہیں:

(۲) ثَلَاةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثَلَاةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ

”بہت سے اولین میں سے، بہت سے آخرین میں سے۔“

اور ارباب کمالات نبوت مقررین ہیں:

(۳) فَلَمَّا مَنَّ الْأَوْلِيَيْنِ ”بہت سے اولین میں سے۔“

یعنی انبیاء علیہم السلام میں

(۴) وَقَلِيلٍ مِّنَ الْأٰخِرِيْنَ ”آخرین میں سے کم ہیں۔“

(۵) اور امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — اور

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے — اور

(۷) بہت سے تابعین میں سے — اور

(۸) تابعین کے اتباع (پیروی) کرنے والوں میں ہے —

(۹) ایک جماعت آخری زمانے میں دین اسلام کی تجدید اور ہجرت سے ایک

ہزار سال بعد۔

”کمالات نبوت“ میں تجلی ذات دائمی ہے — بے پردہ اسماء و صفات اور

کمالات رسالت اور کمالات اوالعزم دریائے کمالات نبوت کی ایک موج ہے — یہ

تینوں دائرے آپس میں ابھرے اور استرکی مثل ہیں۔ اپنے مرتبہ میں مرکز و محیط کی طرح

ایک قسم کا فرق رکھتے ہیں۔ کہ وہ (دل) آنکھ والوں پر ظاہر ہوتا ہے — ان تین

کمالات کے بعد جو کچھ ”مکتوبات قدسی“ حضرت مجدد علیہ الرحمہ اور آپ کی تصنیف

”عروة الوثقی“ اور رسالہ ”شواہد التجدید“ حضرت دلیل اللہ الصمد عبدالاحد علیہ الرحمہ سے

ظاہر ہوتا ہے۔ جو کہ ”مقام سلوک“ میں حضرت ایشاں شہید علیہ الرحمہ سے استفادہ ہوا۔

”مقام سلوک میں دو راستے پیش آتے ہیں۔ اول و آخر میں ان دونوں راستوں کو پیرو

شیخ مصلحت کی مناسبت سے اختیار فرماتے ہیں — ایک راہ حقیقت ”کعبہ ربانی“

ہے۔ اس کو سر اوقات عظمت کبریٰ اور نور صرف حضرت بے چون“ سے تعبیر فرماتے

ہیں۔ حقیقت قرآن اس سے بالاتر ہے۔ اس کو مبداء و سعت بے چونی“ سے تعبیر

۱۔ عروة الوثقی: مضبوطی سے سر راز شہید سے نور صرف: نور محض نور ذات سے بالاتر: بہت اونچا۔

فرماتے ہیں — اس سے بالاتر مقام کو ”معبودیتِ حرف“ کہتے ہیں۔ اس مقام برتر میں سیر کی گنجائش نہیں ہے۔ فقط سیر نظری ہے اگر میسر ہو۔

ع بلا آئے اگر یہ بھی نہ ہو
سیر ”قدم گاہ“، لِحقیقت صلوة تک ہے کہ یہ منجائے مقام عابدیت ہے۔ جیسا کہ
ارشاد باری ہے:

يَا مُحَمَّدَ فَإِنَّ اللَّهَ يُصَلِّيُ عَلَيْكَ

”اے محمد! ٹھہر جاؤ بے شک اللہ تم پر درود (رحمت) بھیجتا ہے۔“

۱۔ قدم گاہ: مقام قدیم (اول) ع مقام عابدیت: بندے کا مقام
ع لفظ ”صلوة“ چند معنوں میں آتا ہے یعنی نماز و رحمت وغیرہ — اگر قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے صلوة سے مراد یہی نماز جو ہم لوگ ادا کرتے ہیں لی ہے۔ (جبکہ نماز حمد و ثنا سے عبارت) تو یہ معنی ہوئے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج میں تشریف فرما ہوئے۔ جب پردہ عظمت و جلال کبریائی تک پہنچے تو آپ حمد و ثنا و رطب اللسان ہوئے۔ چونکہ یہ مقام تزیہ تھا۔ چنانچہ حکم ہوا:

لَبَّيْكَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

”اے محمد! ٹھہر جا یہ مقام تیرے حمد و ثنا کہنے کا نہیں ہے۔“

پس تحقیق اللہ اس مقام پر خود حامد ہے اور وہ خود ہی محمود ہے، پہلے میں آپ ہی اپنی حمد و ثنا کہتا ہوں:
سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي
بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝
”پاکی ہے اس ذات کو کہ لے گیا ہے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی
طرف۔ اس کے گرد برکت رکھی ہے۔ ہم نے، تاکہ دکھائیں ہم اس کو اپنی نشانیوں سے۔ وہ
ہے سنتے والا، دیکھنے والا۔“

تو سجدہ کر اور ہمارے قریب تر ہو جا — چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سنتے ہی کمال
انکساری سے فوراً ہی سجدہ ریز ہوئے۔ اس دعا کے ذریعے معافی کے خواست گار ہوئے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِغَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَأَعُوذُ بِرِضَائِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَأَعُوذُ
بِكَ مِنْكَ لَا أُحْضِي قَنَاءَ عَلَيْكَ كَمَا أَتَيْتُ عَلَى نَفْسِكَ

”اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیرے غنوک تیرے عذاب سے — اور میں پناہ مانگتا ہوں
تیری رضا کی تیرے غصہ سے، اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری ہی تجھ سے — میں پوری نہیں
کر سکتا تیری تعریف۔ تو ایسا ہی ہے جیسا تو خود ہی اپنی تعریف کرتا ہے۔“

یہ اشارہ اسی کی طرف ہے۔ کیونکہ حقیقت صلوٰۃ سے آگے یا اوپر جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ صلوٰۃ وہ ہے کہ ”مراتب و جوہ“ سے ”مرتبہ تزییہ صرف“ کے لیے صادر ہوئی ہے۔

”کمالاتِ تلاش کے بعد دوسری راہ ”دائرۂ محبت“ ہے۔ خُلَّت (محبت و دوستی) اس دائرے پر محیط ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ متعین ہونے کی وجہ سے اسے ”ولایتِ ابراہیمی“ بھی کہتے ہیں — اس کا مرکز ”محبت“ ہے۔ جب کوئی اس مرکز پر پہنچتا ہے تو اس دائرے کا مرکز ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا محیط صرف محبت ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا مبداء تعین ہے۔ اس وجہ سے اس مقام کو ”ولایتِ موسوی“ کہتے ہیں۔ اس کا مرکز ”محبوبیت“ ہے۔ جب اس مرکز پر رسائی ہوتی ہے تو اس دائرے کا مرکز بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا محیط ”محبوبیتِ ممتاز“ (مزاجی) ہے۔ اس کو ”حقیقتِ محمدی“ اور ”ولایتِ محمدی“ کہتے ہیں — وہ حضور و سرور انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مربی اور مبداء تعینِ جسدی ہے۔ اس کا نام آپ کے نام مقدس کے اعتبار سے ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہے۔ اس کا مرکز ”محبوبیت صرف“ ہے۔ اس کو ”حقیقت و ولایتِ احمدی“ کہتے ہیں۔ وہ سرور دو عالم صلی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے شرفِ قرب مکانِ قسبِ قوسینِ اُو اذنی سے شرف فرمایا۔ اور قَسَاوَحِی اِلٰی عِبْدِہٖ مَا اَوْحٰی سِے عزت بخشی — آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شکر یہ میں التیحاتِ عرض کی۔ اور وہاں سے ہمکامی کا اعزاز بخشا گیا، اور سلام و رحمت و برکت کا انعام سرکار سے عطا ہوا۔ آپ نے قبول کیا اور مومنین کو بھی اپنے ساتھ شامل فرمایا۔ شہادت ادا کر کے بارگاہِ الٰہی سے باعزاز و اکرام مرضس ہو کر شاداں و فرحاں مراجعت فرمائی — اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شبِ معراج میں یہ نماز فرض ہوئی ہے۔ جمیع عبادات کی اصل یہی نماز ہے — نماز میں افضل سجدہ ہے۔ اگر صلوٰۃ بمعنی رحمت مراد ہے تو یہ معنی ہوئے!

فَف يَا مُحَمَّدُ فَإِنَّ اللَّهَ يُصَلِّيْ عَلَيْكَ

”اے محمد! ظہر جایہ مقام تیرے حمد و ثناء کہنے کا نہیں ہے۔“

ع ایں سفر بر تو مبارک باد مرحبا مرحبا تبارک باد

لے جسدی: جسمانی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ”مبداء تعین روحی“ ہے۔ آپ کے نام پاک کے اعتبار سے ”احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہے۔ اسی دائرہ محبت کی طرف صوفی اجمال کے ساتھ جب بعد ملاحظہ خلعت و محبت و محبوبیت متوجہ ہوتا ہے، تو وہ ”سیر تعین جہی“ کرتا ہے۔ اور ”تعین وجودی“ میں بھی اسی دوران میں سیر واقع ہوتی ہے۔ ان مقامات سے بالاتر مقام، جو مقامات انبیاء کرام علیہم السلام کے حقائق تعینات سے بالاتر اور اعلیٰ ہے، وہ ”لا تعین“ ہے۔ اس جگہ ”سیر قدمی“ کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر میسر ہو تو صرف ”سیر نظری“ حاصل ہوتی ہے۔ یہ حضور سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے متعلق ہے۔ یعنی یہ مقام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسْعَى فِيهِ مَلَكٌ مُقْرَبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ
 ”مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ (وہ) وقت ہے کہ اس وقت میں کسی مقرب فرشتے، نبی یا پیغمبر کی رسائی نہیں ہے۔“

اس میں اسی ”مقام اخص“ کی طرف اشارہ ہے۔ بعض صاحب نصیب اور خوش بخت حضرات جو کہ آپ کے اش خوار^۱ (حضور کے صدقہ و طفیل سے) ہیں۔ ان کو بھی اس خوان نعمت سے اش مقدس عطا ہوتا ہے۔ (زہے نصیب و سعادت! یہ نصیب، اللہ اکبر! لوٹنے کی بجائے ہے۔

۔ اگر بادشاہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سہلت مکن
 ”اگر کوئی بادشاہ عالم پناہ شفقت و مہربانی سے کسی غریب و بے کس بڑھیا کے گھر پر قدم رنجہ فرمائے تو اے خواجہ (دولت مند امیر) تو اس پر حیران نہ ہو۔“

۱۔ لا تعین: بے تعین ۲۔ اش خوار: جوٹھا کھانے والے ۳۔ اس بارگاہ میں ”لوٹ مار“ کا تصور معیوب ہے۔ رحمت و برکت کو تو سمیٹنا چاہئے۔ اس بارگاہ سے دولت کرم کو سمیٹنا ہی روا ہے۔ شعراء حضرات کو درحییب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب و تعظیم کا خیال رکھتے ہوئے لفظ ”لوٹنے“ کی بجائے ”سمیٹنے“ استعمال کرنا چاہئے۔ اس بارگاہ میں ادب، قرینہ اور تعظیم ہی سامان نجات ہے۔ (مطاہر)

اس مقام سے حضور اکرم سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے طفیل و برکت سے یہ دولت عظمیٰ اور سعادت بے پایاں ان کے غلاموں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے صدقے میں اس عطاء بے مثال سے مشرف ہو کر وہ مست المست ہو جاتے ہیں۔ روزہ کی حقیقت جو کہ حقیقت قرآن کے پہلو میں ہے، اس کو پہلو کے ولایت کبریٰ میں سیف قاطع لفرمایا ہے۔ سیف قاطع اسماء و صفات حق تعالیٰ سے ایک موج ہے۔ وہ ولایت کبریٰ کی مثال ہے۔ چونکہ اس مقام پر نفس کو فنائن اتم (پوری) دستیاب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کا نام ”سیف قاطع“ ہوا۔ اللہ تعالیٰ خوب علم رکھنے والا ہے۔ اس مقام پر طبیعت میں دو شبے پیدا ہوتے ہیں۔ ان شبہات کا حل ان حضرات کے مکاتیب سے حاصل نہیں ہوتا۔

پہلا شبہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتداء میں ”صفت العلم“ ظاہر ہوئی۔ ان کے مکتوبات شریف میں اس کا طریقہ وغیرہ بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد ”شان علم“ ظاہر ہوئی۔ پھر ”حقیقت جامعہ“ ظاہر ہوئی۔ آپ نے ان مکاشفات میں مطابقت کی وجہ اس طرح بیان فرمائی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی شے کا ظل، اصل صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب اصل پر پہنچتے ہیں تو اس وقت واضح ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو کچھ ظاہر ہوا وہ صرف ظل ہی تھا، اصل نہیں تھا۔ اس لیے ”صفت علم“ کو ابتدا میں ”حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ کہا تھا۔ مگر جب میں ”شان علم“ پر جو ”مرئی صفت العلم“ ہے، پہنچا تو معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے۔ اس کے بعد جب میں ”شان جامعہ“ پر پہنچا (کہ شان علم اس کا ایک جزو ہے) تو پھر معلوم ہوا کہ: ”حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حقیقت الحقائق اور تعین اول یہی ہے۔“

آخر کے انکشافات میں یہ ظاہر ہوا کہ تعین اول ”تعین وجودی“ ہے۔ اس

کے بعد ظاہر ہوا کہ تعین اول تو ”تعین جہی“ ہے۔ اس حال کی گواہی میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ارشاد باری ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًا فَأَخْبَيْتُ أَنْ أَعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

”میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، چنانچہ میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔“

اس حدیث مبارک سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اول حب^۱ نے سر اٹھایا۔ کہ وہی تمام اشیاء و مخلوق کے ظہور کا باعث ہوئی — ولایتِ ابراہیمی، ولایتِ موسوی اور ولایتِ محمدی اور احمدی محبت کے دائرے کے بیان میں پہلی اور درمیانی تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ لہذا اس جگہ لازم ہوا کہ ”شانِ علم جامعہ ظل تعینِ حُجی“ ہو۔ پہلے وہ اپنی اصل صورت میں ظہور پر آگئی تھی — اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ صفتِ علم صفاتِ حقیقی سے متعلق ہے — اور شانِ علم عینِ ذات ہے، اور وہ اعتباری تغیر کے ساتھ ہے — ”صفتِ الحب“ (محبت) صفاتِ اضافی سے محال ہے کہ وہ اصل شانِ علم یا ”صفتِ العلم“ ہو۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ ”کمالاتِ نبوت“ ”حجلی ذاتِ بحت“ سے عبارت ہے، جو پردہٴ اسماء و صفات ہے۔ قطعِ مراحل (بہت سی مشکل منزلیں) کے بعد ولایتِ کبریٰ و علیا کی سیر ہے — وہ صفات اور اس کے اصول میں، اور اس کے اصول کے اصول میں، اور ظہور و بطون کی قسم سے مختلف اعتبارات و شیون سے متعلق ہے — پھر صفات اور حجلی ذاتِ بحت کے قطعِ مراحل کے بعد جو اسماء و صفات بے پردہ ہوں، اس مقامِ اعلیٰ سے ترقی کے کیا معنی ہیں؟ — چنانچہ ”دارالعباد“ (مقامِ عبودیت) سے بڑھ کر اور اعلیٰ مقام وہ قربتِ حقیقتِ کعبہ ہے کہ سراوقاتِ عظمتِ کبریا ہے۔ یہ اضافتِ بیانیہ ہے یعنی عظمتِ کبریا کہ وہ ذاتِ حق تعالیٰ کی سراوقات ہیں۔

سوال یہ ہے کہ:

عظمت کبریا صفات سے متعلق ہیں کہ وہ اسم العظیم و اسم الکبیر کا مصدر ہیں۔ — ان پر سزا اوقات کا اس طریقے سے اطلاق ہے؟

جواب:

حدیث قدسی ہے:

الْكِبْرِيَا رِدَائِي وَالْعَظْمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي فِيمَا أَحَطَّهُ فِي نَارِي
”کبریا میری چادر ہے، اور عظمت میرا زیر جامہ ہے — لہذا جو اسے
اختیار کرے گا وہ نار میں جلے گا۔“

ازار وردا کہ وہ انسانی بدن کے پردہ پوش ہیں، اسی طرح وہ بھی (عظمت و کبریاۓ الہی) اس کے ظہور و ادراک (سمجھ) کو آنکھوں سے مانع ہیں۔ (یعنی اس کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے چشم انسانی اسے دیکھنے سے قاصر ہے)۔ جیسا کہ ارشاد ہے:
لَا تُنْذِرُ كُنْهُ الْأَبْصَارِ ”تمہاری آنکھیں اسے نہیں (سمجھ اور) دیکھ سکتیں۔“
لہذا سزا اوقات کا اطلاق صحیح ہوا — اب میں اصل بات پر آتا ہوں کہ
”حقیقت کعبہ“ صفت و عظمت و کبریا ہے — حقیقت قرآن و حقیقت صلوة ”وسعت بے چوں“ ہے۔ کہ وہ اسم ”السواسع“ کا مصدر ہے۔ وہ بھی صفت ہے اور تیسری حقیقت صفات سلویہ^۱ سے عبارت ہے کہ:

صَمَدٌ لَا يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ وَلَا يَلِدُ وَلَا يُؤَلَّدُ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ
”وہ بے نیاز ہے کہ جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا، اور نہ وہ کسی سے جنا گیا (یعنی نہ کسی سے پیدا ہوا ہے، نہ کسی کو جنم دیتا ہے) اور نہ کوئی ایک بھی اس کا کنبہ ہے۔“

محبت و محبوبیت بھی صفات ہیں، بلکہ صفات اضافیہ سے ہیں۔ پھر مرتبہ کمالات نبوت سے اس کی بلندی کہ وہ تجلی ”ذات بحت“ مطلق ہے، کیا معنی رکھتا ہے؟ —

مگر صوفی اس مقام پر رجعتِ ہنری (الئے قدموں واپسی) کرتا ہے۔ یہ دوسرا شبہ ہے جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا:

”حقیقت میں ”حقیقتِ محمدی و حقیقتِ احمدی“ دائرہ صفات ”ولایت کبریٰ“ سے متعلق ہے۔ لیکن اس کی گواہی بعض تفصیلوں کے حصول پر موقوف ہے، جو کہ کمالاتِ نبوت کی تحصیل پر ہوں۔ لہذا اس ولایت کا حصول کمالات کے حصول کے بعد ہوگا۔“

لیکن ان دونوں شبہات کا حل جو کچھ اس فقیر کے خیال میں گزرا، وہ میں نے حضرت ایشاں شہید علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں بھی عرض کیا تھا۔ حضرت جناب نے اس کو سنا تھا اور تسلیم کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ شاید ایسا ہی ہو۔۔۔ وہ یہ ہے کہ ذاتِ حق سبحانہ، تعالیٰ خارج میں موجود ہے اور ”صفاتِ ثنائیہ“ بھی حق تعالیٰ کی خارج میں موجود ہیں۔ دوسری صفاتِ ثبوتیہ^۱ اور صفاتِ سلبیہ اور صفاتِ اضافیہ^۲ بھی خارج میں موجود ہیں۔ اور وہ اس طور سے ہیں کہ ان کی ضد و اختلاف کا منشاء (مقصد) خارج میں بھی موجود ہے۔۔۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس مقام پر جہاں کہ ”زید“ موجود ہے، تو اس مقام پر ”زید“ کا باپ ”عمرو“ بھی موجود ہے۔ ان معنوں میں کہ اس اختلاف و نزاع کا منشاء اس مقام میں موجود ہے۔ یہ بات محض عقلی و وہی نہیں ہے۔۔۔ اگر فرض کیا جائے کہ عقل اور عاقل جہان میں موجود ہی نہیں ہے تو پھر زید کو عمرو (اپنے باپ) سے جو نسبت ہے، اگر کوئی عاقل موجود ہو تو وہی عمرو کے زید کا باپ ہونے کا حکم کرے گا۔۔۔ لہذا حاصل یہ کہ ذات و صفاتِ حق تعالیٰ جل شانہ، خارج (عالم موجودات) میں موجود ہے۔ اس کی شان کے سوا کوئی شے بھی اس میں متوطن و موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد علم حق سبحانہ، اس کی ذات اور صفات کے ساتھ اجمالاً و تفصیلاً متعلق ہوا ہے۔۔۔ چنانچہ مرتبہ علم میں بھی ذاتِ حق تعالیٰ موجود ہے۔۔۔ صفاتِ حقیقیہ اور دوسری صفاتِ ثبوتیہ، سلبیہ، اضافیہ اور نقائص^۳ صفات بھی ”مرتبہ علم“ میں موجود ہیں

۱ ثبوتیہ: دلیل والی ح اضافیہ: زائد ح نقائص: ضد اختلاف

— دائرہ ظلال جو ”ناشے“ ہے، ان سے ظاہر ہوا ہے — اور مرتبہ علم میں دائرہ ظلال سے دائرہ امکان نمودار ہوا ہے۔ — اور خارج ظلی میں ظلی وجود کے ساتھ رونما ہے — اس کثرت (موجودات ظاہری) سے وحدت حقیقی میں جو کہ خارج میں بھی ہے، ظل نے کوئی راہ (اثر) نہیں پائی ہے۔ (یعنی وحدت حقیقی اسی طرح قائم و دائم ہے) — چنانچہ اس تقریر سے یہ ظاہر ہوا کہ ممکنات کو مرتبہ علم کے سوا وجود ظلی اور وہی کے خارج میں حقیقی گنجائش نہیں ہے۔ — ذات و صفات الہی کے دو مقام ہیں:

(۱) — ایک: وطن و مقام خارج حقیقی

(۲) — دوسرا: مقام ”مرتبہ علموا جی۔“

اور پھر یہ بھی جاننا چاہئے کہ صوفی عالم مقام کی سیر و سلوک مکانی نہیں ہے۔ وہ اس دائرہ امکان (دنیا) سے اوج و بلندی پر جاتا ہے۔ نہ کوئی انقلاب ماہیت ہے کہ ”ممکن“ واجب ہو جائے۔ کیونکہ یہ بھی امر محال ہے بلکہ (اس سیر سلوک) سے مراد یہ ہے کہ اولیائے مجتبیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے جذب محبت کو پہنچے۔

پھر اس محبت کی برکت سے بندے کو اسماء صفات کے اظلال (عکس و سایہ) اور ذات واجب بے چون کی معیت^۱ حاصل ہو — اس معیت میں ترقی عالم مثال کے اندر سیر مکانی کی صورت سے رونما ہوتی ہے — اس معیت کا کمال وصول^۲ و اضمحلال کی شکل میں (سالک کا) فنا ہونا ہے۔ پھر وہ بے چون کو کشفی نظر سے بصورتِ چون دیکھتا ہے۔ چنانچہ:

☆ — حضرت یوسف علیہ السلام نے سات گائے اور سات خوشہ گندم کو قحط کے سال کی تعبیر فرمائی، اور

☆ — حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف کی دبائے حنی (بخار) کو سیاہ فام عورت کی شکل میں دیکھا۔

غرض کہ وہ بے چون کو عالم مثال میں چون (مثال) کی صورت میں مشاہدہ کرتا

ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دائرہ ظلال کو ”ولایت صغریٰ“ کہتے ہیں، اس کا ذاتی کوئی وجود نہیں ہے۔ مگر صوفی (سالک طریقت) ”مرتبہ علم واجبی“ میں پہلے اسی سے اصل ہوتا ہے کہ وہ اس کی اصل ہے۔ دائرہ صفات کہ جسے ”ولایت کبریٰ“ کہتے ہیں، اسی کو ”ولایت علیا“ اور ”سیفِ قاطع“ بھی کہتے ہیں، وہ صفات واجبی سے عبارت ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کے مرتبہ علم میں موجود ہیں، نہ کہ وہ صفات جو خارج میں موجود ہیں۔ کمالات نبوت و رسالت اور اولوالعزم حضرات (کے کمال) سے مراد، ذات حق تعالیٰ کی بے پردہ صفات تجلیات ہیں۔ لیکن وہ ذات اقدس جو مرتبہ علم میں موجود ہیں۔ اس کے بعد ذاتِ محبت بھی مرتبہ علم میں موجود ہے۔ یہ منصب اعلیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ہے۔ صوفی کامل پر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و برکت کے صدقے میں جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو پھر اسے حق تعالیٰ جل شانہ، کی وہ ”صفات اضافیہ“ میسر ہوتی ہیں جو کہ خارج میں موجود نہیں۔

اسی کے ساتھ ”تعمین وجودی“ و ”تعمین جمعی“ اور غلت (مقام دوستی و اخلاص) اور ”محبوبیت“ جو انبیاء کرام علیہم السلام کی صفات ہیں، اور اس کے ساتھ ہی سراوقات عظمت و کبریا اور وسعت بے چون کہ ”حقیقت کعبہ و قرآن و صلوة اور صفات سلبیہ“ حقیقت صیام“ ہیں، لیکن ”معبودیت صرفہ“ کے ساتھ کہ وہ دائرہ صفات سے ہے کمال معیت حاصل نہیں ہوتا۔ ”عابدیت“ (بندگی) اور ”معبودیت“ میں بڑا فرق ہے۔ (یعنی کوئی بندہ ہرگز معبود نہیں بن سکتا۔ بس وہی لاشریک واحد معبود مطلق ہے۔) لیکن ”عابدیت“ اور ”معبودیت“ کے مقابلہ کی وجہ سے معیت حاصل ہوتا ہے۔ اس کو ”سیر نظری“ کہہ سکتے ہیں۔ ”مرتبہ صفاتِ حقیقیہ“، مقام صفاتِ اضافیہ و سلبیہ (جو کہ خارج میں موجود ہیں) سے بلند مقام ہے۔ اس کی تشبیہ اس کی ذات اقدس و تعالیٰ شانہ، سے تشبیہ ”لا عین ولا غیر“ ہے۔ اس مرتبہ سے بالاتر ذات ہے جو کہ خارج میں موجود ہے۔ ”مرتبہ ذات و صفات جو کہ خارج میں موجود ہے، اسے ”مرتبہ لا تعین“ کہتے ہیں۔ اس مقام تک کسی کو رسائی کی مجال نہیں ہے۔ کیونکہ معیت (ساتھ ہونا)

محبت کی فرع^۱ ہے۔ اور محبت، معرفت کی فرع ہے۔ وہ واجب تعالیٰ اس سے برتر و اعلیٰ ہے کہ اس کی مخلوق کا علم اس کا تعلق حاصل کرے۔

سُبْحَانَ مَنْ لَا يَعْلَمُ مَا هُوَ إِلَّا هُوَ

”پاک اور اعلیٰ ہے وہ ذات، جس کو نہ جانیں سوائے اس کے کہ وہ (کچھ

اور) نہیں ہے مگر وہ اللہ ایک ہے۔“

حضور سرور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعض اہل خوار غلاموں کی ”سیر نظری“ اس مقام میں ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

اِسْتَوَىٰ اٰی مُحَمَّدٍ بِالْاَفْقِ الْاَعْلٰی

”اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہو۔“

یعنی امکان کی بلندیوں سے اعلیٰ۔ پھر:

ثُمَّ دَنَى الْجِبَارُ ذَا الْفِرَّةِ فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی

میں یہ سمجھا کہ صفاتِ حقیقیہ کے درمیان قَابَ قَوْسَيْنِ ”سیر نظری“ ہے، اور ذات کی ”سیر نظری“ کے وقت میں ”مقام اَوْ اَدْنٰی“ ہے۔ اس لیے کہ نظر کے مقام میں منظور کی ذات کے ساتھ ”قوس و جوبی“ ہے، اور غیر نہیں ہے۔ نظر کے مقام میں صفات سے اس کے ساتھ مکان باقی ہے۔

لِاِحْتِیَاجِ الصِّفَاتِ اِلَى الدَّاتِ مِنْ غَيْرِ عَكْسٍ

”ذات کے لیے عکس کے سوا صفات کی احتیاج نہیں۔“

اس تقریر سے دونوں شبے حل ہو جاتے ہیں کہ صوفی کی رجوع کے لیے قہقری (النا واپس ہونا) لازمی نہیں ہے۔ ”شانِ علم“ اور شانِ الجامع“ بھی ”تعیین جہی“ سے درست ہوتی ہے کہ وہ شانِ علم اور شانِ جامعہ مرتبہ علم متحقق ہے۔ مرتبہ علم کے فرع میں اس کی تحقیق محبت ہے، جو کہ خارج میں موجود ہے جیسے کہ ارشاد ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًا فَاحْبَبْتُ اَنْ اَعْرَفَ

”میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پچھانا جاؤں۔“

۱۔ فرع: شاخ، شعبہ ۲۔ منظور: جسے دیکھا جائے ۳۔ مکان: مقام ہونا

یہ بات اس پر شاہد ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔
 اصل قلب (دل) دائرہ ظلال میں ہے۔ اس غل کا واصل ہونے والا کہ مربیٰ
 قلب ہے، وہ مقام صفات میں ہے، اور وہ مربیٰ آدم ہے۔ چنانچہ جب اس صوفی
 کو اصل میں فنائے قلب حاصل ہوتا ہے تو وہ صوفی حضرت آدم علیہ السلام کی ”ولایت“
 حاصل کرتا ہے۔ جب اس کی روح بھی اپنی اصل کی اصل میں فانی ہو جاتی ہے تو
 چونکہ اس کی اصل روح شفیق ابراہیم و نوح علیہما السلام سے ہے، اس لیے پھر صوفی کو
 ”صاحب دو ولایت“ کہتے ہیں۔ ولایت آدمی، ولایت نوحی و ولایت ابراہیمی۔
 خود سر بھی جب اپنی اصل میں فانی ہوتا ہے تو پھر شفیق موسیٰ علیہ السلام کی ولایت سے
 متصف ہوتا ہے۔ ”خفی“ جب خود اپنی اصل میں فانی ہو جائے تو پھر اس کے شفیق
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر اسے ولایت عیسوی اور ”ولایت چہارگانہ“ حاصل ہو
 جاتی ہے۔ جب ”خفی“ بھی اپنی اصل میں فنا ہو جائے تو پھر وہ صوفی ”صاحب
 ولایت پنجگانہ“ کہلاتا ہے۔ ”انہی“ چونکہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کے زیر قدم مبارک ہے، اس لیے انہی کے شفیق دراصل خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم ہیں۔

مکتوب قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ بنام قاضی شیخ محمد علیہ الرحمہ:

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ صوفیاء کرام کے بعض کلمات پر (بعض) اہل شرع تکفیر
 کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چونکہ بی رنگی ایر رنگ شد
 موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد
 ”بے رنگی چونکہ رنگ کی ایر ہے، تو گویا موسیٰ کی موسیٰ سے ہی جنگ ہوئی۔“
 چوں بہ بے رنگی رسی کاں داشتی
 موسیٰ و فرعون دارند آشتی
 ”جب تو بے رنگی کے مقام و حال میں پہنچے گا تو پھر یہ مشاہدہ کرے گا کہ
 موسیٰ اور فرعون نے باہم صلح و آشتی کر لی ہے۔“

اسی طرح حضرت مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۔ ہمسایہ ہم نشین و ہمراہ ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
 ”ہمسایہ وہم نشین اور ہمراہ (ساتھی) سب وہی ہے۔ گدائے بے نوا کی
 پھٹی گڈڑی اور بادشاہ وقت کی اطلس زرین قبا (لباس میں بھی وہی ہے۔“
 لہذا اس جگہ کیا اعتقاد کرنا چاہئے — مہربان من! — لوگ تکفیر تو کرتے
 ہیں، مگر وہ اس بات کے قائل کی مراد و مطلب سے واقف نہیں ہیں۔ اسی لیے وہ اپنے
 لب و زبان طعن و تشنیع کے ساتھ کھولتے ہیں، اور یہ بے جا کرتے ہیں — ان کو پہلے
 اس بات کے قائل کی مراد کو سمجھنا چاہئے، پھر اس کے بعد کچھ کہنا چاہئے — تم نے یہ
 سب کچھ ملاحظہ کیا جو کہ وحدت وجود پر ہے۔

☆ — کچھ اہل مشاہدہ ”ہمہ اوست“ (سب وہی ہے) کہتے ہیں،

☆ — اور کچھ ”ہمہ از است“ (سب اسی سے ہے) کہتے ہیں۔

۔ در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست
 ”مجلس تہائی و فرق میں اور خانہ ”محفل و جمع میں بس وہی پوشیدہ ہے، اور
 سب کچھ وہی ہے، وہی ہے۔“

لہذا ان معنوں میں یہ نہیں کہتے ہیں کہ: ”زید خدا ہے اور عمرو بھی خدا ہے۔“ نعوذ
 باللہ منہا (اس بات سے خدا کی پناہ!) — نہ یہ بات ان معنوں میں ہے کہ حق
 تعالیٰ جل شانہ، کلی طور سے طبعی ہے، اور اشخاص و افراد ممکنات اس کے فرد ہیں — یہ
 دونوں قول بالکل کفر صریح ہیں۔ ان سے وجود حق تعالیٰ کا انکار ہوتا ہے۔ خدا کی پناہ!
 — بعض جاہل لوگ بزرگان دین کے کلام کے ان معنوں میں غلط مطلب لیتے ہیں،
 اور کفر و الحاد کے مرتکب ہوتے ہیں — بعض اس کے غلط معنی سمجھ کر بزرگان مقدس پر
 زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ”صوفیاء و وجودیہ“ حق تعالیٰ کو وجود حقیقی کے
 ساتھ موجود جانتے ہیں، اور سوائے خدا تعالیٰ کے (حقیقت) میں کسی کو موجود نہیں
 جانتے، اور نہ اس عالم کو صرف وہم کے مرتبہ سے جانتے ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ

”کوئی معبود نہیں مگر وہ اللہ ہے، اور نہیں کوئی موجود مگر وہ اللہ ہے۔“

اس مقام پر کچھ اعتراض ہوتے ہیں:

(۱) — ایک تو یہ کہ یہ مذہب و اعتقاد ”سوفسطائیہ“ کا ہے کہ حقائق موجودہ محسوسہ کو موہوم اور خیالی کہا جائے۔ پھر مذہب سوفسطائیہ اور اس گروہ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟

(۲) — دوسرے یہ کہ اس سے واجب تعالیٰ کے وجود پر وجود ممکنات سے دلیل دی گئی ہے۔ لہذا کتب عقائد میں پہلا مسئلہ:
”اشیاء کی حقیقتیں ثابت ہیں۔“

لکھتے ہیں — پس اگر عالم ممکنات موجود نہ ہوتا، تو (اس سے) صانع تعالیٰ پر دلیل و ثبوت فوت ہو جاتے۔

(۳) — تیسرے یہ کہ آئیہ کریمہ:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا (اے ہمارے رب! تو نے یہ سب باطل نہیں بنایا) — اس قول کے منافی ہے — اس لیے وہ موہوم ہو، وہ باطل اور ناچیز ہے۔

(۴) — چوتھے یہ کہ بالفرض اگر عالم موہوم بھی ہو اور حق تعالیٰ موجود — تو پھر ”ہمہ ادست“ (سب وہی ہے) کہنا کس طرح درست ہے؟۔ کیونکہ موہوم اور خیالی شے کا میل و اتحاد محال ہے۔ ان اشعار اور مثالوں کے معنی پھر کیا ہوئے؟ ان اعتراضات کے جوابات یہ ہیں کہ:

☆ — ”سوفسطائیہ“ تو عالم کو موہوم اس قسم سے کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت کا منشاء و مقصد بالکل نہیں ہے۔ اس لیے صانع پر استدلال فوت اور بے کار ہو جاتا ہے۔

☆ — حضرات صوفیاء ”وحدت حقیقی“ یعنی وجود واجب کو منشاء تو ہم کثرت کہ اس کا مطلب عالم امکان سے ہے، جانتے ہیں — چنانچہ شعلہء جوالہ منشاء تو ہم دائرہ ہوتا ہے۔ پس اگر زید آئینہ خانہ میں جائے، اور اس کا عکس رنگارنگ کے

مختلف آئینوں میں مختلف شکلوں اور رنگوں سے نظر آئے، تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شعلہ اور زید خارج میں موجود ہیں۔ اور دائرہ و عکس ہائے آئینہ ہرگز حقیقت و ثبوت نہیں رکھتے۔ اس کے ساتھ وہ دائرہ اور زید کے مختلف عکس، زید کے وجود پر دلیل و ثبوت بھی ہیں۔ لہذا:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا

”اے ہمارے رب! تو نے یہ سب (کارخانہ موجودات) عبث و باطل نہیں بنایا۔“

سچ ہے — اس لیے کہ اس نے ”عالم امکان“ کو وہم کے مرتبہ میں خود اپنے وجود مقدس پر دلیل و ثبوت کے لیے بنایا — اس کے ساتھ ہی صوفیاء کرام کو، کہ وہ (ظاہری) استدلال سے تعلق بھی نہیں رکھتے، کیونکہ استدلال کا حاصل ”علم حصولی“ ہے، ”علم حضوری“ نہیں ہے — چنانچہ وہ ہستی جو کہ اپنے وجود پر علم حضوری کا تعلق رکھتی ہے، وہ ہرگز استدلال کے لیے محتاج نہیں ہے۔ جیسا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آفتاب آمد دلیل آفتاب گرد لیلیٰ بایت زور و متاب

پائے استدلالیاں چو میں بود پائے چو میں سخت بے تمکین بود

”آفتاب خود آفتاب کے آنے کی دلیل ہے، اگر تو اس کا ثبوت چاہتا ہے

تو اس سے اپنا منہ نہ چھپا (یعنی آنکھیں کھول کر خود اسے دیکھ لے)

— دلیل کرنے والوں کے قدم لکڑی کے (مصنوعی) ہوتے ہیں۔ اور

یہ بہت کمزور اور بے کار ہوتے ہیں۔“

چنانچہ اس جواب سے سب اعتراض مضحل ہو گئے۔

(۴) — چوتھا اعتراض اور اس کا جواب کہ ”ہمہ اوست“ (سب وہی ہے) کہنا مجاز

(ظاہر) سے خالی نہیں ہے — اس وجہ سے کہ جب یہ تحقیق ہو گیا کہ آئینہ خانہ

میں دائرہ و شعلہ اور زید کے مختلف عکس وغیرہ ہرگز حقیقی نہیں ہیں۔ بلکہ سب کچھ شعلہ اور زید ہی ہے۔ لہذا اگر اسے مجازی طور پر ”عین زید“ کہا جائے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ زید اور شعلہ تو (حقیقت میں) موجود ہیں۔ مگر یہ مختلف عکس اور رنگ وغیرہ سب موہوم ہیں۔ لیکن غیر کہنے میں ان کے وجود کا ثبوت مستقل طور سے یقین کرنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اسی سے انکار دکھاتے ہیں۔ اور اس کے غائب ہونے کے قائل ہیں۔ ورنہ اس کا مقصد ”عینیت“ نہیں ہے، کہ اس پر کفر لازم آئے گا۔ نعوذ باللہ منها۔ (پناہ بخدا!)۔ چنانچہ مولانا جامی علیہ الرحمہ کے مندرجہ بالا شعر کے معنی معلوم ہو گئے۔ اور مولانا جامی علیہ الرحمہ کا جو مطلب و مراد ہے، وہ معترض نے سمجھ لیا ہے۔ مولانا موصوف خود فرماتے ہیں:

۔ نے عرض ذات او نے جوہر ہرچہ بندی خیال ازاں برتر
 ”اس کی ذات پاک نہ تو عرض ہے اور نہ جوہر ہے۔“ تو اس بے مثال
 کے متعلق جو بھی خیال کرے وہ اس سے بالاتر ہے۔“

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ کے شعر کے معنی یہ ہیں کہ وجود حقیقی (کہ وہ عین ذات حق ہے۔ یا اس کی صفت ہے) جب وہ بے رنگی سے اسیر رنگ ہوئی، یعنی وہم میں کثرت سے تعلق کیا تو پھر موسیٰ کی موسیٰ سے جنگ و اختلاف ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ہی نوع و جنس سے متعدد و بکثرت افراد ظاہر ہوئے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک جنس سے ہیں، اور ہر ایک کا منشاء و مقصد ”ہدایت“ ہی ہے۔ مگر وہ اس کے احکام اور احوال (مناسبت اور وقت کے لحاظ سے) مختلف رکھتے ہیں۔ اور جنگ ہونے کا مطلب بھی یہی اختلاف و کثرت ہے۔

۔ چوں بہ بیرنگی رسی کاں داشتی
 موسیٰ و فرعون دارند آشتی

”جب تو مقام بے رنگی کا مشاہدہ کرے گا تو ملاحظہ کرے گا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون نے آپس میں صلح کر لی ہے۔“

یعنی جب صوفی مراقبہ کے وقت ”وجود حقیقی“ کے مشاہدے میں مستغرق ہوتا ہے تو اس وقت موسیٰ و فرعون دونوں اس کی نظر سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس کی نظر میں پھر یہ کثرت و تعداد اپنی شان نہیں دکھائی دیتی (یعنی کثرت مہوم فنا ہو کر صرف وحدت حقیقی باقی رہتی ہے) — چنانچہ اس وقت وہ یہ خبر دیتا ہے کہ موسیٰ و فرعون نے تو صلح کر لی ہے اور اب کوئی جھگڑا باقی نہیں ہے۔ مولانا روم اسی حالت کی یہ خبر دیتے ہیں:

علم حق در علم صوفی گم شود این سخن کے باور مردم شود
 ”علم حق صوفی کامل کے علم میں گم ہو جائے، یہ بات کس طرح (عام)
 لوگوں کے یقین میں آئے گی۔“

یعنی کہ جس وقت صوفی صافی متوجہ ذاتِ بحت (مطلق) ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے مد نظر صفاتِ الہی (بھی) نہیں ہوتیں۔ (اس لیے اس وقت کے لحاظ سے) یہ درست ہوا کہ علم حق جو کہ صفاتِ الہی میں سے ایک صفت ہے۔ وہ ایسی حقیقی صفت ہے کہ اس کا ذات سے دور کرنا محال ہے۔ وہ بھی اس وقت صوفی کے مشاہدہ و علم میں رونما نہیں ہوتیں لہذا وہ صوفی کے علم میں تو گم ہوئیں مگر حقیقت میں نہیں۔

سوال یہ ہے کہ:

اس تقریر سے دعوائے صوفیاء کرام کی صحت کا امکان تو ظاہر ہو گیا۔ لیکن اس دعوے پر دلیل کیا ہے؟

جواب:

اس جماعت نے اگرچہ اپنے دعوے پر کتنے ہی ثبوت اور دلیلیں دی ہیں۔ اور وہ اکثر کتب و رسائل میں درج ہیں۔ مگر حقیقت میں ان کی دلیل کشف و مشاہدہ ہی ہے، کوئی اور نہیں ہے — ”صوفیاء شہودیہ“ کہتے ہیں کہ یہ جماعت جو ”ہمہ اوست“ کہتی ہے، غلطی میں پڑی ہے۔ ان کی غلطی کی وجہ دو چیزیں ہیں:

(۱) — اول سکر عشق (عشق میں مدہوشی) — عشق کا تقاضا یہ ہے کہ سوائے

اپنے محبوب کے، محبت کی نظر میں ہر ایک شے مستور و غائب ہو جائے۔ وہ جس طرف نظر کرے، سوائے ”روئے معشوق“ جو کہ اس کی نظر میں سایا ہوا ہے، اور کچھ نظر نہ آئے۔ (یعنی ہر جگہ اور ہر شے میں وہی نظر آئے)۔ یہ بات عشق مجازی (کی شدت) میں بھی رونما ہوتی ہے۔ (جیسے کہ مجنوں کو آخر میں ہر شے لیلیٰ ہی لیلیٰ نظر آتی تھی۔)

(۲) — دوسری وجہ یہ ہے کہ وجود ممکن (تمام عالم مخلوق) وجود واجب کے مقابلے میں بمنزلہ (مثل) لاشیء (کچھ شے نہیں) ہے — اس لیے عقلاً دیگر وجود کو بالکل شک والا کہتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں:

لِلْمُمْكِنِ فِي نَفْسِهِ لَيْسَ وَلَهُ مِنْ عَلَيْهِ الْيَسَّ

”وہ اپنی ذات و نفس میں ممکن کے ساتھ نہیں ہے، اور وہ اس کی علت کیا نہیں ہے۔“

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَصْدَقُ الْقَوْلِ قَوْلُ اللَّيْبِدِ

”لبید (عرب کا مشہور قدیم شاعر) کا یہ سب سے سچا قول ہے کہ:

إِلَّا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ“

”اللہ تعالیٰ کے سوا کل اشیاء فانی و معدوم ہیں۔“

یعنی وہ ذاتی طور سے عدم اور فانی ہیں۔ ان سب کا وجود حق تعالیٰ جل شانہ، سے مستعار ہے۔ چنانچہ جس وقت کہ رب العزت کے اس حکم کے موافق:

أَنْ تَوَدُّ الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

”امانت (رکھنے) والوں کی امانتیں (جب مانگیں) ان کے حوالے کر دو۔“

انسان تصور کر لے، اور یقین جانے کہ وجود ممکنات ان کا ذاتی نہیں ہے بلکہ مستعار ہے۔ — غلبہ جذب و شوق کے وقت بلاشبہ ممکن کا یہ تصور وجود سے خالی

معلوم ہوگا۔ پھر اہل شاہدہ یہی کہے گا:

لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ ” اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔“

چنانچہ زید جو کہ (پہلے) برہنہ تھا اس نے عارضی و مستعار لباس پہنا ہے۔ اگر اس لباس کی غیر سے بہت کریں، اور اس مشاہدے میں استقامت و پائیداری دکھائیں، تو وہ خود کو بے شک برہنہ ہی جانے گا۔ اس لیے جس شخص نے اپنی نظر آفتاب کی روشنی پر جمارکھی ہو، بلاشبہ اس کی نظر میں چراغ کی روشنی تاریک ہی معلوم ہوگی۔ اور یہ ”دید“ درستی سے قریب اور کتاب و سنت اور اجماع امت کے موافق ہے۔

سوال یہ ہے کہ:

فریق ثانی یعنی وہ صوفیاء جو کہ وحدت شہود کے قائل ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ”خارج حقیقی“ میں سوائے ”واحد حقیقی“ کے کوئی موجود نہیں ہے۔ ممکنات ظنی (سایہ) میں اپنے وجود ظنی سے موجود ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب:

یہ جماعت جو کہ عالم کو ظل و عکس سے تعبیر کرتی ہے، وہ مجازی طور سے کرتی ہے۔ جو کچھ ان کو سیر و سلوک میں مشاہدہ ہوا ہے، وہ حالت سکر میں اس کی حکایت بیان کرتے ہیں۔ جب وہ منتہائے کار (انتہا) پر پہنچتے ہیں تو وہ اس سے خوف و انکار ظاہر کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:

”حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، تو حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خالق کا کس طرح سایہ ہوگا۔“

اور وہ نسبت جو ”وجود واجب“ (حق تعالیٰ) اور ”وجود ممکن“ کے درمیان تحقیق شدہ

ہے، اس کے موضوع کے بیان کرنے کے لیے کوئی مناسب لفظ ہی نہیں ہے۔ مجبوراً

اظہار کے لیے ”قوت، ضعف، تعلق، اولیت اور اس کی ضد“ وغیرہ کے الفاظ اس کو اصل

و ظل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ:

”تیری ”دید و شہود“ میں جو کچھ بھی گزرے، وہ غیر حق ہے۔“
اس کو لانے نفی (نہ ہونے کی حیثیت سے) کے تحت سمجھنا چاہئے۔ مقصود یہ کہ اس سے
بھی بالا و اعلیٰ تلاش کرنا چاہئے۔

ع عکس در آئینہ ها نماید مرد

”مرد کا عکس مختلف آئینوں میں ظاہر کرتا ہے۔“

دور بنیان بارگاہ است غیر ازیں پے نبرده اندکہ هست

”بارگاہ است“ کے دو نظر لوگ بھی سوائے اس کے، معلوم نہیں کر سکتے کہ۔

”وہ ہے۔“ (یعنی اس ذات اقدس کی حقیقت کوئی کیا سمجھے گا۔) —

جبکہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود یہ فرمایا ہے:

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ

”میں تیری معرفت کو جیسا کہ اس کا حق ہے، نہیں سمجھا۔“

تو پھر کوئی اور کیا سمجھے اور کیا جانے گا — ”بس وہ ہے، اور کیا ہے“ یہ نہ پوچھو

کہ ناقابل بیان ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ”پاک و عظمت والا ہے وہ میرا رب اعلیٰ“

مَا لِلرَّبِّ وَالرَّبِّ الْأَزْبَابِ

”نہیں ہے خاک و مٹی سے، وہ رب سب ربوں کا رب ہے“ جل شانہ،

مکتوب شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ بنام شاہ ابوسعید علیہ الرحمہ:

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ حضرت شاہ ابوسعید علیہ الرحمہ
کے خطوط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”یہ تحریر کیا تھا کہ پہلے یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ ذات مبداء اول آگ کی مانند اثر
رکھتی ہے۔ جیسے آگ کا اثر ضو ہے — فرق یہ ہے کہ ذات مبداء صفات کاملہ غیر
متناسی (بے انتہا) رکھتی ہے۔ لہذا وہ بے انتہا مراتب کے ظہور کا سبب ہوتی ہے —

۱ بارگاہ است: در بار الہی ۲ ضو: روشنی چمک

آگ صرف ایک ہی اثر رکھتی ہے جو اس کی روشنی و حرارت ہے۔
اے سرداری سے متصف (سید صاحب!) اس شہود کا حاصل مظاہر امکانیہ میں
استعداد و قدرت و جو بیہ لکا ظہور ہے۔ ان استعدادوں کے عدم انتہائی کی اطلاع و خبر پر
تمام گروہ صوفیاء:

☆ — خواہ وہ ”وحدت و جوڈ“ کے قائل ہوں،

☆ — اور خواہ وہ ”وحدت شہود“ کے،

سب متفق ہیں — پھر انہوں نے لکھا کہ:

”یہ مشاہدہ ہوا ہے کہ وجود واحد (ایک) ہے، اور قالب (جسم و بدن)
مختلف ہیں۔ اور ان قالبوں کے مختلف ہونے کے سبب سے ممکنات میں
فرق و امتیاز پیدا ہوا ہے۔“

ضو، مصباح اور زجاجہ (روشنی، چراغ اور شیشے کی قدیل یا قلمہ) ایک صورت
ہے۔ مگر چونکہ اس جگہ قالب (جسم) مختلف ہیں۔ اگر آئینے سرخ و سبز اور زرد وغیرہ
ہوں گے تو اس میں مختلف رنگ ظاہر ہوں گے۔ لہذا اے سیادت مآب (سردار)!
یہ معرفت (مشاہدہ، پہچان، سمجھ) وحدت وجود کی دلیل ہوتی ہے۔ پھر انہوں نے لکھا
ہے کہ:

”یہ خبر مشاہدہ ہوتی ہے کہ وہ ذات اقدس نور دقیق ہے۔“

ان صفات میں جو زید و گھوڑا وغیرہ میں (راکب و مرکب میں) مشہود و ظاہر ہوتی
ہیں۔ ان کے اندر بہ نظر دقیق ہے۔ ذات بھی مشہود ہوتی ہے — اور سید صاحب! یہ
بھی ”وحدت وجود“ کے شعبوں میں سے ہے کہ ”وجود کی حقیقت“ مختلف رنگوں میں کہ وہ
”ذات وجود کی قابلیتوں کا عکس و سایہ ہے“ تمام میں مشہود و ظاہر ہے۔

اے سیادت مآب! — جو کچھ ان کے لوح ضمیر پر مشاہدہ ہوا، وہ سب صوفیاء
محققین کے مکاشفات (مراقبہ وغیرہ میں ظاہر ہونا) کے موافق ہے۔ اس میں کوئی غلطی

واقع نہیں ہوئی ہے۔ — یہ سب ”سیر لطفہ خفیہ“ ہے۔ یہ خلوت میں کہا جا چکا ہے کہ لطفہ خفیہ کی سیر میں اسی قسم کے مکاشفات پیش آتے ہیں۔ — یاد رکھیں! — نیز حضرت واجب الوجود (حق تعالیٰ جل شانہ) کا شکرانہ نعمت کرنا چاہئے، اور زیادہ امید رکھنی چاہئے۔ — ان لطائف کی سیر حقیقت میں یہ نہیں ہے جو بعض دوست گمان کرتے ہیں کہ ایک ہی مرحلہ میں تمام ہو جائے۔ — یہ تو بڑا طول و عرض (لمبی منزل) رکھتی ہے۔ لہذا سب طرح خاطر جمع رکھ کر اس ”سیر و سلوک“ میں سعی و کوشش کر کے دکھائیں۔ — یہ سیر صوفیاء اور شریعت حقہ کے مطابق ہے۔ جو کچھ لکھا ہے وہ ”لطفہ خفیہ“ کا نشان ہے جو کہ مجمل طور سے اشیاء کو ”مبداء“ میں دیکھتے ہیں۔ — ”مبداء“ کو تفصیل کے ساتھ اشیاء میں (دیکھنا) وہی کیفیت ہے جو کہ موحدین خلاق میں حق کو دیکھنے سے، اور حق میں خلق کو دیکھنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ — مبارک ہو! — خدا تعالیٰ جل شانہ، انوار و فتوح زیادہ فرمائے وہ جو کچھ لکھا، وہ قاعدہ پر ہے۔ اس میں کسی تردد (اندیشہ) کو جگہ نہ دیں۔ — اور یہ لکھا تھا کہ:

”تمام کا رجوع ”مبداء مشہود“ کی طرف ہوتا ہے۔ (تمام اشیاء اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہیں)۔ — لہذا اہل نار (دوزخی) نار و دوزخ میں جائیں، اور اہل بہشت کی ضو بہشت میں۔ کی مطابقت کا مکاشفہ کس صورت سے ہوگا؟“

صاحب من! یہ تمام رجوع جو کہ عارف کو مشاہدہ ہوتی ہیں، یہ آئندہ زمانے کے متعلق نہیں ہیں، بلکہ اپنی ذات و اصل کے اعتبار سے یہ بالفعل ہے۔ چنانچہ:

☆ — حکیم کہتا ہے کہ ممکن کی ماہیت اس کی ذات کے ساتھ (ذات کے اعتبار سے) یہ ہے کہ — ”نہیں ہے۔“

☆ — موجد کے اعتبار سے یہ ہے کہ — ”ہے!“

☆ — عارف یہ کہتا ہے کہ ممکن کی ماہیت تحقیق کے اعتبار سے مبداء^۱ کے ساتھ دو قسم کا ربط رکھتی ہے:

اول یہ کہ : وہ مبداء سے ظاہر ہوئی۔

دوسرے : مبداء کے ساتھ واپسی۔

لہذا اس کی مبداء کے ساتھ بالفعل دو قسم کی حیثیت ثابت ہے۔ جس طرح کہ دس

کو ایک کے ساتھ دو ربط ہیں:

☆ — ایک یہ کہ : میں نے ”ایک“ کو چند بار گردش دی تو دس ہوئے،

☆ — دوسری یہ کہ: جب دس تمام ہوا تو ایک ہوا۔

دسوں حال سے یہی (اسی قدر) سمجھنا چاہئے — دوسری حالت میں مبداء و

مرجع دوسری وجہ سے منسوخ ہوگی۔

مزید یہ کہ:

یہ جو (اس راہ پر) جاتے ہیں، تمام صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے۔ جس پر بڑے

بڑے اہل عرفان چلے ہیں۔ اس راہ سلوک میں کسی قسم کی فکر اور تشویش نے ان کی

طبیعت کو پریشان نہ کیا — پہلی حالت میں صفات مبداء میں سے ایک صفت اور

لوازمات ذات میں سے ایک لازم۔ جس طرح سے ضوا اور آفتاب کی نسبت ہے، جو

کہ مختلف رنگوں میں ظاہر ہوئی — دوسرے ذات مبداء کو بغیر ملاحظہ صفات دیکھا کہ

اس نے مختلف مظاہر میں ظہور دکھایا ہے —

فقیران دونوں حالتوں کو ”لطیفہ خفیہ“ سے منسوب کرتا ہے۔ لیکن دوسری حالت

پہلی حالت سے بلند تر ہے — اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کے درمیان

ایک نور مبداء کی جانب میل و رجوع کرتا ہے۔ اس جگہ پانی میں بلبلے کی طرح

متلاشی ہوتا ہے۔ اس فقیر کے سامنے یہ حالت بہت سے تکلیفیں اور ٹھوکریں کھانے

کے بعد ایک نمائش ہے۔ خیر خدا تعالیٰ جل شانہ، نے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ ایک

نعت عظیمہ ہے۔ اس پر جان و دل سے شکر کرنا چاہئے اور اس کے فضل سے مزید

توقع رکھنی چاہئے۔

مزید یہ کہ:

تحریر فرمایا تھا کہ:

”ذات مقدس جل شانہ، تمام قیود سے خالی ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری:

”كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًا“ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔“

کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اس کے بعد انوار صفات (کہ وہ مبدائے افعال) ہیں، نظر میں آتے ہیں۔ چنانچہ ”فَأَخْبِيْتُ أَنْ أُعْرِفَ“ — ”میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں“ — اسی کی رمز ہے۔ اس کے بعد ان صفات کی تاثیرات خارج و ظاہر میں ان صفات کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ”فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ“، ”پس مخلوق کو میں نے پیدا کیا۔“ اسی کی تلمیح و اشارہ ہے۔ یہ سب معارف حقہ ہیں۔ ان کی واقفیت پر اس تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

مکتوب عبدالرزاق احمد قادری ججھانوی بنام شیخ حسین شاہ پانی پتی:

اے بھائی! جان لے اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنی معرفت و محبت عطا فرمائے۔ تحقیق معرفت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) — ایک استدلالی (دلیل و ثبوت سے)

(۲) — دوسری وجدانی (باطنی القاء سے)

یہ استدلالی معرفت اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا یقین (منع الہی):

☆ — آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے (اس پر غور کرنے سے)

☆ — اور تمام صنایعوں سے جو نشانیاں ظاہر ہیں،

ان سے اس صانع حکیم، صاحب ارادہ (کی خالقیت) پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ کسی شے کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ اس نشانی سے وہ اللہ تعالیٰ کو بہ دلالت پہچانتے ہیں۔ یہ بھی اس کی معرفت ہے۔ یہ ضروری

ہے کہ مومن اس جہل (کی باتوں) کو نہ سنے اور اس کے ساتھ اپنے ایمان کی گرہ نہ باندھے۔ کیونکہ یہ معرفت اس وجہ سے عام ہے کہ کسی شے کی وجہ سے اس کی حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

چو آیات است روشن گشتہ از ذات نہ گردد ذات او روشن ز آیات
 ”جبکہ اس کی نشانیاں ذات سے روشن ہوئی ہیں تو اس کی ذات ان نشانیوں سے اجاگر نہیں ہوتی۔ (یعنی اس کی ذات کسی نشانی کی محتاج نہیں)۔“

اہل دلیل و راء العالم کو (دلیل سے) جانتے ہیں۔ جو مومن ہیں وہ (علم غیب سے) اس کو بھی جانتے ہیں جو اہل دلیل سے پوشیدہ ہے۔

زہے نادان کہ او خورشید تابان نور شمع جوید در بیابان
 ”کیسے نادان ہیں کہ وہ خورشید تاباں کو شمع کی روشنی سے بیابان میں ڈھونڈتے ہیں۔“

اور ”وحدانیت“ سے جو معرفت حاصل ہو وہ حقیقی ہے، وہ عارف کی ذات سے نکلتی ہے اپنے وجود کو ملبوس کرنے سے ریاضت و مجاہدات کی ملازمت کے ساتھ، اور دائمی ذکر قلبی و لسانی سے شیخ کامل کی عصمت و ہمت کی مضبوطی (کو پکڑنے) سے۔ جو مسلک فنا کا سالک ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و مدد اور اپنے اسماء (کی برکت) سے اس کو لباس پہناتا ہے۔ جیسا کہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

”میں نے اپنے رب کو رب سے پہچانا“

یعنی اس کی حقیقی معرفت کے لیے کسی شے کی حاجت نہیں ہے۔ اس کی ذات پاک خود ہی سب سے بڑی دلیل و شاہد ہے۔

ب رویت حق بحق شہود بود خاصہ حضرت وجود بود

”رویت (دیدار) حق، حق سے مشاہدہ ہوتی ہے۔ وہ حضرت جل شانہ، کے وجود

مقدس کے لیے خاص ہے۔“

اس معرفت کی خاصیت اور حاصل یہ ہے کہ تمام موجودات ممکن نور حق تعالیٰ یعنی

اس کی جگہ مبارک سے پیدا اور روشن ہوئے ہیں۔ اشیاء سے وجود کی نسبت نور حق تعالیٰ کی جگہ کے ذریعے اشیاء کی صورت میں ہے۔ درحقیقت حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ تمام اشیاء صرف اس کے وجود مسعود (کی وجہ) سے موجود ہوئی ہیں۔ یہ بات نہیں کہ حق تعالیٰ عالم سے باہر ہے، اور عالم حق تعالیٰ سے باہر ہے۔ اللہ کریم اس سے اعلیٰ و برتر ہے۔ ان تمام ذلیل اور خلل ڈالنے والی (یعنی نقصان دینے والی اور گھٹیا باتوں سے) اللہ تعالیٰ کی پناہ (چاہتے ہیں)۔ قرآن کریم کی تفسیر سے اس کی نجات و برات ہے۔ یہ سب اس کے فضل اور اس کی عطا و کرم سے پیدا ہوئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ

”اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ۔“

یعنی اے اس پر ایمان لانے والو! یعنی وہ مومن لوگ جو اس کے غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ان استدلال کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ اپنے خطاب سے خطاب کرتا ہے، اور ان کو اپنے فرمان سے حکم دیتا ہے کہ:

”اللہ پر ایمان لاؤ یعنی شہادت و گواہی کے ساتھ۔“

جیسے کہ اس کے فرمان میں یہ اشارہ ہے ”اس ایمان کے ساتھ اس کے قول سے۔ اس لیے کہ وہ مشاہدے میں اپنے رب کی لقاء پاتے ہیں۔ بے شک وہ ہر شے پر محیط ہے۔ لہذا محقق ہونا چاہئے جو کہ مشاہدہ حق سے مشرف ہو۔ ہر متعین میں بے تعین کو اس وجہ سے دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم صفت سے ہر ایک مقید میں مشہود ہے۔ لیکن فی الواقع وہ اس میں مقید نہیں بلکہ وہ سب سے مطلق ہے۔

۔ ہمہ عالم جمال حضرت اوست او جمیل و جمال دارد دوست

”تمام عالم سے حضرت تعالیٰ کا حسن و جمال ظاہر ہے۔ یعنی تمام عالم اس کا

حسن ہے۔ وہ حسین و خوبصورت ہے اور وہ دوست جمال رکھتا ہے۔“

اے میرے برادر! اللہ تعالیٰ تیری بقا کو طول دے یعنی عمر بڑھائے۔ معرفت و

محبت سے جان لے کہ حق تعالیٰ سبحانہ، واجب الوجود ہے۔ پس اس کا وجود واجب ہوا تو اس کے ماسوا (ہر شے کا) عدم واجب ہو گیا۔ چنانچہ جو لوگ اس کے سوا (غیر) کا گمان کرتے ہیں، تو اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے غیر اور سوا کے ہونے سے منزہ (پاک) ہے۔ لیکن اس کا غیر کوئی نہیں ہے۔ جیسے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ مبارک اس طرف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”تم زمانے کو برامت کہو۔۔۔ تحقیق وہ اللہ زمانہ ہے۔“

اشارہ یہ ہے کہ زمانے کا وجود اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہے۔ باوجود اس کے وہ اللہ تعالیٰ زمانے سے اعلیٰ اور تمام عالم سے برتر ہے۔ اس کی ذات پاک اس سے بلند اور وراہ الواراء ہے۔ شاید آپ کی خاطر شریف میں واضح طور سے نہ آیا ہو تو میں اس سے روشن اور واضح تر عرض کرتا ہوں یعنی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ

”اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ۔“

یعنی اے وہ لوگو! جو کہ اس پر بذات خود ایمان لائے ہو۔ یعنی انہوں نے اپنی ہستی سے نسبت کی ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں ہم مطلق سے باہر موجود ہیں۔ انہیں کو بارگاہ وحاب جل شانہ، سے خطاب ہوتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ”اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔“

یعنی اہل یقین، مومنو! اپنے نفس (ذات) کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ تمہارا وجود اللہ تعالیٰ کا وجود ہے اور یہ معنی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی کے ہیں کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

”جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“

اس وجہ سے کہ اول بھی وہی ہے، آخر بھی وہی ہے، ظاہر بھی وہی ہے، باطن بھی

وہی ہے — جب یہ ثابت ہوا کہ وہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔ تو تحقیق معلوم یہ ہوا کہ تو نہیں ہے کچھ، لیکن تو وہی ہے — اس طرح تو ذات و نفس کو سمجھا تو پھر تو اللہ تعالیٰ کو سمجھ گیا — وہ تعالیٰ جزوی نہیں، حقیقی ہے۔ وہ تجھ سے اعلیٰ اور تمام موجودات سے اعلیٰ و برتر ہے۔ وہ ذات پاک سبحانہ، اس سے پاک اور سب سے اعلیٰ اور بڑی ہے —

شاید اب بھی نہ واضح ہوا ہو تو اس سے بھی روشن تر میں عرض کرتا ہوں۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ

”اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ۔“

اے مومن لوگو! تم اشیاء کے ساتھ ایمان لاؤ۔ اور یہ یقین کرو کہ وہ اشیائے موجودات حقیقتِ مطلقہ سے وراء اپنی حد میں مستقل ہیں۔ اپنی رحمت رحیم سے یہ خطاب کریم بھیجا کہ:

آمِنُوا بِاللَّهِ لَا بِالْأَشْيَاءِ

”اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، نہیں بلکہ ساتھ اشیاء کے۔“

کیونکہ معلوماتِ ایمان ہمیشہ کے لیے معدومات ہیں۔ موجودات اس کے وجود سے سردی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ارشادِ عالی کا یہی مطلب ہے:

أَرِنَا الْأَشْيَاءِ كَمَا هِيَ

”اے میرے رب! مجھ کو حقیقتِ اشیاء جیسی کہ وہ ہیں، دکھا!“

۔ در نظر عین غیر آب نماںد محو شد قطرہ و حباب نماںد
”حقیقت کی نظر میں وہ پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب وہ قطرہ محو ہو جاتا ہے (یعنی پانی میں مل کر پانی ہو جاتا ہے) تو پھر بلبلے کا وجود باقی نہیں رہتا۔“

اس رو سے حقائق جو کرتے ہیں، معدوم ہیں۔ اور ممکنات کی حقیقتوں کے آثار

”میں پاک و اعلیٰ ہوں، میری شان کتنی بڑی ہے۔“

اور واصل اس کی ذات سے، اس کی صفات سے واصل نہیں ہوا۔ کیونکہ:

☆ — وہ نہیں ہے کوئی ذات، مگر اس کی ذات، اور

☆ — نہ کوئی وجود ہے، مگر اس کا وجود ہے۔

جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ظاہر ہے کہ
زمانے کو برانہ کہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ زمانہ ہے۔

شاید کہ اب بھی واضح نہیں ہوا۔ تو میں اس سے بھی روشن تر بیان کرتا ہوں۔ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد باری ہوا:

”اے میرے بندے! میں مریض ہوا — پھر میں تیرے پاس آیا اور

تجھ سے سوال کیا۔ پھر تو نے مجھ کو نہ دیا۔“

اس سے اشارہ ہے کہ بے شک اس مریض کا وجود اور اس کا وجود اور سائل کا وجود
اس کا وجود تھا — اس سے جب یہ ثابت ہوا کہ بے شک سائل کا وجود اس کا وجود
ہوا تو معلوم یہ ہوا کہ بے شک اس کا وجود اور تمام کمونات جوہری و عرضی کا وجود اسی کا
وجود مسعود ہے۔ اور:

”میرا از تمام ذرات کے ذرے ذرے میں ظاہر ہے۔“

چنانچہ تمام موجودات ظاہر و باطنی کا راز (اس سے) ظاہر ہوا۔

میں جانتا ہوں (شاید اب بھی واضح نہ بیان ہوا ہو۔ تو اس سے بھی روشن تر عرض
کرتا ہوں — ”وجدان“ باطنی کیفیت) کو کتاب میں لاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی
کتاب محکم (قرآن مجید) میں فرمایا ہے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔“

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ الف اور لام اس میں استغراق کے ساتھ ہے ان
معنوں میں کہ:

”تمام ترجمانہ (تعریف و توصیف) اللہ ہی کے لیے ہے۔“

یعنی صفحہ کائنات پر جو کچھ تعریف و توصیف اور حمد و ثناء کی قسم سے ہے، وہ تمام تر اس ذات واحد جل شانہ، کی ہی حمد و ثناء ہے۔ اس اشارہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

الْحَمْدُ لِلَّهِ "سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔"

ثابت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی ذات موجود ہی نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا امکان ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی اور ذات (حقیقی طور سے) موجود ہو۔ الغرض اگر کوئی اور ذات حق تعالیٰ کی ذات کے سوا موجود ہو تو وہ صفت سے خالی نہ ہوگی۔ اس وجہ سے کہ ہر ذات جو ذات مطلق کے سوا موجود ہوگی، وہ قبل و بعد اور حرکت و سکون وغیرہ سے خالی نہیں ہوگی۔

چنانچہ اس ذات کی بھی تمام صفات اسی (حق تعالیٰ ذات واجب مطلق) ہی کی ہوں گی۔

— ثابت یہ ہوا کہ (غیر کی ذات کے ساتھ) کل صفات ثابت نہیں، بلکہ وہ سب حق تعالیٰ جل شانہ، کی ذات باصفات کے لیے (صرف) ہیں۔

نیز اس سے بھی واضح تر عرض کر دوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ

"اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ۔"

یعنی اے وہ لوگو! جو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو۔ لہذا وہ خالق موجود ہے، جو تجھ سے اعلیٰ ہے اور تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ ہر نقص و زوال سے منزہ (پاک و صاف) ہے۔ ملک رحیم سے ان کو یہ خطاب کریم پہنچا:

آمِنُوا بِاللَّهِ بَأَنَّ ذَلِكَ الْخَالِقِ الْمَوْجُودِ لَيْسَ وَرَأَيْكَ

"اللہ پر ایمان لاؤ کہ بے شک وہ خالق موجود ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں

ہے۔"

وہ صفات کمال سے موصوف ہے اور تصفیہ و زوال سے منزہ (خالص) ہے۔ بلکہ

وہ موجود موصوف ہے — تم اللہ پر ایمان لاؤ کہ بے شک تو صفات کمال سے موصوف ہے تیرے غیر سے (بھی) — جب تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا تو مومن ہو جائے گا، اس لیے کہ اللہ مومن ہے — ایک دیوانے یگانے نے کیا خوب فرمایا ہے:

بیروں ز حدود کائنات است دلم بیروں ز احاطہ جہان است دلم
فارغ ز تقابل صفات است دلم مرآة تجلیات ذات است دلم
”میرادل حدود کائنات سے باہر ہے۔ میرادل احاطہ جہان سے بھی باہر ہے۔ میرادل تقابل صفات سے بھی فارغ ہے — حقیقت میں میرا دل تو تجلیات ذات الہی کا آئینہ ہے۔“

انہوں نے ایک دوسرے رسالہ میں بھی لکھا ہے کہ
”تمام طریقوں سے قریب تر ذکر الہی ہے — اور اس کے قریب تر مشاہدے میں روئے مرشد کمال کے مشغول ہونا ہے۔“

جس کو حق تعالیٰ یہ توفیق رفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ مشغولی پیر کے ذریعے اور ویلے سے حاصل ہوئی۔ (یہ مشغولی ایسی افضل ہے کہ) اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہے۔ بس وہ ایک گوشے میں پڑا ہوا اسی ملاحظے میں مشغول رہے۔ اگرچہ دوسری ریاضتیں بھی رکھتا ہو۔ مگر یہی مشغولی اس کو خدا سے ملا دے گی — مبتدی کو شروع میں ”پیر کامل“ کی صورت مبارک سے مشغولی کے بغیر کوئی چارہ مشغولی نہیں۔ اس وجہ سے کہ علم الہی، عالم معنی ہے۔ اس کا دیکھنا کسی صاحب کمال کی صورت میں ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انسان کامل وہ ذات ہے جس کی ذات ذات حق ہے، اور وہ مظہر کمالات حق تعالیٰ جل شانہ ہے۔

مظہر تام غیر انساں نیست کہ ہمہ کون را مسخر کرد

”انسان کے سوا مظہر کامل کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے تمام موجودات

تقابل صفات: صفات کا موازنہ صفات کا اختلاف مع مبتدی: ابتدا کرنے والا مع عالم معنی: عالم اسرار الہی۔“

کو تنخیر کیا۔“

۔ انبیاء اولیاءِ راقم برحق ہوں۔ سر مخفی کردہ ام با تو بیاں

”تو انبیاء و اولیاء کو حق جان، میں نے تجھ سے یہ پوشیدہ راز بیان کر دیا ہے۔“

اس فقیر کو خود میرے مرشد گرامی نے اپنی صورت مبارک کا ملاحظہ و مشاہدہ
 ”ذکر چہار پایہ“ سے فرمایا تھا۔ میں اس حد تک مشغول ہوا کہ بالکل ذکر سے بھی جاتا
 رہا۔ صرف ملاحظہ صورتِ اقدس (مخویتِ مشاہدہ) باقی رہا۔ سوائے فرض نماز و سنت
 موکدہ کے لازمی طور سے مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو شخص میرے پیر کے
 ذریعے سے مشغول ہو، اگرچہ اس سے کوئی عبادت و ریاضت نہ ہو مگر پھر بھی اس کا
 مقصود بر آ جائے گا۔ اس لیے کہ ہر صاحبِ دولت و سعادت مند جو کہ ان
 (پیرِ کامل) کے ساتھ متوجہ ہوگا تو وہ ان کی پیروی میں ان کے موافق ہی چلے گا۔
 ان کے مبارک چہرے کا نور درخشاں اس کے آئینہ دل میں چمکے گا۔ ان کے
 روئے مقدس کی صفائی کی وجہ سے وہ خود کو بھی ان جیسا ہی پائے گا۔ اس وجہ سے
 لازم ہے کہ ان کا فیض و عطاء اس کو بھی حاصل ہو۔ ذوق و حال جوان کی ذات اقدس
 سے ظاہر ہوتا ہے، اس (مریدِ تابع) سے بھی ظاہر ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم نے اپنے محبوب دوست، خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان
 مبارک میں فرمایا:

”میرے سینے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی شے نہیں ڈالی مگر وہ ابو بکر ابنِ قاضی
 کے سینے میں بھی ڈالی ہے۔“

پیرِ کامل کا واسطہ اس فقیر پر اس قدر غالب آیا تھا کہ جب لوگ آسمان پر چاند
 دیکھتے تھے، اور یہ بندہ (راقم) بھی دیکھتا تو چاند مجھ کو ہرگز نظر نہیں آتا تھا۔ یہ مشاہدہ
 صورتِ مرشد مجھ پر یہاں تک غالب و طاری ہوا کہ رُوئے مبارک کے سوا کوئی اور شے
 مجھے نظر ہی نہیں آتی تھی۔ خواہ میں کسی درخت یا دیوار یا کسی کی جانب نظر اٹھاتا، صرف

جمال حضرت مرشدی (مشاہدہ میں) نظر آتا۔

۔ درہرچہ نظر کردم غیر از تو نے بینم

غیر از تو کے باشد تھا کہ محال است ایں

”میں جس چیز پر بھی نظر کرتا ہوں، تیرے سوا میں کچھ نہیں دیکھتا۔“

تیرے سوا کوئی اور ہو، حقیقت یہ ہے کہ یہ محال ہے یعنی ممکن نہیں۔“

در ہر چہ نظر کنم بہ تحقیق جز نور رخ تو نیست منظور

”جس چیز میں بھی میں نظر تحقیق سے دیکھتا ہوں تو تیرے چہرے کے نور

کے سوا مجھے اور کچھ نظر نہیں آتا۔“

حاصل مطالعہ:

ان بزرگان دین کے خوان ینما یعنی مکتوبات مذکورہ بالا کے مضامین حقائق الہیہ کے مختلف انعامات سے اس فقیر کو جو کچھ حصہ ملا ہے، مسافرانِ طریقت و رہروانِ راہ حقیقت و سالکانِ مسلک معرفت کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ تاکہ اہل ذوق اپنے مذاق و میلانِ طبعی کے موافق نعمتوں سے لبریز اس پر لطف خوانِ نعمت سے محفوظ ہوں اور باطمینان تمام و منشاء خود کے موجب دیار یار کا راستہ لیں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

صوفیہ کرام وحدتِ حقیقی کو تو ہم کثرت کا منشا جانتے ہیں۔ اور ان کا فرمان ہے کہ یہ عالم امکان ایک عالیشانِ طلسم (جادو) ہے جسے صانع مطلق نے اپنی صنعت کاملہ سے اپنی وحدتِ حقیقی پوشیدہ رکھنے کے لیے برپا کر رکھا ہے۔ تاکہ ہر شخص اس حنجِ مخفی (پوشیدہ خزانے) کا کھوج (پتہ) نہ پاسکے۔ حق البقین کے درجہ پر یہ راز ان پر ظاہر ہو گیا ہے کہ وجود واجب تعالیٰ یعنی وحدتِ حقیقی کثرتِ طلسمی غیر حقیقی میں ساری و طاری ہے۔ جیسے پانی کہ کثیف ہونے کے باوجود محسوس و غیر محسوس مختلف صورتوں میں ساری و طاری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو عالم امکان و رطہ عدم میں پینچے۔ چنانچہ اسی طرح اگر وحدتِ حقیقی میں موجود نہ ہو تو کل کثرتِ طلسمی غیر حقیقی معدوم محض ہو جائے، اور اس طلسمِ مصنوعی کا ڈھانچہ بالکل بکھر جائے۔ لیکن چونکہ کثرتِ غیر حقیقی میں وحدتِ حقیقی

بذات خود موجود ہے، لہذا کثرتِ غیر حقیقی قائم و نمودار ہے۔

☆ — کثرتِ غیر حقیقی وہ ہے جو بوسیلہ ظاہر ہو،

☆ — وحدتِ حقیقی وہ ہے جو بذات خود قائم و برقرار ہے۔

کثرتِ غیر حقیقی قاذح وحدتِ حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ وہ معدوم ہے اور یہ موجود — وحدتِ حقیقی کے بغیر کثرتِ غیر حقیقی کا وجود محال ہے۔ جیسے پانی کے بغیر تمام اشیاء کا وجود۔

مفسرین کرام علیہم الرحمہ نے کَانَ عَرُشُهُ عَلٰی الْمَآءِ کی تفسیر میں اس حدیث پاک کو نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک منور موتی پیدا فرمایا، جسے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں۔ (جس کی گولائی اور بزرگی اس کے علم میں ہے) — پھر اس پر تجلی بلال فرمائی، وہ موتی ہیبت الہی کے مارے پکھل کر پانی ہو گیا، اور جوش کھا کر پکنے لگا — اس میں سے دخان (بھاپ) اٹھا، اور مختلف ہوائیں پیدا ہوئیں — اس دخان سے آسمان بنے — ہواؤں کے جھونکوں سے پانی پر جھاگ نمودار ہوا جس سے زمین وجود میں آئی — پھر ان چاروں اجزا یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی کے اشتمال سے جملہ اجرام فلکی، اجسام ارضی محسوسہ و غیر محسوسہ موجود ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُ كُنْزًا مُخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

”میں ایک چھپا خزانہ تھا، جب چاہا کہ پہچانا جاؤں، چنانچہ خلقت کو پیدا کیا۔“

اس ارشاد سے واضح ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے، اس میں جو کچھ

گلکاریاں ہو رہی ہیں، یہ سب حضرت آب (پانی) کا فیضان ہے — اس سے یہ

ثابت ہوا کہ زمین و آسمان وغیرہ کی اصل اور کل اشیاء کی جان پانی ہے — ارشاد

باری ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ

”اور کہا ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ۔“

اس بارے میں حدیث شریف بھی ناطق ہے:

كُلُّ شَيْءٍ حَيٌّ مِنَ الْمَاءِ

پانی کی اصل وحدتِ حقیقی یعنی وجود واجب تعالیٰ ہے۔ چنانچہ سب اشیاء کے وجود میں وحدتِ حقیقی ضرور موجود ہے، جیسے ہر شے میں پانی کی حقیقت — یہ وہی پانی ہے جو بخارات بن کر اڑتا ہے اور ہوا کے ذریعے سے جا بجا ابھی تک اپنی اصلی بہار کے صور و اشکال و الوان مختلفہ میں رنگ برنگ کر شے دکھا رہا ہے، اور دکھاتا رہے گا۔
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ!

اب ذرا اعداد پر غور فرمائیں کہ الف یعنی ایک نے نقطہء احدیت ذاتِ لائقین سے ظہور پکڑا ہے۔ (جس کا مفصل بیان ہندسہ الہیہ میں کیا جائے گا)۔ اور جملہ اسی ایک سے شروع ہو کر نو (۹) پر ختم ہو جاتے ہیں، اور آگے وہی صفر — وحدتِ حقیقی واحد کے ہر ایک عدد میں موجود ہے۔ مثلاً:

۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۵ - ۶ - ۷ - ۸ - ۹

اگر اس ایک کی حقیقی اعداد میں وحدت نہ ہو تو کوئی عدد قائم نہیں رہ سکتا — نو کا عدد پورے طور پر مکمل ہے۔ چونکہ اس نو کے عدد کو وحدتِ حقیقی نے کمال کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اس لیے اس کے صفر کے سوا کوئی عدد نہیں — اور جو کچھ بھی ہیں تو اسی ایک سے نو تک کی شاخیں ہیں، باقی صفر۔ مثلاً

اسی ایک سے نو تک کے اعداد میں باہم ایک دوسرے میں جمع یا ضرب یا تفریق یا تقسیم یا کوئی اور حسابی عمل ان اعداد پر کیا جائے تو شاخ در شاخ برابر نکلتی چلی جائیں گی۔ غرض ایک سے لے کر نو تک تمام دنیا کے حساب کا خاتمہ ہے — یہی اکائی ہیں، یہی دھائی، یہی سینکڑہ، یہی لاکھ وغیرہ۔ فقط نقطہ و مراتب کا ہیر پھیر ہے اور کچھ نہیں۔

ن آثار تعینات چوں یافت حکے کثرت ہمہ وحدت است بے پیچ شکے
چوں نقطہ صفر شد نہاں از رقمت بگرچہ وہ د صد ہزار است یکے
”اگر آثار تعینات کو (کثرت موجودات) دور کر دو تو کسی شک کے بغیر یہ

تمام کثرت وحدت ہی ہے۔ جب نقطہ صفر ہو جائے تو اس کی تمام کثرت پوشیدہ ہو جاتی ہے۔“

یعنی اگر ایک کی رقم ہو تو اس پر صفر اضافہ کرنے سے 10، 100 اور 1000 وغیرہ بنتے ہیں۔ مگر جب صرف صفر رہ جائے اور ایک کا ہندسہ دور کر دیں تو پھر اس کی ذاتی کچھ قدر و قیمت (رقم) نہیں ہوگی۔ چنانچہ دیکھ لیں، کیا دس (10)، سو (100)، اور ہزار (1000) سب ایک ہی ہیں۔ سب کی رقم قدر و قیمت صرف ایک (1) کے وجود سے ہی ہے۔ اگر یہ ایک نہ ہو تو پھر کچھ نہ ہو۔ تمام اعداد میں اسی ایک کا ظہور و اثر ہے۔ اسی طرح ”وجود بحت“ واحد مطلق ہی کے وجود مسود کا تمام کثرت (بے شمار موجودات) میں نور و ظہور ہے۔ اس کے بغیر کسی کا حقیقی وجود کچھ نہیں ہے۔ وہ سب معدوم ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ
 ”اس کے علاوہ تمام چیزیں فانی ہیں، تیرے اسی رب کی ذات باقی ہے،
 اور وہ صاحبِ جلال و اکرام ہے۔“

مگر جہاں کہیں کوئی عدد ہے تو ایک بھی ضرور ہے۔ یعنی یہ ایک اپنی حقیقی وحدت ہر ایک عدد میں قائم اور برقرار رکھتا ہے۔ اسی طرح مظہر و شیوناتِ الہیہ لا تَعْلُو وَلَا تُخْصِی ہیں۔ کہ ہر ایک اپنے کمال ترین درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔ آگے صرف وہی نقطہ وحدت ذات ہے۔ احدیت ذات کی حقیقی وحدت ہر ایک مظہر و شان میں اظہر من الشمس شامل حال ہے لیکن مادر زاد اندھا معذور شخص ہے۔ دھائی، سینکڑہ، ہزار دس ہزار لاکھ، دس لاکھ وغیرہ میں نقاط کا فرق ہے۔ وہ اعداد ایک سے لے کر نو تک ہیں۔ ان کے درمیانی اعداد مختلف صورت و شکل کے ہیں مگر ایک کی حقیقی وحدت جملہ اعداد میں ساری و طاری ہے۔ حجج علوم اور ہر زبان کے اعداد و حروف کی ابتداء اسی ایک جس کو الف کہا جاتا ہے سے شروع ہوئی ہے، اور اسی پر ختم۔ ہر عدد و حرف مختلف شکل و صورت میں موجود ہے۔ اسی طرح احدیت ذات ہر شے میں اپنی

حقیقی وحدت قائم و برقرار رکھتی ہے۔

احداست و شمار از و معزول صداست و نیاز از و معزول
 آں احد نے کہ عقل داند و نہم آن صمد نے کہ حس شناسد و وہم
 ”وہ واحد ہے اور شمار اس سے معزول ہے۔ وہ بے نیاز ہے، نیاز (حاجت) اس سے دور ہے۔ وہ احد نہیں ہے کہ جسے عقل و فہم جان سکے۔ وہ صمد نہیں ہے کہ جسے حس اور زم پہچان سکے۔ (یعنی وہ سمجھ سے باہر ہے۔“)

ہزار رنگ جہاں گر چہ در نمود آید
 ہماں کیے است کہ در دیدہ شہود آید

”اگر چہ جہان کے ہزار رنگ نمودار ہیں۔ مگر سب میں ایک ہی ہے جو چشم مشاہدہ میں نظر آتا ہے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے وحدت وجود کو اس طرح پر ثابت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”ظہورات عالم کو احدیت ذات سے دور ربط ہیں۔ جیسے دس کے عدد کو ایک کے عدد کے ساتھ مثلاً اگر ایک کے عدد کو چند بار گردش دی جائے تو دس کے عدد تک پہنچ جائے گا۔ اور جب دس تمام ہوئے تو پھر وہی ایک ہے۔“

اگرچہ اس میں مولانا صاحب نے ظہور و بازگشت کا حساب رکھا ہے کہ کُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ۔ لیکن آپ نے انہیں اعداد میں هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کو ظاہر کر دیا۔ آپ نے وحدت وجود کا ثبوت کامل طور سے کر دکھایا ہے۔ یعنی اول ایک، آخر ایک، ظاہر ایک، باطن ایک۔ سب میں موجود سب سے جدا، اور پھر وہی ایک کا ایک۔ یعنی باوجود کثرت مختلف صور و ہشکال کے سب اعداد میں ایک موجود ہے۔ اسی طرح عشرات و مآت والوف وغیرہ میں حقیقی وحدت کو دیکھ لیں۔ غرض کوئی شے حقیقی وحدت سے خالی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ صفات، عین ذات نہیں بلکہ ذات پر زائد ہیں — اس لیے کہ ذات صفات کی محتاج نہیں۔ اگر صفات بھی نہ ہوتیں تو ذات سے صفات کا کام سرانجام ہوتا۔ اگر ذات ہی بذات خود صفات کے بغیر کھلے بندوں بے پردہ ہو کر چشیل میدان میں آ کر کھل کھیلتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے — اس میں ہمارے لیے یہ بڑا نفع تھا کہ ہم اس بندگی کے جنجال سے آزاد ہو جاتے۔

۔ نہ تھا کچھ تو خدا تھا، نہ ہوتا کچھ تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

مگر افسوس! کہ ایسا نہ ہوا اور کیوں ارادہ بدل دیا۔ ذات حق چونکہ علیم و حکیم مطلق ہے، اس لیے اس نے اپنے علم قدیم سے معلوم کر لیا کہ کھلے بندوں میدان میں آ جانا حکمت بالغہ کے خلاف ہے۔ لہذا صفاتی بھیس کا بہروپ بھر کر صفاتی تجلی فرمائی اور مصلحت بھی اسی میں دیکھی۔ تاکہ غنائیت و صمدیت محفوظ و قائم رہے، اور صفات ہی کار فرمائے عالم سمجھی جائیں۔

۔ بدلا نہیں کوئی بھیس ناچاری سے ہر رنگ ہے اختیار سرکاری سے
سب روپ میں تاک جھانک اپنی کرنا یہ سوانگ بھرا گیا ہے عیاری سے
اور پر لطف کیفیت بھی اسی میں ہے کہ عاشق و معشوق کے درمیان پردہ ہو۔ ورنہ
نہ عاشق رہے، نہ عشق نہ معشوق۔

۔ ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو

چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

”یہ میں اور تو کی گفتگو (صرف) پس پردہ ہے۔ اگر پردہ اٹھ جائے تو پھر نہ

تو رہے اور نہ میں۔“

بڑے بڑے دانشمندیوں کی عقل جزوی چکر کھا رہی ہے کہ یہ کیسا ظلم جرت افزا

ہے:

☆ — کوئی تو عین ہتا ہے اور

☆ — کوئی ظل و عکس ، اور

☆ — کوئی کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں

غرض ہر ایک شخص اپنے علم و انکشاف سے خیالی نکلے لگا رہا ہے۔ مگر وہ ذات لیس کَمَثَلِ شَيْءٍ اپنی اسی اصلی شان میں اَلَانَ كَمَا كَانَ مُتَجَلِي ہے۔

۔ زاہد بہ نماز و روزہ و ربطے دارد عاشق بہ مئے دو سالہ ضبطے دارد

معلوم نہ شد کہ یار مشغول یکست ہر کس بہ خیال خویش نچطے دارد

”زاہد (پاک باز) نماز روزے سے تعلق رکھتا ہے اور رندو عاشق دو سالہ

پرانی شراب سے ربط و ضبط رکھتا ہے — مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ یار کس

میں مشغول ہے۔ ہر ایک بس اپنے ہی خیال میں کھویا ہوا ہے۔“

شیونات کیا ہے؟

شیونات جمع ہے شان کی، بمعنی طُورٌ مِّنْ اَطْوَارِ اللّٰهِ — یا تجلی ذات، یعنی بطون سے ظہور میں جلوہ فرمائی — كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِى شَانِ اس پر قطعی دلیل ہے — جیسے پانی کا ظہور موج و حباب کی صورت میں ہے کہ یہ آپس میں یک ذات ہیں۔ اسی طرح شان و شیونات اور ذات حق بھی ایک ذات ہیں — غرض ذات حق کے سوا کچھ بھی موجود نہیں اِلَّا پردہ طلسمی جسم و صورت۔

۔ زدریا موج گوناگوں برآمد زبے چونی برنگ چوں برآمد

گبے کسوت لیلیٰ فروشد گبے برصورت مجنوں برآمد

”دریائے وحدت سے قسم قسم کی بے شمار موجیں ظاہر ہوئیں۔ اور بے چوں (بے مثال) سے رنگ چوں (مثال) نمودار ہوئیں، کبھی وہ محبوب حقیقی پردہ و فانوس لیلیٰ میں پوشیدہ ہوا، اور کبھی مجنوں (عاشق) کی شکل میں ظاہر ہوا۔“

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مشہودی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”صوفیہ کے گروہ شہود یہ کہ جنہوں نے صحو و افاقت بہم پہنچائی ہے، اور حقیقی وحدت کے شہود کو کثرت وہمی کا حکم کیا ہے۔ اسی لیے ”ہمہ از اوست“ (سب کچھ اسی سے

ہے) کہتے ہیں — جب گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو سب نیست و فانی معلوم کرتے ہیں، اور صرف اس کا وجود مسعود ظاہر ہوتا ہے —

رسول کریم نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا:

إِنَّ أَصْدَقَ الْقَوْلِ قَوْلُ اللَّيْبِدِ: الْأَكْلُ شَيْءٌ مَا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ
 ”تمام اشیاء ہلاک ہونے والی ہیں سوائے اس کے رُخ (ذات) کے“
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ:

”بے شک سب سے سچا قول لبید شاعر کا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا تمام اشیاء باطل

ہیں۔“

یہ اس مدعا پر دلیل ہے، اور باطل ان معنوں میں ہے کہ وہ ہلاک و معدوم تھیں، اور باطل و فانی ہو جائیں گی — لہذا یہ کہنا جائز ہے، اور تکلف و معنی حقیقی اس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ہالک و باطل (معدوم) فی الحال (وقتی) نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذاتِ حق کے سوا کچھ موجود نہیں — اگر کوئی حقائق الموجودات عالم کو (جس کا نام ممکنات ہے) وہم و باطل پر محمول کرے تو یہ آئیہ مذکورہ اور لبید کا قول کہ جس کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصدق فرمایا، کے بالکل برخلاف ہے — ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

”جو کچھ یہاں پر ہے وہ سب فانی ہے، اور تیرے پروردگار صاحبِ جلال

والاکرام کی ذات باقی ہے۔“

یعنی جن کو تم ممکنات کہتے ہو، وہ سب فانی ہیں، ذاتِ واجب تعالیٰ باقی — چنانچہ فانی وہ ہے جس کے اندر فانی الحال اصلی و لازمی ہو۔ جیسے اشیاء کے جسم و صورت — جس میں فانی الحال اصلی و لازمی ہوتی ہے وہ فی الحال لاشنسے اور معدوم محض ہوتی ہے — جب یہ بات ممکنات میں ثابت ہے تو ممکنات فی الحال

لاشے و معدوم محض ٹھہرے — باقی وہ ہے کہ جس کی ذات کو اصلی و لازمی بقا ہو، اور یہ ذات واجب تعالیٰ پر صادق ہے — معلوم یہ ہوا کہ ممکنات فی الحال معدوم و فانی محض ہیں، اور ذات الہی موجود و قائم — حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جو ذات ازل الازل سے باقی ہے اور تا ابد لاآباد باقی رہے گی، اس ذات کے مقابل جو اپنی اصلی و ذاتی بقا رکھتی ہے، اور ادراکات و انکشافات و عقول و افہام و خیال و قیاس و ادوہام سے برتر ہے — ایک لاشے و معدوم محض کو اس کے مقابل قائم کر کے اس پر عقلی و قیاسی دلائل شریعت پہلے ہی وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ارشاد فرما چکی ہے۔ کیا ایسے احتمالی و انکشافی دلائل لائق پذیرائی ہو سکتے ہیں؟ — ہرگز نہیں!

نعرہ منصور کی حقیقت:

بعض فقراء نے فرمایا ہے کہ حسین ابن منصور علیہ الرحمہ کی دید نے انا الحق کہنے میں خطا کی — اکثر سالکان راہ طریقت سے ایسی اغلاط واقع ہوئی ہیں۔ مثلاً سُبْحَانِي مَا اَعْظَمَ شَانِي وَغَيْرِهِ۔ کیا یہ صحیح ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ کتب عقائد میں جمیع علماء کے نزدیک مسئلہ مسلمہ ہے کہ:

الْحَقُّ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالصِّرَاطُ حَقٌّ وَالْكِتَابُ حَقٌّ وَالْحَقُّ حَقٌّ حَقٌّ
 لکھا ہے — اور فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کو یہی عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اگر وہ حق "حق" کا عقیدہ نہیں رکھے گا تو کافر ہوگا — اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حق و باطل کے مقابل کہا گیا ہے تو ہمیں ضرور عرض کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو باطل پیدا ہی نہیں کیا۔ اس سبب، تعالیٰ نے فرمایا:

☆ — وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِاطْلًا (پ ۲۳ ع ۱۲)
 "اور ہمیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے باطل۔"

☆ — مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِأَعْيُنٍ وَمَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا

بِالْحَقِّ (پ ۲۵ ع ۱۵)

”اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کھیلتے ہوئے (یعنی یہ بچوں کا سا بے ہودہ کھیل نہیں ہے کہ بنایا اور بگاڑا) نہیں پیدا کیا۔ ہم نے ان دونوں کو مگر ساتھ حق کے۔“

☆ — مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى
”نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو زمین کو، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

مگر ساتھ حق اور وقت مقررہ کے۔“ (پ ۲۶ ع ۱۴)

چنانچہ جب ہر جگہ حق ہی حق موجود ہے تو پھر بے چارے منصور نے اگر اَنَا الْحَقِّ کہہ دیا تو کیا برا کیا — اگر یہ فرمائیں کہ وہاں حق بمعنی ثَابِتَةٌ ہے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ بے چارے حسین ابن منصور نے کیا خطا کی ہے یہاں بھی ثَابِتَةٌ کے معنی لگا لو، کیا حرج ہے — مگر ہاں یہ بات دوسری ہے کہ ملاکی ماری حلال ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اتنا نیت خاصہ ذات حق سبحانہ، و تعالیٰ ہے۔ ذات کا ذاتی نام سوائے ضمیر متکلم کے دوسرا نہیں ہے۔ یعنی اَنَا، نَحْنُ، مَنْ، مَا، مَنِ، هُمْ جو ایک زبان میں بولتے ہیں۔ اللہ وغیرہ اسماء حسنیٰ یہ سب صفاتی نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قدیم میں ہر چیز کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ چنانچہ آیات مذکورہ بالا سے مفہوم ہوتا ہے کہ پھر ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام منصور حلاج و بایزید بسطامی رحمہم اللہ کا تھا، نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ:

— انسان کی ذات میں یہ خدائی کے کھیل ہیں

بازی کہاں بساط میں جو شاہ ہی نہیں

چنانچہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ جو چیزیں خاصہ ذات حق ہیں، وہ ماسوائے اللہ کی طرف منسوب کی جائیں۔ هَذَا ظُلْمٌ عَظِيمٌ — بقرض محال اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ

☆ — حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ سے اَنَا الْحَقِّ

☆ — بایزید بسطامی علیہ الرحمہ سے سُبْحَانِي مَا أَعْظَمَ شَانِي

☆ — جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ اِلَّا اللّٰهُ
 وغیرہ وغیرہ اولیاء اللہ سے اور جو کچھ سرزد ہوا ہے اور حضرت امیر المؤمنین علی
 مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے قرآن شریف کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

☆ — هَذَا قُرْآنٌ صَامِتٌ وَاَنَا قُرْآنٌ نَاطِقٌ۔ اور

☆ — اَنَا عَاقِدٌ نُطْفَةٌ فِی الْاَرْحَامِ وَاَنَا بَاعِثٌ مَنْ فِی الْقُبُورِ

☆ — اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ

ارشاد باری ہے:

☆ — قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ — اور فرمایا ہے:

☆ — وَاَنَا عَرَبٌ بِلَا عَيْنٍ وَاَنَا اَحْمَدُ بِلَا مِیْمٍ

کیا العیاذ باللہ ان بزرگان دین سے یہ کلمات وہم و غلطی سے سرزد ہوئے
 ہیں؟ — نہیں، ہرگز نہیں! — بلکہ یہ سب بولتے کی دھوم دھام ہے۔ خیر یہ تو جو
 کچھ ہوا سو ہوا لیکن وادی مقدس طوئی میں وہ شجرہ بے زبان کس وہم و غلطی میں گرفتار
 ہو گیا تھا کہ:

☆ — اَوَّلُ تُوْمُوٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ كَوَانِ كَلِمَاتٍ سَ فَاخْلَعُ نَعْلَیْكَ اِنْكَ بِالْوَادِی

الْمُقَدَّسِ طُوٰی اِپنی طرف متوجہ کیا۔

☆ — اور اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ وَاغَیْرَہ وَاغَیْرَہ کَلِمَاتٍ سَ پکارا تھا۔

اب میں یہ سوال کرتا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شجرہ بے زبان کی زبانی جو
 کچھ سنا تھا، اس کو غلط سمجھایا وہم و باطل — اور اس پر عمل کیا تھا یا نہیں؟ — اگر
 اس قسم کی ذاتی تجلیات کا ظہور جو ہر شخص و ہر شے پر وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، اغلاط و
 اوھام و ابطال پر مبنی ہے۔ تو خدا و رسول و رسالت و نزول وحی و ایمان و کفر و مومن و کافر و
 بہشت و دوزخ و شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و جمیع مراتب و منازل تصوف و
 فقر و ولایت صغریٰ و ولایت کبریٰ و عرفان و انکشاف سب کے سب باطل و غلط و وہمی

ثابت ہوں گی۔ واہ سبحان اللہ!

۔ بھلا ہوا اگر میرے اور سر سے ٹلی بلائے
جیسے تھے ویسے بنے، اب کچھ کہا نہ جائے

ہاں اگر کوئی صاحب یہ بات ثابت کر دکھائیں کہ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ وَغَیْرَہِ اِسی درخت کا
قول تھا تو پھر ہم کو بھی ضرور قائل ہونا پڑے گا کہ اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحٰنِیْ مَا اَعْظَمَ
شَیْئِیْ وَغَیْرَہِ وَغَیْرَہِ اُنہیں سالکانِ طریقت کے اقوال تھے۔ لیکن یہ تو فرمائیے کہ هُوَ
الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ کو اللہ تعالیٰ نے کلمے
الفاظ میں کیوں ارشاد فرمایا۔ اس میں ضرور کوئی راز مخفی ہے۔ مگر علمائے ظواہر نے بلحاظ
شریعت عزا بہت کچھ تاویلیں گھڑی ہیں، مگر صاف معانی کے مقابل مصنوعی تاویلات کا
دل پر بہت کم اثر پڑتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نہایت صراحت
کے ساتھ اس آیت شریفہ کی تشریح بڑے زور سے فرمادی ہے۔ اس حدیث کو ترمذی و امام
احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اَقَالِیْہِ الصَّلٰوۃَ وَالسَّلَامَ
نے فرمایا:

”قسم ہے مجھے اس خدا کی، جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم) کی جان ہے۔ اگر تم ڈالورسی کو سب سے نیچے کی زمین پر تو البتہ
پڑے گی اللہ تعالیٰ پر۔“

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی کہ:

”وہی اول ہے اور وہی آخر ہے، اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن، اور وہ
سب کچھ جانتا ہے۔“

البتہ ذاتِ حق پردے کی آڑ میں متکلم ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَمَا كَانَ لِشَیْءٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰهُ اِلَّا وَحِیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ

یُرْسِلَ رَسُوْلًا فِیْوَحِیْ بِاِذْنِہِ مَا یَشَآؤُ اِنَّہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ

”آدی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے مگر اشارے سے یا پردے کے

پچھے کوئی فرشتہ پیغام لانے والا۔ پس جی میں ڈال دے اس کے حکم سے جو کچھ چاہتا ہے، وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا۔“ (پارہ ۲۵، ج ۶)

کیا اس کا نام بھی وہم ہے؟ — اس بات کے کہنے کا تو کچھ خوف نہیں کہ صاحبِ حسن و جمال کو پردے کی آڑ ضروری ہے مگر توبہ توبہ!

حسن نہ آن است کہ ماند نہاں گر چہ بود پردہ جہاں در جہاں
 ”حسن وہ نہیں ہے کہ جو پردے کے پیچھے چھپ جائے۔ اس پر تو سارے جہان کے پردے بھی اگر ڈال دیئے جائیں تو ہرگز نہ چھپ سکے۔“

جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیم روز
 آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردہ میں منہ چھپائے کیوں
 نہیں نہیں! ہرگز نہیں، بالکل نہیں! — ذرہ بھی پردہ نہیں — وہ ذات تو بے پردہ خاموشی کے ساتھ ہر ذرے میں جلوہ گر ہے، مگر تاب جمال کہاں! — جب وہ سبحانہ تعالیٰ اپنی انانیت کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے کہ

میرے سوا کچھ بھی موجود نہیں۔ ہر مکان و لامکان، وراء الوراء میں میری ہی ذات موجود ہے۔ اور اِنْسِيْ اَنَا اللّٰهُ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔
 لہذا میری ہی ذات کا ظہور ہے۔ ظاہر میں جو یہ اجسام اور صورتیں احساس سے معلوم کر رہے ہو، یہ فقط ایک طلسمی نظر بندی ہے اور کچھ بھی نہیں۔
 سچ ہے:

ذات اور ا بے صفاتش کس ندید ذات او با ما کند گفت و شنید
 ”اس کی ذات کو بغیر صفات کے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کی ذات اقدس (بھلا کیسے) ہم سے گفت و شنید کرے۔ (یعنی اس کا کلام پردہ صفات میں فرشتے اور وحی کے ذریعے ہوتا ہے۔)“

برہم بولے کایا کے اولے کایا بن برہم کیا بولے
 کایا یعنی صوری و تعیناتی کا طلسمی حجاب ہے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نور و ظلمت کے ستر ہزار حجابات رکھتا ہے۔“

یعنی وہ ذاتِ حق اپنے انہیں شیونات و طلسمی تعینات و اضافات و مختلف صورتوں میں اپنے انوار کی کثرت سے حجاب میں مستور ہے۔ جیسے ذاتِ شمس اپنی ہی شعاع میں مستور و پوشیدہ ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص طالبِ صادق ان طلسماتی تعینات و اضافات و صورتوں کے پردوں کو جو حقائقِ الٰہیہ ثابِتہ ہے، اور ظاہری نظر کے درمیان باشکال و الوان مختلفہ غیریت کی صورت میں حائل ہو رہے ہیں، اٹھائے گا تو بالضرور ذاتی جلوہ پائے گا۔ اس کا کام ہے تَطْهِيرُ الْقَلْبِ عَنْ مَا سَوَى اللَّهِ

کیا ”ہمہ اوست“ والے غلطی پر ہیں؟

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان ہر دو گروہ ”شہودیہ اور وجودیہ“ میں سے کون غلطی پر ہے۔ کیونکہ ہر دو گروہ کے حضرات ادنیٰ و اعلیٰ راقم کے بزرگ اور سر کے تاج ہیں۔ یہاں دو صاحبانِ شہود کے قول نقل کرتا ہوں۔ جو صاحبِ نظر ہوگا وہ اپنے دل میں خود ہی فیصلہ کر لے گا۔

(۱) حضرت مظہر جانِ جاناں نقشبندی دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”صوفیہ اگر ”وجودیہ“ ہیں تو اس نسبت سے ظہور وحدت کو کثرت میں تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے کہ امواج اور بلبلوں وغیرہ کی شکل میں پانی کا ظہور۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ کثرت، وحدتِ حقیقی میں مطلق مزاحم (رکاوٹ) نہیں ہوتی۔

اگر اہل ”شہودیہ“ ہوں تو اصل کی نسبتِ ظل (سایہ و عکس) سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے کہ سورج کی پھیلی ہوئی کرنوں کی نسبت سورج سے فرماتے ہیں۔ اس مقام پر ظل تجلی کے معنوں میں ہے۔ یعنی شے کا ظہور دوسرے مرتبہ میں۔ اور ظاہر ہے کہ وجوداتِ ظلی کی یہ کثرت، ”وحدت وجود حقیقی“ کے اصل میں مغل نہیں ہوتی، اور نہ ہو سکتی ہے۔

تغییرِ ازل اور تغیرِ ثانی کے درمیان اس قدر فرق ہے، ہر چند کہ ظل کی حقیقت اس کی اصل کے سوا نہیں ہے۔ اسی اصل نے مرتبہ ثانی میں ظہور کیا اور خود

کوکل کے طور پر نمودار کیا ہے۔ مگر اس مقام پر ایک کا دوسرے پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور امواج دریا کہنا درست ہے۔ چنانچہ اس تعبیر سے شہود یہ غیریت ثابت کرنے کی شکل خیال کرتے ہیں۔

(۲) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا توحید و جود پر انکار دوسرے علمائے ظواہر کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ جس مقام سے ”وجودیہ“ صوفیہ گفتگو کرتے ہیں وہ اس کی تسلیم و تصدیق ظاہر کرتے ہیں۔ بات تو صرف اس قدر ہے کہ وہ مقصود اصلی کو اس مقام سے اعلیٰ و ارفع فرماتے ہیں۔ اور سب باتوں میں ”حق و خلق“ میں اس طریقے سے غیریت و فرق ہے کہ وہ ”وجود وحدت حقیقی“ میں کہ وہ خارج حقیقی میں تحقیق شدہ ہے (کسی طرح سے خلل ڈالنے والا) نہیں ہوتا۔ بس یہ ان کے کلام کی انتہا ہے۔“

لہذا ”وجودیہ“ خدا کے ساتھ غیریت ثابت نہیں کرتے۔ اور ”شہودیہ“ خدا کے ساتھ کس قدر غیریت ثابت کرتے ہیں۔ اس بات سے ہر صاحب بصیرت بغور و تامل باسانی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ حق پر کون ہے۔ کوئی وجودی یا شہودی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ذات کے عرفان کا خاتمہ ہمارے ہی علم و انکشاف پر ہو گیا ہے اور باقی سب غلط۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بصیغہ جمع مشکلم ارشاد فرمایا ہے:

مَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَعْرِفَتِكَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ بہ نظر غائر کلام اللہ میں دیکھیں اور پڑھیں تاکہ کُلُّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْنِمْ کی تصدیق ہو جائے۔ ذات الہی کا عرفان کسی کے علم و معرفت پر منحصر نہیں۔ اگر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ ”ہمہ اوست“ تو شریعت کے مخالف ہے، اور ”ہمہ از اوست“ موافق ہے۔ کیونکہ اگر ”ہمہ اوست“ کو صحیح مانا جائے تو پھر شریعت اور اس کے جملہ احکام و مومن و کافر، بہشت و دوزخ، جزا و سزا سب کے سب معطل اور بیکار ہو جائیں گے۔ ”وجودیہ“ فرماتے

ہیں کہ شریعت ہی نے تو ہمیں توحید تتریبہ کا سبق پڑھایا ہے۔ یہ راہ راست و صراط مستقیم جھاڑ جھنکاڑ سے صاف اور پاک تشریح کے ساتھ بتا دیا — اور فرمایا کہ ذاتِ حق کے دو وصف ہیں:

☆ — جمالی اور ☆ — جلالی

اسمائے الہی بھی دو قسم کے ہیں: جمالی و جلالی

جن کو ارباب کہتے ہیں — وصف جمالی و ارباب جمالی میں انبیاء، اولیاء مومن، ثواب و جزا اور بہشت ہیں — وصف جلالی و ارباب جلالی میں کافر و مشرک، سزا و عذاب و سزا اور دوزخ ہیں — ہر ایک کے اہل جمال و اہل جلال کی علامات، احوال و اقوال، افعال و اعمال اور ان کے مدارج و مراتب سے بالتصریح خبر کر دی ہے — یہ بھی فرما دیا ہے کہ ہر ایک شخص علی قدر وصف جمال و جلال اپنے اپنے مقام میں آرام و راحت پائے گا — جمال و جلال ذاتِ حق کی ذاتی صفات ہیں۔ یہ ذاتِ حق سے کبھی منفک نہیں ہو سکتے — اب فرمائیے اس میں کیا قباحت ہے یا کیا شریعت کی مخالفت ہے؟ — بلکہ شریعت بھی توحید و جود میں داخل ہے — راقم کے نزدیک تو دونوں ”وہمہ اوست“ اور ”ہمہ از اوست“ بھی شرک سے خالی نہیں — ذاتِ حق کے مقابل ”ہمہ“ کیا چیز ہے؟ — اگر آپ صاحب ”ہمہ“ اور ”ہمہ از“ کی گردن مار دو گے تو پھر کیا کہنے! — پھر توحید ذاتی کے مطلع پر اضافات کا جو ابر چھا رہا ہے، جملہ جھاڑ جھنکاڑ سے بالکل پاک و صاف ہو کر ”اوست اوست“ جلوہ نما ہوگا —

التَّوْحِيدُ إِسْقَاطُ الْإِضَافَاتِ عَنِ مَا سَوِيَ اللَّهِ اِسِي كَانَام هِي — بخاری شریف میں ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

كَمَا كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَالْآنَ كَمَا كَانَ لِعَنِي اللَّهُ تَعَالَى اِسِي كَانَام هِي — یعنی اب بھی اس کے ساتھ کوئی شے نہیں ہے۔

چنانچہ ان تین مراتب ذات یعنی:

☆ — احدیت ☆ — وحدت ☆ — واحدیت

میں غیر اللہ (جسے ممکنات کہا جاتا ہے) کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ واللہ اعلم!
ان علماء ظواہر رحمہم اللہ نے کہاں سے — اور کیونکر غیر اللہ کو اللہ کے مقابل خم
ٹھونک کر کھڑا کر دیا ہے اور ان ظہورات الہی کا نام ممکنات رکھا ہے — ممکن بمعنی
شاہد ہے۔ یعنی جس کے ہونے نہ ہونے کا شک ہو یقین نہ ہو۔ یعنی بہ یقین دل یہ نہیں
کہہ سکتے کہ یہ حقائق اشیاء غیر اللہ ہیں — یا اشیاء ماسوی اللہ ہیں۔

کیا ہر روح قدسی ممکنات و مخلوقات میں شمار ہے؟

وہ روح قدسی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم فرمایا ہے:
فَإِذَا سُوِّتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ.
”پھر جب میں ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں اپنی جان تو گر پڑو اس
کے آگے سجدے میں۔“

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ اپنی ایک جان یعنی
روح، آب و خاک سے نہیں بنی، بلکہ غیب سے آئی ہے۔ یعنی روح مخلوق نہیں —
اس آیت سے یہ راز بھی کھلا کہ سجدہ روح اللہ کو تھا، خاکی پیکر طلسمی کو نہ تھا — ورنہ
سُوِّتُهُ کے آگے فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ہوتا، نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي کے بعد نہ ہوتا
— اس طلسم میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے۔ صوفیاء وجودیہ کے نزدیک روح اور
ذات حقیقت واحدہ ہے نہ غیر — ہندو مذہب والے کہتے ہیں کہ مادہ اور روح اور
ایشور آپس میں غیر اور قدیم ہیں۔ لہذا یہ محض غلط اور لغو ہے — واجب الوجود کے سوا
نہ کوئی قدیم ہے نہ کچھ موجود ہے — البتہ ویدانتی سنیا سی مت کے فقراء وجودیہ
اسلامیہ فقراء سے موافقت تامہ رکھتے ہیں۔

عالم دو ہیں: یعنی عالم خلق اور عالم امر — ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَا لَكُمْ
الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

”خلق امر نہیں اور امر خلق نہیں“

عالم خلق، جسم و صورت محسوسہ و غیر محسوسہ ایک طلسم ہے؛ جس کو ظاہر و آخر کہتے ہیں — جبکہ عالم امر روح اور اشیاء کی حقیقت ہے؛ جس کا نام باطن و اذل ہے۔

کتب عقائد میں ہے کہ حَقَائِقُ الْأَشْيَاءِ ثَابِتَةٌ — ثابت وہ ہے جس کو فائدہ ہو — روح کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب منسوب فرماتا ہے، یعنی ”میری روح“ — تو پھر کس طرح قوت متخیلہ نے روح اللہ کو اپنی خام خیالی سے بغیر دیکھے بھالے اور سوچے سمجھے ممکنات و حادثات میں داخل کر لیا ہے۔ حالانکہ اس کی منادی پہلے ہی ہو چکی ہے — یہود نے روح کی حقیقت دریافت کی تو فرمان الہی ہوا:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا
 ”اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار کا ایک ذاتی راز مخفی ہے“ —

چونکہ کفار کو اس راز سے محروم رکھنا تھا، فرمایا کہ تمہارا تھوڑا سا علم اس راز کی تفہیم میں قاصر و عاجز ہے۔ لہذا تم کو اتنا ہی بتا دینا کفایت کرتا ہے کہ یہ روح ہمارا ایک مخفی راز ہے — یہ حدیث قدسی بھی اس راز کی حقیقت کی خبر دے رہی ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ پس میں نے چاہا کہ میں ظاہر ہو جاؤں تو پھر میں نے اپنے اسرار کو اس طلسماتی مخلوق میں پوشیدہ تر و ظاہر تر کر دکھایا، اور انسان کو مظہر اتم بنا دیا۔ ہائے افسوس:

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو — وگرنہ ہم خدا تھے گرد لبے مدعا ہوتا جمع صوفیہ کرام ”شہودیہ“ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ قلب و روح و سر و خفی اور اخفی کہ مقرر آ نہا فوق العرش است۔ آ یہ کریمہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا در شان آنہاست۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ:

”روح عالم امر میں ہے جو فرق العرش ہے — عالم خلق سے نہیں جو کہ

عرش سے تحت العرش تک ہے۔“

شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمہ قُلِّ السُّرُوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کی تفسیر میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ روح چونکہ عالم امر میں سے ہے نہ کہ عالم خلق میں سے۔ اس لیے اہل حجاب کے علم و ادراک کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں۔ کیونکہ عالم امر، وہ بیوٹی و جواہر سے مجردہ ایک ذات ہے۔۔۔ وہ شکل و لون و جہات سے مقدس و منزہ ہے۔ لہذا اہل حجاب کا ناقص علم و ادراک ناقص اس کی تعریف و توصیف بیان کرنا محال ہے۔ بلکہ عالم خلق کے محسوسات میں بھی ان کا علم و ادراک ناقص و بے قدر ہے۔۔۔ آدم کا ظاہری جسم و صورت دراصل ظہور احکام کی حکمت اور صفات الہیہ ہے۔ اور روح آدم یعنی باطنی حالت، حکمت ربوبیت و خلافت ہے۔ لہذا آدم ربوبیت و اتصاف صفات الہیہ کے اعتبار سے عالم کے لیے حق ہے، اور ربوبیت و عبودیت کے اعتبار سے خلق ہے۔ یعنی روح کے اعتبار سے حق ہے، اور جسم و صورت کے اعتبار سے خلق!

اگر کسی کے خیال میں اللہ تعالیٰ ممکنات و حادثات میں ہے تو روح اللہ بھی سہی۔ اس میں ہمارا کیا ہرج ہے۔ لیکن ملت ابراہیمی میں عقلاً و نقلاً ثابت ہو چکا ہے کہ ذات واجب الوجود و خدہ لا شریک لہ ازل الازل سے قائم اور واجب و قدیم ہے، ممکن اور حادث نہیں۔ تم کو بھی اس بات کا کامل یقین ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی روح قدسی کیسے ممکنات و حادثات میں سے ہو سکتی ہے۔

ع حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

”(بس) حیرت میں حیرت اور حیرت ہے۔“

اے یاران جلسہ! اگر تم تھوڑی دیر کے لیے خام خیالی کا دامن چھوڑو، اور ظاہری حال دیکھنے والی آنکھ کو بند کر کے باطن کی آنکھ سے (اگر روشن ہے تو) دیکھو کہ ذات واجب تعالیٰ کشف ہوتی ہے یا نہیں؟۔۔۔ اگر کسی کی آنکھ پھوٹ رہی ہے تو خدا کے حوالے، پھر کسی طبیب یا ڈاکٹر حاذق سے علاج کرائے۔ تاکہ وہ علاج کامل سے تمہاری

چشمِ باطن کو پر نور کر کے اس پر عینکِ حق بین (حق دیکھنے والی عینک) چڑھا دے۔ تاکہ تم کو حق ہی حق دکھائی دینے لگے۔ اسی کو نورِ علیٰ نور کہتے ہیں۔ يَهْدِي اللهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ — بزرگانِ دین نے جو کچھ واجب و ممکن کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے، وہ اپنے علم و انکشاف و مراتب کی داد دی ہے — ورنہ ذات و صفات واجبِ تعالیٰ کی حقیقتِ علم و انکشاف و ادراکاتِ عقول و افہام سے برتر ہے۔

۔ نیست کس رازِ حقیقت آگئی جملہ می میرند با دستِ تہی
 ”رازِ حقیقت سے کسی کو بھی آگاہی نہیں ہے، سب کے سب بس خالی ہاتھ
 مرجاتے ہیں۔“

البتہ یہ حواس ہمیشہ دھوکا کھانے اور دھوکا دینے کے عادی ہیں — محسوسات میں بلا تحقیق حکم لگا دینا ان کا کام ہے۔ جیسے انسان کوری میں سانپ، سیپ میں چاندی اور سراب میں پانی کا دھوکا ہو جاتا ہے — غرض کہ یہ حواس دھوکا دیئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ انسان بھی انہیں کے دھوکے میں جو پہلے ہی سے اسی طلسمات میں گرفتار ہو رہے ہیں، ذاتِ واجبِ تعالیٰ میں جو ہوا اس کے ادراک سے بعید و برتر ہے، اور ممکنات جو محسوساتِ طلسمی ہیں، ان میں کچھ گڑ بڑ کر کے دلائلِ عقلیہ سے کام لیتے ہیں، بعید از قیاس ہے — راقم نے اس کتاب میں متقدمین و متاخرین بزرگانِ دین کے مقاماتِ جمع کئے ہیں، ان بزرگواروں نے ممکن و واجب میں ظلال و اصل، آئینہ و عکس، دریا و موج، حباب و قطرے کی نسبت قائم کر کے کم عقولوں کو سمجھایا ہے۔ تاکہ غلط فہمی سے بچیں اور زندقہ و الحاد کے گڑھے میں نہ گریں۔ چنانچہ احقر کو بھی وہی طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ ورنہ وہ سبحانہ، تعالیٰ عکوس و ظلال وغیرہ سے مبرہ و منزہ ہے۔ توہمات کو اس ذاتِ مقدس میں کچھ دخل نہیں۔ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَنْ مَا يَصِفُونَ —

یہ چند اقوال وحدت وجود اور وحدتِ شہود کے بارے میں ششے نمونہ از خروارے طالبین کی مزید آگاہی کے لیے نقل کئے گئے ہیں۔ اگر کسی کو زیادہ شوق ہو تو مطولات میں دیکھے یہاں گنجائش نہیں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ وَأَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ۔

تنزلات و تعینات

خمسہ ذات بکت بالا جمال:

۱۔ واجب چوتزل کند از حضرت ذات
 وحدت و احدیت است و روح و مثال
 پنج است تنزلات او را درجات
 والخاص، جمعیت است اے بحر صفات
 ”جب واجب حضرت ذات سے تنزل (مظاہرہ شہود) کرتا ہے تو اس کے
 تنزلات کے پانچ درجات ہیں:

☆ — وحدت ☆ — واحدیت ☆ — روح

☆ — مثال ☆ — جمعیت

یہ پانچوں مختصر طور پر بحر صفات کہلاتے ہیں۔“

ذات بکت یعنی عالم لاہوت:

بکت کے معنی ہیں ”خالص“ — یعنی وہ ذات جو اسم و رسم، نعت و وصف سے
 منزہ و مبرا ہو۔ اسی کو ”ذات بکت“ کہتے ہیں یعنی ”ذات خالص“ — اسی کو:
 ☆ — احدیت صرف ☆ — لائقین ☆ — وجود مطلق ☆ — وراء
 الوراء ☆ — منقطع الاشارات ☆ — کنہ حق ☆ — ہویت حق اور
 ☆ — حقیقت حق بھی کہتے ہیں — یہ مقام تنزیہ ہے۔ اور اسی کا نام ”عالم
 لاہوت“ ہے۔ — اس مرتبہ میں ذات کا کوئی نام مقرر نہیں۔ لیکن اہل تصوف نے
 دوسروں کو سمجھانے کے لیے ذات مطلق کے نام رکھ لیے ہیں۔

وحدت یعنی عالم جبروت:

اس ذات بکت نے جب اسم و رسم، نعت و وصف پایا تو اس کا نام ”وحدت“ ہوا

یعنی ذات ذوالجلال والجمال — اسم سے مراد ہے ذاتِ باصفات۔ وہ صفات وجودی ہوں یا عدی — رسم سے مراد ہے خلق اور صفات خلق — نعت عبارت ہے صفات وجودی سے — وصف سے مراد ہے صفات وجودی و عدی — یہ مرتبہ خالقیت ہے — حدیث قدسی:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ أَنْ أَعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَتَعَرَّفْتُ
إِلَيْهِمْ فَبِي عَرَفُونِي وَعَرَفْتُ بِهِمْ

”میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، تو خلقت کو پیدا کیا، اور میں نے ان کو اپنا شناسا کیا۔ پس انہوں نے مجھ کو مجھ سے پہچانا، اور میں ان کے سبب سے پہچانا گیا۔“

یہ اسی مقام کا بیان ہے کہ جب اس ذات نے ظہور کا ارادہ کیا تو اول نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور میں آیا — اس مرتبہ میں ذات کا نام ”وحدت“ رکھا — جس کو:

☆ — حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☆ — عالم جبروت
☆ — برزخ کبریٰ ☆ — منزل اول

کہتے ہیں۔ یہاں ذات کو علم بالا جمال ہے — اب یہاں حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خیال آتا ہے کہ یہ کیاشے ہے؟ — اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ — اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی کیا قدر ہے؟ — وہ کن اوصاف سے موصوف ہیں؟ — اللہ تعالیٰ سے ان کی کیا نسبت ہے؟ — سنیے۔
حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

کیا لکھوں اور کس سے کہوں کہ دنیا میں دانشور کم ہیں، اور عوام الناس کو الحق مَرّ کا اثر ایسے ہوتا ہے جیسے تیر جگر کے پار — لیکن کچھ کہے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔ کیونکہ حق کو چھپانا بھی منع ہے۔ خیر بطور اشارہ کچھ بیان کرتا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَالْخَلْقُ مِنْ نُورِي

”میں اللہ کے نور سے ہوں اور خلقت میرے نور سے ہے۔“

دوسری حدیث میں اس اجمال کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح سے بیان فرمائی ہے، کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور سے دریافت کیا:

”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے اول شے کی خبر

دیکھئے جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے

نور سے پیدا کیا۔“

یہ حدیث بہت طویل ہے۔ اس میں یہ بیان ہے کہ مجھ سے پہلے کوئی چیز یعنی لوح و قلم وغیرہ نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا میرے نور کو پھرایا — پھر اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ خلقت کو پیدا کروں تو میرے نور سے فلاں فلاں چیز کو پیدا کیا — اس حدیث پاک میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کل اشیاء میرے نور سے پیدا کی گئیں۔ اور یہ حدیث مبارک:

أَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنْ نُورِي وَفِي رِوَايَةِ أَنَا مِنَ اللَّهِ
وَالْمُؤْمِنُونَ مِنِّي

”میں اللہ کے نور سے اور مومن میرے نور سے ہیں۔“ — دوسری

روایت یہ ہے کہ ”میں اللہ سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں۔“

یہ کمال شفقت اور اتحاد کی بات ہے۔ مومنین چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں بال برابر فرق نہیں کرتے، اور اتحاد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمال شفقت سے انہیں اپنے ساتھ شامل فرمایا ہے۔ ورنہ کل مخلوق نور محمدی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہر ہوئی ہے۔ ہر گاہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور ذاتی کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موسوم فرمایا۔ اسی کو حقیقت محمدیہ و تعین نزولِ اوّل کہتے ہیں۔ اس گفتگو سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کوئی چیز نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ وہ نور ذاتی ہے، سے خالی نہیں۔ اور کل اشیاء میں اسی ذاتِ احدیت کا جلوہ ہے۔ اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ کے نزدیک کیا مرتبہ اور کیا قدر و منزلت ہے یا ذاتِ خدا سے کیا نسبت رکھتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں اس سے زیادہ ہم کچھ نہ کہیں گے کہ وہ حبیبِ خدا ہیں اور مرتبہِ محبوبیت رکھتے ہیں۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ کسی صحابی کے سوال کے جواب میں بھی آپ نے فرمایا:

”ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اور میں حبیب اللہ ہوں۔“

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی یہ قدر و منزلت ہے کہ حدیثِ قدسی میں یہ فرمایا:

لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ، لَوْلَاكَ لَمَّا اَظْهَرْتُ الرُّبُوبِيَّةَ

”اگر تجھ کو پیدا نہ کرتا (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو البتہ میں ظاہر نہ کرتا اپنی ربوبیت کو۔“

یعنی تیری خاطر ہر دو جہان کو پیدا کیا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے۔

اب ذرا گوشِ ہوش سے سنو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذاتِ الہی سے کیا نسبت ہے۔ اب وہ آیاتِ پیش کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن شریف میں اپنے اسماءِ حسنیٰ سے موسوم کیا ہے:

(۱) — اللہ: وَمَا رَمَيْتْ اِذْ رَمَيْتْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (پ ۹ ع ۱۳)

”اے محبوب! اور تم نے نہیں پھینکی مشتِ خاک، لیکن اللہ نے پھینکی۔“

یعنی مٹی تم ہی نے پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے کافروں کے منہ میں خاک ڈالی۔ تیرا پھینکنا اے محبوب اللہ تعالیٰ کا پھینکنا تھا۔

(۲) — اِنَّ اللّٰهَ يُبٰیعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبٰیعُوْنَ يَدَ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

”جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں دراصل وہ لوگ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔“ یعنی تیرا ہاتھ اللہ کا ہاتھ

ہے۔
نُورٌ

(۳) — لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ
”تحقیق تمہارے پاس آیا اللہ کی طرف سے نور اور قرآن (کتاب) روشن“ (پ ۲ ع ۱۰)

(۴) — يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (پ ۲۶ ع ۹)

”کافر چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے، حالانکہ اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو، اور اگرچہ کافر باخوش ہوں۔“
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور اللہ ہیں اور نور الہی کسی سے بجھ نہیں سکتا۔

حَقٌّ

(۵) — يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ
”اے لوگو! آیا تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف۔“ (پ ۱۱ ع ۱۶)

(۶) — فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ (پ ۷ ع ۷)
”پس تحقیق جھٹلایا انہوں نے حق کو جب آیا ان کے پاس۔“
یعنی یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسم حق سے موسوم کیا ہے۔

شَهِيدٌ

(۷) — وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (پ ۲ ع ۱۷)
”اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہ ہے۔“

رَوْفٌ وَرَحِيمٌ

(۸) — حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤْفٌ وَرَحِيمٌ (پ ۱۱ ع ۵)

”تم پر حریص ہیں مومنوں کے ساتھ اور رؤف و رحیم ہیں۔“

شَہِدُ

(۹) — يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

”اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تحقیق ہم نے تم کو گواہی دینے والا،

بشارت دینے والا اور ڈرسانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“ (پ ۲۰ ع ۳۷)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا۔

کَرِيمٌ

(۱۰) — إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (پ ۲۹ ع ۶۷)

”تحقیق وہ البتہ قول رسول کریم کا ہے اور نہیں ہے وہ قول شاعر کا۔“

علیٰ ہذا القیاس خَبِيرٌ - فَتَّاحٌ - شَكُورٌ - عَلِيمٌ - هَادِيٌ - مُؤْمِنٌ - مُهَيَّبٌ -

ذَاعِيٌ - عَظِيمٌ وغیرہ۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیس (۳۲) اسماء حسنیٰ سے رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن شریف میں موسوم کیا ہے۔ یہاں گنجائش بیان نہیں،

تفصیل کے لیے شفا شریف قاضی عیاض، شرح مشکوٰۃ شریف اور مدارج النبوت میں

ملاحظہ فرمائیں — چونکہ اللہ تعالیٰ سے نسبت و اتحاد ذاتی و صفاتی ہے، اس لیے اللہ

تعالیٰ نے آپ کو اپنے ذاتی و صفاتی اسماء سے موسوم کیا ہے۔

اس گفتگو سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم العیاذ باللہ خدا تھے۔

نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ تعین کفر ہے — البتہ اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ رسول اللہ

اگرچہ خدا نہیں، لیکن خدا سے غیر و جدا بھی نہیں — ارشاد نبوی ہے:

مَنْ رَأَىٰ فَقَدْ رَأَىٰ الْحَقَّ

”جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے حق کو دیکھا۔“

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نُورِ الْقَمَرِ

لَا يُمَكِّنُ الشَّنَاءُ كَمَا تَكَانُ حَقُّهُ بَعْدَازِ خَدَا بَرْكَ تَوَلَّىٰ قَصَهُ مَخْمَرِ

”اے صاحب جمال! اور بنی آدم کے سردار! — آپ ہی کے رُوئے مبارک

میں چاہتا ہے نمودار ہوتا ہے — اور یہ معنی ہر ایک صورت میں ظاہر ہے۔ اس کو ”روح ربانی“ کہتے ہیں۔

روح درمراة قالب از ظہور وجہ اوست شخص را بہ شناس کاں ہم اڈل وہم آخراست
از ازل روئے برآں حسن ابد کرداوست باز درپے معراج دل شو قلاب تو سین ایں سراست
”قالب و جسم کے آئینے میں روح اس کے رُخ روشن کے ظہور کی وجہ سے ہے۔ بس تو اس شخص (ہستی) کو پہچان۔ جو کہ اڈل بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ اس نے ازل سے اس ابدی حسن پر اپنا چہرہ دکھایا ہے۔ اب تو پھر ”معراج دل“ حاصل کرنے کی کوشش کر کہ تنز قلاب قوسین کا راز یہی ہے۔“

اس کو تنزل و تعینِ سوم کہتے ہیں — اس مرتبہ میں ذاتِ باسَم ”روح“ موسوم ہے۔ آئیہ کریمہ نَفَعَتْ فِيهِ مِنْ دُوْحِيٍّ مِثْلِ اِسِيٍّ مَقَامِ كَا بِيَانِ هِيَ۔
تعین مثالی یعنی عالم مثال:

عالم مثال کو ”لوح محفوظ“ بھی کہتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیشانی یار ہست دروے سر جاناں آشکار
”اس محبوب حقیقی کی منور پیشانی ہی لوح محفوظ ہے۔ بس اسی میں اس محبوب جاناں کا راز ظاہر ہے۔“

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِى لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ۔ عالم مثال، صور مرکبات لطیفہ سے عبارت ہے جو قابل تجزی و جمعیت نہیں، نہ ان کو خرق و التیام ہے۔ اسے:

☆ — خیال منفصل ☆ — تنزل و تعین چہارم

بھی کہتے ہیں — یہاں ذات بمنزلہ مثال ہے۔

تعین جسدی یعنی عالم ناسوت:

صور مرکبات کثیفہ سے عالم اجسام مراد ہے جن میں تجزی و جمعیت و خرق و التیام

کی قابلیت ہے۔ اس کو:

☆ — عالم ناسوت ☆ — عالم حس ☆ — عالم شہادت
☆ — مرتبہ جامعہ ☆ — تعین و تنزل پنجم

بھی کہتے ہیں — جو بھی حرکت یا حس اس عالم میں موجود ہے، عالم مثال کے واسطے سے ہے۔ یعنی فیاض مطلق کا فیض پہلے عالم ارواح میں پہنچتا ہے۔ پھر عالم مثال میں، پھر عالم حس و شہادت میں — عالم شہادت صورحسی ہے جبکہ عالم مثال صورخیالی — عالم ارواح ان دونوں سے لطیف تر، اور حق سبحانہ تعالیٰ سب سے اَلطف۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ لَطِيفُ الْخَبِيرِ.

۔ شنید دم کہ جمال تو دیدہ اند بے ولے چنانکہ توئی آں چنان ندید کے
”میں نے سنا ہے کہ تیرا جمال تو بہت سوں نے دیکھا ہے، مگر حقیقت میں
جیسا کہ تو ہے ایسا کسی نے نہیں دیکھا۔ یعنی تیرے کمال کی حقیقت کو کسی
نے نہیں جانا۔“

خلاصہ کلام تعینات:

علم اجمالی سے مراد تعین اوّل ہے، جس کو وحدت کہتے ہیں — دوسرا تعین علم تفصیلی سے مراد ہے۔ جس کو ”واحدیت، اعیان ثابتہ، صورعلیہ اور حقائق ممکنات“ بھی کہتے ہیں — تیسرا تعین روحی ہے، — چوتھا تعین مثالی اور پانچواں تعین جسدی — تمام صوفیہ کرام کے نزدیک تعین اوّل و ثانی مرتبہ و وجوب میں ہے — باقی تین تعین یعنی روحی و مثالی و جسدی مرتبہ امکان میں ہیں۔ لیکن راقم کے نزدیک روح قدسی یعنی روح اللہ ممکنات و مخلوقات میں داخل نہیں ہیں، بلکہ وہ ذاتی جلوہ ہے۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے — اعیان ثابتہ و حقائق ممکنات کا وجود ظہور خارج میں نہیں ہے — باقی تین تعین جو امکانی ہیں، وہی خارج میں نمودار ہیں — یہ بھی فرماتے ہیں کہ اعیان ثابتہ کا سرمایہ ہیں۔ یہی محل جزا و سزا اور تکالیف شرعیہ ہیں — صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ موجودات امکانیہ خارجہ، اعیان ثابتہ کا سایہ ہے —

اعیانِ ثابتہ کیا ہیں؟

صور علیہ یعنی ذات کا تفصیلی علم اور مفہوم کے لحاظ سے عین ذات نہیں۔ لیکن وجود کے لحاظ سے غیر ذات بھی نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک علم عین ذات ہے اور ذات عین علم ہے۔

مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صفات تعالیٰ مِنْ حَيْثُ الْمَعْقُولُ غیر ذات ہیں۔ اور مِنْ حَيْثُ التَّحْقِيقُ وَالْحُصُولُ عین ذات اور تعین ذاتی کے اعتبار سے حضرت علم میں ہر شے کے وجود کی حقیقت کا تعین ہے۔ یعنی اعیانِ ثابتہ کا عکس یا سایہ ہے۔ وہ آثار و احکام جن کی تکلیف دی گئی ہے، موجودات خارجی کے لیے ترتیب دیئے گئے ہیں نہ کہ اعیانِ ثابتہ کے لیے۔ کیونکہ احکام کی ترتیب وجود مفصل کے لیے ہے۔ اور اعیانِ ثابتہ کا زوال و انفصال ہستی باری تعالیٰ سے محال ہے۔ کیونکہ حقائق ہمیشہ وجود کے باطن میں پوشیدہ ہیں، اور ان کے آثار و احکام ظاہر وجود پر ظاہر ہیں۔ صور علیہ کا زوال وجود کے باطن سے محال ہے۔ ورنہ خدا کی ذات میں جہل لازم آتا ہے۔ چنانچہ مفہوم کے اعتبار سے صفت غیر موصوف ہے۔ اس بیان میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جاتی۔

ہمسایہ وہم نشین و ہمراہ ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
 در انجمنِ فرق و نہاں خانہ جمع باللہ ہمہ اوست تم باللہ ہمہ اوست
 ”ہمسایہ وہم نشین اور سب کے لیے بس وہی ہے۔ فقیر بے نوا کی گدڑی
 میں اور اطلسی زرکار قبائے شامی میں بھی وہی ہے۔ محفل و تنہائی اور گھر کے
 جمع میں بھی خدا کی قسم وہی چھپا ہوا ہے، اور وہی اللہ ہے۔“

الحق کہ نہیں ہے غیر ہرگز موجود جب تک کہ ہے وہم غیر حق ہے مفقود
 حق یہ ہے کہ وہم کا بھی ہونا حق ہے حق ہے تو ہر ایک طرح سے حق ہے مشہود
 حقیقت میں کثرت وجود کی اقسام سے نہیں، کثرت کو غلطی کے باعث وجودات
 میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیسے وحدت کی اصل کثرت کا وجود ہے اور عدم پر مبنی ہے۔ کیونکہ

ہم دیکھتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شے واحد ہے۔ اگر دیوار میں ایک مکان کے کئی روشن دان برابر ہوں تو اندھیرے کے باعث ہر روشن دان کا نور جدا معلوم ہوگا۔ غرض یہ کثرت اندھیرے کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر ادھر ادھر بیچ میں اندھیرا نہ ہو، یعنی دیوار کو مکان کے بیچ میں سے اٹھالیں تو سب جگہ نور ہی نور ہو جائے۔ اور یہ فرق و امتیاز و تعدد جس کا نام کثرت ہے باقی نہ رہے۔ اندھیرا چونکہ نور کے نہ ہونے کو کہتے ہیں، اور یہی عدم ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ کثرت عدم کے باعث معلوم ہوتی ہے، وجود کی اقسام میں سے نہیں۔ القصد کوئی یوں نہ دھوکا کھائے کہ کثرت بھی تو وجود کی اقسام میں سے ہے۔ وجود عالم عارضی ہے۔ تو یہ بھی کسی موجود حقیقی کا فیض ہوگا تو لازم آئے گا کہ کثرت بھی خدا کے اندر ہو۔ کیونکہ فیض اسی چیز کا ہوتا ہے جو اپنے اندر ہوتی ہے۔ آگ میں اگر گرمی نہ ہو تو دوسروں کو کیا گرم کرے۔ اس گفتگو سے یہ بھی ثابت ہوا:

☆ — جو اوصاف وجود کی اقسام میں سے ہیں، اور عالم میں پائے جاتے ہیں جیسے پینا ہونا، وہ ضرور ہے کہ خدا میں بھی ہوں۔

☆ — جو اوصاف عدمی ہوں جیسے ناپینا ہونا، وہ ضرور ہے کہ خدا میں بھی نہ ہوں۔

☆ — یہ بھی ثابت ہوا کہ جو موجود اصلی ہو، اس میں کسی طرح کثرت کی گنجائش نہ ہو۔

نہیں تو وحدت جو اوصاف وجودی میں سے ہے (چنانچہ ابھی ظاہر ہوا) اس میں اصلی نہ ہو۔ حالانکہ یہ مجال ہے کہ وجود تو اس کا اصلی ہو۔ موجودات کو سب قسم کا وجود اس سے پہنچے، اور ہر طرح کے وجود کا معدن اور منبع وہ ہو۔ پھر اس میں بعض قسم کے وجود اصلی نہ ہوں۔

اس گفتگو سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وجود اس کا عین ذات ہے اور ذات اس کی عین اوصاف ہے، اور اوصاف اس کے عین وجود ہیں۔ یہ نہیں کہ ذات اس کی اور ہے

اور اوصاف اور ہیں، اور وجود اور ہے۔ ورنہ دو خرابیاں لازم آئیں گی:

(۱) ایک تو یہ کہ اس میں وحدت اصلی نہ ہو۔ حالانکہ اس کی وحدت کا اصلی ہونا ابھی ثابت ہوا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ جیسے ہمارا وجود بہ سبب اس کے کہ ہمارے ذات پر ایک شے زائد ہے عارضی ٹھہرا، ایسے ہی اس کا وجود بھی عارضی ہوگا۔ پھر وہ وجود اصلی کیوں ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ کثرت تو محض وہی نموداری ہے۔ البتہ اس میں جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ ہستی واحد کا پرتو ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث، دہلوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ آیت مبارک

هَلْ اَتَى عَلَى الْاِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْءً مَّا كُوِّرَا

قاری سے سنتے تھے تو فرمایا کرتے تھے: يَا لَيْتَهَا تَمَّتْ یعنی کاش یہ حالت تمام ہو جاتی اور ہم نے جس جگہ سے سفر کیا ہے پھر وہاں پہنچ جاتے اور کثرت وحدت میں متلاشی ہوتی — اور حباب دار دریاے بے پایان ازل میں نیست و نابود ہو جاتے۔ یعنی یہی حالت موہومہ موجب گرفتاری ہے۔ اور جب یہ وہم جاتا رہا پس وہی ایک ذات ہے جس کے لیے کوئی نام مقرر نہیں۔

محققین اہل وجود اور اہل شہود:

محققین اہل وجود اور اہل شہود کے درمیان جو جگہ ہے، یہ فریقین میں نزاع لفظی ہے نہ حقیقی — کیونکہ موجود کی چار قسمیں ہیں:

☆ واجب الوجود ☆ — ممتنع الوجود

☆ ممکن الوجود ☆ — واحد الوجود

واجب الوجود وہ ہے کہ جس کا وجود لازمی و ضروری ہو اور اس کا عدم محال — ممتنع الوجود وہ ہے کہ جس کا عدم ضروری و لازمی ہو اور اس کا وجود محال — ممکن الوجود وہ ہے جس کا وجود عدم دونوں مساوی ہوں — واحد الوجود وہ ہے کہ اس کی

ہستی کے سوا کسی کی ہستی نہ ہو۔

لہذا ذات احدیت کو باعتبار مرتبہ علم اجمالی (کہ جس کو حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولاحظہ صفت وحدت کہتے ہیں) تنزل اول ہے۔ جب یہ مرتبہ اسماء و صفات کی علت و مبداء ہوا، یعنی علم تفصیلی کے درجے میں آیا تو اس کا نام تنزل ثانی رکھا۔ ان ہر دو تنزل کو واجب و قدیم کہتے ہیں۔ اسماء صفات جبکہ اپنے ظہور میں عالم ارواح کی حاجت و ضرورت رکھتے ہیں یہ تنزل ثالث ہے۔ عالم مثال کہ روایا کے مانند ہے جو خواب میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ عالم ارواح و عالم اجساد کے درمیان برزخ ہے۔ اس کو تنزل رابع کہتے ہیں۔ اور مرتبہ اجساد تنزل خامس ہے۔ یہ ہر سرہ تنزلات ممکن و حادث ہیں۔ ان کا حمل ہر دو تنزل سابق پر نہیں کیا جاسکتا کہ موجب کفر ہے۔ کیونکہ حمل میں محمول کو اپنے موضوع کے ساتھ کسی قدر اتحادِ مطابقت و موافقت ضروری و لازمی شرط ہے، اور اس میں مادہ مفارقت ذاتی رکھتے ہیں۔ لہذا حمل کس طرح صحیح و درست ہوگا بخلاف حمل اشتقاقی کے کہ ذُو لَہُ فِی کے واسطے سے ہوتا ہے۔ چونکہ صوفیہ کرام وجودیہ کی نظر وجود واحد پر ہوتی ہے، تنزلات ثلاثہ ممکنہ کو مثل ظلال موجود بوجود ذی علل بلکہ من کل الوجوہ موہوم و معدوم مطلق جانتے ہیں، مستقل وجود نہیں جانتے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنے فناء کے اعتبار سے ان کا عین ہے۔ خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ ممکن و حادث کے دو وجود ہیں: اجمالی و تفصیلی۔

صوفیہ وجودیہ فرماتے ہیں کہ ممکن بوجود اجمالی کہ فناء سے مراد ہے، عین واجب ہے۔ صوفیہ شہودیہ کا کہنا ہے کہ وجود تفصیلی ممکنات واجب تعالیٰ سے بالذات مفارقت رکھتا ہے۔ اس کا حمل اس پر ناجائز ہے۔ اور اسی نزاع لفظی پر فریقین کی جنگ ہے۔

حضرت مظہر جان جاناں نقشبندی مجددی شہودی علیہ الرحمہ ایک سائل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرات صوفیہ وجودیہ کا اطلاق تین معنوں پر ہے:

- (۱) — ایک تو وجود معنی کون و حصول کہ وہ امر اختلافی اور معقول ثانوی ہے۔
- (۲) — دوسرے وجود منبسط (وسیع و محیط) کہ وہ پہلے معنوں کا فضاء انتزاع (اختلاف) ہے، اور وہ ظاہر وجود سے تعبیر ہے، اور اول وجود سے صادر ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں وجود حضرت حق تعالیٰ تقدس سے متاخر (بعد) ہیں
- ذات حق ان دونوں وجود سے مصدر آثار نہیں ہو سکتی۔
- ☆ — تیسرے وہ وجود جو کہ اولوں سے اول اور سب (تمام) ابتداؤں کی ابتداء

— ہے

ایک گروہ کے نزدیک وہ عین ذات ہے، اور ذات اس وجود سے مصدر آثار ہے۔
حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ کی ذات پاک خود اپنی مصدر آثار ہے۔ جبکہ وجود ذات دونوں درحقیقت ایک ہوں۔ تو آثار میں خواہ وجود سے منسوب کریں۔ خواہ بذات‘ مطلب ایک ہی ہے۔ یہ اختلاف نزاع لفظی ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔“

تزللات بطرز دیگر

ہویتِ حق:

ذات کا بے اعتبار ماسوائی ملاحظہ ہویتِ حق ہے۔ یعنی ماسوائی سے قطع نظر کر کے ذات کو دیکھنا۔ اس کو:

☆ — غیب الغیب ☆ — بطن کل باطن ☆ — ہویتِ مطلقہ کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ صحرائے ہویت میں خیال و وہم اور ادراک و فہم کے پر جلتے ہیں، کسی کو پرواز کی مجال نہیں۔

۔ بخیاں درکنجہ تو خیال خود مرنجاں ز جہت بود مبرا مطلب بیخ سولیش
”وہ تیرے تو خیال میں بھی ہرگز نہیں آ سکتا۔ پس تو اپنے خیال کو تکلیف نہ دے اور جبکہ وہ سمت و جہت سے ہی مبرا ہے تو پھر تو کسی طرف اسے تلاش نہ کر۔“

احدیت ذات یعنی عالم لاہوت:

بشرط قطع نظر جمع ماسوائی ذات کا ملاحظہ احدیت ذات سے عبارت ہے — اس حضرت کو احدیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں کثرت مستحکم و مقہور ہے۔ — اس کے احکام ظہور سلطنت وحدت کے مقابل مستور ہیں۔ اس حضرت کو:

☆ — علم مطلق ☆ — حضرت جمع ☆ — مرتبہ عا

بھی کہتے ہیں — اس لیے کہ اولوالانظار کی ابصار اور ذی الافکار کی ابصار اس حضرت کے ادراک سے کور ہیں — اسے ”حقیقت الحقائق“ اس لیے کہتے ہیں کہ جمع حقائق و ماہیات کا قیام اس ذات میں ہے — اس حضرت میں کوئی تنزیہ، بے شائبہ تشبیہ، اور تشبیہ بے غائلہ تنزیہ حاصل نہیں ہوتی — اس لیے رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

تَفَكَّرُوا فِي نِعْمَانِهِ وَصِفَاتِهِ وَصَفَاتِهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي ذَاتِهِ

۔ اے منزه زاین و آل کہ توئی کہ شاسد ترا چتاں کہ توئی

”اے وہ مقدس ہستی جو اس ”یہ“ اور ”وہ“ سے بری اور پاک ہے۔ بھلا

کب کوئی تجھے ایسا پہچان سکتا ہے جیسے کہ حقیقت میں تو ہے۔“

۔ ساحت کبریات افزوں است زانچہ من سے برم گماں کہ توئی

”تیری کبریائی و عظمت کا شمار و مقدار اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ میں

خیال و گمان کرتا ہوں کہ تو ایسا ہے۔“

بیچ کس بے نشاں نہ گشتہ ترا در نیابد بداں نشاں کہ توئی

”کوئی شخص بھی تجھ سے بے نشاں نہیں ہوا، اس کے باوجود وہ نشان نہیں

پاتا جو تو ہے۔ یعنی ہر جگہ تیری شان و نشان کے باوجود کوئی تیرا مقام و نشان

نہیں پاسکتا۔“

۔ در جلایب گرچہ پنہانی و اندت جان خردہ واں کہ توئی

”اگرچہ تو (نور و ظلمات کے بے شمار) حجابوں اور نقابوں میں پنہاں ہے۔

لیکن پھر بھی ہر ایک چھوٹے سے چھوٹا جاندار بھی خوب جانتا ہے کہ تو

ہے۔“

۔ آشکارا بہر چہ سے گرم بہ تو ان داشتن نہاں کہ توئی

”جس طرف اور جس کی طرف بھی دیکھتا ہوں تو مجھے آشکارا و ظاہر نظر آتا

ہے، اور یہ سمجھنے کے باوجود (کہ ہر شے میں اگر تو عیاں ہے) تو نہاں بھی تو

ہی ہے۔“

ذات حق سبحانہ، تعالیٰ در حقیقت ایک ہستی ہے جو زوال و نقص سے مبرا ہے، اور

تمام ہستیوں سے ظاہر تر ہے۔ کیونکہ وہ خود بخود ظاہر ہے، اور جمع ہستیوں کا موجب وہی

ذات واحد ہے۔

۔ ہمہ عالم ز نور اوست پیدا کجا او گردد از عالم ہویدا
 ”تمام عالم اسی کے نور مقدس سے پیدا و موجود ہیں۔ مگر وہ کب عالم کے
 ہونے سے ظاہر ہے۔ (یعنی وہ ذات پاک خود ظاہر ہے، کسی کی وجہ سے
 ظاہر نہیں ہے۔)

چو آیات است روشن گشت از ذات نہ گردد ذات او روشن ز آیات
 ”جب کہ اس کی نشانیاں اور آثار اس کی ذات مقدس ہی سے روشن ہوئی
 ہیں، تو (ثابت ہوا کہ) اس کی ذات پاک ان آیات اور نشانیوں سے
 روشن نہیں ہے۔ (بلکہ یہ سب اسی کے فیض و کرم سے موجود اور ظاہر ہیں۔
 وہ ذات پاک سب سے بے نیاز ہے۔)

وہ ہستی خود نما ہے، ہر طرح کے تغیر و تبدل سے اور شمار و کثرت سے مبرا ہے۔
 کیونکہ ہستی کے سوا حقیقی نمائندگی ممکن نہیں۔ وہ ہستی تمام نشانوں سے بے نشان
 ہے۔ نہ عیاں ہے نہ نہاں ہے۔ نہ علم میں آئے نہ عیاں میں۔ جمع
 اشیاء کے اسماء اسی سے مدرک ہیں۔ وہ احاطہ و ادراک سے باہر ہے۔ سر کی
 آنکھ اس کے مشاہدہ جمال میں خیرہ، اور دیہ سرا اس کے ملاحظہ کمال میں تیرہ (یعنی اس
 کے حسن کے نظارے کی تاب نہیں رکھتی، اور اس کے کمالات دیکھتے ہوئے اندھی ہو
 جاتی ہے۔)۔ حقیقتاً وہ ہستی اپنی دلیل آپ ہے۔ اس میں کثرت کو کسی طرح
 دخل نہیں۔ بس اپنی خودی پر وہ خود ہی دلیل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

”کیا تیرا رب کافی نہیں ہر چیز پر گواہ“

۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب گرد لیلت باید از دے رُخ متاب

”آفتاب اپنے ہونے کی خود دلیل اور ثبوت ہے۔ اگر تو اس کی دلیل

و ثبوت چاہتا ہے تو اس سے اپنا منہ نہ چھپا۔ (یعنی اس کو دیکھ تو سہی)۔“

وہ ذات وجود سادہ و ہستی بحت ہے۔ لفظ وجود کو کبھی بمعنی تحقق و حصول یعنی

ہونا کہ معانی مصدریہ و مفہومات اعتباریہ میں اطلاق کرتے ہیں — اس اعتبار سے معقولات ثانیہ کے قبیلہ سے ہے، کہ خارج ہیں — اس کے مقابل کوئی امر نہیں، بلکہ ماہیات کو تعقل عارض ہوتا ہے — حکمائے متکلمین نے اس کی تشریح کی ہے۔ لفظ ”وجود“ سے کبھی ایک حقیقت مراد لیتے ہیں۔ کہ جس کی ہستی بذات خود ہے۔ باقی موجودات کی ہستی اس کے سبب سے ہے۔ حقیقت میں اس کے سوا کوئی خارج میں موجود نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَالْآنَ كَمَا كَانَ

”تھا اللہ تعالیٰ اور نہ تھی کوئی شے اس کے ساتھ، اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے

جیسا کہ تھا۔“

یہ باقی موجودات اس کے عوارض ہیں اور اسی کے ساتھ قائم ہیں — احوال ارسطو ہسکھیامنی، بدھ مت اور احوال مت، عرفائے کالمین اسلام کا ذوق و وجدان اس پر گواہی دیتا ہے۔ ؕ

اسم وجود کا حضرت حق سبحانہ، تعالیٰ پر اطلاق بمعنی ثانی ہے — اس سے ثابت ہے کہ موجود حقیقی ایک کے سوا نہیں، اور وہ عین وجود حق، ہستی مطلق ہے — اکثر مذاہب کی کتب تصوف میں یہ مسئلہ بالتفصیل موجود ہے، ہم بھی اسی کے ثبوت کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وجود کے لیے مراتب بے شمار ہیں:

(۱) اول مرتبہ ”الاعین و عدم انحصار“ ہے۔ وہ ہر قید اور ہر اعتبار سے مطلق ہے — اس حیثیت میں جملہ اضافات و صفات سے منزہ اور دلالت الفاظ و لغارت سے مقدس ہے۔ اس کے جلال کی رفعت زبان سے ادا نہیں ہو سکتی — اس کے کمال کی کہنہ سمجھ نہیں آ سکتی۔ ارباب کشف و عرفان بھی اس کی حقیقت کے ادراک سے حجاب در حجاب ہیں۔ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَعْرِفَتِكَ اس کے عرفان کی غایت حیرانی و نادانی ہے۔ اس مرتبہ کو:

☆ — حضرت علم مطلق ☆ — حضرت جمع

☆ — مرتبہ و ما ☆ — حقیقت الحقائق

بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ساری حقیقتیں اور کل مابقیں اسی سے قائم ہیں۔ اسی کو ”جمع
الجمع“ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ تمام اسماء و صفات اور حقائق و ماہیات اس میں
مجمع ہیں۔ کلام سرچشمہ ولایت کا اشارہ اسی مرتبہ کی طرف ہے:

أَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ وَ كَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصَدِيقُ بِهِ وَ كَمَالُ التَّصَدِيقِ
بِهِ تَوْحِيدُهُ وَ كَمَالُ تَوْحِيدِهِ الإِخْلَاصُ وَ كَمَالُ الإِخْلَاصِ لَهُ
نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ

”دین اسلام کی ابتداء خدا جانتا ہے، اور جاننے کا کمال اس کی تصدیق کرنا
ہے، اور اس کی تصدیق کا کمال اس کی وحدت و واجب الوجود ہونے پر
پورا یقین کرنا ہے (جو عقل و نقل دونوں سے حسب استعداد افراد الناس
ثابت ہوتا ہے) اور اس کی توحید کا کمال اس کی ذات کے ساتھ خلوص پیدا
کرتا ہے۔ اخلاص کا کمال ذات باری سے صفات کا نفی کرنا ہے۔“

اس مرتبہ کا نام احدیت ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ وحدت کا ہے۔ یعنی وہ ایک تعین ذات جمع تعینات فعلیہ و جوبیہ الہیہ
اور تعینات انعالیہ امکانیہ کا جامع ہے۔ اس مرتبہ کا نام ”تعین اول“ ہے۔
اس لیے کہ تعینات میں سے اول حقیقت وجود کا تعین ہے۔ اس کے مافوق
مرتبہ لا تعین ہے۔ اس مرتبہ وحدت ہی کا نام حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم ہے۔

تیسرا مرتبہ ”واحدیت“ کا ہے۔ — واحدیت سے مراد یہ ہے کہ جمع اسماء و
صفات کے ساتھ ذات کا ملاحظہ — اس مرتبہ کو:

☆ — مرتبہ الوہیت ☆ — مقام جمع ☆ — غیب مصاف

بھی کہتے ہیں۔ — مرتبہ الوہیت کو اگر اس اعتبار سے ملاحظہ کریں کہ اعیان و
حقائق جو حضرت خالق کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں۔ اپنی استعداد کے موافق

اکتاب کمالات کرتے ہیں تو اس کو ”مرتبہ ربوبیت“ کہتے ہیں۔

اگر ذات کو بشرط صور علیہ ملاحظہ کریں تو اس کو ”مرتبہ اسم باطن مطلق و العلم“ کہتے ہیں کہ رب اعیان علیہ ثابتہ کا ہے۔ اگر ذات کو بشرط کلیات اشیاء فقط ملاحظہ کریں تو اس کو مرتبہ ”اسم رحمن کہتے“ ہیں۔ کہ رب عقل اول کا ہے جس کو:

☆ — لوح قضا ☆ — اُم الکتاب ☆ — قلم اعلیٰ

کہتے ہیں۔

اگر ذات کو اس شرط کے ساتھ ملاحظہ کریں (کہ اس میں کلیات جزئیات ثابتہ مفصلہ ہوں، بغیر اس کے کہ وہ جزئیات ان کلیات میں محتجب ہوں) تو اس کو ”مرتبہ اسم رحیم“ کہتے ہیں کہ رب نفس کلیہ کا ہے۔ جس کو:

☆ — لوح قدر ☆ — لوح محفوظ ☆ — کتاب مبین

کہتے ہیں۔

اگر ذات کو ملاحظہ کریں (اس شرط کے ساتھ کہ صور مفصلہ اس میں جزیہ مستقرہ ہوں) تو اس کو مرتبہ اسم یحییٰ کہتے ہیں۔ جو کہ جسم کلی میں نفس مطبوعہ کارب ہے۔ جس کو لوح محو و اثبات کہتے ہیں۔

اگر ذات کو اس شرط کے ساتھ ملاحظہ کریں کہ وہ صور نوعیہ روحانیہ و جسمانیہ کے قابل ہے تو اس ”مرتبہ اسم قابل“ کہتے ہیں جو کہ حیولی کلیہ کارب ہے۔ جس کو ”کتاب مستور ورق منشور“ کہتے ہیں۔

اگر ذات کو اس شرط کے ساتھ ملاحظہ کریں کہ اس میں تاثیر و تاثر کی قابلیت ہے تو اس کو ”مرتبہ اسم فاعل“ کہتے ہیں۔ جو کہ موجد فاعل کی طرف مبر ہے اور طبیعت کلیہ کارب ہے۔

اگر ذات کو بشرط صور روحانیہ مجردہ ملاحظہ کریں تو اس کو ”مرتبہ اسم علیم و مفصل و مدبر“ کہتے ہیں۔ جو کہ عقول و نفوس ناطقہ کارب ہے۔ حکماء جسے عقل مجردہ کہتے ہیں اہل اللہ اسے روح کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے عقل اول کو روح اللہ

کہتے ہیں — حکماء جسے نفس مجردہ کہتے ہیں اہل اللہ اس کو قلب کہتے ہیں۔ جس وقت کہ اس پر کلیات مفصل ہوں اور شہود عیانی کے ساتھ ان کلیات کا مشاہدہ کرے — پس عقل اول روح اللہ ہے، اور نفس مجرد قلب، اور ان کے نزدیک نفس سے مراد نفس منطبعہ حیوانی ہے۔

اگر ذات کو بشرط صورتہ شہادیہ ملاحظہ کریں تو اس کو ”مرتبہ اسم مضمود“ کہتے ہیں جو کہ عالم خیال مطلق و خیال مقید کا رب ہے — اگر ذات کو بشرط صورتہ شہادیہ ملاحظہ کریں تو اس کو اسم ظاہر مطلق و آخر کہتے ہیں۔ جو کہ عالم ملک کا رب ہے۔ اسے مرتبہ انسان کامل کہتے ہیں — انسان کامل سے مراد وہ انسان ہے کہ جس میں جمیع مراتب الہیہ، عقول و نفوس کلیہ و جزئیہ اور مراتب طبیعت و وجود کے آخر تنزلات تک جمع ہوں۔ اسی کو مرتبہ عماسیہ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ مرتبہ، بمرتبہ الہیت مشابہت رکھتا ہے — ان دو مراتب کے درمیان فرق ربوبیت و مربوبیت کا ہے — اسی لحاظ سے سرخلافت حق اور جناب مطلق کے اسماء و صفات کا مظہر قرار پایا ہے۔

عالم ارواح:

یہ عالم مرتبہ الوہیت کی تفصیل اور اس کے اسماء و صفات کا مرتبہ ہے۔ دو مراتب کا اعتبار ظاہر و وجود کی حیثیت سے ہے کہ وجوب و صفت اس کا خاصہ ہے۔

عالم مثال:

یہ مرتبہ جمیع تعینات انفعالیہ کا ہے کہ تاثر و انفعال انہیں کی شان ہے — یہ مرتبہ کونیہ امکانیہ کا ہے۔

عالم حس و شہادت:

یہ مرتبہ تفصیل، مرتبہ کونیہ کا ہے کہ مرتبہ عالم حس ہے — ان دو مراتب کا عروض ظاہری اعتبار سے علم کے ہے — امکان اس کے لوازم میں ہے۔ یہ اس کی تجلی ہے کہ اپنے اوپر بصورت حقائق و اعیان ممکنہ تجلی فرمائی ہے —

فی الحقیقت وجود ایک ہی ہے زیادہ نہیں، جو ان تمام مراتب و حقائق میں عین مراتب و حقائق ہے۔ جس طرح یہ مراتب و حقائق، مرتبہ ذات میں عین ذات ہیں۔

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكْ شَيْئًا

”اور تحقیق پیدا کیا میں نے تجھ کو پہلے اس سے، اور نہ تھا تو کچھ۔“

شاہد حال ہے۔۔۔ یہاں اسماء و صفات حق تعالیٰ کو بہ حسب کُلِّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ مراتب الہی میں شوق و تجلیات ہے، اور بہ حسب شوق و تجلیات، اسماء و صفات ہیں۔ اس کی صفات یا تو ایجابی ہیں یا سلبی۔

☆۔۔۔ صفات ایجابی یا تو حقیقی ہیں کہ ان میں اضافت کو کچھ بھی دخل نہیں۔

جیسے: ۰۔۔۔ حیات ۰۔۔۔ وجوب ۰۔۔۔ بقاء۔

☆۔۔۔ یا اضافی ہیں۔ جیسے ربوبیت، علم، ارادت۔

☆۔۔۔ یا محض اضافت ہے۔ جیسے اولیت و آخریت۔

☆۔۔۔ اور صفات سلبی جیسے غنا، سبوحیت و قدوسیت

ان میں سے ہر ایک صفت ایجابی و سلبی کا ایک وجود ہے۔۔۔ یہ وجود جیسے کہ عدم پر ایک وجہ سے عارض ہوتا ہے۔۔۔ معدوم پر بھی عارض ہے، وہ وجود تجلیات ذات حق سبحانہ، تعالیٰ سے عبارت ہے۔ اس وجود کے مراتب کے اقتضا پر کہ تمام کو مرتبہ الوہیت جامع ہے۔۔۔ اس کا نام ”لسان شرع عما“ ہے۔ اول کثرت وجود میں واقع ہوئی ہے۔ وہ حضرت احدیت ذاتیہ اور مظاہر خلقیہ کے درمیان برزخ ہے۔ کیونکہ ذات حق تعالیٰ نے صفات متعددہ متقابلہ کو بذات خود بحسب مراتب الوہیت اور الوہیت خویش اقتضا کیا ہے۔ جیسے لطف و قہر، رحمت و غضب، سخا و رضا وغیرہ۔۔۔ ان جمیع لغوت متقابلہ کو جمال و جلال جامع ہے۔ اس لیے کہ:

☆۔۔۔ جو کچھ لطف و رحمت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، وہ جمال ہے۔

☆۔۔۔ جو قہر و قہمت کے ساتھ متعلق ہے، وہ جلال ہے۔

☆ — ہر ایک جمال کو جلال اور جلال کو جمال ہے۔

ذات کو جب باعتبار تجلی کسی معین صفت کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے تو اس کو اسم کہتے ہیں — جیسے کہ رحمن ایک ذات ہے موصوف بہ رحمت — قہار ایک ذات ہے موصوف بہ قہر — یہ اسمائے ملفوظ اسی ذات کے نام ہیں۔ اس خیال سے کہ اسم کو عین مشقی کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات پر علم، بذات خود اپنے جمیع کمالات پر علم کا موجب ہو، اور محبت الہی نے (کہ جس کو قابلیت ظہور کہتے ہیں)۔ ان کمالات میں سے ہر ایک کے ساتھ اذل حضرت علیہ میں، پھر حضرت عینہ میں ظہور ذات کو چاہا۔ اسی وجہ سے ظہور کثرت نمودار ہوا۔ چنانچہ بعلم ذاتی کثرت ایک راجع ہے — پھر صفات اس لحاظ سے کہ یا تو جملہ دیگر صفات پر ان کو احاطہ کلی ہے یا احاطہ کلی نہیں ہے، باہم تفاوت ہیں —

جو صفات کہ جمیع صفات کو محیط ہیں، ان کا نام ”ائمہ سبعہ“ ہے۔ اور وہ

☆ — حیات — ☆ — علم — ☆ — ارادہ

☆ — قدرت — ☆ — سمع — ☆ — بصر — ☆ — کلام

ہیں — یہ سات صفات اگرچہ تمام صفات کے اصول ہیں لیکن بعضے بعض سے متاخر ہیں۔ جیسے کہ علم، حیات سے متاخر ہے، اور ارادت و قدرت دو اوّل سے متاخر ہیں۔ اور سمع و بصر ان چار سے متاخر ہیں، اور کلام سب سے آخر — مراتب اسماء بھی اس لحاظ سے کہ ان کو دوسرے اسماء پر شمول کلی ہے یا شمول کلی نہیں ہے، باہم تفاوت ہیں —

اور یہ اسم یعنی اول و آخر، ظہور و باطن، ان کا نام ”ائمہ اربعہ“ ہے — اسم اللہ اور اسم الرحمن ان میں سے ہر ایک جامع جمیع ائمہ ہے — ارشاد باری ہے:

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ اَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَا تَدْعُوْنَ اِنَّ اَسْمَاءَ الْحُسْنٰی

”کہو اللہ کو پکارو یا رحمن کو، جو کہہ کر پکارو گے، سو اسی کے ہیں نام سب خاصے۔“
 جمع اسماء کو ان چار اسماء کا شمول اس وجہ سے ہے کہ جس اسم کا مظہر ازلی و ابدی
 ہے، ازلیت اس کے اسم اول سے ہے، اور ابدیت اس کے اسم آخر سے — ظہور
 اس کا اسم ظاہر سے، اور بطون اس کا اسم باطن سے۔

جو اسماء کہ ایاء و ایجاد کے متعلق ہیں وہ اسم اول کے تحت میں ہیں — جو بحر
 او معاد متعلق ہیں، وہ اسم آخر کے تحت ہیں — جو ظہور و بطون متعلق ہیں، وہ اسم
 ظاہر و باطن کے تحت ہیں — کوئی شے اولیت و آخریت اور ظہور و بطون سے خالی
 نہیں — چنانچہ کل اسماء ان امہات اربعہ کے تحت ہیں — اور یہ چاروں اسم، اسم
 اللہ و اسم الرحمن کے تحت میں ہیں۔ پس صفات بحیثیت معقولہ غیر ذات ہیں —
 اور بحسب تحقق عین ذات ہیں — مثلاً

☆ — حسی باعتبار صفت حیات ایک ذات ہے،

☆ — سمیع و بصیر و کلیم باعتبار صفت سمع و بصر و کلام ایک ذات ہے۔

اور کچھ شک نہیں کہ یہ صفات جیسے بہ حسب مفہوم ایک دوسرے کے متغائر ہیں،
 ذات کے بھی متغائر ہیں۔ لیکن تحقق و ہستی کے لحاظ سے عین ذات ہیں — کیونکہ
 یہاں وجودات متعدد نہیں بلکہ محض وجود واحد ہے۔ اسماء و صفات اس کے نسب و اعتبار
 ہیں۔ ذات بحیثیت ذات، جمع اسماء و صفات، نسب و اضافات سے منزہ و مبرا ہے
 — مگر چونکہ اول تجلی میں ظہور عالم کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ اس لیے ان امور میں
 اتصاف ذات ہے۔ یعنی اپنی ذات پر خود بخود تجلی فرمائی، اور علم و نور، وجود و شہود کی
 نسبت متحقق ہوئی:-

☆ — علم کی نسبت چاہتی ہے کہ ایک عالم ہو اور ایک معلوم،

☆ — نور کی نسبت کے لیے لازم ہے کہ ایک ظاہر ہو اور ایک مظہر،

☆ — وجود کی نسبت کے لیے ایک واجد ہو اور ایک موجود،

☆ — شہود کی نسبت کے لیے چاہئے کہ ایک شاہد ہو اور ایک مشہود۔

اسی طرح ظہور جو کہ نور کے لیے لازم ہے، اس سے پہلے بطون ہونا چاہئے — بطون چونکہ ظہور پر مقدم ہے، اس لیے بطون و ظہور میں اوّل و آخر کی نسبت ہوئی — اسی وجہ سے اوّل و آخر، ظاہر و باطن کے نام ٹھہرے — اسی طرح دوسری اور تیسری تجلی میں تعینات و اضافات یعنی نسبتیں بڑھتی گئیں — ہر چند کہ اس کے نسب و اسماء کا تضاعف اس کے ظہور سے پیشتر ہے، لیکن اس کا فنا اس سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ فنا باعتبار صرافت و اطلاق ذات کے ہے۔ اور اس کا ظہور باعتبار مظاہر و تعینات ہے۔

ایجاد عالم:

عالم ماخوذ ہے علامت سے — لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز رکھی جائے — یہ اسم آلہ ہے، عالم آلہ علم ہے — جیسے خاتم آلہ ختم — اصطلاح میں ”جمع ماسویٰ اللہ“ کو عالم کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ اس سے اسماء و صفات باری تعالیٰ مفہوم ہوتے ہیں۔ تمام افراد عالم میں سے ہر فرد میں جملہ اسماء الہی کسی اسم خاص کا مظہر ہے۔ وہ اسم اسی فرد سے معلوم ہوتا ہے — جیسے اجناس و انواع، اسماء کلیہ کی حقیقت پر دلیل ہیں — عقل اوّل یعنی نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کو:

☆ — وحدت ☆ — لوح قضا ☆ — ام الکتاب

☆ — قلم اعلیٰ

کہتے ہیں۔

ازروئے اشتمال جمع حقائق و صورتوں پر علی طریق الاجمال ایک عالم کلی ہے کہ اسم رحمن پر دال ہے — نفس کلیہ، جس کو:

☆ — لوح قدر ☆ — لوح محفوظ ☆ — کتاب مبین

کہتے ہیں — ازروئے اشتمال ان جمع اشیاء پر جن پر عقل اوّل مشتمل ہے۔ ایک عالم کلی ہے کہ اسم رحیم پر دال ہے — حضرت انسان کامل کو جامع جمع حقائق ہے، اجمالاً بمرتبہ روح و تفصیلاً بمرتبہ قلب ایک عالم کلی ہے کہ اسم اللہ پر دلالت کرتا ہے۔

کیونکہ اسم اللہ جامع جمیع اسماء و صفات ہے۔ چونکہ ہر فرد عالم اسماء الہی میں سے ایک اسم خاص کی علامت ہے۔ اور دو اسم اس ذات سے عبارت ہے جو جمیع اسماء کو جامع ہے۔ انسان کامل بھی جمیع اسماء و صفات پر مشتمل ہوا۔ اسی وجہ سے ہر ایک فرد عالم ایک عالم کلی ہے کہ جمیع اسماء پر دال ہے۔

نئے نئے الحق کیے ہر گ کاہ کہ در دے نہ مشہود گرد دالہ
 ”حقیقت میں میں نے ایک گھاس کا تنکے بھی ایسا نہیں دیکھا کہ اس میں
 میں نے ذات الہی کو اس میں مشاہدہ نہ کیا ہو۔“

ارشاد باری ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ
 ”ہم شتاب دکھائیں گے ان کو نشانیاں اپنی، ملکوں اور ان کی جانوں میں
 یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا ان کو کہ تحقیق یہ ہے حق۔“

شاہد حال ہے۔ اگرچہ بوجہ مذکورہ بالا عوالم کی نہایت نہیں کہ تنزلات و اعتبارات
 حد و حصر سے باہر ہیں۔ لیکن محقق نے حضرات کلیہ الہیہ پانچ مقرر کیے ہیں:
 (۱) — اول حضرت غیب مطلق — جس کا نام غیب حقیقی، احدیت اور ہویت
 مطلقہ ہے — اس حضرت کا عالم عالم اعیان ثابتہ علیہ ہے۔

(۲) — دوم حضرت غیب مضاف — یہ دو قسموں پر ہے:

☆ ایک قسم تو غیب مطلق سے قریب تر ہے، اور وہی مرتبہ اسم علیہ ہے —
 اسم علیہ عقول و نفوس ناطقہ کا رب ہے۔ اس کا عالم ارواح مجرد کا عالم ہے۔ اسی عالم کو
 ”عالم جبروت“ کہتے ہیں۔

☆ دوسری قسم عالم شہادت سے نزدیک تر ہے۔ یہ مرتبہ اسم مصدور کا ہے۔ جو
 عالم خیال مطلق و عالم خیال مقید کا رب ہے۔ اس عالم کا نام عالم مثال و عالم ملکوت
 ہے۔

غیب مضاف دو قسم پر اس وجہ سے ہے کہ ارواح مثالی صور میں نہیں ہیں، جو عالم

شہادت کے مناسب ہو بخلاف صور عقلیہ کے کہ غیب مطلق کے مناسب ہے۔
 (۴) — حضرت چہارم حضرت شہادت مطلقہ ہے جو حضرت غیب مطلق کے
 مقابل ہے۔ جس کو مرتبہ اسم ظاہر مطلق و اسم آخر کہتے ہیں — یہ مرتبہ عالم ملک
 کارب ہے۔ یہ آخر تنزل انسان کامل کا مقام ہے۔ اس کا نام عالم ملک ہے۔
 (۵) — پنجم حضرت جامع ہے۔ جس کو حقیقت و عالم انسانی اور انسان کامل و

مرتبہ عمائیہ کہتے ہیں کہ جامع جمع عوالم ہے۔

☆ — عالم ملک عالم ملکوت کا مظہر ہے۔

☆ — عالم ملکوت، عالم جبروت کا مظہر ہے۔

☆ — عالم جبروت اعیان ثابتہ کا مظہر ہے۔

☆ — اعیان ثابتہ اسماء الہیہ کا مظہر ہے جس کو وحدت کہتے ہیں۔

☆ — وحدت، حضرت احدیت کا مظہر ہے۔

☆ — عالم انسان ان جمع حضرت کا مظہر ہے۔

ان مظاہر کو جمالی و مطالع بھی کہتے ہیں۔

ان مراتب و حضرات کے علاوہ جو ہر مرتبہ و حصر میں ذات کو مذکور ہوئے، تنزلات،
 تجلیات اور تعینات کہتے ہیں۔

☆ — بعض تنزلات وجود سے موسوم کرتے ہیں۔

☆ — بعض محققین کا مقولہ ہے کہ احدیت تنزل اول ہے۔ یعنی ذات نے ہویت

سے احدیت میں تنزل فرمایا۔

☆ — بعض کا ارشاد ہے کہ اول ذات نے احدیت سے وحدت میں منزل فرمایا۔

اس گروہ کے نزدیک ہویت اور احدیت میں کچھ فرق نہیں۔ یعنی ہویت کو

احدیت پر تقدیم نہیں، ایک ہی مرتبہ ہے۔ بہر تقدیر تجلی اول کو مقام او اذنی

وَ اَحَدُ الْجَمْعِ وَ طَائِفَةُ الْكُبْرَى کہتے ہیں۔ تجلی ثانی کو قَاب

قُوسِین - یہ مرتبہ تنزل میں مقدم ہے اور رجوع میں موخر — چنانچہ سر
 (راز) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ کہ مبین معراج ہے بہتان شرح
 نہیں۔ — اسی طرح ہر تعینات میں سے ہر ایک مقتضی غیر حضرت
 حضرات مذکور سے ہے۔ جب کہ تحقق مرتبہ قَاب قَوْسَيْنِ مراتب ذات سے
 ہے۔

غیب مطلق سے تا آخر مرتبہ مظاہر حق اور اطلاق وجود سے تا تقد شہود ایک ہی
 ذات ہے جو تجلیات اور تعینات کے اختلاف کے مطابق مختلف مراتب یا مختلف حضرات
 سے موسوم ہوئی ہے۔ — تعینات محض اعتباری اور صرف نسبتی باتیں ہیں۔ جن کی وجہ
 سے ذات مقدس میں کوئی نقص عامد نہیں ہوتا۔ — تم ایک کو اگر چار کی چوتھائی کہو یا
 تین کی تہائی، یا دو کا آدھا، یا آدھے کا دو چند، تو ان نسبتوں سے اس کی یگانگی میں کوئی
 قباحت لازم نہیں آتی۔ — اسی طرح ذات پاک کو تجلیات و تعینات کے لحاظ سے
 مختلف ناموں اور مختلف مراتب اور مختلف حضرات کے نام سے بولنا اس کی احدیت کا
 مانع نہیں ہے۔ وہی ایک ذات ہے جو رنگارنگ نظر آ رہی ہے۔

تنزلات بطریق قدمائے سالکین

تعیین اول:

ایک وحدت صرف، قابلیت جمع صفات اور اعتبارات سے مجرد ہو یا نہ ہو، اگر جمع صفات و اعتبارات سے مجرد ہے تو قابلیت تجرد کو ”احدیت“ کہتے ہیں۔ جس کا نام بطون، ازلیت اور اولیت ہے۔ اگر اس قابلیت کا اعتبار ہے جو جمع صفات و اعتبارات سے متصف ہے تو وہ ”مرتبہ واحدیت“ ہے۔ اس کے لیے ظہور، آخریت اور ابدیت ہے۔

مرتبہ واحدیت کے بعض اعتبارات اس قسم سے ہیں کہ ان کے ساتھ ذات کا اتصاف جمع کے اعتبار سے ہے۔ خواہ وہ بعضے حقائق کوئیہ تحقق و وجود سے مشروط ہوں یا نہ ہوں۔

○ — اگر تحقق و وجود سے مشروط ہوں تو وہ حقائق کوئیہ ہیں۔ مثلاً:

خالقیت ، رازقیت وغیرہ —

○ — اگر تحقیق و وجود سے مشروط نہ ہوں تو یہ اسماء و صفات الہیت و ربوبیت

ہیں۔ مثلاً حیات و علم اور قدرت و ارادت وغیرہ۔ —

صورت معلومیت ذات جو ان اسماء و صفات سے ملحق ہے، یہ حقائق الہیہ ہیں۔ مگر ظاہر وجود کا ان کے ساتھ ملحقیت تعدد و جدی کا موجب نہیں بلکہ تعدد لباس ہے، اور وجود واحد۔

مرتبہ واحدیت کے بعض اعتبارات اس قسم سے ہیں کہ ذات کا اتصاف ان کے ساتھ مراتب کوئیہ کے اعتبار سے ہے۔ جیسے فصول و خواص اور تعینات، کہ اعیان خارجیہ

کے کمیزات ہیں۔ صورتِ معلومیت ذات جو ان اعتبارات سے ملتبس ہے، حقائق کوئیہ ہے۔ ظاہر وجود کا ان کے احکام و آثار سے ملتبس ہونا تعدد وجودی کا موجب ہے۔

حضرت ذات جامع کمالاتِ احدیت، عالم ارواح، عالم مثال میں، عالم حس و عالم شہادت میں، دنیا و آخرت میں جمع شیون الہیہ و کوئیہ کے ساتھ ازلاً وابداً ان سب حقائق میں کہ مرتبہ واحدیت کی تفصیل ہیں، ساری و متخلی ہے۔ — ان تمام تحقق و ظہور سے مفصود اصلی کمال اسمائی ہے، جسے ”کمال جلا و استخلا“ کہتے ہیں۔

☆ — کمال استخلا یعنی اعتبارات کی وجہ سے اس کا ظہور

☆ — کمال استخلا یعنی انہیں اعتبارات کی وجہ سے اس کا اپنے لیے شہود

کمال استخلا کا ظہور شہودی ہے۔ اسے اعیانی و عینی بھی کہتے ہیں۔ یعنی مفصل میں مجمل کا ظہور و شہود۔ جیسے درخت میں ذاتی کمال کے خلاف تخم کا وجود کہ غیر کے بغیر اپنی ذات کا اعتبار غیریت و اپنی ہی ذات کے لیے ہے۔ اس ظہور کا نام ”ظہور علمی عینی“ ہے۔ جیسے مجمل میں مفصل کا ظہور مثلاً تخم کے اندر درخت کا وجود۔

غنائے مطلق ذاتی کمال کو لازم ہے۔ غنائے مطلق کے یہ معنی ہیں کہ ذات کے شیون و احوال و اعتبارات اس کے احکام و لوازم سمیت کلی جملی کی وجہ پر ہوں۔ ذات کو تمام مراتب حقائق الہی و کوئی کے بطون میں دکھاتے ہوں، اس کی وحدت میں اندراج کل بہ جمع اس کی صورت و احکام کے شاہد و ثابت ہو۔ **إِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ عَنِ الْعَلَمِينَ۔**

وجود مطلق کا مستغنی ہونا اسی حیثیت سے ہے کہ اب آخرتزل سے اصل کی طرف عروج کرے۔ مثلاً:

☆ — اگر افراد و انواع کے تشخصات و تعینات کو مندرجہ تحت الحیوان دفع کیا جائے تو اس میں ہر نوع کے افراد جمع ہو جائیں گے۔

☆ — اگر ان انواع کے کمیزات کو (کہ وہ فصول و خواص ہیں) دور کر دیا جائے تو

حقیقت حیوان میں تمام جمع ہو جائیں گے۔

☆ — اگر میزاتِ حیوان اور ماتحت جسم نامی کو رفع کیا جائے تو سب جسم نامی میں آجائیں گے۔

☆ — اگر جسم نامی اور ماتحت جسم کو دور کیا جائے تو حقیقت جسم میں تمام شامل ہو جائیں گے۔

☆ — اگر میزاتِ جسم اور ماتحت جوہر (یعنی عقول و نفوس) کو اٹھا دیں تو حقیقت جوہر میں ان تمام کا شمول ہو جائے گا۔

☆ — اگر ماہِ الامتیاز جوہر و عرض کو دفع کیا جائے تو کل کا اجماع ممکن کے تحت ہو جائے گا۔

☆ — اگر ماہِ الامتیاز ممکن اور واجب کو مرتفع کیا جائے تو دونوں موجود مطلق میں جمع ہو جائیں گے جو کہ عین حقیقت وجود ہے، اور بذاتِ خود موجود۔ جس کی ظاہر صفت وجود اور باطن امکان ہے۔ یعنی اعیانِ ثابۃ، جو تجلی علیٰ نفسہ سے بلبسِ شیونیہ بروئے کار ہوئے۔

یہ میزاتِ خواہِ فصول و خواص ہیں، خواہ تعینات و تخصصات، تمام شیون الہی ہیں جو وحدت ذات میں مندرج تھے۔

☆ — اولاً: مرتبہ علم میں بہ صور اعیانِ ثابۃ نمودار ہوئے،

☆ — ثانیاً: مرتبہ عین میں بظاہر وجود، جو وجود باطن کا آئینہ ہے۔

بواسطہ تلبسِ احکام و آثار اعیانِ ثابۃ نے اعیانِ خارجہ کی صورت پکڑی —

لہذا خارج میں کچھ نہیں مگر حقیقتِ واحدہ — جو لوگ کہ ضیق مراتب میں مجوس اور ان کے احکام و آثار میں مقید ہیں، ان کو وہ حقیقتِ واحدہ شیون اور مختلف صفات لے اعتبار سے کثیر و متعددہ معلوم ہوتی ہے۔

وحدت ذات میں کثرت شیون کا اندراج جزو کل، مضروف و ظرف جیسا نہیں،

بلکہ جس طرح:

☆ — اوصاف کا موصوف میں، یا

☆ — لازم کا ملزوم میں، یا

☆ — تصفییت و ثلاثیت و رباعیت و خمیت

وغیرہ کا ذات واحد عددی میں اندراج ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ نسبتیں اس میں مندرج ہیں — لیکن جب تک ”اشئین، ثلاثہ، اربعہ و خمسہ“ کا جزو واقعہ نہ ہو، اصلاً اس کا ظہور نہیں۔

چنانچہ جمیع موجودات میں ذات حق کا احاطہ ایسا ہے جیسے:

☆ — احاطہ موصوف بہ اوصاف یا

☆ — احاطہ ملزوم بہ لوازم۔

☆ — نہ احاطہ کل یا جزو یا طرف بہ مطرف۔

حفظ مراتب کے اعتبار سے وجود کی حقیقت اگرچہ جمیع موجودات ذہنی و خارجی پر مقول و مجہول ہوتی ہے۔ لیکن مراتب میں تفاوت فَوْقَهَا بَعْضُ فَوْقِ ہے — اس کے لیے ہر مرتبہ میں اسامی نسبتیں، صفات اور اعتبارات مخصوص ہیں، نہ سائر مراتب میں درجہ مساوات۔ مثلاً حقیقت وجود، مرتبہ الوہیت اور ربوبیت، عبودیت اور خلقیت میں فرق ہے نہ کہ مساوی درجہ — لہذا اسامی مرتبہ الہیت کا اطلاق جیسے اللہ، رحمن وغیرہم مراتب کونیہ پر عین کفر و محض زندہ ہے — اسی طرح اسامی مخصوصہ مراتب کونیہ کا اطلاق مرتبہ الوہیت پر غایت درجہ کا ضلال و الحاد ہے۔

ع گر حفظ مراتب نہ کنی زندگیتی

تزللات بطریق دیگر بالتفصیل

توحید اور اہل توحید:

طریقت میں توحید ذاتی سرعظیم (بہت بڑا راز) ہے۔ توحید ذاتی کا علم وہ ہے کہ نہ تحریر و تقریر کو اس کی طرف راہ نہ اشارہ و کنایہ اس جانب۔ بلکہ یہ علم باطن ہے، اور باطن ہی باطن میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ دلی یقین سے جان لے کہ ماسوائے اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی وجود موجود نہیں، مگر مجالی و مظاہر حق ہے۔

اہل توحید وہ گروہ ہے کہ کوئی غیر حق و جود ان کی نظر میں نہیں آتا، نہ ہی کسی شے کو وہ غیر اللہ جانتے ہیں مگر مظاہر و مجالی حق۔ وہ لوگ صاحب تجرید و تفرید ہیں۔ یعنی اپنے دل سے ماسوائے اللہ کو زائل کرتے ہیں اور حق کو کل میں دیکھتے ہیں۔ ان کی نظر مستقل طور پر مرتبہ احدیت میں ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس مرتبہ میں ماسوائے اللہ کا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ تمام صدق و اخلاق، تفکر و تامل کی رو سے اہل توحید جب اس معنی کا علی الدوام لحاظ رکھتے ہیں تو نقش غیریت ان کے دل سے بالکل محو نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں پکاراٹھتے ہیں:

۔ کجا غیر کو غیر کو نقش غیر سوائے اللہ، واللہ مانی الوجود

”کہاں غیر ہے، کون غیر ہے، اور کون سا غیر کا نقش ہے سوائے اللہ تعالیٰ

کے۔ خدا کی قسم! وجود میں کوئی نہیں ہے۔ یعنی اس کی ذات واحد کے علاوہ

کسی کی ہستی کا وجود نہیں ہے۔“

طریقت میں اہل توحید بہت قسم کے ہیں۔ لیکن سب میں ممتاز و عامل علی

الشریعت دو گروہ ہیں: یعنی وجودی اور شہودی — انہیں کو محققین کہتے ہیں —
 ☆ — اہل وجود کا قول ”ہم از اوست“ ہے کہ کل حقائق اشیاء عین حق ہیں۔ اور
 ☆ — اہل شہود ”ہم از اوست“ فرماتے ہیں کہ کل اشیاء نہ غیر حق ہیں، نہ عین حق،
 بلکہ مظہر حق ہیں۔

گروہ اول کا کلام مرتبہ احدیت میں ہے — گروہ ثانی کا کلام مرتبہ واحدیت
 میں ہے — حقیقت میں دونوں کا مقصود ایک ہے، فقط لفظی نزاع ہے، تفصیل و تشریح
 سے بخوبی روشن ہو جائے گا۔

خمسہ تنزیلات:

بخاری شریف میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ غَيْرُهُ

”اللہ تھا، اور نہ تھی کوئی شے اس کے غیر۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مظہر ذات و صفات کو ظاہر کیا۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔
 کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”میں پوشیدہ خزانہ تھا۔ پس میں نے یہ چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے

خلقت کو پیدا کیا، اور میں نے ان کو اپنا شناسا کیا — پس شناخت کیا

مجھ کو مجھ سے، میں ان کے سبب سے پہچانا گیا۔“

علماء محققین کے نزدیک اللہ تعالیٰ واجب الوجود یعنی وجود مطلق ہے۔ — اس

وجود کے لیے نہ کوئی شکل ہے، نہ حد نہ حصر — یہ وجود واحد ہے، اور لباس متعدد و

مختلف ہیں — یہ وجود جمیع موجودات کی حقیقت ہے۔ کوئی شے اس وجود سے خالی

نہیں — اس کا وجود خود بخود موجود ہے اور کل موجودات میں ظاہر ہے۔ —

خارج میں بھی اس کے سوا کچھ نہیں۔

واجب الوجود/ وجود مطلق کے لباس:

اس وجود کے کئی لباس ہیں:

- ☆ — اول لباس: لاتعین وذات سحت
- ☆ — دوئم لباس: تعین اوّل
- ☆ — سوئم لباس: تعین ثانی
- ☆ — چہارم لباس: تعین ثابت (عالم ارواح)
- ☆ — پنجم لباس: تعین رابع (عالم مثال)
- ☆ — ششم لباس: تعین خامس (عالم اجسام)
- ☆ — ہفتم لباس: جامعیت

لباس اوّل، لاتعین:

اول لباس لاتعین وذات سحت یعنی خاص ذاتی لباس ہے — اس لباس میں تعین اور غیر تعین کو دخل نہیں۔ کیونکہ وہ ذات ہر قید و اطلاق سے منزہ و مبرا ہے — ذات وجود مطلق میں کل اشیاء مندرج ہیں، بطون میں ظہور کا حکم اور ذات عزیزہ میں صفات قدیمہ مخفی ہے اور نام:

- ☆ — عینیت^۱ و غیریت
- ☆ — اسم^۲ و رسم^۳
- ☆ — نعت^۴ و وصف
- ☆ — ظہور^۵ و بطون
- ☆ — کثرت و وحدت
- ☆ — وجوب^۶ و امکان^۷

۱ نام عینیت و غیریت منہی تھا۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس مرتبہ میں کثرت کو اصلاً تحقیق نہیں اور نہ یہ امور مستلزم کثرت ہیں۔ کیونکہ اشہدیت کے سوا عینیت و غیریت کا تصور نہیں۔ ۲ وجودی صفات کے ساتھ ذات اسم سے عبارت ہے۔ جیسے علم^۳ قدیر وغیرہ۔ ۳ خلق و صفات کو رسم کہتے ہیں۔ ۴ وجودی صفات اور اعلام وجودی عدی کے وصف کو نعت کہتے ہیں۔ ۵ ظہور موجب کثرت ہے۔۔۔۔۔ ظہور کے بغیر بطون کا تصور نہیں۔ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ۶ کلی اسماء الہی کو وجوب کہتے ہیں۔ ۷ کوئی اسماء الہی کو امکان کہا گیا ہے۔

منشی تھا — اہل توحید نے اس مرتبہ میں ذات کا نام ”احدیت ولاہوت“ رکھا ہے —

مرتبہ احدیت میں اسامی ذات:

مرتبہ احدیت میں ۱۱۳ اسامی ذات شمار کی گئی ہیں:

۱ — لائقین:

لائقین اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذات کو کچھ تعین نہیں — نہ اسمائی، نہ انعالی۔

۲ — ازل الآزال:

ازل الآزال اس لیے کہتے ہیں کہ تمام قدیمہ ازلیہ مراتب کا منشاء ہے — اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں۔

۳ — غیب الغیوب:

غیب الغیوب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ جمیع مراتب معقولہ سے مرتبہ شہادت تک فوق ہے۔ کہ یہ تمام حس سے غائب ہے۔

۴ — وجود الحجت:

اس لیے کہتے ہیں کہ وجود کے معنی ہیں ”ذات“ اور حجت کے معنی ہیں ”خالص“ — اس مرتبہ میں ذات، اسم و رسم اور نعت و وصف سے خالص ہے۔

۵ — مجہول النعت:

اس لیے کہتے ہیں کہ نعت و وصف ثبوتی سے عبارت ہے، اس مرتبہ میں وصف کا ثبوت اصلاً نہیں۔

۶ — عین الکافور:

اس لیے کہتے ہیں کہ کافور کی خوشبو سب پر غالب ہے۔ جو چیز اس میں شامل ہوتی

ہے اسی کی صفت اختیار کرتی ہے۔۔۔ اسی طرح جو کوئی اس مرتبہ میں پہنچتا ہے نمک کی مانند فنا ہو جاتا ہے۔

ع ہر کہ درکان نمک رفت نمک شد

اور یہ کہ کافور کے غایت مزے میں کوئی نہیں پہنچتا، ایسے ہی اس مرتبہ کی انتہا کو کوئی نہیں پہنچتا۔

۷۔۔۔ ذاتِ سازج:

اس مرتبہ میں ذات کے ساتھ کوئی شے نہیں۔ یعنی یہ مرتبہ ذات و صفات سے بالکل سادہ و معرا ہے۔

۸۔۔۔ منقطع الاشارات:

اس مرتبہ میں کسی شے کی تیز نہیں اور نہ ہی اشارے کے قابل ہے۔۔۔ نہ اس مرتبہ میں کوئی غیر ہے جو اس کی طرف اشارہ کرے یا کیا جائے۔

۹۔۔۔ منقطع الوجدانی:

منقطع الوجدانی اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذاتی و صفاتی وجدان ہرگز نہیں۔

۱۰۔۔۔ غیب الہویت:

ہویت سے ذاتِ تحت مراد ہے۔۔۔ اس مرتبہ میں ذاتِ صفات سے غائب ہے اور اس کے شعور سے معرا۔ بلکہ اس مرتبہ میں جملہ صفات موجود نہیں (ندارد ہیں)۔

۱۱۔۔۔ عین مطلق:

اس مرتبہ میں ذات بالکل مطلق ہے۔ دیگر مراتب کے خلاف اس میں اصلاً غیر کا شائبہ تک نہیں۔ اس لیے کہ ان کا مطلق مضاف ہے۔

۱۲—ذات بلا اعتبار:

اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذات کے ساتھ کسی چیز کا اعتبار و تعلق نہیں۔

۱۳—مرتبہ الہویت:

ذات تحت کو چونکہ ہو کے ساتھ نسبت ہے—ہوُ اشارہ ہے، اور یہ اشارہ ذات کی طرف ہے۔ تاہم کی نسبت مبالغہ کے لیے ہے—یعنی وہ ذات اپنی ذاتیت میں کامل ہے۔ اس کے ساتھ غیر ہرگز شامل نہیں۔

لباس دوم: تعین اول:

اس مرتبہ و لباس میں ذات مطلق کو ہر شے میں بالا جمال علم ہے—اس مرتبہ میں ذات کا نام وحدت و جبروت ہے—اسے منشاء احدیت اور واحدیت بھی کہا جاتا ہے—واحدیت، وحدت سے ناشی ہے۔ کیونکہ وحدت مرتبہ اجمال ہے اور واحدیت مرتبہ تفصیل—چنانچہ مرتبہ تفصیل مرتبہ اجمال (اختصار) سے ناشی ہوتا ہے—لیکن فی الحقیقت مرتبہ احدیت ہی منشاء کل ہے۔ تمام قابلیت کا منشاء وحدت ہے کہ وہ حقائق اشیاء ہیں۔ مرتبہ وحدت کا ظہور اور بطون یکساں ہیں۔ یہ احدیت و واحدیت کے درمیان برزخ ہے جس طرف توجہ کرتا ہے، بے واسطہ اس کا رنگ پکڑتا ہے:

☆—گاہ بطون کی طرف کہ وہ ”احدیت“ ہے،

☆—گاہ ظہور کی طرف کہ وہ ”واحدیت“ ہے۔

تعین اول میں اسامی ذات:

محققین نے اس مرتبہ میں ذات کے گیارہ نام رکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱—تعین اول:

تعین اول اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذات کے نام مقرر کئے گئے ہیں۔

۱۔ جبروت: اسمائے صفات الہی کی عظمت و جلال کو جبروت کہتے ہیں۔

۲ — علم مطلق و وجود مطلق:

علم مطلق کہ وہ وجود مطلق ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں دیگر مراتب کے خلاف، مطلق و مجمل کے اعتبارات سے ذات کا شعور و یافت ہے — اس لیے کہ ہر ایک مرتبہ نے اس سے تقید پایا ہے۔

۳ — وحدت حقیقی:

وحدت حقیقی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نام نفس کے اعتبار سے تعین اول ہے — یعنی ذات وحدت کہ اس کی نسبت دو جانب برابر ہے، کسی اور طرف متوجہ نہ ہو — یہ ظہور کی طرف مواجہت کے اعتبار سے وحدت کے خلاف برزخ ہے — یا بطون کی طرف ہو کہ اس میں ظہور و بطون کا شائبہ ہے۔

۴ — فلک ولایت مطلقہ:

اس مرتبہ میں ولایت مطلقہ کا مدار ہے۔ یعنی اس مرتبہ پر کسی مرتبہ ولایت کو بخلاف دیگر کوئی فوقیت نہیں — انبیاء اور اولیاء کے مراتب فوق ہا ہیں — بعض فوق بلکہ یہ کل مراتب اس کی طرف مضاف ہیں — ولایت کے معنی یہ ہیں کہ قائم بہ حق ہو اور اپنی ذات سے فانی ہو۔

۵ — تجلی اول و حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اس لیے کہتے ہیں کہ اول مرتبہ میں اول ظہور ہوا — یعنی پہلا مرتبہ ظہور یہی ہے کہ اول تجلی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور میں آیا۔

۶ — رابطہ بین الظہور و البطون:

رابطہ بین الظہور و البطون ذات کے درمیان ہے مگر صفات کے درمیان من کل الوجوہ واحد ہے — یہ مرتبہ کثرت ہے جو ربط دیتا ہے۔

۷ — محبت حقیقت:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَخْبَيْتُكَ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَخْبَيْتُكَ کے اشارہ سے حقیقی محبت پائی جاتی ہے — کنز

مخفی ہویت احدیت سے عبارت ہے — اس لیے کہ غیب میں رمز کنون ہے اور تمام
بواطن کا باطن ترین ہے — جہت سے مراد غلق کی طرف توجہ ظہور ہے۔

۸ — قابلیت اوّل:

اس لیے کہ اس مرتبہ میں وہ ذات تمام قابلیت کا ماوا و مبداء ہے۔

۹ — مقام اوّذنی:

یہاں قَابِ قَوْسَيْنِ اوّذنی مراد ہے — صوفیہ کرام کے نزدیک احدیت جمع
ذاتیہ سے مراد یہ مقام ہے — اس لیے کہ اس مرتبہ میں تمیز و اثنیت اعتبار یہ ہے
فنائے محض مرتفع ہو جاتی ہے — ہر رسوم کے لیے طمس کلی ہے۔

۱۰ — برزخ البرازخ و برزخ کبریٰ:

یہ دو قوس کے درمیان خط برزخ ہے۔ یہ دو قوس احدیت اور واحدیت
ہیں — اوّذنی کو ہر دو قوسین کے اتحاد کے وقت تمیز کرتا ہے — اوّذنی اتحاد
قوسین سے عبارت ہے۔

۱۱ — احدیت الجمع:

اسقاط صفات کے اعتبار کے بغیر، ذات کے اعتبار مِنْ حَيْثُ هِيَ سے مراد
احدیت الجمع ہے — اس کا اس حیثیت سے اثبات کہ اس میں حضرت واحدیت کی
نسبت مندرج ہو — تعین اوّل واحدیت کی نسبت شامل ہونے سے باعتبار طرف
ظہور ہے۔

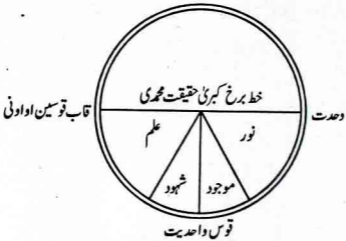
اس لباس وحدت کو حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہتے ہیں کہ جب ذات
مطلق نے اپنے آپ کو اجمالاً مشاہدہ کیا — اور جو کچھ اس سے یا اس میں سے تمام
کو اجمالاً مشاہدہ کیا — تو اوّل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشاہدہ کیا — بلکہ محض
شہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحدت کہتے ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے شہود میں ذات کو اپنا وجدان حاصل ہے — اور کل ماسوئی کا شہود ضمناً

حاصل ہے۔

غلبہ بطون و ظہور کے اعتبار کے بغیر وحدت اس مرتبہ کا نفس ہے — یعنی اس مرتبہ کی اصلی حالت یہی ہے کہ کسی جانب غلبہ نہ ہو — کیونکہ احدیت ذات کا مرتبہ ہے اور واحدیت، صفات کا مرتبہ ہے — باطن و ظاہر کی طرف غیر اعتبار توجہ کہ مرتبہ احدیت و واحدیت کا ہے — ان ہر دو مراتب کے درمیان اس لیے ہے کہ مرتبہ احدیت سے فیض لے، اور مرتبہ واحدیت کو فیض پہنچائے تاکہ عالم کی پرورش ہو۔

لَوْلَاكَ لَمَّا أَظْهَرْتُ الرَّبُّوْبِيَّتْ گواہ ہے۔ چونکہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احدیت و واحدیت کے درمیان برزخ ہے — اس دائرہ کو دیکھیں:

قوس احدیت



اس دائرے میں ایک طرف قوس احدیت ہے اور دوسری طرف قوس واحدیت۔ — درمیان میں خط برزخ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس سے طرفین کی تمیز ہوتی ہے — قوس واحدیت چار حصوں پر تقسیم ہے:

☆ — نور — ☆ — وجود — ☆ — شہود — ☆ — علم

جیسا کہ اس دائرے میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے اوپر خود تجلی فرمائی۔ یعنی پہلے تعین اول اپنی ذات کو ظاہر

فرمایا، اس کا نام نور ہے۔

☆ — اپنے آپ کو پایا، یہ وجود ہے۔

☆ — یہ خودی خود حضور ہوا، یہ شہود ہے۔

☆ — درحالات کہ ذات کو من حیث الاسماء والصفات مجملًا شعور ہوا، وہ علم

ہے۔

جس مرتبہ میں ذات مطلق ہے یعنی ماسوئی ہے، اس کا نام احدیت ہے۔

جب تفصیل درپے ظہور ماسوئی ہوئی تو اس کا نام واحدیت رکھا، وَالْإِسْمُ غَيْرُ

ذَلِكَ مِنْ أَمْرَاتِ ب.

لہذا یہاں ذات کو سوائے کا حادث کرنا باعتبارات جملگی حاصل ہوا ہے۔ والا

ذات میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ یافت و پیدائی کہ وجود سے

عبارت ہے۔ پیداکندگی سے مراد تجلی ذات ہے۔ شہود کہ باخودی خود حضور

ہے، یہ کثرت اعتباری ہیں، کیونکہ اس مرتبہ میں مجملًا حاصل ہیں۔ لہذا تو س

واحدیت میں ان کا ثبت کرنا کہ جانب کثرت ہے بہ نسبت تو س احدیت کے، کہ انب

ہوا۔ اس لیے کہ یہ اعتبارات اس حضرت میں ایک دوسرے سے ممتاز نہیں، بلکہ

ایک دوسرے کے ہیں۔ یعنی مرتبہ احدیت میں کسی چیز کی تمیز اصلاً نہ تھی

۔ جب ایک حالت شعور اجمالی ہوئی تو اس اعتبار سے کہ وہ حالت شعور ذات من

حیث الاسماء والصفات مجملًا ہوئی ہے، اس کو علم کہتے ہیں۔ اس ظہور تجلی ذاتی کے

ساتھ وجود حقیقی ہے، اس اعتبار سے اسے نور کہتے ہیں۔ یافتن خود من حیث الاسماء و

الصفات مجملًا ہے، اس اعتبار سے اس کو وجود کہتے ہیں۔ جو کچھ تفصیل میں الی الابد

ہے، مشاہدہ مجملًا ہے، اس اعتبار سے اس کو شہود کہتے ہیں۔

چنانچہ کثرت کی جانب ثبت کرنا انب ہوا۔ ان امور کو اعتبارات اس لیے کہتے

ہیں کہ اس مرتبہ میں ان کا محض اعتبار ہی اعتبار ہے، ایسا ہی مرتبہ واحدیت ہوگا کہ مرتبہ

تفصیل ہے۔

لباس سوم: تعین ثانی :

اس لباس میں اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے میں بالتفصیل ہے — اس لباس کو واحدیت اور حقیقت انسانیہ بھی کہتے ہیں — ان تین مراتب میں تقدم و تاخر اعتباری ہے نہ زمانی۔ یہ مراتب قدیم ہیں۔ ذات مطلق اس بات کی خواہاں ہوئی کہ جس طرح مرتبہ وحدت میں آپ نے اپنے آپ پر مجملاً جلوہ کیا، اسی طرح مفصلاً بھی جلوہ کرے — چنانچہ وحدت کو ظہور پر توجہ حاصل ہوئی۔ یہ توجہ متضمن ذاتی و اسمائی کمال کی اجمال و کلیت کے طریق پر ہوئی۔ بحکم غلبہ وحدت کی مرتبہ اجمال الاجمال کا ہے۔ یہاں تمیز حقائق کی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ غناء مطلق ذاتی کمال کو لازم ہے — غناء مطلق کے یہ معنی ہیں:

”جو کچھ من الازل الی الابد در پے تفصیل ہے، اس کو شہود کلی اجمالی مشاہدہ ہو۔“
 لہذا وہ اس شہود کلی کے سبب اس کی تفصیل سے مستغنی ہے۔ کیونکہ جو کچھ در پے تفصیل ہے، اس کا شہود حاصل ہو گیا اگرچہ اجمال کی وجہ سے ہی ہو — لہذا اس مرتبہ واحدیت میں کمال اسمائی مطلوب ہے۔ یعنی جب ذات نے ظہور کی طرف توجہ کی تو جب تک ظہور نہ ہو تو ظہور کو ہرگز قرار نہیں۔ اور پھر فنائے عالم کے بعد ظہور ہو۔ علیٰ ہذا کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ — کمال اسمائی اس وقت حاصل ہوگا کہ جیسے مرتبہ وحدت میں یافت ذات اور حضور ذات میں حیث الاسماء والصفات اور ظہور ذات مجملاً حاصل ہوا ہے۔ ایسے ہی مفصلاً بھی حاصل ہو۔ جب تک کہ تمیز حقائق بَعْضُهَا عَنْ بَعْضٍ اور حکم غیریت ثبوت نہ ہو، مفصلاً حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اعتباری ہی ہوتا وقتیکہ ظہور کا اعتبار ہے۔ مثلاً: وہی ظاہر ہے جو باطن میں تھا۔ پس ظاہر عین باطن ہوا — مرتبہ وحدت میں تمیز حقائق و تغائر کو ہرگز راہ نہیں۔ چنانچہ کمال اسمائی جو کہ مطلوب ہے اس وقت حاصل ہوگا کہ جب تعین ثانی حاصل ہو — اور یہ تجلی و تعین ثانی پر موقوف ہے۔ ذات نے دوسری تجلی فرمائی۔ جب ذات وحدت نے ظہور کی جانب توجہ کی تو اس مرتبہ کا نام ”واحدیت“ رکھا گیا۔ ہر گاہ کہ مرتبہ واحدیت منشاء کثرت ہے تو ایراد تمثیل و اطلاق

اسماء اس پر انسب ہوں گے۔

تنزل ثانی میں اسامی ذات:

مرتبہ واحدیت میں مندرجہ ذیل گیارہ اسامی ذات ہیں:

(۱) — تعیین ثانی:

تعیین ثانی اس لیے کہتے ہیں کہ اس دوسرے مرتبہ میں ذات کا نام مقرر کیا گیا ہے۔ — تعیین بمعنی مقرر اور ثانی کے معنی دوسرا، یعنی ذات نے تنزل کا دوسرا راستہ اختیار کیا۔

(۲) — معدن الکثرت:

اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تنزل منشاء کثرت ہے یعنی اس مرتبہ میں کثرت شروع ہوئی۔

(۳) — منشاء سوا:

اس لیے کہتے ہیں کہ ذات اور وجود حق جو ظاہر میں بطور ممکنات کے ہے، اس لیے اس کے ظہور کے اعتبار سے بصورت ممکنات اس کو سوا وغیر کہتے ہیں، ورنہ یہاں بھی وہی ذات ہے جو پہلے تھی۔

(۴) — حضرت جمع والوجود:

اس سبب سے کہتے ہیں کہ جمع وحدت سے عبارت ہے باعتبار ظہور کی طرف۔ اور وہ اس مرتبہ کا باطن ہے۔ — اس مرتبہ میں ذات من حیث الاسماء والصفات پائی جاتی ہے۔ یعنی اس مرتبہ تنزل میں ذات نے اسماء و صفات کو پایا ہے۔ یہاں اسماء و صفات کا اطلاق ذات پر صادق آیا ہے۔

(۵) — حضرت الاسماء والصفات و حضرت الالوہیت:

یہ مرتبہ اسماء و صفات کو شامل ہے، اور الوہیت تمامی اسماء و صفات اور افعال کے حصول سے عبارت ہے۔

(۶) — قابلیت الکثرت:

اس تنزل میں اشیاء کے حقائق کا بیان ہے۔ اور وہ وجودات خارجیہ کی کثرت کا قائل ہے۔

(۷) — احدیت الکثرت:

اس کا اعتبار ظہور کی طرف ہے، جیسے احدیت الجمع۔ اس لیے اسے احدیت الکثرت کہا جاتا ہے۔

(۸) — فلک الحیات:

حیات عالم کا مدار اس مرتبہ میں ہے، جو عالم اجسام اور عالم ارواح کو متضمن ہے۔

(۹) — قابلیتہ الظہور و منشاء کثرت:

یہ مرتبہ حقائق عالم کو متضمن ہے، جو منشاء کثرت اور ظہور عالم کی قابلیت رکھتا ہے۔

(۱۰) — نفس رحمانی:

نفس رحمانی عین تجلی ثانی ہے — ظہور عالم نفس پر آگندہ کی مانند ہوا ہے۔ جیسے تنفس کے سانس منہ سے نکل کر پھیل جاتے ہیں، یہ تجلی ثانی بھی ایسا نفس اور رحمت عام کی مانند ہے۔

(۱۰) — منتہی العابدین:

یہ مرتبہ الوہیت کو متضمن ہے۔

یہ تجلی ثانی نفس پر آگندہ کے طریق پر تنفس شخص کے باطن سے ظاہر ہوتا ہے، حق سے متجلی ہے — اس پر آگندگی کے سب جمع حقائق الہی و کیانی و انسانی ممتاز و ممیز ہوئے۔

☆ — حقائق الہی سے مراد کلی اسماء الہی ہیں، مثلاً بدیع، باعث وغیرہ

☆ — — حقائق کیانی سے مراد اسماء کیانی ہیں۔ جیسے عقل کل، نفس کل وغیرہ

☆ — — حقیقت انسانی، آدم کی حقیقت کو کہتے ہیں۔

☆ — — وجود عالم کو حق کی حیثیت میں کون کہتے ہیں۔

لہذا جو کچھ درپے تفصیل تھا، وہ تجلی ثانی میں نمودار ہوا۔ جبکہ یہ تجلی ثانی نفسی و ظہوری تعین اول سے ہے، تو ضروری ہوا کہ اسی کی صورت پر ظاہر ہو۔ یعنی جیسے وہ مرتبہ تعین اول، احدیت، واحدیت اور برزخیت پر مشتمل تھا، ویسے ہی تعین ثانی بھی وحدت، کثرت اور ایک برزخ پر مشتمل ہو۔ — — وہ دونوں کے درمیان حامل و جامع ہو جو وحدت اس تعین ثانی کے ضمن میں ہے، اسے ظاہر وجود کہتے ہیں۔ وجود کا جو اعتبار مرتبہ وحدت میں تھا، وہ اس مرتبہ میں ظاہر ہوا یعنی اپنے آپ کو پانا — — جو مرتبہ وحدت یعنی تعین اول میں تھا، اس کا ظہور اس مرتبہ تعین ثانی میں ہوا۔ اس لیے کہ اس ذات کا خاص وصف ”وَجُوب“ ہے — — کلی اسماء الہی کو ”وَجُوب“ کہتے ہیں۔

اسامی کلیات: اسمائے الہی ارباب:

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کلی اسماء الہی کو ”وَجُوب“ کہا جاتا ہے — — یہ اسماء الہی اٹھائیس ہیں:

☆ - بدیع	☆ - باعث	☆ - باطن	☆ - آخر
☆ - ظاہر	☆ - حکیم	☆ - محیط	☆ - شکور
☆ - غنی الدھر	☆ - مقتدر	☆ - رب	☆ - علیم
☆ - قاہر	☆ - نور	☆ - مصور	☆ - محصی
☆ - مبین	☆ - قابض	☆ - حی	☆ - محیی
☆ - ممیت	☆ - عزیز	☆ - رزاق	☆ - مذل
☆ - قوی	☆ - لطیف	☆ - جامع	☆ - رفیع الادرجات

کثرت اسے کہتے ہیں جو تعین ثانی کے ضمن میں ہو — — کثرت اسماء کو ظاہر علم کہتے ہیں۔ اس لیے اس کا تعلق حقائق کوئی سے ہے — — کیونکہ علم کا جو اعتبار مرتبہ

وحدت میں تھا، اس کا ظہور اس تعینِ ثانی میں ہوا۔ وہ اٹھائیس اسماء کلی مربوط ہیں جو تمام اس مرتبہ میں ہیں۔

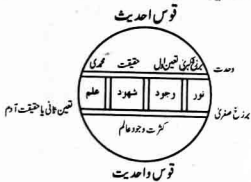
اسامی کلیات: اسمائے کوئی مربوط:

- ذات کو جو شعور من حیث الاسماء والصفات مفصل ہوا، اس لیے کہ امکان اس کے لوازم سے ہے۔ — امکان اسماء کوئی کو کہتے ہیں۔ وہ بھی اٹھائیس اسم ہیں:
- | | | | |
|---------------------|----------------------|----------------|-----------------|
| ☆ عقل کل (یعنی رقم) | ☆ نفس کل (روح محفوظ) | ☆ طبیعت کل | ☆ جوہر ہبا |
| ☆ شکل کل | ☆ جسم کل | ☆ عرش | ☆ کرسی |
| ☆ فلک اطلس | ☆ فلک منازل | ☆ فلک زحل | ☆ فلک مشتری |
| ☆ فلک مرغ | ☆ فلک شمس | ☆ فلک زہرہ | ☆ فلک عطارد |
| ☆ فلک دنیا | ☆ کرہ آتش | ☆ کرہ ہوا | ☆ کرہ آب |
| ☆ کرہ خاک | ☆ مرتبہ جمادات | ☆ مرتبہ نباتات | ☆ مرتبہ حیوانات |
| ☆ ملائکہ | ☆ مرتبہ جنات | ☆ مرتبہ انسان | ☆ مرتبہ جامعہ |

اس ظاہر وجود کی جو صورت احدیت اس مرتبہ ثانی میں سرایت احدیت کے اعتبار سے ہے، حقیقی ہے۔ — یعنی اس سبب سے کہ:

- ☆ — احدیت اس میں ساری ہے،
 - ☆ — سریان واحدیت سے اس میں کثرت نسبی ہے،
- اس لیے کہ وہ اس کی وحدت ظاہر وجود ہے، جو شیون کلی اور اعتبارات اصلی کو شامل ہے۔ — اسماء و صفات کا منشاء اس کی کثرت نسبی ہے، ظاہر علم جو اس تعینِ ثانی میں واحدیت کی صورت رکھتا ہے، اس میں سرایت واحدیت سے ایک کثرت حقیقی ہے۔ — اس میں اثر احدیت سے ایک وحدت نسبی ہے۔ اس لیے کہ وحدت غیریت کی طرف منہ رکھتی ہے، اور یہ منشاء غیر ہیں۔ — اس میں احدیت کے اثر سے ایک وحدت نسبی ہے۔ اس کثرت حقیقی کو اعیان ممکنات اور حقائق کوئی کہتے ہیں۔ — اس وحدت نسبی کو حضرت ارتسام اور عالم معانی اور بحر امکان کہتے ہیں۔ یعنی ظاہر وجود جو اس

تعیین ثانی میں ہے، اس میں ہر ایک احدیت اور واحدیت نے سرایت کیا ہے — لیکن غلبہ حضرت احدیت کو ہے اور صورت احدیت کی ہے — احدیت کی سرایت سے ضرور اس میں وحدت حقیقی ہوگی۔ ظاہر علم کے برخلاف واحدیت کی سرایت سے کثرت نسبی کہ اس میں وحدت کا غلبہ ہے اور اسی کی صورت، لہذا سرایت احدیت سے اس میں کثرت حقیقی ہوگی۔ اثر احدیت کے وجود سے وحدت نسبی ہے نہ احدیت کی سرایت — چنانچہ ظاہر وجود کی وحدت جو وحدت حقیقی ہے، ظاہر وجود کا باطن ہے۔ اس نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں:



جوشیون کلی اور اعتبارات اصلی کو شامل ہے، نسبی کثرت اس ظاہر وجود کی ہے جو اس سے اسماء و صفات ظاہر ہوئے — لہذا کثرت حقیقی کو اعیان ممکنات، حقائق کوئی کہتے ہیں — کیونکہ ممکنات و حقائق خارجیہ، منشاء اشخاص ہے — وحدت نسبی کو حضرت ارتسام، عالم معانی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ارتسام و اعیان ثابتہ اس مرتبہ میں ہیں — اعیان ثابتہ معانی اشیاء کو کہتے ہیں۔ اس کو بحر امکان اس لیے کہتے ہیں کہ منشاء اسماء کوئی اور ان کے محیط کا ہے۔ کیونکہ مرتبہ ظاہر وجود بحر کی مانند ہے، اور حقائق کوئی مابہوں کی مثل ہیں جو اس سے صورت پکڑی ہے — وجود اور ظاہر علم کے درمیان جو برزخ ہے، وہ حقیقت انسانی ہے یعنی حقیقت آدم علیہ السلام، کہ وہ مقام ان کا ہے۔ اسے ”برزخ صغریٰ“ کہتے ہیں — اسی طرح ”برزخ کبریٰ“ یعنی وحدت جو کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ مقام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ہے — جیسے مرتبہ وحدت، مرتبہ احدیت کو واحدیت تک پہنچاتا ہے کہ وہ مقام سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے یعنی واسطہ — اسی طرح علم کو وجود میں پہنچانے والی آدم علیہ السلام کی حقیقت ہے کہ برزخ و واسطہ ہے — اس سے ثابت ہوا کہ:

”جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمع حقائق الہی اور حقائق کوئی کے جامع ہیں، اسی طرح آپ کے بعد آدم علیہ السلام جمع حقائق الہی اور حقائق کوئی کے جامع ہیں۔“

اسی طرح عالم کی تفصیل ہے جیسے کہ:

☆ — عالم مجردات ☆ — عالم ارواح ☆ — عالم مثال ☆ — عالم طبائع
☆ — عالم عناصر ☆ — عالم نباتات ☆ — عالم حیوانات

پھر آدم علیہ السلام ظاہر میں جمع حقائق الہی و حقائق کوئی کے جامع ہیں — اور تمام حقائق کلی و جزوی کو شامل ہوئے — لہذا انسان کامل میں بھی یہ تمام حقائق الہی و حقائق کوئی ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا متجلی ان کے ساتھ ہوتا ہے، اور حقائق کوئی تمام موجودات میں موجود پاتا ہے — ابلیس لعین نے ملائکہ و عقول کے بخلاف آدم علیہ السلام کو اس وجہ سے مجہد نہ کیا کہ مرتبہ خاک میں حق کو نہ پہچانا — ذات وحدت نے جب مرتبہ واحدیت میں توجہ کی تو اہل توحید کے نزدیک مراتب معدودہ اور تعینات معبودہ جب ایک لاکھ اور چالیس ہزار تک آئی تو آدم علیہ السلام کے قالب نے خارج میں وجود پایا — لیکن جب از روئے حقیقت دیکھا جاتا ہے تو مرتبہ واحدیت میں تعینات وجود حد و حصر سے زیادہ ہیں، اس لیے کہ شمار و عدد محال ہے۔ ارشاد باری ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلًا مَّا أَكْمَلْتُ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ
كَلِمَاتِ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ (پ ۱۶، ع ۳، سورہ کہف)

جیسے ذات نامحدود نامتناہی ہے، اسی طرح تعینات بھی نامحدود و بے انتہا ہیں — اس لیے کہ اشیاء کبیرہ و صغیرہ میں سے ہر شے کا ربی علیحدہ علیحدہ ہے۔ بلکہ ہر ذرے کے لیے ایک اسم باری تعالیٰ ضرور ہے — جیسا کہ اہل دانش جانتے ہیں کہ تعینات

حد و حصر سے باہر ہیں۔ کیونکہ مرتبہ واحدیت میں ذاتِ کمال الوہیت کے ساتھ پہنچی ہے — الوہیت ہمگی ذات و صفات سے عبارت ہے۔ وہ نامحصور ہیں تو تعینات بھی نامحدود ہوئے — لیکن کلیات اسماء و صفات اٹھائیں ہیں کہ ترتیب کے ساتھ تعین پایا ہے — ہر ایک کلی کے اسماء تحت میں نامحصور ہیں۔ اس لیے کہ نامحصور اشیاء اور ظاہر کنندہ اشیاء نامحدود کے مربی ہیں۔ یعنی کلیات اسماء الہی، ظاہر کنندہ، کلیات اکوان اور جزئیات ہر ایک کلی کے تحت میں ہیں — ظاہر کنندہ جزئیات اکوان ہیں، جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔

بعض محققین نے ذات کے چہار لباس اور زیادہ کر کے انسان تک پہنچایا ہے۔ یعنی:

☆ — لباس چہارم: تعین ثالث: عالم ارواح

☆ — لباس پنجم: تعین رابع: عالم مثال

☆ — لباس ششم: تعین خامس: عالم اجسام

☆ — لباس ہفتم: جامعیت

یعنی یہ تمام مراتب جسمانیہ و نورانیہ و روحانیہ، احدیت و وحدت و واحدیت ایک جامع ہو جائیں — یہ لباس و تجلی خیرہ ہے اور وہ انسان ہے کہ *الْإِنْسَانُ سِرِّي وَأَنَا سِرَّةٌ*.

بدلائیں کوئی بھیس ناچاری سے ہر رنگ ہے اختیار سرکاری سے

بندہ شاہد ہے اور طاعت زیور یہ سوانگ بھرا گیا ہے عیاری سے

ان سات مراتب میں پہلا مرتبہ ”لاظہور“ کا ہے، اور باقی چھ مراتب ”ظہور کلیہ“ کے ہیں، اسی کو صوفیہ کرام نزول کہتے ہیں — وجود مطلق جب درجہ بہ درجہ لباس تبدیل کرتا انسان تک پہنچا، جب انسان یہ تمام مراتب عروج میں طے کر لیتا ہے تو اس کو انسان کامل کہتے ہیں۔ شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

روزے دوسہ خانہ در عدم باید داشت . روزے دوسہ وجود ہم باید داشت

اکنون ز وجود و از عدم آزادیم . ماما گشتیم از کہ غم باید داشت

”ایک دن میں دو تین گھر عدم میں رکھتا تھا۔ اور ایک دن میں اس میں دو تین وجود بھی رکھتا تھا۔ اب میں اس عدم اور وجود سے بھی آزاد ہوں۔ اب میں ”میں“ ہو گیا ہوں۔ میں کب سے رنج و غم رکھتا تھا، اب میں قالی فی اللہ ہو کر بے غم و بے فکر ہو گیا ہوں۔“

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

از جمادی مردم و نامی شدم و ز نما مردم بہ حیوان سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم
جملہ دیگر بہ میرم از بشر تا بر آرم از ملائک بال و پر
و ز ملک ہم بایدم جتن ز جو کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ إِلَّا وَجْهَهُ
بار دیگر از ملک قربان شوم آں چہ اندر فہم ناید آن شوم
پس عدم گردم چون ارغنون^۱ گویدم گمانا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

”جب میں جمادی (حیثیت سے) مر گیا، تو نامی (نباتات سے) ہو گیا۔ نامی کے (مرنے کے) بعد میں نے (مرتبہ حیوانی میں) حیوان اور جاندار بن کر سر اٹھایا۔ پھر میں حیوانی مرتبہ سے گزر گیا اور مر کر آدم ہو گیا۔ لہذا میں کیوں خوف کروں کہ میں مر کر کم یا فنا ہو جاؤں گا۔ دوسری بار میں مر کر یعنی بشر کی حیثیت کے بعد ملائک کی طرح پر وبال نکالوں گا، اور فرشتوں کی صفات حاصل کر لوں گا۔ پھر ملکی حیثیت سے بھی گزر کر مجھے ترقی اور سر بلندی حاصل کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس کی ذات پاک کے سوا ہر شے ہالک اور فانی ہے۔ دوسری بار جب میں ملک (فرشتے) کی حیثیت سے قربان ہوں گا، تو پھر جو عقل و فہم میں نہیں آ سکتا، میں وہ ہو جاؤں گا۔ چنانچہ پھر میں عدم ہو کر عدم کے ایک باجے سے اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ (بے شک ہم

کو تیری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے) کہوں گا۔“
وجود مطلق کے کمالات:

اس وجود مطلق کے دو کمال ہیں:

☆ — کمال ذاتی

☆ — کمال اسمائی

کمال ذاتی یعنی اللہ تعالیٰ کا سب شیوں و اعتبارات کو اپنے آپ میں دیکھنا۔ جیسے
 تخم میں درخت کا وجود مع شاخ، پتے اور پھل —
 کمال اسمائی یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ ظہور، اور اس کی ذات کا تعینات خارجیہ
 میں شہود۔ جیسے درخت کے اندر تخم کی حقیقت۔
 معلوم یہ ہوا کہ ذات خدا میں جمیع موجودات، اور جمیع موجودات میں ذات خدا
 موجود ہے۔

۔ اخفا کے لیے ہے اس قدر جوش و خروش
 حسن ازل تو ہے ازل سے ظاہر
 یہاں ہوش کا مقتضا ہے بنامہ ہوش
 یعنی ہے تجلیوں میں اپنی روپوش
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی شریف میں روایت ہے کہ رسول
 اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”قسم ہے مجھ کو اس خدا کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
 جان ہے۔ اگر تم رسی کو سب سے نیچے کی زمین پر ڈالو، تو اللہ تعالیٰ پر پڑے
 گی۔“ —

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

”وہی اول ہے وہی آخر، وہی ظاہر وہی باطن، اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔“

۔ الحق کہ نہیں ہے غیر ہرگز موجود
 جب تک کہ ہے وہم غیر حق ہے مفقود
 حق یہ ہے کہ وہم کا بھی ہونا حق ہے
 حق ہے تو ہر ایک طرح سے حق مشہود

ارشاد باری ہے:

وَاللَّهُ الْمَشْرِقِيُّ وَالْمَغْرِبِيُّ فَأَيْنَمَا تُولُوا فَانْتُمْ وَجْهَ اللَّهِ

”اور اللہ کے ہیں مشرق و مغرب، جدھر تم دیکھو ادر ذاتِ خدا ہے۔“

یعنی آنسو کہ قصد اندازی
تاجق بند گیش بہ گزاری
وجہ حق کان بود حقیقت او
باشد آں جا بہ سوئے او کن رو
ہجج جائے نہ کردہ استثنا
پس بود عین حق عیاں ہمہ جا
عارف حق شناس را باید
کہ بہر سو کہ دیدہ بہ کشاید
بند آں جما جمالِ حق پیدا
نکسلد از جمالِ حق قطعاً

”یعنی تو جس طرف بھی اپنا اردہ کرے گا، کہ اس کی بندگی کا حق ادا کرے،

اس کی حقیقت بھی رُخِ حق ہوگی۔۔۔ جس جگہ بھی وہ (حق) ہو تو اس کی

ہی طرف اپنا رُخ کر۔۔۔ اس کے سوا کسی بھی جگہ دوسرے کا وجودِ حقیقی

نہیں ہے۔۔۔ لہذا ہر جگہ ”عینِ حق“ ہی ظاہر و مشہود ہے۔۔۔ عارف

حق شناس کو یہ چاہئے کہ وہ جس طرف بھی اپنی آنکھ کھولے (نظر کرے)

اس جگہ وہ جمالِ حق ہی کا مشاہدہ کرے۔ تاکہ وہ جمالِ حق سے بالکل محروم

نہ ہو۔“

یعنی عارف ہر جگہ ذاتِ باری تعالیٰ کو متجلی دیکھے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ

”اور خدا تمہارے ساتھ ہے جہاں رہو تم۔“

۱۔ یہ معیتِ عقل سے مفہوم نہیں ہوتی بلکہ یہ ذوق اور کشف سے نمایاں ہوتی ہے۔

هُوَ مَعَكُمْ زَيْنِ حَقِيقَتِ حَقِّ چہ خواست یعنی واجب راز ممکن جلوہاست

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ دانی چہ گفت اے اگیری یار بی ما و شماست

”وہ تمہارے ساتھ ہے، یہ حقیقتِ حق تعالیٰ نے جیسی کہ چاہی ہے، یعنی

ممکن سے واجب اللہ تعالیٰ کے بہت سے جلوے ظاہر ہیں۔۔۔ اور تو

جاننا ہے کہ اس نے:

”تمام اشیاء اس کے (رخ) کے سوا ہلاک ہونے والی ہیں۔“
 کیوں کر فرمایا ہے — اے اسیری! وہ محبوب حقیقی — بغیر ہم اور تم کے
 ہے — یعنی محبت حقیقی میں وہ دوست یکتا من و تو کی ان ظاہری ضمیروں سے بے نیاز
 و فارغ ہے۔“

حضرت ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”یعنی روح، عالم کون سے برآمد ہی نہیں ہوئی ہے — اگر آئی ہوئی

ہوتی تو دل کے چہرے میں آ جاتی۔“

ممكن زتنكناي عدم ناكشيدہ رخت واجب بہ جلوہ گاہ عیاں ناتہادہ گام

در حیرتم کہ این ہمہ نقش عجیب چیمت بر لوح صورت آمدہ مشہود خاص و عام

”ممکن نے عدم کی تنکنائے (جائے تنگ) سے اپنا چہرہ دکھایا (نکالا) ہی

نہیں ہے — اور واجب نے جلوہ گاہ عیاں (ظاہر) میں قدم ہی نہیں

رکھا ہے“ — پھر میں حیرت میں ہوں کہ یہ تمام نقش عجیب و غریب کیا

ہیں جو کہ لوح صورت (جہان) پر آئے، اور مشہور خاص و عام ہوئے ہیں۔“

لفظ کُنْ پر اعتراض:

ارشاد باری ہے:

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

”سوائے اس کے نہیں ہمارا کہنا کسی چیز کے لیے، جب ہم نے چاہا یہی

ہے کہ کہیں اس کو ”ہو جا“ تو ”وہ ہو جاتی ہے۔“

بعض اہمق اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ لفظ کن شے سے خطاب کے لیے ارشاد

فرمایا ہے —!

☆ — اگر یہ خطاب شے کے وجود سے پہلے ہے تو محال ہے کہ معدوم شے قابل

خطاب ہو۔ کیونکہ معدوم ہے تو خطاب کس کو؟

☆ — اگر یہ خطاب شے کے وجود کے بعد ہے تو اس کو پیدا کرنے کی حاجت نہیں،

کیونکہ وہ موجود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کل اشیاء کے حقائق علم الہی میں موجود ہیں تو خطاب شے کی جانب جائز نہ ہوا کہ وہ حاضر ہے۔ اور ”ہو جانا“ بطون سے ظہور میں عبارت ہے اور بے صورتی سے صورت میں آ جانا۔ ہمارے نزدیک تو ایمان کی بات یہ ہے کہ ہر شے کی ذات، وصف ذاتی ہے۔ ذات قدیم ہے تو وصف ذاتی بھی قدیم ہوا۔ وصف ذاتی عین ذات ہے۔ تو ثابت ہوا کہ وجود واحد کے سوا کچھ موجود نہیں۔ اور شے کا ہو جانا صرف بے صورتی سے صورت میں آ جانا مراد ہے۔ کیونکہ اسی بے صورت ذات نے صورت پکڑ لی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی:

”خود ہی مخاطب ہے، خود ہی مخاطب ہے اور خود ہی خطاب، کوئی غیر نہیں۔“

یہ جو کثرتِ غیر کی صورت میں نمودار ہے، یہ محض ہماری نظر کی خرابی اور تافہی کے آثار ہیں۔ ورنہ ہر شے میں ذات واحد ہے۔ اگر دیدہ بصیرت میں سرمہ توحید لگا کر نظر کرو گے تو ذات واحد کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔

علم توحید گشتہ حق یقین

کردم ایس نکتہ را ازاں تضمین

کہ ہمہ اوست ہرچہ ہست یقین

جان و جاناں و دلبر و دل و دین

”علم توحید“ حق یقین ہوا ہے۔ ہم نے بس اسی نکتہ حقیقی کی تضمین و

تفصیل بیان کی ہے۔ کہ جو کچھ بھی موجود ہے، سب وہی ہے اور یقیناً یہی

ہے کہ جان و جاناں، دلبر و دل اور دین وہی ہے۔“

وجود عالم کی نمو:

وجود عالم ان تین چیزوں سے نمودار ہے:

☆ — زمان ☆ — مکان ☆ — جہات

اگر ان تین چیزوں کا تعین ٹوٹ جائے۔ یا فرض کیا جائے کہ یہ تینوں چیزیں معدوم ہیں تو باقی کیا رہ جائے گا! — اس کا کیا نام رکھو گے یا آنکھیں بند کر کے

دیکھو اور بتاؤ کہ اب کیا ہے؟

۔ غیر تش غیر درجہان نگزاشت لاجرم عین جملہ اشیاء شد

”اس کی غیرت و حمیت نے جہان میں اپنے سوا کوئی غیر نہیں چھوڑا ہے۔

اس لیے تمام اشیائے عالم کا وہی عین ہے۔“

ہاں ایک ہستی و علم مطلق باقی رہے گا۔ اب جو چاہو اس کا نام رکھو۔ سچ

پوچھو تو یہ سارا گورگھ دھندا اس علم کا ہی ہے۔ اگر یہ علم بھی فنا ہو جائے تو سبحان اللہ

تینوں تعین خود بخود ٹوٹ جائیں گے۔ اگر تمہارا علم اس طرف متوجہ ہوا کہ یہ ظہور

غیر اللہ ہے تو اس علم کو حجاب اکبر کہتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَكْبَرُ۔ یعنی جہاں

علم کا قیافہ ہوگا حجاب اکبر و سد سکندر بن جائے گا۔ لیکن فی الحقیقت اگر علم کی طرف دیکھا

جاتا ہے تو:

☆۔۔۔ یہی علم باعث نبوت ہے،

☆۔۔۔ یہی دانستگی موجب ولایت ہے،

☆۔۔۔ یہی آگاہی سب کفر و شرک ہے۔

جب سمجھ جاتی رہی تو مرفوع العلم ہو گیا۔۔۔ نہ شارع اس کا خواست گار، نہ حاکم طلب

گار۔۔۔

☆۔۔۔ اگر یہ علم راستی کے ساتھ ہے تو سب نجات و رستگاری ہے،

☆۔۔۔ اگر یہی علم کجی کے ساتھ ہے تو موجب ہلاکت و گرفتاری ہے۔

جبکہ عقلی و نقلی اہل سے ثابت ہے کہ غیر اللہ کا کچھ بھی وجود نہیں۔ تو پھر ماسوائے

اللہ کو موجود سمجھنا باعث ہلاکت و گرفتاری نہیں تو کیا ہے؟۔۔۔

قرآن و حدیث اس بات کے دو عادل گواہ موجود ہیں کہ:

”غیر اللہ نہ کچھ پہلے تھا، نہ اب ہے۔“

یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ سب صفات ذاتی کے آثار و اعتبارات و تعینات ہیں۔

۔۔۔ دراصل ان چیزوں کا کچھ بھی وجود نہیں۔ جو کچھ ہے سب ایک ذات ہے

— جو تھی، نہ گھٹی نہ بڑھی، نہ اتری نہ چڑھی — یہ سب باتیں اسی علم کے متعلق ہیں۔

ایک روز جناب قبلہ سید غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہ العزیز کے سامنے ایک شخص نے کہا:

”حضرت دیکھئے فلاں شخص نے جس قدر علم پڑھا ہے، اسی قدر گمراہ ہو گیا ہے۔“
سچ ہے زیادہ علم بھی انسان کو خراب کرتا ہے، اور دین کے لیے حجاب اکبر بن جاتا ہے۔ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَكْبَرِ — آپ نے فرمایا:

”علم کی نسبت یہ خیال ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں نے علم کے معنی یہ سمجھے، ان کی غلط فہمی ہے — علم شریف ہے، اور علم کی شرافت سے انسان کو شرافت ملی ہے۔ علم کی شرافت سے تمام مذاہب و ملل و ادیان کے کتب خانے معمور ہیں۔ کوئی علم کے شرف سے انکار نہیں کر سکتا۔“

عالم کا ظہور اسی علم سے ہے۔ انسان علم کے زور سے کیا مکیا ایجاد کرتا ہے:
ریل، تار برقی، روشنی برقی، جہاز رانی اور طرح طرح کے ہنر اور پٹھے وغیرہ
— وَعَلَّمَ اَدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا — بلکہ اس علم کے ذریعے سے خدا تک پہنچ جاتا ہے
— بعض نے العلم حجاب الاکبر کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ:

”حجاب اشیاء کو پوشیدہ کرتا ہے، اور یہ علم بھی عیبوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔“
لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ حجاب کا کام ہے پوشیدہ کرنا، خواہ وہ چیز اچھی ہو، خواہ بری — یہ نہیں کہ بری چیز کو پوشیدہ کرے اور اچھی کو نہیں۔ مثلاً جواہرات اور پتھر دونوں کو ایک جگہ رکھ کر اوپر پردہ ڈالو تو دونوں کو پوشیدہ کر لے گا۔ ہماری دانست میں تو علم تلوار ہے اور تلوار کا کام کاٹنا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ہو، اسے جہاں چاہے جا، بے جا استعمال کرے، دشمن کو مارے یا اپنا گلا کاٹے، اس کا کام تو کاٹنا ہے۔ کاٹے گی —
بلکہ علم معقلہ ہے کہ جو ہر ذاتی و مادہ اصلی کو ظاہر کر دیتا ہے۔ یعنی جس انسان میں جو مادہ ہے، اس کو ایک خوبی کے ساتھ روشن مقبلی کر دیتا ہے — اگر اس میں مادہ نیکی کا ہے تو

نیکی کو اور اگر مادہ برائی کا ہے تو برائی کو بھی خوبی کے ساتھ ہویدا کرے گا۔

ع عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے

ہمارے نزدیک تو اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَكْبَرِ کے یہ معنی ہیں کہ علم بمعنی دانستن ہے۔ مثلاً کسی چیز کا علم حاصل کرنے کے لیے تم نے کوشش کی اور بدل یقین کر لیا کہ اس چیز کا علم مجھ کو حاصل ہو گیا ہے تو بس یہی دانستگی اس کے لیے حجاب اکبر اور سد سکندری ہے، اب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کیونکہ خود حد مقرر کر چکا ہے۔ ورنہ علم کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ جس چیز میں غور کیا جائے شاخ در شاخ نکلتی چلی آئے گی۔ جس شخص نے اپنے دل میں یہ خیال کر لیا کہ مجھ کو خدا کا عرفان حاصل ہو گیا ہے۔ بس وہ قدم آگے نہیں بڑھا سکتا، وہی علم اس کے لیے حجاب اکبر ہو گیا۔ ورنہ محاط محیط کو کیا پا سکتا ہے۔ جو صاحب حوصلہ ہیں وہ ہل من مزید کا نعرہ مارتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور ہر وقت زبان پر یہ ورد رکھتے ہیں:

وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَعْرِفَتِكَ — جیسے خدَا لَا اِسْتِذَاءَ لَهٗ وَلَا اِسْتِهْآءَ لَهٗ

ہے۔ اسی طرح علم بھی حد و حصر سے باہر ہے۔ بلکہ یہ اس کی صفت ذاتی ہے، ذات عین علم ہے۔ ہر شے کی ذات میں موجود ہے۔ غرض علم ایک عجیب چیز ہے۔ بغیر علم کے آدمی مورکھ کہلاتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ بہت سی کتابیں پڑھنے کا نام علم ہے، نہیں، بلکہ دانستگی اور آگاہی پیدا کرنے کا نام علم ہے۔ اور یہی موصل الی المطلوب ہے۔ علم و دانائی و عقل مندی محض ہمیشہ ممتاز رہے ہیں، اسی لیے صاحب علم و عقل، قدیم مرجع خاص و عام چلا آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور دنیا میں جو عالم و عقل مند زیادہ ہے، وہی سر بر آورده قوم اور مرکز حاجات ہے۔

ع روند خلق بدید ارش از بے فرسنگ

روایت ہے پھیلوں کا کہ ایک گروہ متفق ہو کر اور دور دراز سفر طے کر کے ایک عالم و عقل مند پھیلی کے پاس پہنچا اور دریافت کیا:

”ہم مدت سے دریا کا نام سنتے ہیں کہ اس سے ہماری زندگی ہے۔ لیکن آج تک دریا نہیں دیکھا۔ ہم کو بتاؤ کہ وہ کہاں ہے؟“

اس نے جواب دیا:

”اگر تم مجھے دریا کے علاوہ کوئی چیز بتاؤ تو میں تم کو دریا بتاؤں۔ یہاں تو دریا ہی دریا موجزن ہے۔ اگر دریا کے سوا کچھ اور موجود ہو تو میں بتاؤں۔ تم کو تمہاری لاعلمی نے حجاب میں ڈال رکھا ہے۔ ورنہ ہماری تمہاری بود و نمود اسی دریا سے ہے جس میں ہم موجود ہیں۔“

الغرض علم ایک وصفِ اعظم اور مرتبہ عالی ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ علم کہیں باہر سے نہیں آتا بلکہ اس کا چشمہ اپنے ہی اندر سے ابلتا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تو ہی خواہی لب نان در بدر	یک سبد پر نان تر ابر فرق سر
رو در دل زن چرا برہر دری	در سر خود بیچ دہل خیرہ سری
غافل از خود این و آن تو اب جو	تا بز انوئی میان آب جو
و ز عطش و ز جوع گشتستی خراب	برسرت نان است پایت اندر آب
چشم ہارا خلف سد و پیش سد	پشت آب و بس ہم آب با مدد
چست این گفت اسپ لیکن اسپ کو	اسپ زیران و فارس اسپ جو
گفت آرے لیک خود اسم کہ دید	ہیں نہ اسپ است این بزیر تو پدید
اندر آب و بے خبر ز آب رواں	ہست آن و پیش روے اوست آن
وان خیال چون صدف دیوار او	چون گہر در بحر گوید بحر کو
ابر تا ابد آفتابش سے شود	گفتن آن کو حجابش سے شود
عین رفع سد او گشت سدش	بند چشم اوست ہم چشم بدش
گوش با حق دار اے مدہوش او	بند گوش اوشدہ ہم گوش او

”اگر تو نظر حقیقت سے دیکھے تو سر پر (اس کی رزاقی و کرمی سے) رویوں

کا ایک ٹوکرا بھرا ہوا موجود ہے۔ مگر تو (اپنی تانجھی کی وجہ سے) روٹی کے ایک ایک کلمے کے لیے در بدر مارا مارا پھرتا ہے۔

دور کے ڈٹول کی آواز نے تجھے کیوں پریشان (خیرہ سر) کر دیا ہے۔ تو اپنے دل کے دروازے پر خود جا اور اسی کو کھٹکھٹا۔ تو (اپنی حاجت کو پورا کرنے کے لیے) کیوں ہر کسی کے دروازے پر جاتا ہے۔

جبکہ تیرے گھٹنوں سے اوپر (زانو) تک دریا کا پانی موہیں مار رہا ہے۔ پھر تو کس لیے اپنے شیریں آب جو (دریا کے پانی) سے غافل ہو کر دوسروں سے پانی مانگتا ہے۔

اس کی رحمت و فضل سے تیرے سر پر روٹیاں (رزق مقرر) اور تیرے پیروں میں پانی موجود ہے۔ پھر تو کیوں (بے وقوفی) سے بھوک اور پیاس سے پریشان اور خراب و خستہ ہو رہا ہے۔

تیرے پیچھے بھی پانی اور سامنے بھی پانی موجود ہے۔ مگر تو نے دوسروں کی امداد کے لیے اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال لیا ہے۔ اور حجاب غفلت کی دیواریں آگے اور پیچھے کھڑی کر لی ہیں۔

تیرے زیرِ ران خود ایک عمدہ گھوڑا موجود ہے۔ پھر تو سوار ہو کر گھوڑے کی (خواہ مخواہ) تلاش میں ہے۔ یہ ”گھوڑا“ (کہنا) کیا ہے، اور وہ گھوڑا کہاں ہے؟ — کیا یہ جو خود تیرے نیچے گھوڑا ظاہر ہے، یہ گھوڑا نہیں ہے! — کہا، ”ہے تو، مگر میں نے اپنا گھوڑا کب دیکھا۔ (یعنی اپنی تانجھی/لا عملی کی وجہ سے میں اپنے مرکب (گھوڑا) جسم اور سوار روح سے غافل ہوں) دیکھ تو سہی وہ تو تیرے سامنے ہے اور یہ موجود ہے۔ تو اس کے سامنے پانی کے اندر ہے۔ اور اس آب رواں سے بے خبر ہے۔ — بھلا جب موتی (جو دریا میں ہو) وہ خود سمندر و دریا میں ہو کر بھی یہ کہے کہ سمندر کہاں ہے؟ تو پھر صدف (سپی) کی طرح اس کا یہ خیال ہی اس کے

لیے دیوار (حجاب نظر) بن جاتا ہے۔ یعنی تیرا یہ غلط خیال ہی تیرے لیے حجاب ہے۔ اور یہ کہنا کہ وہ کون اس کا حجاب ہوتا ہے، تو (سمجھ لے) کہ جس طرح ابر آفتاب کا حجاب ہوتا ہے۔

(وہ) جس کی آنکھ بند ہے اور اس کی چشم بد بھی، تو اس کی (آنکھ بند ہونے کا حجاب و دیوار بھی) حقیقت میں اس کے حجاب و دیوار کو رفع (دور) کر دیتا ہے! پھر جب کہ اس نے اپنی آنکھیں بھی (ماسوائے الہی سے) بند کر لیں اور اپنے کان بھی، تو پھر اس کا گوش و چشم حق کے مشاہدہ و کلام میں مدہوش ہو جاتا ہے۔“

ہر شے میں ہے جلوہ تیرا:

ارشاد باری ہے:

☆ — اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (پ ۱۸ ع ۴)

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔“

☆ — وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝

”اور وہ ہر شے کو محیط ہے۔“

☆ — فَلَمَّا آتَاهَا نُورًا دَرَىٰ بِمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَأَنَا خَتَمْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (پ ۱۶ ع ۱۰)

”پس جب آیا اس کے پاس (یعنی اس روشن درخت کے پاس) پکارا گیا ”اے موسیٰ! (علیہ السلام) تحقیق میں ہوں تیرا پروردگار۔ پس اتار ڈال دونوں جوتیاں اپنی۔ تحقیق تو بیچ میدان پاک طوی کے ہے (یعنی دین و دنیا دونوں کو ترک کر کہ تو میدان پاک عشق میں آیا ہے) اور میں نے پسند کیا تجھ کو۔ پس سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے (اور وہ یہ ہے کہ) تحقیق میں ہوں اللہ، نہیں کوئی معبود مگر میں۔ پس عبادت کر میری اور قائم کر نماز میری یاد کے لیے۔“

☆ — پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی:

فَلَمَّا آتَاهَا نُودَىٰ مِنْ شَاطِئِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ
مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَمْسِسْ بِيْنِي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (پ ۲۰ ع ۷)
”یعنی جب پہنچا اس کے پاس آواز آئی میدان کے دائیں کنارے سے
برکت والی زمین میں اس درخت سے کہ ”اے موسیٰ! (علیہ السلام) البتہ
میں ہوں اللہ، ہوں جہان کا رب۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس طویٰ میں ایک درخت سبز زیتون کو منور
دیکھا۔ جب وہاں پہنچے تو اس درخت میں سے آواز آئی:
”اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں اللہ ہوں جہان کا رب!، میرے سوا کوئی
معبود نہیں، میری عبادت کر۔“

عیاذ باللہ کیا یہ درخت کی آواز تھی؟ — نہیں نہیں ہرگز نہیں — بلکہ ذات
احدیۃ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ہے۔ ہر جگہ ظہور ذات ہے اور کچھ بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ
سوائے ذات الہی کے کوئی چیز موجود نہیں — ارشاد باری ہے:
إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (پ ۲۳ ع ۱۷)
”اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحقیق تو اور وہ سب میت ہیں اور معدوم۔“
اور یہ نہیں فرمایا:

إِنَّكَ تَمُوتُ وَإِنَّهُمْ تَمُوتُونَ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کل موجودات فی الحال میت و نابود و معدوم ہے،
حیات دائمی صرف ذات خدا کو ہے۔

۔ جملہ معشوق اوست عاشق پردہ زندہ معشوق اوست عاشق مردہ
”سب کچھ وہ معشوق حقیقی ہی ہے۔ عاشق تو (صرف) ایک پردہ ہے، وہ
معشوق ہی بس زندہ و پائندہ ہے اور عاشق مردہ ہے۔“

۔ کہتے ہیں جو اہل عقل ہیں دور اندیش مخلوق کو ہے عدم کا رستہ درپیش

مخلوق بھلا عدم سے نکلی کب تھی موجود تو ہے وہی جو کم ہو نہ بیش
ارشاد باری ہے:

بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّمَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ
”اللہ تعالیٰ بذاتِ خود واجب و ثابت ہے، اور کم یہ جو پکارتے ہیں اللہ
کے سوا، وہ باطل و معدوم ہے۔“ (پ ۲۱ ع ۱۲)

یعنی دونوں حق جس کی پرستش کفار کرتے ہیں وہ معدوم و غیر موجود ہے کیونکہ ذاتِ حق
کے سوا کوئی اصلی موجود نہیں، اور وہ بذاتِ خود قائم و ثابت، واجب و قدیم ہے —
لہذا اس کے سوا کسی اور کو موجود سمجھنا محض نادانی ہے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:
”سچا کلمہ جو شاعر نے کہا ہے وہ لبید (نامی شاعر) کا قول ہے، اور وہ کلمہ یہ
ہے کہ سن لو جو شے ما سوا اللہ ہے وہ باطل ہے۔“

یعنی فی الحال معدوم ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ“ ”إِنَّ فَضْلَ اللَّهِ غِيْمٌ هَاطِلٌ“
ملک ملک اوست او خود مالک است غیر ذاتِ کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ است

”تمام اشیائے عالم سوائے اس موجودِ حقیقی کے (اللہ تعالیٰ جل شانہ)، سوا
باطل اور فانی ہیں — تحقیق اللہ تعالیٰ کا فضل ہی صرف درمیانی پردہ
ہے۔ یہ تمام ملک (عالم) صرف اسی کا ملک ہے، اور وہی خود مالک ہے۔

اس کی ذاتِ پاک کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی اور فانی ہے۔“

ثابت ہوا کہ ذاتِ خدا کے سوا کچھ موجود نہیں۔ حدیثِ پاک ہے:

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا
تھا تو تو نے مجھے نہ پوچھا — اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا
مانگا تھا، تو نے مجھے نہ کھلایا — اے اولادِ آدم! میں نے تجھ سے پانی
مانگا، تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وجودِ مریض اور وجودِ سائل حق ہے — کوئی وجود

ذات حق سے خالی نہیں۔

ع نہ تو درپہچ مکانی نہ مکانے ز تو خالی
 ”نہ تو کسی (ایک) مقام و مکان میں ہے اور نہ کوئی مکان تری ذات پاک
 کے جلوے سے خالی ہے۔“

بخاری شریف میں ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ — اِنِّیْ لَا جِدُّ نَفْسُ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمٰنِ

☆ — اِنِّیْ لَا جِدُّ نَفْسَ رَبِّکُمْ مِنْ قِبَلِ الْیَمٰنِ (امام احمد)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 فرماتے تھے:

”تحقیق میں پاتا ہوں خوشبو تمہارے خدا کی یمن کی طرف سے۔“

گفت جیسیر کہ زخط یمن بوئے خدا دم بدم آید یمن
 ”حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے ”خط یمن“
 سے دم بدم خوشبوئے خدا آتی ہے۔“

یعنی وہاں عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خواجہ اویس قرنی علیہ الرحمہ جو
 بڑے عارف کامل تھے، صحرائے یمن میں بحر شہود میں مستغرق رہتے تھے — یہ اشارہ
 ان کے فنا فی اللہ کی طرف ہے۔

☆ — آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ رَأٰنِیْ فَقَدْ رَآیَ الْحَقَّ

”جس نے مجھے دیکھا پس تحقیق اس نے خدا کو دیکھا۔“

☆ — ”تحدہ اثناء عشریہ“ میں شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا
 یہ قول نقل فرمایا ہے:

اَنَا حَتّٰی لَا یَسْمُوْتُ وَاَنَا مُقِیْمٌ الْقِیْمَةِ وَاَنَا عَاقِدٌ نُطْقَہِ لِیَ الْاَرْحَامِ
 وَاَنَا بَاعِثٌ مَنْ لِی الْقُبُوْرُ

کے اور کسی شے کو موجود ہی نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے یہ نعرہ ان کی زبان سے جاری ہوا:

— ”فنا فی اللہ اور بقایا اللہ“

اور بہت سے بزرگانِ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کلام اسی طریق پر واقع ہوئے ہیں — چنانچہ ان آیات و احادیث و اقوال سے ظاہر ہے کہ ذاتِ خدا سب موجودات کی حقیقت ہے۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو سب انا الشمس کا نعرہ مارتے ہیں۔

۔ آفتابم آفتابم آفتابم ذرہا وارندازمن رنگ و تاب
”میں آفتاب ہوں، میں آفتاب ہوں۔ تمام ذرے میری ہی روشنی سے
چمک دمک رکھتے ہیں۔“

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ کو ایذا دیتا ہے ابن آدم۔ برا کہتا ہے زمانے کو،
اور زمانہ میں ہوں۔“

☆ — حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ:

”مخلوق معقول ہے اور حق محسوس ہے۔“

لہذا صوفی ظاہر کو دیکھتا ہے نہ کہ مظہر کو۔

۔ ایں نہ جہان است کہ مے بنشین صورت آن است کہ مے بنشین

”یہ جہان نہیں ہے کہ جس کو دیکھتے ہیں۔ صورت و شکل وہ ہے کہ جسے

دیکھتے ہیں۔ (یعنی یہ جہان جو نظر آتا ہے، یہ تو جہان کی ظاہری شکل ہے،

یہ جہان کی اصل و حقیقت نہیں ہے)۔“

جبکہ اول و آخر، ظاہر و باطن واجب الوجود ہے تو جو کچھ ہے وہ عین حق ہے

— حق کے سوا کوئی موجود بالذات نہیں، پھر ہمہ اوست و ہمہ از اوست، ہمہ در

داست، ہمہ برداست، ہمہ با اوست، ہمہ بے اوست میں کیا شک و تردد رہا۔

۔ تراز دوست گویم حکایتے بے پوست

ہمہ از دست اگر نیک بگری ہمہ اوست

”میں تجھ سے (اس) دوست کی حکایت کھلم کھلا (بے پردہ) بیان کروں
 — (پس جان لے) کہ سب کچھ اسی سے ہے۔ اور اگر تو نیک و حق
 دیکھے تو سب کچھ وہی ہے۔“

اگر دیدہ دل سرمہ توحید سے روشن اور چشم بصیرت نور یگانگی سے منور ہو تو سوائے
 خدا کے کچھ نہ پاؤ گے۔

ہمسایہ وہم نشین و ہمراہ ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
 در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست
 ”ہمسایہ وہم نشین اور ساتھی سب وہی ہے۔ فقیر و گدائے بے نوا کی پھٹی
 پرانی گدڑی میں اور شاہ وقت کی اطلسی قبا (زرگار لباس) میں بھی وہی
 ہے۔ اور انجمن فرق و نہاں اور خانہ جمع میں (خلوت و مجلس وغیرہ)
 سب میں خدا کی قسم ”سب وہی ہے، سب وہی ہے۔“

ایک روز کسی نے اس رباعی پر جناب قبلہ قدس سرہ العزیز سے سوال کیا:

کہ ”حضرت جب ہمہ اوست ثابت ہے، اور اس کی ذات کے سوا کچھ
 موجود نہیں اور وہ ذات متجمع جمیع صفات کمال ہے تو ہم میں وہ قدرت و علم،
 ارادہ و حیات، سمع و بصر و کلام وغیرہ کیوں نہیں۔“

آپ نے ارشاد فرمایا:

”ہر چیز میں اس کی حیثیت کے موافق قدرت و علم و ارادہ وغیرہ موجود ہے
 — مگر چلو بھر پانی میں تو تنکا ہی تیر سکتا ہے نہ کہ جہاز۔ جہاز سمندر میں
 شناوری کر سکتا ہے نہ کہ چلو بھر پانی میں۔“

پس جو طاقت کل میں ہے وہ جزو میں محال ہے۔ مثلاً جو قوت ایک آدمی میں
 ہے وہ طاقت اس کے ایک ہاتھ میں نہیں، اور جو قوت ایک ہاتھ میں ہے وہ اس کی ایک
 انگلی میں نہیں۔ ہر ایک صفت و قوت موالید ثلاثہ کل عالم میں ایک ہی ہے۔ مثلاً
 قدرت و علم، ارادہ و حیات، سمع و بصر و کلام وغیرہ۔ غرض جس صفت یا قوت کو وہ ہر

دو عالم میں ایک ہی ہے، اور کوئی جگہ اس سے خالی نہیں، یکساں ساری و طاری ہے۔ جیسے خلا۔ کہ ہر ایک چیز کو اس کے تعین کے موافق حصہ ملا ہوا ہے، جبکہ ذات بحت بلا تعین ہے۔ لہذا یہ تعین، لائقین سے کیسے مقابلہ کر سکتا ہے۔ جس قدر اس کا تعین ہے اسی قدر اس کو قدرت و علم و ارادہ وغیرہ بھی ہے۔

اگر سب تعینات کی کوئی قوت یا صفت جیسے علم و ارادہ و قدرت، سمع و بصر وغیرہ میں سے کسی ایک قوت کو جمع کر کے دیکھا جائے تو بتاؤ وہ کیسی قوت ہو جائے گی۔ چنانچہ ان کل طاقتوں کا مجموعہ خدا میں ہے۔ تم میں ان کل طاقتوں میں سے قدرے قلیل ہیں تو کل و جز کا مقابلہ غیر ممکن ہے۔ بقدر تمہاری حیثیت کے، تم میں وہ صفات موجود ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔ اور اگر تم اپنی انانیت کو فنا کر دو تو سب صفات کمال تمہارے ہی ہیں۔ شعاع شمس نہ عین شمس ہے اور نہ غیر شمس۔ سب کی نمود شمس کی شعاع سے ہے۔ اگر شعاع شمس نہ ہو تو آفتاب ندارد ہے۔ اسی طرح اگر صفات نہ ہوں تو ذات کا پتہ نہیں، اور وہ صفات ہم ہی ہیں۔ ہم سے ذات جدا نہیں اور نہ ذات سے ہم جدا۔ بلکہ ذات کا ظہور ذات سے ہی ہے۔ ایک سبب سے صفات عین ذات اور ذات عین صفات۔ جیسا تمہارا علم ہوگا وہی ظہور پکڑے گا۔ اور جو علم ہوگا وہی نظر آئے گا۔ ہر ایک کے لیے اسی کا علم رہنما ہے۔ غرض یہ سب علم کی خوبی ہے۔ جس قدر علم زیادہ ہوگا۔ اس کو اپنا عرفان اسی قدر زیادہ ہوگا۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کو جب اپنے نفس کا علم ہوا تو ایک روز فرمایا کہ تیس برس پہلے میں خدا کو ڈھونڈتا تھا اور اپنے آپ کو پاتا تھا۔ اب میں اپنے آپ کو ڈھونڈتا ہوں اور خدا کو پاتا ہوں۔“

۔ بخدا غیر خدا دو جہان چیزے نیست

بے نشان است کرد نام و نشان چیزے نیست

”خدا کی قسم! دونوں جہان میں سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی شے (موجود)

حقیقی) نہیں ہے۔ (وہ) بے نشان ہے۔ (یعنی اس کی ذات قدسی کا کوئی ایک مقام و نشان نہیں ہے) اس سے نام و نشان کوئی چیز نہیں ہے۔“
حضرت طیفور شامی بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے معنی جب منکشف ہوئے، اور اپنی حقیقت و علم کا انکشاف ہوا تو جناب باری میں عرض کی کہ:

”الہی! میں اتنی مدت حیران و پریشان رہا — تمام مجاہدات میں صرف کی۔ اب آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں کہ مجھ میں اور تمام مخلوق میں کچھ بھی فرق نہیں — ادھر ادھر ایک حقیقت ہے۔ مجھے اس کوشش سے کیا فائدہ ہوا۔ جبکہ میں کسی طرح کا فرق و امتیاز اپنے آپ میں نہیں پاتا۔“
حکم ہوا کہ:

”یہی فرق ہے — کہ تجھ پر یہ بھید کھل گیا اور اس سے حجاب میں ہیں، ورنہ خلقت سب کیا یک ہے۔“

ساقی وہی سے کش وہی مینا بھی وہی گویا وہی شنوا وہی مینا بھی وہی
آدم وہی بندہ وہی مولا بھی وہی ہے بھی وہی تھا بھی وہی، ہوگا بھی وہی
جب دل سے تعینات کے آثار مٹ جاتے ہیں اور حقیقت و ماہیت اشیاء عیاں ہو جاتی ہے تو ذات واحد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

آثار تعینات چوں یافت حکے کثرت ہمہ وحدت ست بے یچ شکے
چوں نقطہ صفر شد نہاں از رقت بنگر کہ وہ و صد و ہزار ست یکے

”جب آثار تعینات (موجودات و کثرت مظاہر) مٹ گئے تو پھر تمام کثرت بغیر کسی شک و شبہ کے وحدت ہی ہے — جب نقطہ صفر ہوا تو اس کی قدر و قیمت غائب ہو جاتی ہے — تو دیکھ لے کہ دس (۱۰) اور سو ہزار (۱۰,۰۰۰) یعنی لاکھ ایک ہی ہے۔ (یعنی اگر دس اور لاکھ کے نقطے اڑا دیئے جائیں تو پھر صرف ایک (وحدت) ہی باقی رہ جائے گی، اور

غائب شدہ صفر یعنی نقطہ کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی۔ اگر بغیر (وحدت حقیقی) ایک کے صفر و نقطہ ہو بھی تو اس کی رقم کی کچھ قیمت نہیں ہے۔ بس جو کچھ وجود سب ہے، وہ صرف الف (ذات وحدت ہی) کا ہے۔“

دو عالم صفت نقش و صورت دوست چہ جائے نقش و صورت بلکہ خود اوست
 دو صد آئینہ یک روئے مقابل اگر چہ صید نماید لیک یک اوست
 ”اور دو عالم کیا ہے؟ — حرف دوست (محبوب حقیقی) کے نقش و صورت (صفات و شان) ہی ہے۔ اور (ظاہری) نقش و صورت کا کیا مقام و مرتبہ ہے، بلکہ اصل میں تو وہ خود ہی موجود ہے۔ (اسی طرح) دو سو آئینے بھی اگر ایک چہرے کے مقابل ہوں تو خواہ ان میں سینکڑوں شکلیں نظر آئیں لیکن حقیقت میں تو وہ ایک ہی ہے۔“

جملہ موجودات دو حال سے خالی نہیں — یا تو عدم ہے، یا وجود — الْعَدَمُ
 لَيْسَ بِشَيْءٍ وَالْوُجُودُ هُوَ الْحَقُّ
 ”عدم کوئی چیز نہیں اور وجود وہ عین حق ہے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وجود واحد کے سوا کچھ موجود نہیں بلکہ ایک ہی ذات ظاہر و عیاں ہے۔

بہ بین بہ دیدہ دل مظہر جمال و جلال سموم دوزخ و ہم روضہ جنان ہمہ اوست
 ثناء اوست هو الظاہر هو الباطن عیاں مخلوق نہاں در جہان جاں ہمہ اوست
 زحسن و فتح مزین دم کہ اندرین عالم شرار گل خن و ہم رنگ گلستاں ہمہ اوست
 ”تو اپنے دل کی آنکھوں سے مظہر جمال و جلال کا معائنہ کر۔ کیونکہ (ہر شے) خواہ وہ دوزخ کی گرم ہوا ہو یا پر بہار باغ جنت، سب وہی ہے۔
 وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ ہے۔ اسی کی حمد و ثناء ہے۔ تمام مخلوق میں ظاہر و عیاں اور تمام جہان میں جان بس وہی ہے۔“

تو نیک و بد پر کچھ نکتہ چینی و اعتراض و عیب جوئی نہ کر۔ کہ تمام عالم میں، آگ کی بھٹی کے شراروں اور باغ و گلشن کے رنگ و بہار میں سب وہی ہے۔“

مولانا مغربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قرار یافت کہ از غیر حق وجودے نیست
چہ شد کہ کافر و مومن بنام باخواند
بخاطر دل مانیت غیر جلوہ حق
تو طالبی و ترا مطلب از ہمہ رواست
نئے شود کہ بنوعے و گر قرار کنم
یکے دو کے شودار نام گز ہزار کنم
چو غیر نیست چر افع این غبار کنم
ز چیت آنکہ تفاوت بنور و نار کنم
”جب یہ قرار پا گیا (ثابت ہوا) کہ تمام عالم میں سوائے حق تعالیٰ کے کوئی اور وجود نہیں ہے۔ تو پھر یہ کس طرح ہو کہ میں کسی غیر (دوسری شے) سے قرار حاصل کروں۔

(اس میں) کیا ہوا اگر کافر و مومن بہت سے نام پڑھتے ہیں، جو ذات پاک حقیقت میں ایک ہے، وہ دو کب اور کس طرح ہوگی۔ چاہے اس کے ہزار نام ہی لیں۔

ہمارے دل کی خاطر و تسکین کے لیے جلوہ حق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جبکہ غیر ہی نہیں ہے تو پھر میں کس لیے یہ رفع غبار کروں (یعنی پردہ ظاہر کو ہٹاؤں)۔

تو تو اس کا طالب ہے اور تیرا مطلب و مقصد تو تمام (ظاہری) صورتوں میں بس وہی ہے تو پھر کس لیے یہ نور و نار کا فرق و امتیاز کروں۔“

۔ کر سکتا ہے نقاش سے کب نقش خلاف
ہر شے میں عیاں ہے آفتاب وحدت
ہیں نقش میں جلوہ گر اسی کے اوصاف
گروہم دوئی نہ ہو تو ہے مطلع صاف
جب یہ بات حدیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تھا اور کوئی شے غیر اللہ نہ تھی —
اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا، تو غور کا مقام ہے کہ اس غیر اللہ کا ظہور کہاں سے

ہو گیا، اور کہاں سے آیا اور کدھر جاتا ہے — حدیث پاک ہے:

كُلُّ شَيْءٍ يُرْجَعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ

”ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔“

اور سب کی اصل ذات الہی ہے — ارشاد باری ہے:

وَالِی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ

”سب حقائق و امور اللہ کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔“

جبکہ ذات الہی کے سوا کسی کی اصل پائی نہیں جاتی تو پھر یہ مخلوق کیا ہے؟ —

از روئے صورت غیر ہے، اور از روئے معنی عین، اور صورت معدوم محض ہے۔ لہذا ذات

کے سوا کوئی موجود نہیں — حدیث شریف میں ہے کہ:

”اَوَّلُ پَانِیِ كَا ظہور ہوا — پھر اس میں جوش آیا — پھر بخارات اڑے،

اور اس پر جھاگ ظاہر ہوا۔“ —

گو ان سب کی صورت مختلف ہو گئی ہے، لیکن حقیقت سب کی پانی ہی ہے۔

— اس اجمال کی تشریح یہ ہے کہ پانی سے مراد دریائے احدیت ہے۔

☆ — اس میں جوش آنا ارادۂ ظہور ہے، جس کو تنزل اول کہتے ہیں۔ یعنی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور انور ظہور میں آیا۔

☆ — بخارات کا اٹھنا تعین ثانی ہے، اس پر جھاگ نمودار ہونے سے عالم اجسام کی

پیدائش مراد ہے۔

یہ تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے — لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اپنے سے غیر

پیدا کیا ہے۔ اس لیے خلقت غیر خدا ہے۔ لیکن اہل بصیرت اس راز کو خوب جانتے

ہیں۔

مولانا فرید الدین عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اے پردہ برگزفتہ بازار آمدہ خلق درین ظلم گرفتار آمدہ

غیر تو ہرچہ ہست سراب و نمائش است کاین جانہ اندک ست نہ بسیار آمدہ

این وحدتی است لیک بہ تکرار آمدہ
 جملہ ز نقد علم خریدار آمدہ
 ابریت عین قطرہ عددبار آمدہ
 کرکس او دوکون پر انور آمدہ
 پس در نزول مختلف آثار آمدہ
 کاین جاجہان محو جہاں دار آمدہ
 ہرودہ ہزار عالم اسرار آمدہ
 شاخ و درخت و برگ و گل و خار آمدہ
 چون گشت ظاہر این ہمہ در بار آمدہ
 تا صد ہزار کار ز یک کار آمدہ
 و ز لطف قرب یافتہ اقرار آمدہ
 صد شور از تو در تو پریدار آمدہ
 روئے تو پیش زلف بہ زنہار آمدہ
 خود را دردن پردہ خریدار آمدہ
 مطلوب را کہ دید طلب گار آمدہ
 ہفت آسمان مقیم چو پرکار آمدہ
 واں چیست واں چہ بود در اظہار آمدہ
 جملہ یک یست لیک دو صد بار آمدہ
 عین دگر یکے است پدیدار آمدہ
 از کفر و دین ہر آئینہ بیزار آمدہ
 تسخ در حمایت زناں آمدہ
 در چین شد بہ علم ز کفار آمدہ
 پس چون زناں روئے بہ دیوار آمدہ

این جا طول کفر بود اتحاد ہم
 یک صالح است صنع ہزاراں ہزار بیش
 بحریت غیر ساختہ از موج ہائے خویش
 این را مثال هست بعینہ یک آفتاب
 والا کلام حق کہ علی الحق یک یست بس
 سنگ سید مبین تو بیین اللہ اش بہ مین
 بر خود پدید کرد ز خود سر خود دے
 در باغ عشق یک احدیت کریافتہ است
 یک عین متفق نہ جزا و ذرہ نہ بود
 بر خویش جلوہ دادن خود بود کار تو
 از قبر و در مانده و انکار خواستہ
 چون درد و کون از تو بروں نیست بیج کار
 زلف تو پیش رویتو افتادہ داد خواہ
 بر خود جہاں فروختہ از نور خویشتم
 اے ظاہر تو عاشق و معشوق باطنت
 این خود چہ نکتہ ایست کہ گرد طواف او
 آن کیست و آن کجا است چنین جلوہ گر شد
 گر ہر دو کون موج بر آرد دو صد ہزار
 غیرے چگونہ روئے نماید کہ ہر چہ هست
 بوئے بجان ہر کہ رسید است ازین حدیث
 این آن قلند کیست کہ حل من مزید گفت
 زین جا فقیر سوختہ بہ گرینتہ ز کفر
 رسم ازین حدیث شدہ زیر چادرے

برہر کہ یک نفس شدہ زین راز آشکار افلاس بردھانش چوسمار آمدہ

”اے وہ جو اپنے منہ پر نقاب ڈال کر اس بازار عالم میں آیا ہے، تیرے اس طلسم میں ایک عالم (ساری مخلوق) گرفتار رہے۔ عالم میں تیرے سوا جو کچھ بھی ہے صرف سراب و نمائش ہی ہے۔ کیونکہ اس جگہ نہ تھوڑا اور نہ بہت آیا ہے۔ صرف ایک وہی صانع عالم ہے، اس کی مصنوعات ہزارہ ہزارے سے بھی زیادہ ہیں۔ یہاں تمام نقد عالم لے کر خریدار آیا ہے۔ یہ ایک ایسا بحر محیط ہے جس نے اپنی موجوں کو غیر بنایا ہے۔ یہ ایک ایسا بادل ہے جو عین قطرہ ہو کر بے شمار آیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعینہ ایک آفتاب پر انوار ہے۔ جس کے عکس سے دو عالم پر انوار ہو گئے۔

اصل میں حق بات تو یہ ہے کہ ”حق“ تو بس ایک ہی ہے مگر شان نزول میں مختلف آثار ظاہر ہوئے ہیں۔ تو حجر اسود کو مت دیکھ۔ تو اس کے بعین اللہ (اللہ کے دست راست) کو دیکھ۔ کیونکہ اس جگہ جہان میں جہان محو ہو کر آیا ہے۔ اگر تو اپنے اوپر خود اپنے اسرار و رموز کو دم بھر کے لیے بھی ظاہر کرے تو اٹھارہ ہزار عالم اسرار تجھ پر منکشف ہو جائیں گے۔ حقیقت میں باغ عشق میں صرف ایک ”احدیت“ ہی پائی گئی ہے۔ اس (اصل کل) سے یہ شاخ و درخت اور پھول پتے، پھل اور کانٹے وغیرہ ظاہر ہوئے ہیں۔

متفقہ طور سے صرف ایک عین و حقیقت تھی، اس کے سوا ذرہ بھی نہیں تھا، اور جب وہ ظاہر ہوئی تو یہ سب اغیار بھی ظاہر ہوئے۔

جب ایک عکس نے پردہ وحدت کے نیچے سے سر اٹھایا تو وہم و خیال کے ہزاروں پردے نمودار ہوئے۔ نور کا بس ایک ہی پرتو ڈالا تو تمام جہان چراغوں سے بھر گیا۔ بس ایک ہی تخم بویا گیا اور یہ تمام گوہر بار

شجر پر بہار پیدا ہو گئے۔ اپنے آپ کو اپنا ہی جلوہ دکھانا بس تیرا ہی کام تھا، تاکہ ایک سے سو ہزار کام رونما ہوں۔

(وہ محبوب) قہر کے عالم میں دور ہوا اور انکار کیا — لطف سے قرب پایا اور اقرار کیا۔ جبکہ دونوں جہان میں کوئی کام تجھ سے باہر نہیں ہے۔ (تو پھر کیوں) سینکڑوں شور و غوغا تجھ سے تیرے اندر پیدا ہوئے ہیں — تیری زلف تیرے ہی چہرے کے سامنے داد خواہ بن کر پڑی ہوئی ہے — تیرا چہرہ تیری ہی زلف کے سامنے پناہ مانگتا ہے — تو نے اپنے نور سے اپنے اوپر سارے جہان کو بیچ ڈالا — تو خود ہی پردے میں چھپ کر خریدار بن کے آیا۔

اے وہ! جس کا ظاہر تو عشاق اور باطن معشوق و محبوب ہے۔ مطلوب کب کب دیکھا۔ جو طلب گار ہو کر آیا ہے — یہ خود کیا نقطہ ہے کہ اس کے گرد طواف کے لیے ٹھہرے ہوئے سات آسمان بھی پر کار کی طرح گھومتے ہیں۔

وہ کیا ہے؟ اور وہ کہاں ہے — اور کیسے جلوہ گر ہوا — اور وہ کون ہے، اور وہ کیا ہے جو کہ اظہار میں آیا ہے۔ اگر ہر دو جہان میں دو سو ہزار موجیں بھی پیدا ہوں، تو وہ سب ایک ہی ہیں لیکن دو سو بار نمودار ہوئی ہیں۔ بھلا غیر کس طرح رونما ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہے اس کی دوسری شکل (حقیقت) عین ہی ہے جو ظاہر ہوئی ہے۔

اس کلام سے ہر ایک کی جان میں جو خوشبو آئی ہے وہ کفر و دنیا سے ہر طرح بیزار ہوا ہے۔ یعنی نظر بر حقیقت واحدہ کسی کے ظاہر پر نظر نہیں کرتا۔

یہ تو بس مست مئے محبت قلندر ہی کا ظرف ہے کہ اس نے ”اور اور زیادہ“ کہا۔ اس حال میں تسبیح بھی زنا کی حمایت میں آئی۔

اس مقام پر سوختہ دل فقیر کفر سے بھاگا، اور علم کے موتی چننے والا بھی کفار سے

آیا — یعنی جب اس نے حقیقت کو جانا تو وہ بھی وحدت پرست ہو گیا۔

رستم جیسا بے باک بہادر بھی اس بات کو سن کر پردے میں منہ چھپانے لگا، اور عورتوں کی طرح دیوار کی طرف رخ کر کے شرمسار ہوا۔

یہ راز حقیقت جس پر بھی ایک دم کو آشکار (ظاہر) ہوا، اس کے منہ پر اس کا سانس بھی حیرت و خوف کے مارے ہتھوڑے کی طرح معلوم ہوا۔ یعنی وہ اس حقیقت کو جان کر دم بخود ہو گیا، اور اس کی تاب گویائی جاتی رہی۔“

اگر تم حجابِ تعینات کو اٹھا کر بغور نظر و خیال کرو گے تو اس میں ذاتِ خدا کے سوا کسی کی بھی گنجائش نہ ہوگی۔ جیسا کہ شعاع آفتاب کی گرمی سے سمندر کا پانی بخارات بن کر اڑا، اور مختلف صورتوں میں نمودار ہوا، اور ہر تعین میں ایک علیحدہ نام پایا — غرض ہر لباس میں ایک نئی شان دکھائی، اور ہر جگہ مختلف ناموں سے نامزد ہو کر ایک نئی صورت بنائی — اگر ان ملبوسات کو پھاڑا جائے اور تعینات کو توڑ کر دیکھا جائے تو وہی سمندر کا پانی ہے، جو غیر نہیں تھا فقط اس لباس و تعین کی وجہ سے تم غیر جانتے تھے۔ ورنہ ہر لباس و تعین میں پانی ہی پانی ہے — لہذا تمام مخلوقات کا ظہور اس طور پر ہوا ہے کہ جب ارادۃ الہی حرکت میں آیا تو ہر شے کے پردۂ تعینات میں وہی ذات نئے انداز و شان اور نرالی ادا و آن سے جلوہ افروز ہوئی۔ اور رنگ برنگ کے تعینات میں طرح طرح کے ناز و نیاز سے ظہور فرمایا — پھر جب تعین ٹوٹا تو وہی ذات واحد بے کم و کاست ہے جو تھی — اس کے غیر کا خیال محال ہے۔ یہ سب وجودات و تعینات وہی و اعتباری ہیں۔ جن کا کچھ بھی ثبات نہیں، ایک آن کی آن میں درہم برہم و فنا ہو جاتی ہے۔

اے زائرِ طلسم کدہ ہوش میں آ!:

اے زائرِ طلسم کدہ ذرا ہوش میں آ — تو کہاں جا پہنچا۔ تو نے ایسے عرشِ عظیم پر کند ڈالی ہے کہ جہاں ادراک سربلغ ایسر کی رسائی نہیں۔ اور خیال برق رفتار کی مجال نہیں — ایسے دشوار گزار بیابان میں قدم رکھا ہے کہ شیراز کے ہوش و حواس پر اگندہ

ہیں — مت ہاتھی کا حوصلہ پست ہے۔ — ایسے گہرے دریا میں غوطہ لگایا ہے کہ جس میں کروڑھادانش مند انبیاء و اولیاء و حکماء و عقلا کی جانیں ہلاک ہو گئی ہیں۔ مگر اس بے کنار سمندر کی تہہ کسی کو نہ ملی۔

ہاں اہل طلب کون سے طعنہ نیاافت دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

کے رہ سوئے گنج قارڈوں نبرد - وگر برو رہ باز بیروں نبرد

”کسی کو بھی قارڈوں کے خزانے کی طرف (جو زمین کی تہہ میں دھنس گیا تھا)

راہ نہ پائی، اور اگر اس طرف گیا تو پھر واپسی کی راہ نہ پائی۔“

اس خوں خوار موجوں والے سمندر سے نکل اور اپنی سیدھی راہ لے۔

۔ حدیث از مطرب و سے گودراز دہر کمتر جو

کہ کس نہ کشود و کشاید بہ حکمت این معمر را

”تو شراب ناب اور گانے والے کی باتیں کر اور دنیا زمانے کے راز کو مت

ڈھونڈ۔ کیونکہ آج تک کسی نے بھی اپنی عقل و حکمت سے اس معمر اور بھید کو

نہیں کھولا۔“

لیکن میں کیا کروں کہ میرا اصلی مقصود یہی ہے اور اس کے بغیر مجھے چین نہیں۔

اس لیے کہ یار کی باتیں اور اس کا بیان میری غذائے روح اور راحت جان ہے۔

۔ پھر پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم

آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

دل محبوب ہے کہ.....:

جیسا کہ بیان ہوا کہ انسان جمیع حقائق الہی و حقائق کونی کا کامل جامع ہے —

مرتبہ وحدت میں انسان کامل ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبارت ہے۔ یعنی اس

کے مافوق وجود باطن میں جو کچھ ہے وہ مرتبہ احدیت ہے — مرتبہ وحدت میں

اجمالاً موجود ہے — اور جو کچھ اس کے ماتحت یعنی ظاہر و وجود و اسماء مرتبہ وحدت

میں ہے، وہ مرتبہ وحدت میں ضمناً موجود ہے —

مرتبہ واحدیت میں انسانِ کامل سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ اگرچہ اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ بھی اس میں شامل ہیں۔ لیکن:

☆ — آدم برزخ صغریٰ ہیں،

☆ — ان کا مرتبہ جامع ہے مافوق خود کہ وحدت ہے۔

☆ — ظہور و ماتحت خود کی جانب توجہ کہ حقائق کونیات ہیں، ان میں ضمناً موجود

ہیں۔ اس لیے آدم جمع حقائق الہیات و کونیات کے جامع ہیں۔

انسان کا تزکیہ نفس و تصفیہ قلب اس وقت ممکن ہے کہ:

☆ — اسماء الہی کے ہر اسم سے عبادت کرے،

☆ — سریر قلب پر (رہ عرش الہی ہے) غیر کو جگہ نہ دے۔

ارشاد باری ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ

”تم حفاظت کرو تمام نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور تم کھڑے رہو اللہ

کے لیے خاموشی کی حالت میں۔“ (پ ۲، رکوع ۱۵)

یہ آیت تعلیم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اہل تصوف نے اس آیت کے یہ

معنی لیے ہیں:

”صلوٰۃ سے مراد بدن کے تمام اعضاء دل کے سوا ہیں — صلوٰۃ وسطیٰ

سے مراد دل ہے۔“

تو یہ معنی ہوئے کہ تم امور ناشائستہ سے تمام جسم کی محافظت کرو، اور خاص کر دل کو

نگاہ رکھو — یعنی جب تک تم شرک ماسوائے اللہ سے دل کی نگرانی نہ کرو گے تو نماز ادا

نہ ہوگی۔ اور جس دل میں شرک ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دل مقبول نہ ہوگا۔ —

قُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ کے یہ معنی ہیں کہ

”غیر اللہ اور ماسوائے اللہ کے دور کرنے میں مستعد ہو جاؤ تصور و فکر کی حالت میں“

اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کی جاتی۔“ (مسلم شریف)

اس کے یہ معنی نہیں کہ دل میں کفر و شرک اور طرح طرح کے فسادات بھرے ہوئے ہیں، اور منہ ہاتھ دھو کر نماز پڑھ لی، بس قبول ہوگئی — یہ نہیں بلکہ جب تک تسطہہ ہیر القلب عن ماسوئی اللہ نہ ہو، خدا کے نزدیک وہ نماز قبول نہیں — چنانچہ طہارت قلب عن ماسوئی اللہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ عمل کی بنیاد دل سے متعلق ہے۔ اگر دل میں شرک بھرا ہوا ہے تو وہ عمل باطن اور مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ باطن کو دیکھتا ہے نہ کہ ظاہر کو — مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث قدسی روایت ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ
وَأَعْمَالِكُمْ

”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔“

۔ ما بروں را ننگریم و قال را مادروں را نگریم و حال را
”ہم ظاہر کو نہیں دیکھتے اور نہ خالی باتوں کو دیکھتے ہیں۔ ہم تو اندرون
(دل) کو دیکھتے ہیں اور حقیقت حال پر نظر کرتے ہیں۔“

اگر دل غیر اللہ سے پاک ہے تو محبوب ہے ورنہ مردود — حضرت ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

”وضو سے مراد ہے غیر اللہ سے جدا ہونا، اور نماز عبارت ہے اللہ سے وصل ہونا۔“
لہذا جو شخص غیر اللہ سے دور ہی نہ ہو وہ اللہ سے ملا ہی نہیں۔ یعنی جب تک غیر
اللہ و ماسوئی اللہ سے دور نہ ہوگا، اللہ سے اتصال نہ پائے گا — جب غیر حق کا وہم
باطل مٹ جاتا ہے تو دل کے تخت پر حق جلوہ نما ہوتا ہے — یہ رتبہ ان لوگوں کا ہے
جو ہر وقت اپنے دل کی نگرانی کرتے ہیں، اور شرک ماسوئی اللہ کو اپنے دل میں جگہ نہیں
دیتے۔ ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ ذَاتُ الْمُؤْمِنِ

”اور وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں۔“

یعنی وصال و عرفان الہی ان لوگوں کے نصیب میں ہے جو غیر اللہ کو اپنے دل میں نہیں آنے دیتے۔ غرض جب تک توحید پوری نہ ہوگی عرفان و وصال محال ہے۔

فصل ہفتم:

ہندسہ الہیہ

نقطہ کیا ہے؟

نقطہ وہ ہے جس کے اجزائے نہ ہو سکیں۔ یعنی اس کی کچھ مقدار نہ ہو اور کیفیت و کمیت کی بحث سے پاک ہو۔۔۔ مقدار اس کو کہتے ہیں جو کم یا زیادہ ہو سکے۔ چنانچہ نقطہ وہ ہے جو مقدار سے منزہ و مبرا ہے نہ کبھی کم ہونہ زیادہ۔ اَلَاِنَّ لِمَا كَانَ — لفظ نقطہ اس معنی کے لیے عبارت ہے جس کی تعریف و توضیح مقصود ہے۔ یعنی اس موجود غیر معلوم اور لائقین وغیر محدود کا اسم معین کیا گیا ہے۔ جس کا علم و عرفان ابھی حاصل نہیں۔

۔ نسبت روایت اگر با ماہ و پروین کردہ اند

صورت نادیدہ تشبیہ بہ تخمین کردہ اند

”اگر لوگوں نے تیری صورت کی چاند تارے سے نسبت کی ہے، حقیقت میں جب کسی نے تیری شکل و صورت ہی نہیں دیکھی تو یہ تشبیہ صرف قیاس اور اندازے سے ہی کی ہے۔“

نقطے کی شرح:

یہ فرضی اسم چونکہ اسی ذات غائب و لائقین کے خیال سے پیدا ہوا ہے، اس لیے وہ ذات غیر نہیں بلکہ وہی ذات غائب جب تعین علم کی طرف متوجہ ہوئی تو لامحالہ خود ہی ایک اسم معلوم و معین کے لباس میں رونما ہوئی تاکہ اپنی ذات پر آپ دلالت کرے۔

۔ زور یا موج گونا گوں برآمد زبے چونی برنگ چوں برآمد

”ایک دریائے ناپیدا کنار سے قسم قسم کی بے شمار موجیں پیدا ہوئیں، اور بے چونی (ذات بے مثال) سے یہ چوں (مثال) کے رنگ میں نمودار

ہوئیں۔“

اگرچہ اسم کا وجود مسٹی کے وجود سے موخر بلکہ اس کے وجود کا پرتو ہے، لیکن تعریف و بیان کے طریقہ میں اسم اپنے مسٹی پر مقدم ہے لیکن حقیقت میں نہ تقدم ہے نہ تاخر۔۔۔ کیونکہ وہی ذات لباس اسم و عبارت میں آ کر خود ہی دال و رہنما اور خود ہی مدلول و منہوم ٹھہری۔۔۔ چونکہ دال و مدلول ذات واحد ہے، اس لیے تعریف و تعین کے باوجود بھی غیر معلوم و غیر معین ہے۔۔۔ تَعَالَى شَانُهُ عَمَّا يَصِفُونَ یعنی

☆۔۔۔ وہ ذات بن جائے

☆۔۔۔ یا عبارت میں ظاہر ہو،

☆۔۔۔ یا باطن میں عیاں ہو یا نہاں۔

کسی شان و رنگ اور کسی طور اور کسی ڈھنگ میں ہو، اس کی اصل و حقیقت میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔۔۔ اَلَا نَ كَمَا كَانَ۔۔۔ چنانچہ تجسس و تحقیق کے بعد حقیقت مقصود اور کشف و عرفان بھی ویسی ہی رہتی ہے جیسی کہ تھی۔۔۔ مَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَعْرِفَتِكَ۔ اس عبارت یعنی لفظ نقطہ سے عقدہ حل نہ ہوا، اس لیے اشارت کی طرف رجوع کیا گیا اور کہا گیا کہ نقطہ وہ چیز ہے جس کی کچھ مقدار نہیں۔ یعنی وہ ذات لائقین جو اس عبارت کی معلوم حقیقت ہے، اس قدر ظاہر و عیاں ہے کہ اس کی طرف بے اختیار اشارہ کرنے کو موجب ایقان و عرفان خیال کیا گیا۔ لیکن یہ اشارہ معلوم حقیقت کے حصول علم کے لیے واقع ہوا ہے، اس لیے اشارہ عین جہل ہو گیا۔۔۔ تو وہ عبارت کے تعین سے معین ہو سکے نہ اشارے کی قید میں مقید۔ کیونکہ اشارے اور عبارت کا وجود اس کے وجود باوجود کا ایک پرتو ہے، بلکہ تبدیلی لباس سے وہی خود عبارت و اشارت ہے۔ اس لیے اس کی تعریف و توصیف کا ذریعہ کسی دوسری شے کو سمجھنا ایک خیال محال اور تصور باطل ہے۔

ع کہ نواں ترا دید الا یہ تو

”تجھ کو نہیں دیکھ سکا لیکن تیرے ہی سے۔۔۔ یعنی اس کی حقیقت کو دیکھنا

اور سمجھنا اس قدر مشکل ہے کہ بس اس کی ذات میں محو و فنا ہو کر اسی سے دیکھا۔

- ☆ — خود ذات نقطہ موجود ہے،
- ☆ — خود ہی وجد و وجدان ہے
- ☆ — خود ہی کشوف و عیاں، اور
- ☆ — خود ہی معلوم و علم،
- ☆ — خود ہی عرفان و ایقان

چونکہ خود وہ ذات ہی اصل ہے۔ اس لیے اس سے جو کچھ صادر اور متفرع ہوتا ہے وہ بھی عین اصل ہے۔

۔ از حق جز حق دگر چہ گوید بابا از حق جز حق دگر چہ روید بابا
در شدتِ این ظہور و مجبور صفت حق را جز حق دگر چہ جوید بابا
”حق سے سوا حق کے اور دوسری بات بابا کیا ہے۔ اور حق سے سوائے حق کے اے بابا اور کیا پیدا ہوا ہے — اس ظہور و نمائش کی شدت میں مجبور کی طرح حق سے حق کے سوا اے بابا اور دوسری شے کیا تلاش کرے۔“

ثابت ہوا کہ اس کی تعلیم و تعریف کے لیے وہی کافی ہے۔ ارشاد باری ہے:

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (پ ۲۵ ع ۱)

”کیا تیرا رب کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر حاضر و شاہد ہے۔“

۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب گرد لیلے باید از دے رومتاب

”آفتاب ہی خود آفتاب کی (حقیقی) دلیل ہے۔ اگر تو اس کی دلیل چاہتا

ہے تو اپنا منہ اس سے نہ چھپا، تو خود آنکھ اٹھا کر اسے دیکھ لے۔“

مگر جب اس کے علم و عرفان اور حصول ایقان کا ارادہ کیا گیا تو وہ ذات کو ظاہر و اظہر ہے، عین اشارت و عبارت بن گئی — اور وہ ذات کہ عین وحدت ہے، مختلف

صورتوں اور رنگارنگ آثار و اطوار میں ظاہر ہوئی — لہذا حصول علم و عرفان میں ترک

علم و عرفان ہے — التَّوْحِيدُ تَرْكُ التَّوْحِيدِ فِي التَّوْحِيدِ۔

اس حیرانی و سرگردانی اور گم نشنگی و پریشانی سے یہ نتیجہ نکلا کہ

”نقطہ وہ ہے جس کی کچھ مقدار نہیں۔“

یعنی وہ کچھ نہیں، لیس بشیء کا مصداق ہے۔ جس کو کچھ چیز یا شے، معلوم و محسوس معدود و محدود، قابل تجزی و القسام یا کمی و بیشی سمجھتے ہو، وہ ذات ان سب سے نرالی اور جدا ہے۔ وہ حقیقت محققہ اور عین واحد خود موجود و مکتوف اور ظاہر و عیان ہے۔ نہ کسی ذریعہ سے مغلوب ہو سکتی ہے، نہ کسی واسطے اور دلیل سے مجبور۔ اگر وہ ہے تو کسی شے کا پتہ نہیں۔ اور جب کسی شے کا وہم ناشی ہوا تو خود اس کا نشان گم ہے۔ کیونکہ:

☆ — خود وہی منشا ہے وہی ناشی

☆ — وہی شے ہے وہی لاشے،

☆ — وہی نیست وہی هست

☆ — وہی عدم وہی وجود

☆ — وہی غیب وہی شہود۔

اس لیے وہ احاطہ قیاس و گمان اور وہم و خیال اور حس و ادراک سے منزہ و مبرا اور وراء الوراہ ہے۔ کیونکہ وہ سب کے لیے اصل الاصول اور عین وحدت ہے۔ تعین عبارت اگر کچھ اور ہے تو وہ اس سے الگ ہے۔ اور قید اشارت کا اگر کچھ وجود ہے تو وہ اس سے بھی جدا ہے (یعنی کچھ بھی نہیں)۔ اگر کچھ ہے تو وہ اس سے بھی پرے ہے۔ کیونکہ وہ خود موجود و وجود و وجدان ہے۔ لا و الّا قید میں کس طرح مقید ہو، لا بھی وہی، الّا بھی وہی۔ جس طرح ”وہ کچھ ہے“ سے پاک ہے۔ اسی طرح ”کچھ بھی نہیں“ سے منزہ ہے۔

— لا و الّا ہر دو لفظی اختد خلق را در دام وہم اختد

”لا و الّا (نہیں اور لیکن) دو منطقی الفاظ بنا لیے، اور مخلوق کو وہم و خیال

کے دام میں ڈال دیا۔“

ع نہ تو در بیچ مکانی نہ مکانے ز تو خالی

”نہ تو کسی (ایک) مقام و مکان میں ہے اور نہ کوئی مکان تیری ذاتِ پاک کے جلوے سے خالی ہے۔“

یعنی کہ مطلب کا حصول کچھ بھی نہیں، جو کچھ نہیں وہی نقطہ ہے۔ اور جو نقطہ ہے وہ کچھ نہیں۔ یعنی جو کچھ نہیں وہی ہے۔ اور جو ہے وہی کچھ نہیں۔

ز ان سب استادِ استادانِ صمد کار گاہش نیستی و لا بود

”اسی وجہ سے سب استادوں کا استاد وہ صمد (بے نیاز) ہے۔ اس کی یہ

کار گاہ عالم کچھ نہیں اور فانی ہے۔“

نہ تو ہے نہ نہیں۔ ہے بھی اور نہیں بھی۔ معدوم بھی اور موجود بھی، مثبت بھی

اور منفی بھی۔ دال بھی مدلول بھی۔ معلوم بھی، مجہول بھی۔

☆۔۔۔ وہی ہر علم و خیال اور ہر تال و حال کی اصل الاصول اور عین العین

ہے۔۔۔

☆۔۔۔ وہی کاتب وہی کتاب۔۔۔

☆۔۔۔ وہی مبداء وہی مآب۔۔۔

☆۔۔۔ وہی محبوب وہی حجاب۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ۔۔۔

☆۔۔۔ وہی ارض و سماء کا نور اور

☆۔۔۔ وہی جمیع کائنات اور موجودات کا ظہور۔۔۔

☆۔۔۔ وہی ظاہر وہی مظاہر۔۔۔

☆۔۔۔ وہی باطن وہی مباطن۔۔۔

لیکن وہ خود اپنی آب و تاب میں رونقِ تاب اور زیرِ پردہٴ حجاب ہے۔ اس کے

باوجود ظہورِ مستور اور باوجود وجود، نابود، ہست و نیست، رونما، موجود، کالعدم۔۔۔

چنانچہ اس کے علم و عرفان کی راہ ہے تو وہی راہ ہے، وہی رہنما۔۔۔ وہی علم و معلوم

ہے، وہی آگہی و آگاہ!

۔۔۔ بہر رنگے کہ خواہی جامہ درپوش من از رفتارِ بایت می شناسم

”تو چاہے کسی طرح کے لباس میں چھپ جائے، تیری رفتار پا سے ہی میں تجھ کو پہچان لیتا ہوں۔“

پس نقطہ وہ ہے جو کچھ نہیں۔ یعنی ہر چیز کا وجود ”کچھ نہیں“ کے ذریعے قائم ہے، اور جو کچھ ہے وہ درحقیقت اسی ”کچھ نہیں“ کا ظہور ہے۔

ح کچھ نہیں سب کچھ ہے یا رو اور سب کچھ، کچھ نہیں

اس سے ثابت ہوا کہ جہاں دیکھو، جس طرف نظر کرو، جس پر خیال جماؤ، نقطے کا وجود ظاہر و باطن، عیاں و آشکارا ہے۔ یعنی بلا تعین و تشخص اور بلا تحدید و تعدد نقطہ ہی نقطہ ہے۔ یہ کثرت مظاہر عین وحدت ظاہر ہے۔ چونکہ نقطہ بالذات موجود نمایاں ہے۔ اس لیے واحد و لاناہایت نقاط پیدا ہیں جو:

☆ کبھی بصورت خط ہو یا، کبھی بہ لباس سطح عیاں

☆ کبھی بصورت شکل نمودار، کبھی بحالت جسم مجسم و محسوس۔

نقطے کی حرکت سے خط پیدا ہوا یعنی نرا طول، اور خط کی حرکت سے سطح، اور سطح کی حرکت سے جسم، چنانچہ نقطہ ان سب کے وجود کا باعث ہے۔ خط و سطح و جسم میں ہر جگہ نقطہ ہی نقطہ ہے۔ مبتدا بھی نقطہ اور منجما بھی نقطہ۔ اس لیے مہندس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے نقطہ فرض کر لے۔ یعنی وہ عین واحد مختلف صورتیں اور اشکال محدودہ و محدودہ ہیں، عیاں و مشہود ہے۔ اگرچہ نقطہ بے مقدار ہے لیکن ہر ایک مقدار جب ہی میز و معین ہوتی ہے کہ نقاط فرض کئے جائیں ورنہ مقدار خود کوئی چیز نہیں۔ لہذا نیستی ہر ایک ہست اور اس کی ہستی کا سرچشمہ ہے اور خود کچھ نہیں۔ مگر جو کچھ ہے اسی سے ہے۔

۔ یک عین متعلق کہ جزا و نقطہ نہ بود کردہ ظہور زان ہمہ اغیار آمدہ

”صرف ایک متفقہ اصل و حقیقت نے کہ اس کے سوا کوئی نقطہ بھی نہ تھا،

ظہور کیا۔ اور اس سے یہ سب اغیار ظاہر ہوئے۔ یعنی مختلف و متضاد

اشیائے عالم کا ظہور ہوا۔“

جب سطح پر نقطے کا نشان بنایا گیا تو یہ لفظ ”کچھ نہیں“ کی شان سے نکل کر ”کچھ

ہے“ کے لباس میں جلوہ گر ہوا۔ تو وہ نقطہ جو ”کچھ نہیں“ تھا۔ اس سے الگ ہو گیا۔
 نہیں نہیں یہ نقطہ باوجود ”کچھ ہونے“ کے بھی عین ”کچھ نہیں“ کی شان میں داخل و
 مستغرق ہے۔ کیونکہ ”ہے“ اور ”نہیں“ سب میں نقطے کا وجود ثابت ہے۔
 چنانچہ یہ نقطہ بھی اس نقطہ کے وجود سے خالی نہیں۔ کیونکہ اس کی ہستی ”کچھ نہیں“ کے
 ظاہر کرنے کو پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے اس کی ہستی بھی عین نیستی ہے، اور نیستی عین نقطہ
 ہے۔ پس یہ بھی جو نقطہ نہیں وہی حقیقی نقطہ ہے۔ اگر وہ نقطہ جو ”کچھ نہیں“ ہے
 نہ ہوتا تو یہ نقطہ جو ”کچھ ہے“ کہاں ہوتا، اور کیوں ہوتا۔ یعنی جو کچھ ہے“ وہی نقطہ
 اور جو ”کچھ نہیں“ ہے وہی نقطہ۔ اس لیے نقطہ ہی نقطہ ہمہ نقطہ ہمہ از نقطہ ہمہ
 در نقطہ۔ ہمہ با نقطہ ہمہ بے نقطہ جو ”ہے“ وہی ”نہیں“ اور جو ”نہیں“ وہی ”ہے“۔
 تل کی اوٹ میں پہاڑ۔ کل موجودات نے اسی نقطہ وجود یعنی ذاتِ بحت
 سے جس کو ”کچھ نہیں“ کہتے ہیں، وجود و نمود پائی ہے۔ یعنی کثرت میں وحدت نمودار اور
 وحدت میں کثرت آشکار۔ جیسے نقطہ موہوم ”ام الدماغ“ جسے ”خفی الانفا“ کہتے
 ہیں وہ ”مقام محمود“ اور ہندی میں ”برہم منڈا، تربینی“ اور فلاسفر ”فوکس“ کہتے
 ہیں۔ تمام جہان کی مختلف صورتیں اس میں مندرج اور نقطہ چشم سے آمد و رفت
 رکھتے ہیں۔ ہر شے میں وہ نقطہ اور اس نقطے میں کل اشیاء۔ جیسے درخت میں گٹھلی
 اور گٹھلی میں درخت مندرج ہے۔

☆ — یہی نقطہ سویدائے قلب ہے،

☆ — یہی نقطہ حقیقتِ انس و جان ہے،

☆ — یہی نقطہ ماہیت کون و مکاں ہے،

☆ — یہی نقطہ ابعادِ ملکہ کی جان ہے،

☆ — اسی نقطہ سے ظہور کن فلکاں ہے۔

باوجود نہ ہونے کے یہ شور و غوغا ہے۔ اگر کچھ ہوتا تو کیا ہوتا۔

اب اس مثال پر ذرا غور و فکر کرو تا کہ وحدت کی کثرت میں اور کثرت کی وحدت میں حقیقت منکشف ہو جائے۔ اکثر عکسی تصویر کھینچتے دیکھا ہوگا۔ وہ اس طرح کھینچتے ہیں کہ آئینے میں ایک موہوم نقطہ ہے جس کو فوکس کہتے ہیں۔ اس میں یہ کمال ہے کہ جملہ موجودات کی تصاویر بلا فرق و امتیاز اس میں مندرج ہیں۔ جب کوئی مجمع اس کے مقابل ہوتا ہے تو دوسرے آئینے کے ذریعے سے صفحہ قرطاس پر بعینہ نقش کر دیتا ہے۔ اور وہی نقطہ دماغ میں جہاں دونوں آنکھوں کا خط نظر تقاطع کرتا ہے، موجود ہے۔ اس میں بھی کل عالم کی تصاویر فرق و امتیاز کے بغیر مندرج ہیں۔ اگر کوئی چیز اس کے مقابل میں پڑتی ہے تو آئینہ چشم کے ذریعے سے فوراً صفحہ عالم میں صورت ثبت کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح نقطہ ذات بحت ہے جس میں کل کائنات مخفی ہے۔ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آڑ میں آئینہ حقیقت مختلف اشکال کو صورت حقیقت انسانی وغیرہ پر ثبت کر دیتا ہے۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ وہی نقطہ ذات بحت ہر شے میں خود بھی موجود و مخفی ہے۔ پھر وہی کچھ نہیں جو سب کچھ ہے۔ لا

حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

تو بہ کردم زانچہ گفتم زان کہ نیست درخن معنی و در معنی سخن

”میں نے تو بہ کی جو اس سے کہا (کہ ہے) اور جو اس سے نہیں ہے۔ بس

کلام میں معنی ہے اور معنی میں کلام ہے۔ یعنی حقیقت ناقابل ادراک و

بیان ہے۔“

دیگر الہیہ ہند سے:

نقطے کے بعد دیگر الہیہ ہند سے درج ذیل ہیں:

☆ — ۲۲: ظہور نقطہ یعنی اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي - یہ نزول اول ہے۔

☆ — ۳: کثرت نقطہ یعنی اَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَكُلُّ شَيْءٍ مِنْ نُورِي - یہ نزول

ثانی ہے۔

☆ — ۴: خط مستقیم یعنی توحید

- ☆ — ۵ حد ۵: سطح مستوی یعنی عالم ارواح
- ☆ — ۶ حد ۶: زاویہ یعنی مذاہب
- ☆ — ۷ حد ۷: زاویہ قائمہ یعنی اسلام
- ☆ — ۸ حد ۸: عمود یعنی پیغمبر
- ☆ — ۹ حد ۹: خطوط متوازی یعنی ازل وابد
- ☆ — ۱۰ حد ۱۰: شکل یعنی عالم مثال
- ☆ — ۱۱ حد ۱۱: جسم یعنی عالم شہود
- ☆ — ۱۲ حد ۱۲: دائرہ یعنی عالم کون
- ☆ — ۱۳ حد ۱۳: مرکز یعنی وہی نقطہ کُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ
- ☆ — ۱۴ حد ۱۴: محیط دائرہ یعنی وہی نقطہ جب کہ اپنے اوپر آپ گردش میں آیا۔ وَاللَّهُ
- عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ

اصول موضوعہ:

- ☆ — اختیار ہے کہ ذات صفات میں ظہور کرے
- ☆ — کن فیکون
- ☆ — اختیار ہے کہ صفات اسمائے آثار میں جلوہ گر ہوں۔

علوم متعارفہ:

- (۱) — هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ یعنی موجود اصلی ایک سے زیادہ نہیں۔
- (۲) — اللَّهُ الصَّمَدُ یعنی موجود اصلی کسی کا محتاج نہیں۔
- (۳) — لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ یعنی نہ تو اس کے اولاد نہ وہ کسی کی اولاد۔
- (۴) — وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ یعنی نہ اس کا کوئی شریک
- (۵) — لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ یعنی کوئی شے اس کی مثل نہیں
- (۶) — هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

اشکال

☆ — ثابت کرو کہ اَلْوَجُودُ وَاِحْدٌ غَيْرُهُ لَيْسَ بِمَوْجُودٍ:

فرض کرو کہ زید غیر ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ زید موجود نہیں یعنی موجود اصلی نہیں۔

جگم (۱): اصل موضوع کے ذات کو متصف بہ صفت خالق سمجھو

جگم (۲): اصل موضوع کے مخلوق کو مظہر اسم خالق سمجھو۔

اب زید چونکہ ایک مخلوق ہے۔ لہذا مظہر اسم خالق ہے، اور چونکہ خالق اسم صفت ہے اور صفت میں ذات نے ظہور کیا ہے۔ لہذا خالق وہی ذات ہے۔ اور پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ زید مظہر اسم خالق ہے، اس لیے زید بھی مظہر ذات ہے۔ یعنی وجود زید عین وجود ذات ہے اور جگم علوم متعارفہ کے ذات ایک سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اَلْوَجُودُ وَاِحْدٌ یعنی زید جس کو غیر فرض کیا گیا تھا، موجود نہیں بلکہ وہی ذات موجود اصلی ہے جو بالضرور واحد ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وجود غیر باطل ہے فَهَوُ الْمَطْلُوبُ

۔ اس ذات کا ظہور شہود و صفات ہے نزدیک عارفوں کے سبھی عین ذات ہے زیادہ اشکال کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہندسہ الہیہ کے طالب اگر ذوق سلیم اور وجدان صحیح رکھتے ہیں تو وہ خود ہزاروں شکلیں ثابت کر سکتے ہیں ورنہ اشکال ثابتہ بھی بے کار محض ہیں۔

۔ یک چشمہ خورد از درون خانہ بہ زان جوئے کہ از بروں می آید
”وہ چھوٹا سا ایک چشمہ جو گھر کے اندر ہوا اس ندی سے بہت رہے کہ جو باہر سے آتی ہو۔“

۔ دیدہ سے باید کہ بیند در نظر سر وحدت در صفات ہر بشر
”وہ آنکھ ہونی چاہئے جو اپنی نظر سے اس سر وحدت کو دیکھے جو ہر بشر کی صفات میں نظر آتا ہے۔“

۔ چو آدم را فرستادیم بیرون جمال خویش در صحرا نہادیم

جمال ما بہ میں اس راز پنہاں اگر چسخت بود پیدا نہادیم
 وگر چسخت ز باشد آں چنان داں کہ گوہر پیش تاہینا نہادیم
 ”جب ہم نے آدم علیہ السلام کو باہر بھیجا تو ہم نے اپنا جمال جہاں آراء
 (کھلے عام) صحرا میں دکھایا — تو ہمارے جمال کو دیکھ یہ ایک پوشیدہ
 راز ہے — اگر تیری آنکھ حقیقت نگر ہے تو ہم نے سب کچھ ظاہر کر دیا
 ہے، یعنی اپنا جمال دکھا دیا ہے — اگر تیری آنکھ حقیقت بین ہی نہیں
 ہے تو پھر تو یہ سمجھ کہ گوہر بے مثال کسی اندھے کے سامنے پڑا ہوا ہے۔ اور
 وہ اس کی آب و تاب کے باوجود اسے دیکھنے سے قاصر ہے۔“

دوسرا باب

عین الیقین

وادی طلب سے اگلی منزلیں:

مقامِ طریقت میں جب پیرِ کامل طالبِ صادق کو وادیِ طلب سے نکال کر اس بادشاہی کے رسم و رواج کے موافق اذکار و اشغال و مراقبات کی تعلیم فرماتا ہے تو یہاں دو منزلیں درپیش آتی ہیں:

☆ — وادیِ عشق

☆ — وادیِ عرفان

وادیِ عشق کا سفر:

پیرِ کامل پہلے وادیِ عشق میں لا ڈالتا ہے تاکہ اس میں جو کچھ کدورت باقی رہی ہو، جل جائے — یہ منزل نہایت حیرانی و سرگردانی کی ہے — اس منزل میں مسافر عشق کی تپش و بے قراری سے روتا ہے، شور و غل مچاتا ہے۔ درد و غم از حد بڑھ جاتا ہے — اکثر مسافر اپنی کم ہمتی سے اس وادی میں ہلاک ہو جاتے ہیں اور مطلوبِ حقیقی سے محروم رہ جاتے ہیں — اگر بہ ہمت تمام اس وادی سے نکل جاتے ہیں تو وادیِ عرفان میں سیر و جودی سے تسکین پاتے ہیں۔

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بعد ازاں وادیِ عشق آید پدید غرق آتش شد کے کا نجا رسید

کس دریں وادی بجز آتش مباد
عشق آں باشد کہ چون آتش بود
عاقبت اندیش نہ بود یک زماں
لحظ نے کافر ی داند نہ دین
نیک و بد در راہ او یکساں بود
ہرچہ دارد جملہ در بازو بہ نقد
دیگراں را وعدہ در فردا بود
عشق جاناں آتش اوست عقل دور
مرد کار افتادہ باید عشق را
نے تو کار افتادہ نے عاشقی

”اس کے بعد ”وادی عشق“ ظاہر ہوتی ہے اور جو وہاں پہنچتا ہے وہ غرق آتش ہو جاتا ہے۔ اس وادی میں سوائے آگ کے کوئی نہ ہو، اور جو مجسم آگ نہ ہو اس کو عشق خوش اور مبارک نہ ہو۔

عشق وہ ہونا چاہیے کہ جو بالکل آگ کی طرح ہو۔ اگر گرم گرم، جلانے والا اور سرکش ہو۔۔۔ وہ ایک لحظ کے لیے بھی عاقبت اندیش نہ ہو اور اس کا خون اپنی آتش سوزاں سے سینکڑوں جہان کو سوختہ کر دے۔

وہ ایک لحظ بھر کو بھی نہ کافر ی کو جانے اور دنیا و ایمان کو سمجھے اور ایک لمحہ کو بھی نہ شک کو پہچانے اور نہ یقین کو جانے۔ اس کی راہ محبت میں نیک و بد سب برابر ہوں۔ کیونکہ جب خود عشق ہی اس کے اندر آ جائے تو پھر نہ یہ رہے اور نہ وہ رہے۔ وہ جو کچھ بھی رکھتا ہو، سب نقد مال عشق کی بازی پر لگا دے اور دوست کے وصال کو نقد حاصل کرے۔

کیونکہ دوسروں سے توکل کا (عاقبت کا) وعدہ ہوتا ہے مگر اہل محبت اور سوختہ جان عارفوں کو اسی جگہ نقد مشاہدہ جمال ہوتا ہے۔

اس کی زبان تجھ کو بتا دے گی — اس جگہ جو تیرا قدم عشق نے کھینچا ہے،
اس تحفہ پر عشق بہت کچھ لکھے گا۔ یعنی تجھ کو بہت سی حیرت انگیز اور سخت
باتیں پیش آئیں گی۔

پہلا قدم جو عشق رکھتا ہے تو وہ ایک ایسا ابر ہے جو تمام کفر ہی برساتا ہے۔ یہ عشق تو
تجھ سے تیری انتہا چاہے گا — یہ تجھ سے صرف قصہ و کہانی طلب نہیں کرے گا یعنی
عملی قربانی ”محبت“ مانگے گا۔

معشوق کہاں ہے اور عاشق کون ہے؟ — ان دونوں علتوں سے عشق خالی
ہے۔ یعنی حقیقی جذبہ عشق ہر خیال کو بھلا دیتا ہے۔ اس میں عاشقی و معشوقی کا ہوش بھی
نہیں رہتا — بس یہ ایک نقطہ ہے کہ تو ”میرے تیرے“ کے خیال کو فراموش کر دے
اور اس اندیشہ این و آں (یہ اور وہ) کو چھوڑ دے۔

تیرا حاصل بحر وحدت سے ہے اور اس کو حاصل کرنے کا تجھ میں حوصلہ ہونا
چاہئے — اس کا نشان سے مرغ کی طرح بے نشان ہے، اس کا آشیانہ پرندوں اور
وحشی جانوروں کا آشیانہ ہے۔ یعنی آشیانہ عشق بہت کٹھن اور خطرناک مقام ہے۔
وہ پیوند و تعلق بھی نہیں رکھتا اور جدا بھی نہیں ہے۔ بیگانہ بھی نہیں ہوتا اور آشنا بھی
نہیں ہے۔ یعنی وہ اور اس کی حالت ناقابل بیان ہے۔

وہ ہزاروں کھیتوں اور کھلیانوں کو جلانے والا ہے۔ اس کا رخ کسی قبلہ کی طرف
مقرر نہیں ہے — اس جگہ جب کوئی مرد حقیقت تک پہنچتا ہے، تب وہ کفر و دنیا کی
محبت سے یکتا ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کا نہ نفع باقی رہتا ہے اور نہ ہی نقصان ہوتا
ہے۔ بس ایک قبلہ اور ایک ہی سجدہ ہوتا ہے۔

اس جماعت کے نزدیک ملنا اور دیکھنا بھی وہم ہوتا ہے، طاعت و عبادت بھی اس
وقت شرک ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ”فنائی الوحدت“ ہو جاتے ہیں۔

ان کی کتاب و ورق میں علم و عمل بھی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ عاشقانِ حق کا یہ شیوہ
نہیں ہوتا۔ اس مقام پر تو نماز بھی بے رکوع و سجود ہوتی ہے۔ پھر وہاں اصول و فروع کا

کیا ذکر ہے۔ اس جگہ تو قبلہ بھی بغیر سمت و جہت کے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ قبلہ تو تمام کائنات سے وراء (اعلیٰ) ہے۔

اس جگہ نہ لالچ اور نہ کوئی وجہ و سبب ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی مذہب و ملت اور فرقہ ہی ہوتا ہے۔

حقیقی اور مجازی ”راہ محبت“ میں بس یہی عشق بازی کا کمال ہے۔

اے کم ہمت! تو اس راہ فقر میں ہرگز قدم نہ رکھ — یہ وادی اس کے وجہ مطلق کے جمال سے روشن ہے، اور بڑی دشوار گزار اور بے حد ہے۔ — اس کے نیام میں شمشیر فنا پوشیدہ ہے — اس تاریکی و گمراہی میں یہ نور سیاہ ہے — تیرا خوشنما طوائفی شکل پرندہ اس جگہ اپنے تمام پر جھاڑ دے گا۔ یہاں اس میں قوت پرواز ہرگز باقی نہیں رہے گی — اس جگہ سے چشمہ کفر بھی پھوٹتا ہے — اے تیز رفتار چلنے والے مسافر! بہت ہوشیاری اور چالاکی سے قدم اٹھا۔ یہ راہ بڑی ہی سخت اور خطرناک ہے۔

جب یہاں عشق خود اپنا چراغ روشن کرے گا تو پہلے جبریل کے پر چلیں گے۔ اس مقام عشق میں نہ شک ہے اور نہ ہی یقین ہے — نہ خوف و امید اور کفر و دین ہی باقی رہتا ہے۔ پس اے فرزند! تو اب حقیقت عشق سن۔ اس کی نسبت خود اپنے آپ ہی سے ہے — اس لیے تمام خطاب و کلام اپنے آپ سے ہی ہوتا ہے۔ اس مقام پر عاشق کامل خود اپنے آپ ہی سے کہتا ہے اور خود ہی جواب دیتا ہے۔ یہاں وہ خود ہی عاشق اور خود ہی معشوق ہوتا ہے۔ اس حالت عشق میں اس سے زیادہ بات نہیں چلتی۔

وصل و وصال کی لذت سے بھی اس کو کوئی راحت نہیں ہوتی اور نہ اس کو فراق میں زحمت و تکلیف ہوتی ہے۔

بس سینکڑوں قافلے و کلام رواں دواں ہیں۔ ان سب کا بس عشق ہی میر کارواں ہے۔ ایسے عشق میں کار سازی و تعلق کا کیا کام ہے — خبردار! ہوش میں آ کہ یہاں

بس تیغ بے نیازی ہی چلتی ہے۔

اس کے اندر بلا مصیبت اور تہمت و ملامت کے مرتبہ میں ایلیس کی سی ہمت سے قدم رکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ ہر شے سے نامرادی کا مقام ہے۔ جو دل اس عشق سے محروم ہوا، وہ دونوں جہان میں ماتم زدہ اور تباہ حال ہوا۔

مقام عشق میں دونوں جہان بھی ایک جو کے برابر قیمت نہیں رکھتے۔ اس جگہ تو ہر ہر وہان منزل (مسافر) کے قدم لرز جاتے ہیں۔

حضرت منصور حلاج جو ایک مرد مطلق اور جانناز عشق و محبت تھے، جب اس مقام پر پہنچے تو ان کے منہ سے بھی انا الحق نکلا۔

حقیقت میں وہ تو صرف ایک ظاہری واسطہ و تعلق تھے۔ وہ ہرگز خودی نہیں رکھتے۔ یعنی وہ تو ”فانی العشق“ ہو گئے تھے۔ یہ حق ہے کہ انہوں نے عکس حقیقت و وحدت سے اپنے آپ کو ظاہر کیا تھا۔ وہ جوش عشق کی شدت سے ایسے بے خود ہوئے کہ ناگاہ انہوں نے اپنا سر پوش (کھوپڑی) شکست دیکھا۔ ان کی آنکھ اور دل تو حالت ثبات اور استقامت میں رہی۔ مگر ان کی آب و گل (جسم ظاہری) پر ملامت صادر ہوئی اور ان کو سولی دے کر خاکستر کر دیا گیا۔

(بس یہ ہے مقام عشق و محبت، جس کی طلب بڑے حوصلہ مندوں کا کام ہے۔)

وادئ عرفان کا سفر:

عشق کی آگ سے طالب جب دم پخت ہو جاتا ہے تو پھر اس کو وادئ عرفان میں پہنچاتا ہے۔ یہاں اپنے نفس کی سیر ہوتی ہے۔ وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ ذَنْبَهُ کے معنی مراتب کے لحاظ سے منکشف ہوتے ہیں۔ طالب استغراق و سکر کے مفاک میں جا گرتا ہے۔ یہاں سے نکلنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ مدہوش و مست رہتا ہے۔ اکثر طالب اس وادئ میں بیٹھ رہتے ہیں۔

وادئ عرفان کیا ہے؟

بعد ازاں پیش آیت اندر نظر معرفت را وادئ بے پا و سر

سیر ہر کس باکمال خود بود قرب ہر کس حسب حال خود بود
چون بتاید آفتاب معرفت از سپہر این رہ عالی صفت
ہر کے بینا شود بر قدر خویش باریا بد از حقیقت صدر خویش
سے سرد آتش اگر روشن شود گل خن دنیا برو گلشن بود
مغز بیند از درون نے پوست او خود نہ بیند ذرہ چیز دوست او
صد ہزار اسرار از زیر نقاب روئے بنماید برد چون آفتاب
گر ز اسرار تہ شود پدید ہر زمانت نو شود شوقے پدید
گر بیاری دست بر عرش مجید دم مزن یک ساعت ازہل من مزید
خویش را در بحر عرفان غرق کن ورنہ بارے خاک رہ بر فرق کن
گر نے بنی جمال یار تو خیز و منشین سے طلب دیدار تو
”اس کے بعد تیری نظر میں معرفت کی بے سرو پا وادی آئے گی اور پھر تجھ کو
اس سے سابقہ پڑے گا۔

ہر کسی کی سیر و سیاحت، اس کی ہمت و حوصلہ اور تحمل و برداشت کے موافق
ہوتی ہے۔ ہر ایک کا قرب و تعلق اس کے حسب حال ہی ہوا کرتا
ہے۔ — اس عالی صفت آسمان سے جب آفتاب معرفت اپنی پوری
تابانی سے چمکے گا تو پھر ہر ایک اپنی قدر و حیثیت کے موافق روشن نظر اور بینا
ہو جائے گا۔ پھر وہ اپنے سینہ میں حقیقت سے باریابی پائے گا۔

تجھ کو ایسی آگ کی بھی ضرورت ہے اگر وہ روشن ہو، کیونکہ اس میں دنیا کی
بھٹی بھی گلشن ہو جاتی ہے۔ پھر وہ صاحب نظر ہو کر چمکے کے اندر بھی مغز کو
دیکھ لیتا ہے، اور اپنے دوست و محبوب حقیقی کے علاوہ اپنا ایک ذرہ بھی اس کو
ہرگز نظر نہیں آتا۔

پھر اس کو سو ہزار اسرار و رموز اس نقاب میں سے نظر آتے ہیں، اور پھر
حقیقت اس کو آفتاب تاباں کی طرح اپنا منور و روشن چہرہ دکھاتی ہے۔

اگر تجھ کو اس کے اسرار جاننے کا شوق پیدا ہو جائے تو پھر ہر وقت تجھے ایک نیا شوق ہوگا۔۔۔ اس حال میں اگر تو اپنا ہاتھ عرش مجید کی سر بلندیوں تک بھی پہنچانے میں کامیاب ہو جائے تو پھر ایک ساعت ولحہ کو بھی سوائے ”اور زیادہ، اور زیادہ“ کے کوئی دم مت مار۔۔۔ تو اپنے آپ کو بحر عرفان میں بالکل غرق کر دے۔ ورنہ ایک بار اپنے خاک راہ کو اپنے سر پر (نامرادی سے) ڈال۔

اگر تو اس محبوب حقیقی کا جمال جہاں آراء نہیں دیکھتا تو خیر کچھ دیر تو صبر سے بیٹھا رہے اور اس کے دیدار کی طلب ہی کر۔

طالب سر سے علی قدر استعداد جب فارغ ہوتا ہے تو پھر اس کو وادی استغناء کی سیر کراتا ہے۔۔۔ یہاں طالب مستغنی ہو کر خوشی مناتا ہے۔ کرامات کا خواہ مخواہ ظہور ہوتا ہے۔۔۔ یہ وادی چہارم ہے۔ بعض طالب یہاں متوطن ہو جاتے ہیں۔“

فصل اول:

ذکر اذکار کیا ہیں؟

ذکر کی تعریف:

ذکر کے معنی ہیں کسی کو یاد کرنا — اذکار ذکر کی جمع ہے۔ — کسی کو یاد کرنے کے پانچ انداز ہیں۔
 (۱) — لسانی (۲) — قلبی (۳) — روحی (۴) — سری (۵) — خفی
 ایک عارف کہتا ہے:

ذِكْرُ اللِّسَانِ لَفَلَقَةٌ — ذِكْرُ الْقَلْبِ وَسُوسَةٌ — ذِكْرُ الرُّوحِ
 مَشَاهِدَةٌ — ذِكْرُ السِّرِّ مُعَانِيَةٌ — ذِكْرُ الْخَفِيِّ مُغَائِبَةٌ.
 یعنی ”زبانی ذکر کڑکا — اور قلبی ذکر بخیال و تصور — ذکر روح
 مشاہدہ — ذکر سر معائنہ یعنی دیدار — اور ذکر خفی ہے فنا ہو جانا۔“

ارشادات باری تعالیٰ:

- ☆ — فَادْخُرُونِيْ اَدْخُرْكُمْ (پ ۲، ع ۲)
 ”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔“
- ☆ — وَادْخُرْ رَبِّكَ كَثِيْرًا بِالْعَيْشِيْ وَالْاِبْنِ كَارِ (پ ۳، ع ۱۲)
 ”اور یاد کرو اپنے رب کو بہت، اور تسبیح کر شام اور صبح کو۔“
- ☆ — وَادْخُرْ رَبِّكَ اِذَا نَسِيْتِ (پ ۱۵، ع ۱۶)
 ”اور یاد کرو اپنے رب کو جب کہ تو بھول جائے۔“
- یعنی اگر تم ان شاء اللہ یا ہلسی شہدنا کو بھول گئے تو اب پھر تم کو یاد دلایا جاتا

ہے۔ جو شخص اللہ کو یاد نہیں کرتا، دنیا و آخرت میں اس کے لئے خرابی ہے۔

☆ — وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

أَعْمَى (پ ۱۶، ع ۱۶)

”اور جس نے رُوگردانی کی میری یاد سے، پس تحقیق اس کے لیے معیشت تنگ

ہے، اور ہم اس کو اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا۔“

☆ — تَطْمِئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ

”دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے۔ خبردار رہو اللہ کی یاد میں دلوں کا

اطمینان ہے۔“ (پ ۱۳، ع ۱۰)

۔ ذکر کن ذکر تا ترا جان است۔ صافی دل ز ذکر یزدان است

”جب تک تیری جان میں جان ہے تو اس کا ذکر کر، ذکر کر — کیونکہ

دل کو پاک و صاف کرنے والی چیز صرف ذکر الہی ہے۔

ارشاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

مسلم شریف میں ذکر کی فضیلت سے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے اور یاد کرنے کو بیٹھتے ہیں تو ان کو چاروں طرف

سے فرشتے گھیر لیتے ہیں — اور اللہ کی رحمت ان کو چھپا لیتی ہے، اور

ارتا ہے ان پر آرام و چین — اور اللہ ان کا ذکر کرتا ہے جو اس کے

پاس ہیں یعنی فرشتے اور ارواح انبیاء اکرام۔“

اور بہت سی آیات و احادیث میں ذکر کی فضیلت آئی ہے۔ کیونکہ غفلت کا علاج

اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

غیر حق کی رغبت:

جب تک انسان غیر حق کی طرف مشغول ہے تو اللہ سے غافل ہے۔ یہی غفلت موجب

عذاب ہے — غیر حق کی طرف مشغول ہونا ایک قلبی مرض ہے۔ جو تین قسم کا ہوتا ہے۔

☆ — حدیثِ نفس:

یعنی نفس ہمیشہ بالقصد کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی چپ نہیں ہوتا۔

☆ — خطرہ:

کہ بغیر اختیار اور ارادے کے دل میں آجاتا ہے۔

☆ — علمِ اشیاء پر دل کی نظر:

جس کی وجہ سے دل کو ثبات و قرار نہیں ہوتا۔

سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ حدیثِ نفس کے موقع پر اسم ذات (اللہ) کو خطرہ کے موقع پر اسماءِ امہات صفات کو قائم کر کے دل کی نظر کو جمالِ مرشد سے (جو آئینہ حق ہے) روشن رکھے — ایک تاریک جگہ میں تنہا سیدھی پشت کر کے قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور آنکھیں بند کر کے نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ یادِ الہی میں مشغول ہو — ایسا مشغول ہو کہ گرمی اذکار تمام گوشت و پوست، خون و استخوان، رگ و پے میں اثر کر جائے — اس وقت مکاشفات و انوار کی آنکھ کھلتی ہے، اور حجابِ قلبی رفع ہو جاتا ہے۔ محض زبانی شور و غل سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

☆ — امہات صفات:

امہات صفات سات (۷) ہیں:

☆ — حیات — ☆ — علم — ☆ — ارادت — ☆ — قدرت
☆ — سمع — ☆ — بصر — ☆ — کلام

☆ — اسماءِ امہات صفات:

ان صفات کی نسبت سے سات (۷) اسماء ہیں:

☆ — حی — ☆ — علیم — ☆ — مرید — ☆ — قدیر
☆ — سمیع — ☆ — بصیر — ☆ — کلیم

فصل دوم

ذکر کے طریقے

قربِ الہی کا حصول:

وہ اذکار جو امراضِ قلب کے لیے مفید نام ہیں، ترکیب کے ساتھ مفصل تحریر کئے جاتے ہیں۔ تاکہ طالبانِ حق ماسوائے اللہ کو ترک کر کے قربِ الہی حاصل کریں اور قلب کی بیماریوں سے نجات پا کر حیاتِ جاودانی میں آرام و چین پائیں۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

☆ — أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (ترمذی شریف)

”اذکار میں سے بہتر ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔“

☆ — وَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ

”جس نے خلوص دل سے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وہ جنت میں داخل ہوا۔“

۱۔ علم طب میں مرض کی تعریف یہ ہے کہ:

”مزاج کا نقطہ اعتدال سے ہٹنا کسی غیر طبعی امر کا پیش آنا مرض کہلاتا ہے۔“

چنانچہ روح کی حالتِ اعتدال یہ ہے کہ اس کی ربِ اکرم کے ساتھ نسبت قائم ہو اور کوئی دوسرا علاقہ اپنی مقناطیسی کشش سے اسے اپنے مقام سے جدا کرنے والا اور ہٹانے والا نہ ہو۔

اس رب کے نشا کے خلاف جس قدر امور ہیں وہ سب امور غیر طبعی روحانی ہیں۔ اس لیے روح کا ما سوا اللہ کی طرف میلان اور معاصی کی جانب رجحان یہی وہ بلائیں ہیں جن کو طبِ روحانی میں ”امراضِ روحانی“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فلسفیانِ اخلاق نے انہی کو ”زمانم“ سے یاد کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی تدبیریں اور علاج کے لیے دو اہم تعلیم فرمائیں۔

(محمد عبدالعلیم صدیقی شاہ: کتاب التصفوف، ص ۲۹/۳۰، مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۳ء)

کلمہ طیبہ کے فرائض:

- اس کلمہ میں چار فرائض ہیں:
- ☆ — تمام زندگی میں کم از کم ایک بار کہنا
 - ☆ — کلمہ کے الفاظ درست کہنا
 - ☆ — اس کلمہ کے معنی یاد رکھنا
 - ☆ — انہی معنی پر مرنا۔

ذکر کے طریقے:

- ذکر پانچ چیزوں سے کیا جاتا ہے:
- ☆ — زبان ☆ — دل ☆ — روح ☆ — سر ☆ — خفی
 - ان کو بالترتیب:
 - ☆ — ناسوت ☆ — ملکوت ☆ — جبروت ☆ — لاہوت
 - ☆ — باہوت بھی کہتے ہیں۔
 - ☆ — ذکر لسانی یعنی ناسوت:

ذکر کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ زَبَانِ سے کہنا سند ہے۔ کیونکہ دارومدار، ظاہری شرع شریف پر ہے۔

☆ — ذکر قلبی یعنی ملکوت:

ذکر کلمہ طریقت ملکوتی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دِل سے کہنا سند ہے۔

☆ — ذکر رومی یعنی جبروت:

ذکر کلمہ حقیقت جبروتی اللَّهُ رُوْح سے کہنا سند ہے۔

☆ — ذکر سری یعنی لاہوت:

ذکر کلمہ حقیقت لاہوتی ہو سر سے کہنا سند ہے۔

☆ — ذکرِ خفی یعنی باہوت:

ذکر کلمہ معرفت باہوتی اَنَا خَفِی سے کہنا سند ہے۔

☆ — خفی الاخفی:

حقیقت الحق خفی الاخفی ہے۔ اس میں کہنا سنا کچھ نہیں۔

طریقہ ذکر ”نفی واثبات چہار ضربی“:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ

(پ ۵ ع ۱۳)

”جب نماز ادا کر چکو تو یاد کرو اللہ کو، کھڑے، بیٹھے اور اپنی گردنوں پر۔“

اس سے ثابت ہے کہ ذکر ہر طرح جائز و درست ہے — اسی لیے صوفیاء کرام نے اذکار کے طریق انواع و اقسام سے بیان فرمائے۔ چنانچہ ان کا بیان کیا جاتا ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ!

سب سے پہلے طریقہ ذکر ”نفی واثبات چہار ضربی“ پیش ہے:

کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو جانب بائیں سے کھینچے اور دائیں طرف لائے — (۳) کو ایسا دراز کرے کہ بیک دم ضربات ثلاثہ (تین ضربیں) کو ادا کر کے ضرب چہارم: إِلَّا اللَّهُ کی فضا دل پر مارے۔

اس کلمہ میں لَا إِلَهَ تین خطرات کا اشارہ نفی ہے:

☆ — نفی خطرہ شیطانی

☆ — نفی خطرہ نفسانی

☆ — نفی خطرہ ملکی

اور إِلَّا اللَّهُ میں، دل میں ذات پاک کا اشارہ اثبات ہے۔

اس ذکر میں ضربات کی تفصیل اس طرح سے ہے:

☆ — ضربِ اول:

سر کو جھکا کر بائیں گھٹنے کے محاذی لاکر لا کوشدت وقوت کے ساتھ بائیں گھٹنے کی طرف سے خطراتِ شیطانی کی نفی کا تصور کرتے ہوئے اٹھائے۔

☆ — ضربِ دوم:

ضربِ اول سے سر کو بائیں گھٹنے کی طرف کھینچتے ہوئے دائیں گھٹنے تک لائے۔ یہاں سے اللہ کے ہمزہ کوشدت وقوت کے ساتھ اٹھائے۔ یہاں خطراتِ نفس کی نفی ہے۔

☆ — ضربِ سوم:

ضربِ دوم میں نفسانی خطرات کی نفی کرتے ہوئے لہ کھینچتے ہوئے دائیں کندھے تک پہنچائے۔ یہاں خطراتِ ملکی کی نفی ہے۔ یہ مقام خیر کے کاتب فرشتے کا ہے۔

☆ — ضربِ چہارم:

اللہ کی ہا کی ضربِ دائیں شانے پر لگاتے ہوئے خوب اچھی طرح منہ پھیرتے ہوئے دے کر چوتھی ضربِ الا اللہ انوار فیض الہی کو ساتھ لیے ہوئے بہ شدت تمام قلب پر دبتے۔ یہ ذاتِ پاک کے اثبات کا اشارہ ہے۔

دورانِ ذکر لا مَعْبُودَ — لا مَقْصُودَ — لا مَطْلُوبَ — لا مَوْجُودَ کا تصور کرے۔ کلمہ الا اللہ میں دل پر ذاتِ پاک کا اثبات کرتا ہے۔

پہلی تینوں ضربیں اچھی طرح کھینچنے کے باوجود ایک سانس میں ہونی چاہئیں۔ آواز نہ بہت بلند ہونہ بہت پست۔

اس کی اس قدر کثرت کرے کہ مستغرق ہو جائے۔

طریقہء ذکر نفی اثباتِ دو ضربی:

ذکر دو ضربی میں دو ضرب ہیں یعنی:

☆ — ضربِ اول: لا الہ

☆ — ضرب دوئم: اِلَّا اللّٰهُ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو ایک ہی ضرب میں تینوں خطرات کی نفی کے ساتھ اٹھائیں اور اِلَّا اللّٰهُ کی ضرب قلب پر لگائیں۔

اور ہر تین بار — یا پانچ بار — یا سات بار کے بعد مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ کہیں۔ تاکہ کلمہ طیبہ کے ہر سہ رکن پورے ہو جائیں — اسی کو ”ذکر سہ رکنی“ کہتے ہیں۔

جب یہ ذکر ختم کریں تو تھوڑی دیر کے لیے گردن جھکا کر تواضع کے ساتھ اس انتظار میں ٹھہریں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے دل میں کیا وارد ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ:

☆ — لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ — ذکر ناسوتی ہے۔

☆ — اِلَّا اللّٰهُ — ذکر ملکوتی ہے، اور

☆ — اللّٰهُ الصَّمَدُ اللّٰهُ اَحَدٌ حَسْبِي قَيُّوْمٌ — ذکر جبروتی یعنی اسم ذات باصفات ہے۔

☆ — اللّٰهُ اللّٰهُ بغير صفات کے ذکر لاہوتی ہے — اس ذکر میں ہمیشہ ہفت صفات سلبیہ و ایجابیہ کا ملاحظہ رکھے۔

صفات سلبیہ و ایجابیہ:

صفات کے بغیر ذکر، ذکر لاہوتی ہے یعنی اللّٰهُ اللّٰهُ — اس ذکر میں سات صفات مذکور ہیں جو کہ ”صفات سلبیہ و ایجابیہ“ کہلاتی ہیں:

(۱) — لَا اِمْرَ غُثُوْبِيْ اِلَّا اللّٰهُ

(۲) — لَا مَشْهُوْدِيْ اِلَّا اللّٰهُ

(۳) — لَا مَقْصُوْدِيْ اِلَّا اللّٰهُ

(۴) — لَا مَخْيُوْبِيْ اِلَّا اللّٰهُ

(۵) — لَا مَعْبُوْدِيْ اِلَّا اللّٰهُ

(۲) — لَا مَطْلُوبِي إِلَّا اللَّهُ

(۷) — لَا مَوْجُودِي إِلَّا اللَّهُ

اس راہ میں عروج و نزول بھی نہایت تاخیر رکھتا ہے۔ مثلاً نزل میں کہے:

☆ — اَدَّلْ بَار: لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ

☆ — بَارِوَدَم: لَا مَطْلُوبَ إِلَّا اللَّهُ

☆ — بَارِوَسَم: لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ

پھر عروج میں یوں کہے:

☆ — لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ

☆ — لَا مَطْلُوبَ إِلَّا اللَّهُ

☆ — لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ

اور پھر نزول میں:

☆ — لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ

☆ — لَا مَطْلُوبَ إِلَّا اللَّهُ

☆ — لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ

یہ نو (۹) اسم بیک دم کہتا رہے۔ تاکہ صفائی قلب حاصل ہو۔

ایک ذکر سے دوسرے ذکر کی طرف منتقلی:

جب ایک ذکر سے دوسرے ذکر کی طرف انتقال کرے تو:

☆ — اول تین بار:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَأَنَا أَعْلَمُ بِهِ
وَاسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ بِهِ تُبْتُ عَنْهُ وَأَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ
رَسُولُ اللَّهِ —

☆ — اور بست و یکبار استغفار:

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ غَفَّارُ الذُّنُوبِ سَتَّارُ

الْعُيُوبِ وَاتُّوبَ إِلَيْهِ —

☆ — اور یہ درود شریف طاق عدد میں:

الْصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ
يَا حَبِيبَ اللَّهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ

☆ — پھر تین بار کلمہ طیبہ بسم اللہ شریف کے ساتھ پڑھے —

☆ — پھر ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں با ملاحظت مذکورہ مشغول ہو —

جب تھک جائے تو تھوڑی دیر خاموش ہو کر متوجہ الی اللہ ہو — پھر ذکر إِلَّا اللَّهُ

کو اس قدر کہے کہ تھک جائے — پھر خاموش اور متواضع و متوجہ ہو کر بیٹھے —
پھر دم لے کر ذکر اللہ میں ایسا مشغول ہو کہ مستغرق ہو جائے۔

ہر ذکر میں صفاتِ سلبیہ و ایجابیہ، شد و مد، اور صحتِ حروف (حروف کی صحیح طور پر
ادائیگی) کا ہمیشہ لحاظ رکھے — نفی و اثبات میں سے اثبات زیادہ، اور اثبات سے
زیادہ اسم ذات (اللہ) کہے — بوقت اتمام درود و فاتحہ بارودح پیران عظام صاحب
سلسلہ و جملہ خاندان اہل اللہ، و دعا مزید ذوق و شوق طلب کر کے فارغ ہو۔

طریق ذکر نفی و اثبات:

دو زانو بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں زانو پر رکھے — زبان کو تالو سے
چسپاں کر کے جس دم بہ حرکات ثلاثہ اور وقوف ثلاثہ، خمسہ اسماء صفات اس طور سے ذکر
کرے کہ:

سر کو نیچے لے جا کر لا کوناف سے کھینچے — اور لا کے ساتھ سر کو دائیں شانے
کی طرف بلند کرے (مائل بہ کف راست) — حتیٰ کہ کسرہ ہمزہ لا کو بہ سر کف اور
فتح ہائے اللہ کو دماغ میں پہنچائے — سر کو ذرا پیچھے کی طرف مائل کر کے یہ خیال
کرے کہ جمیع ماسوی اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے — پھر ضربِ ضمہ ہائے إِلَّا اللَّهُ کو
بہ زور تمام قلب پر مارے۔

وقوف ثلاثہ:

وقوف ثلاثہ یہ ہیں:

☆ — وقفِ عددی ☆ — وقفِ زمانی ☆ — وقفِ قلبی
 وقفِ عددی یعنی ذکر کو طاق اعداد میں رکھے۔ یعنی تین بار، پانچ بار، یا سات
 بار — جب تک کہ دم وفا کرے، حتیٰ کہ ایک سو ایک مرتبہ تک پہنچائے۔ محل نتیجہ یہ
 ہے کہ فنائے وجود یہ بشریہ۔

☆ — وقفِ زمانی:

یعنی جس دم و کشائش دم کے وقت اور نفسین کے درمیان آگاہ رہنا کہ غیر حق دل
 میں نہ آئے۔

☆ — وقفِ قلبی:

یعنی نفی کے وقت غیر اللہ کی نفی اور اثبات کے وقت ذاتِ حقیقی کا اثبات کرتا
 رہے۔

اسمائے صفاتِ خمسہ:

یہ ہیں: لَا مَعْبُودَ — لَا مَطْلُوبَ — لَا مَقْصُودَ — لَا
 مَحْبُوبَ — لَا مَوْجُودَ

یعنی نفی کے وقت ان اسماء میں سے ایک اسم کو دل میں تصور کرے:

مبتدی: لَا مَعْبُودَ / لَا مَطْلُوبَ

متوسط: لَا مَقْصُودَ / لَا مَحْبُوبَ

منتہی: لَا مَوْجُودَ

۱۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیے اور سمجھئے کہ میں اس سرکاری غلامی میں داخل ہوا اور حضور کا فیض
 میرے رگ دریشہ میں سرایت کر گیا۔

ذکر نفی اثبات و حلقی:

ذکر و حلقی سے مراد دنیا و آخرت دونوں سے ہے کہ دل سے لَا إِلَهَ كُوْثَا لے۔ اور سر کو آسمان کی طرف بلند کرے۔ سر کو بلند ہونے کے بعد سر کو دو حلقہ دے:

☆ — اول میں تصور دنیا ☆ — دوسرے میں آخرت

مراد رکھے، اور سر کو پس پشت مائل کرے — اس میں یہ خیال ہو کہ ہر دو جہان کی محبت کو قلب سے نکال کر پس پشت ڈال دیا — پھر اِلَّا اللّٰہ کی ضرب دل میں اس تصور سے لگائے کہ یہ محبوب اور موجود حقیقی کا ثبوت ہے — اس وقت یہ بھی خیال رکھے کہ:

”خدا مجھ کو دیکھتا ہے اور میں خدا کو۔“

اور نفی میں اسماء خمسہ کا بھی خیال رکھے۔

نفی و اثبات اور لطائف قلب:

ارشاد باری ہے:

اِنَّ فِیْ جَسَدِ اٰدَمَ لَمُضْغَةً وَفِی الْمُضْغَةِ قَلْبٌ وَفِی الْقَلْبِ فَوَادٌ
وَفِی الْفَوَادِ دُوْحٌ وَفِی الرُّوْحِ سِرٌّ وَفِی السِّرِّ نُوْرٌ وَفِی النُّوْرِ اَنَا.

اسی طرح ذکر نفی و اثبات کے بھی سات درجے ہیں:

اول ذکر زبانی ناسوتی لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰہ — اس میں ایسا مشغول ہو کہ ذکر کے سوا

کچھ باقی نہ رہے —

سالک جب یہاں سے ترقی کر کے نفس میں پہنچے وہاں ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰہ با فکر ہے — چنانچہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ایسا مشغول ہو کہ لَا إِلَهَ نَفِی ہو جائے اور اثبات کے سوا کچھ نہ رہے۔

نفس سے ترقی کر کے مقام دل میں پہنچتا ہے۔ دل کا ذکر اِلَّا اللّٰہ ہے۔ دل میں اپنی ذات و صفات کو ذات و صفات حق سے ربط دے کر اس ذکر میں ایسا مشغول ہو کہ استثناء یعنی اِلَّا بھی نفی ہو جائے۔ اللہ کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

جب سالک کو یہ مقام ملا تو خطرہ ملکوتی سے نکل کر مرتبہ دل کو طے کر کے مرتبہ روح میں پہنچتا ہے۔ ذکر روجی اسم ذات یعنی اللہ ہے۔ یہ اسم ذات جامع جمیع صفات ہے۔ یعنی اللہ میں جو حرف الف اور لام ہے، یہ افعال و اسماء ذات کی طرف اشارہ ہے اور حرف ہا جو اللہ میں ہے یہ ذات کی طرف اشارہ ہے۔ لہذا سالک اس ذکر میں ایسا مشغول ہو کہ الف اور لام جو اسم اللہ میں ہیں، وہ بھی نفی ہو جائیں اور ہُو کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔ یہاں ذکر خود ذکر ہو جاتا ہے۔

مرتبہ روح سے ترقی کر کے ذکر مرتبہ سر میں پہنچ گیا ہے اس مقام پر ذکر ہُو میں ایسا مشغول ہو کہ خود مذکور ہو جائے۔ فنا در فنا یہی مقام ہے۔ وَبِیْ یُسْمَعُ وَبِیْ یُبْصَرُ کا ظہور یہی ہوتا ہے۔ سالک خود یہاں نورِ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔ آگے جو کچھ ہوتا ہے، بیان کا یا رائی نہیں۔ جو دیکھتا وہی جانتا ہے۔

دیگر نشست مربع:

چہار زانو رو بہ قبلہ دائیں پاؤں کے انگوٹھے سے رگ سیاس لگو جو کہ زبائیں ران کے نیچے ہے، خوب مضبوط پکڑے۔ اپنے دونوں ہاتھ دونوں زانو پر رکھے، اور پشت سیدھی کر کے ذکر نفی و اثبات شروع کرے۔ نفی کے وقت دونوں ہاتھوں کی دو انگلیاں اس خیال سے اٹھائے کہ غیر اللہ سے ہاتھ اٹھایا۔ اور اثبات کے وقت ثبوت ہستی مطلوب حقیقی کے خیال سے انگلیوں کو ران پر رکھے۔

اب اس طرح سے ذکر شروع کرے کہ سر کو بائیں زانو پر لے جائے، اس حد تک کہ پیشانی بائیں زانو کے قریب پہنچ جائے، اور کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا آغاز کرے۔ پھر سر کو زانوئے راست پر لاکر دورہ تمام کف راست پر پہنچائے۔ اور دم کو اس قدر دراز کرے کہ ضربات مٹلاش یکدم میں آئیں۔ یعنی یہ تصور:

☆ — بائیں گھٹنا محل شیطان یہاں پر شیطانی خطرات کی نفی،

☆ — دایاں گھٹنا محل نفس یہاں پر نفسانی خطرات کی نفی،

۱۔ رگ سیاس: گھنے کے جوڑ کے قریب پٹھے کے نیچے۔

☆ — دایاں شانہ محل فرشتہ کاتب اعمال خیر یہاں پر ملکی خطرات کی نفی

☆ — قلب محل درِ انوار الہی

سر، پشت اور کمر برابر کر کے سر کو اس خیال سے پس پشت قدرے خم کرے کہ تمام خطرات ماسوائے اللہ کو میں نے پس پشت ڈال دیا — وہاں سے تمام زور و قوت سے دل پر کلمہ **إِلَّا اللَّهُ** کی ضرب لگائے، اور یہ تصور کرے کہ عشق اور نور الہی کو دل میں لایا ہوں — نفی کی حالت میں آنکھیں بند رکھے اور اثبات کی حالت میں کھلی — لیکن کلمہ نفی میں:

مبتدی: لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ

متوسط: لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهَ

منتہی: لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ

اور کلمہ اثبات میں نور الہی اور ہمہ اوست کا تصور کرتا رہے — اور دس بار **مُحَمَّدُ الرَّسُولُ اللَّهُ** کہے۔ اسی طرح دو سو بار کہے — پھر تھوڑی دیر مراقب ہو کر یہ تصور کرے کہ عرش سے نور الہی میرے دل میں آتا ہے — پھر ذکر میں مشغول ہو۔

اس طرح سے بھی ہے کہ لاکو دل سے نکالے اور **إِلَّا اللَّهُ** کو کف راست (دائیں شانے) پر لائے، اور سر کو مائل بہ پشت کر کے یہ تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل سے نکال کر میں نے پس پشت ڈال دیا — مذکورہ بالا ملاحظات سے زور و قوت سے دل پر **إِلَّا اللَّهُ** کی ضرب لگائے —

☆ — لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ ملاحظہ شریعت ہے —

☆ — لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهَ ملاحظہ طریقت ہے —

☆ — لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ ملاحظہ حقیقت، ہمہ اوست اور ملاحظہ معرفت ہے۔

یاد رہے کہ:

☆ — خطرہ شیطانی، خطرہ معصیت ہے،

- ☆ — خطرہ نفسانی، خطرہ تنعم لذات و شہوات ہے،
- ☆ — خطرہ ملکی، خطرہ عبادت و طاعت ہے،
- ☆ — خطرہ رحمانی، خطرہ درود و محبت اور عرفان حق تعالیٰ ہے —
- اور عرفان ہمیشہ مشاہدہ حق میں رہتا ہے۔

ذکر آورد (ح)، ذکر برد (ق):

اس کو ذکر فنا و بقا اور ذکر جبروتی و ذکر لاہوتی بھی کہتے ہیں —

یہ دو طریقہ پر ہے:

- ☆ — ایک طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے قبلہ رخ مربع نشست رگ کیماس بائیں پاؤں کو انگشت زدائیں پاؤں سے مضبوط پکڑے، دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر رکھے — اور مقعد کو اس طرح اوپر کھینچے کہ ہر دوسرین ایک ہو جائیں — شکم کو پشت سے ملا دے اور سر، سینہ اور کمر کو برابر کر کے اس طرح ذکر کریں۔
- ☆ — دائیں شانے کی طرف منہ پھیر کے ہا کہے، اور
- ☆ — بائیں شانے کی طرف ہو، اور سر جھکا کر دل پر ہی کی ضرب لگائے۔
- اسی طرح پیاپے مشغول ہو —

☆ — دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہا کی ضرب ناف میں، ہو کی ضرب دماغ میں اور ہی کی ضرب دل پر لگاتے ہیں — سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہ العزیز ہر دو طرح ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اس تصور سے ذکر کرے۔ لائقین کو ہا ہی ہویت کہتے ہیں — اذل حرف ہ حرف بسیط ہے، جیسے بغیر حرکت پڑھنا دشوار، لہذا یہ اشباع حرکت فتح بحرف ہ رجوع کیا۔ الف پیدا ہوا — مرتبہ احدیت میں الف احد سے عبارت ہے — اسم اعظم ہا پر مد () بہ صورت تعیین اور تقید احد اس کا نام یکتا ہوا۔ ایک مرتبہ حاصل ہوا — پھر اس حرف نے دوسری حرکت طلب کی، فتح سے ضمہ کی طرف مائل ہو کر منضم بہ واؤ ہوا — واؤ سے یہ مراد ہے کہ وہ بہ شش مراتب کے موجود ہے اور یہ مراتب واجب الوجود کی طرف اشارہ ہے۔ اس کو ہو کہتے ہیں۔ یہ

شش مراتب یہ ہیں:

☆ — علم
☆ — شہود
☆ — نور
☆ — روح
☆ — وجود
☆ — مثال

واجب الوجود نے ان مراتب کے ساتھ تعین پایا ہے — پھر وہ حرف ہ مخفف بہ صورت ہی مثل مبدل ہوا۔ مرکب بیا فتح اور ضم نے حرف با سے شدت کے ساتھ صورت پکڑی۔ اس لیے کہ جامع کون و مکان ہے، اس سے مراد عقول عشرہ ہے۔ چنانچہ ذکر کے وقت کلمہ ہا میں مرتبہ احد تصور کرے — اور ہُو کہنے میں واجب الوجود کو بہ شش مراتب مذکورہ ثابت کرے، — اور کلمہ جہی صورت مثال، کہ، غیب و شہادت ایک بند میں پیوند ہیں۔

— اثبات کرے تو تمام کرۂ عرش کو ایک ذی حیات حیوان تصور کرے —
حضرت غوث صدیقی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرۃ العزیز نے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے ہا — اور اِلَّا اللَّهُ سے هُوَ — اور مُحَمَّدُ الرَّسُولُ اللَّهِ سے جہی اختصار فرمایا ہے — اس ہی کو حسی کے ساتھ مبدل فرمایا — ابوالارواح کہ ابوالاجزاء کی حقیقت مرتبہ جامع میں بہ تصور حسی ثابت کرے — جب تعین و تقید سے باہر آئے گا تو کرۂ عرش ایک حیوان کی صورت میں ظاہر ہو کے انسانی زبان میں جی کہے گا۔ اس وقت اس ذکر کے بے حد و حصر ثمرات و فوائد ظہور میں آئیں گے۔

ذکر مکاشفہ:

جلسہ مرابع بائیں زانو سے یا ہُو کہتے ہوئے سر کی گردش دائیں زانو اور کتف راست بائیں زانو تک پہنچائے — پھر اسی طرح بائیں ہُو کی گردش بائیں زانو سے دائیں زانو تک پہنچائے — پھر یہاں سے یَسْمَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گردش بالملاحظہ واسطہ بائیں زانو سے بے نفی پر سرہ خطرات دائیں شانے پر تمام کر کے اِلَّا کو دماغ میں لے جا کر دل پر ہو کی تین ضربیں لگائے۔^۱

۱ اس ذکر کی مشق سے کشف بڑھے گا۔ بلید طبیعت بھی کھل جائے قبض اگر لاحق ہو گیا ہو توسط پیدا ہو جائے گا

ذکر بارہ تسبیح:

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ تسبیح نفی اور چار تسبیح اثبات — اور چھ تسبیح اثبات، اور چھ تسبیح اسم ذات ہمیشہ بالملاحظہ و واسطہ پڑھتا رہے — انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں نور حق سے منور ہوگا۔

ذکر کڑکا حیدری:

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَاللَّهُ
الْحَمْدُ — پیر و مرشد سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری فرمایا کرتے تھے کہ یہ
ذکر ہمارا خاندانی، آبائی و اجدادی ہے — اس کی ترکیب یہ ہے کہ دو زانو ہو کر اپنے
دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھے — اللَّهُ أَكْبَرُ کی ضرب دائیں طرف اور پھر اللَّهُ أَكْبَرُ کی
ضرب بائیں طرف لگا کر لاکوناف سے نکالے — بائیں زانو، دائیں زانو اور دائیں
کندھے سے اوپر تین ضربیں لگائے:

☆ — لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی ضرب دماغ میں،

☆ — اللَّهُ أَكْبَرُ کی ضرب قلب پر،

بالملاحظہ و واسطہ لگائے — اور

☆ — وَاللَّهُ أَكْبَرُ کی ضرب دائیں کندھے پر،

☆ — اللَّهُ أَكْبَرُ کی ضرب بائیں کندھے پر

☆ — وَاللَّهُ الْحَمْدُ کی ضرب دماغ میں لگائے

اس طرح بار بار کرتا رہے تاکہ بے خودی طاری ہو۔

ذکر حدادی:

• دونوں زانوؤں پر ہاتھ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو جیسے لوہار کھڑا ہوتا ہے۔ ہر سہ
خطرات کی نفی کرتے ہوئے بائیں طرف سے بالملاحظہ و واسطہ ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ شروع کرے،
— بیٹھے وقت تمام قوت سے دل پر إِلَّا اللَّهُ کی ضرب پوری شدت سے لگائے اور

دونوں ہاتھ سے اس طرح اشارہ بھی کرے جیسے لوہار ہتھوڑے کو لوہے پر مارتا ہے۔ برابر لگاتار اس طرح کھڑے ہوں اور بیٹھیں اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مبارک ذکر کرتے ہوئے معاصی سے آلودہ قلب پر ضربات لگائیں اور ماسوا اللہ کا زنگ دور کریں۔ کثرت و مداومت ضرور ہے اور فائدہ بے شمار!

ذکر آیت الکرسی:

ہر سہ خطرات کی نفی کرتے ہوئے بالملاحظہ و واسطہ دل پر اللہ کی ضرب لگائے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں سر کو بائیں طرف سے دائیں طرف حرکت دے کر اِلَّا کو دماغ میں لے جائے۔ اور دل پر ثبوت ذات پاک ہو کی ضرب لگائے۔ اَلْحَيُّ کی ضرب دائیں طرف اور اَلْقَيُّومُ کی ضرب بائیں طرف لگائے۔ اسی طرح ہر روز ہزار بار تکرار کرتا رہے۔ انشاء اللہ چند دن میں انکشاف ملکوتی شروع ہو جائے گا۔

ذکر پاس انفاس:

لَا إِلَهَ كُوزُور سے سانس کے ساتھ کھینچ کر مغز میں لے جائے۔ جب سانس میں تنگی و دشواری ہو تو اِلَّا اللَّهُ کے ساتھ دم (سانس) کو آہستہ سے چھوڑے کہ معلوم نہ ہو، بارعایت ملاحظہ و واسطہ۔ اور نظرتاف پر رکھے۔ اسی طرح ہمیشہ دھن بستہ پاس انفاس میں مشغول رہے۔ سانس کو آہستہ چھوڑنے کو ”آراکی“ کہتے ہیں۔ جب سانس اوپر نیچے بادم حیات ہو کر ایک ہو جاتا ہے تو اسے ”مجمع البحرین“ کہتے ہیں۔ یہ مقام ”آب حیات“ ہے۔ اس وقت کالروح ہو جاتا ہے، عالم طیر و سیر پیش آتا ہے۔ اور علم لدنی وَعَلْمُنَاہُ مِنْ لَدُنَّا عَلْمًا رُوْمَا ہوتا ہے۔ عمر کی درازی اور خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوتی ہے۔ صاحب تجرید و تفرید اور صاحب تصرف روزگار ہوتا ہے۔ لیکن اس میں ترک جماع شرط ہے، اس کے بغیر ممکن نہیں۔ ذکر پاس انفاس مذکورہ شرف عظیم اور برکت ہائے عمیم رکھتا ہے۔ یہ ذکر عارفان خدا کا ذکر ہے۔

ذکر فنا و بقا:

ذکر فنا و بقا آٹھ قسم کا ہے:

- (۱) — دائیں زانو کو کھڑا اور بائیں زانو کو طے کر کے بیٹھے۔ کلمہ **إِلَّا اللهُ** کی ایک ضرب کھڑے زانو پر اور ایک ضرب دل پر لگائے۔ — دمامد اسی طرح کرتا رہے لیکن نئی کو مفہوم رکھے۔
- (۲) — دونوں زانو کھڑا کرے۔ — پھر نیم خیز ہو کر حالتِ ضرب میں سینہ کو پیش کر کے ضرب لگائے۔
- (۳) — کھڑے ہو کر دائیں پاؤں کو تھوڑا آگے کر کے رکھے۔ اور حالتِ رکوع میں پہلی ضرب زمین پر اور دوسری ضرب کھڑے ہو کر دل پر لگائے۔
- (۴) — چار مصحف ہر چہار طرف اور ایک اپنے سامنے کھول کر رکھے۔
 - ☆ — دائیں طرف کے مصحف پر **يَا حَيُّ** کی ضرب،
 - ☆ — بائیں طرف کے مصحف پر **يَا قَيُّوْم** کی ضرب،
 - ☆ — سوئم مصحف پر **يَا سَمِيع** کی ضرب،
 - ☆ — چہارم مصحف پر **يَا عَلِيم** کی ضرب لگائے
- ☆ — اول پیش مصحف پر **إِلَّا اللهُ** کی ضرب اور دوسری ضرب دل پر لگائے۔
- (۵) — آگ کی انگیٹھی سامنے رکھے۔ — پہلی ضرب آگ پر اور دوسری ضرب دل پر لگائے۔ — اس میں انکشاف بہت ہے، کسی سے نہ کہے۔
- (۶) — سیدھا لیٹے۔ اول ضرب دائیں طرف اور دوسری ضرب دل پر لگائے۔
- (۷) — دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھول کر پیشانی پر رکھے اور ضرب لگائے۔ — پھر کفِ راست پر دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں رکھ کر ضرب لگائے۔ — پھر کفِ چپ پر رکھ کر ضرب لگائے۔ — پھر دل پر رکھ کر **إِلَّا اللهُ** کی ضرب لگائے۔
- (۸) — فنائے خود اور بقائے ذاتِ حق کے تصور سے قدم آگے بڑھا کر ضرب

لگائے۔ پھر قدم ہٹا کر دل میں ضرب لگائے۔

ذکر کشف روح مبارک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

نماز عشاء کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مثالیہ کا تصور کر کے پہلے درود شریف پڑھے۔ پھر اس طرح ذکر میں مشغول ہو کر:

☆ — دائیں طرف یا اَحْمَدُ

☆ — بائیں طرف یا مُحَمَّدُ، اور

☆ — دل پر یا رَسُوْلَ اللّٰهِ

کی ضرب لگائے۔ گیاه سوگیارہ (۱۱۱۱) مرتبہ ذکر کر کے، قبلہ رُخ منہ کر کے یہ صورت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو جائے۔ دیدار پر انوار سے مشرف ہوگا۔

ذکر برائے کشف ملائکہ و ہر روح کہ باشد:

نماز عشاء کے بعد اول بست و یکبار یا رَبُّ و یا رُوْحُ الْاَزْوَاجِ کی ضرب دل پر لگائے۔ پھر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دس بار یا رِیْا رُوْحِ یا رُوْحِ کہے۔ پھر اس طرح ذکر میں مشغول ہو کر:

☆ — دائیں طرف سُبُوْحُ

☆ — بائیں طرف قُدُوْسُ

☆ — آسمان کی طرف رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ

☆ — دل میں وَالرُّوْحِ کی ضرب لگائے۔

حصول مراد تک اسی طرح ہر روز گیارہ سوگیارہ (۱۱۱۱) بار پڑھتا رہے۔ روزانہ ذکر کرنے سے انشاء اللہ کشف ملائکہ و کشف ارواح جلد حاصل ہو۔ حصول مقصود تک برابر کئے جائیں۔

۱۔ دوران ذکر جب نیند کی کیفیت طاری ہونے لگے امید کہ اگر سرکار کرم فرمائیں تو اپنا جمال انور خواب میں دکھائیں بلکہ اگر ذوق و شوق بڑھ جائے۔ اس ذکر میں بھی ایسی تجویز طاری ہو جائے کیا عجب کہ بین النجوم الیقظہ اسی حالت میں پردہ اٹھائیں اور جمال انوار دکھائیں۔

کشف ارواح:

حسب معمول چہار زانو بیٹھے۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر پہلے اکیس بار یسار ب کہیں (دل پر ضرب دیتے ہوئے) پھر آسمان کی طرف یسار وُح اور دل پر یسار وُح الوُح ضرب کرتے رہیے جس قدر ہو سکے۔ اس کے بعد مراقب ہو کر مطلوب کی روح کی طرف دھیان جمائیں۔ امید ہے کہ وہ ملاقی ہو اور جو باتیں آپ کرنا چاہیں اس سے کر لیں۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے کہ یک سوئی کی عادت ہو چکی اور قلب جلا پا چکا ہو۔

ذکر برائے کشف قبور:

جب یکسوئی کی عادت بڑھ جائے قلب میں جلا پیدا ہو جائے کسی قبر کے پاس بیٹھ کر پہلے صاحب قبر کی روح کو ثواب بخشے۔ — پھر اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو کر کہے: اِكشِفْ لِيْ يَا نُورُ — پھر دل پر اسی کی ضرب لگائے، پھر قبر پر عَنْ خَالِهْ کی ضرب لگائے — اسی طرح گیارہ سو گیارہ (۱۱۱۱) دفعہ ضرب لگا کر اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مفید مطلب ہوگا اور صاحب قبر کی حالت مکشوف ہو جائے گی ان سے باتیں بھی ہوں، فیض بھی ملے۔

ذکر برائے کشف دقائق آئندہ و حصول امور مشكلہ:

نماز مغرب یا نماز تہجد کے بعد اس طرح سے ذکر کرے:

○ — ایک ترکیب یوں ہے:

☆ — دائیں طرف يَا حَيُّ

☆ — بائیں طرف يَا قَيُّوْمُ

☆ — آسمان کی طرف يَا وَهَّابُ، اور

☆ — دل میں يَا اَللّٰهْ كِي ضَرْب لْگائے۔

اسی طرح گیارہ سو گیارہ (۱۱۱۱) بار حصول مراد تک کہتا رہے۔

○ — دوسری ترکیب اس طرح سے ہے:

☆ — دائیں طرف یا آخذ

☆ — بائیں طرف یا صَمَدُ

☆ — کتف راست جانب یا حِثِّي

☆ — دل میں یا قِيَوْمُ

کی ضرب لگائے۔ اور حصول مراد تک گیارہ سو گیارہ بار پڑھتا رہے۔

اول خمسہ اور اِدِقَادِرِیہ غوثیہ:

☆ — بعد نماز فجر:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ —

ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار یا تین سو ساٹھ (۳۶۰) بار پڑھے۔ لیکن:

○ — جب یا حِثِّي یا قِيَوْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ کہے تو اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھائے۔

○ — جب اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ کہے تو منہ سینہ و قلب کی طرف لائے مگر ضرب نہ لگائے۔

جب اس ورد کی تعداد پوری ہو چکے تو آخر میں گیارہ بار:

فَاَسْتَجِبْنَا وَنَجِّنَا مِنَ الْعَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ پڑھ لیا کرے۔

☆ — بعد نماز ظہر:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ: — ایک سو گیارہ یا تین سو ساٹھ بار۔

☆ — بعد نماز عصر:

فَسَهِّلْ يَا اِلٰهِيْ كُلَّ صَعْبٍ بِحُرْمَتِ سَيِّدِ الْاَبْرَارِ سَهِّلْ:

ایک سو گیارہ بار یا تین سو ساٹھ بار

حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ:

ایک سو گیارہ بار یا تین سو ساٹھ بار

☆ — بعد نماز مغرب:

○ — دس مرتبہ یہ اعتصام پڑھے:

اللَّهُ الصَّمَدِيُّ مِنْ عِنْدِكَ مَدَدِي وَعَلَيْكَ مُعْتَمِدِي

○ — پھر یہ درود شریف پڑھے:

زَادِ عَلِيًّا مَظْهَرُ الْعَجَائِبِ تَجِدُهُ عَوْنَا لَكَ فِي النَّوَائِبِ لِيْ اِلَى
اللَّهِ حَاجَةٌ مِنْ كُلِّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجِلِيْ بِنُورِكَ يَا مُحَمَّدُ
وَبِوَلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ — اسے دس سے زیادہ نہ
پڑھے۔

○ — پھر اس اعتصام کو دس بار پڑھے:

يَا اَبَا الْعَيْتِ اَعِثْنِيْ وَيَا عَلِيُّ اَذْرِ كُنِيْ بِمُحَمَّدٍ وَعِزَّتِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

○ — پھر اس آیت کو ایک سو گیارہ بار پڑھے:

رَبِّ اِنِّيْ مَسْنِي الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

☆ بعد نماز عشاء:

○ — ایک سو گیارہ بار یا تین سو ساٹھ بار پڑھے کہ:

يَا شَيْخَ عَبْدِ الْقَادِرِ جِيْلَانِيْ شَيْئًا لِلَّهِ

○ — ایک سو گیارہ بار اس آیت کو پڑھے:

وَأَفْوِضْ أَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ

ہر ورد کے اول و آخر ایک سو گیارہ بار درود شریف پڑھے —

تعلیمِ خمسہ ازکار:

جب طالب صادق اور ادکی محنت کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اس کو خمسہ ازکار کی تعلیم

دیتے ہیں۔ مثلاً

- ☆ — صبح کی نماز کے بعد ذکر نفی و اثبات بموجب لطائف قلب
 - ☆ — نماز ظہر کے بعد ذکر ارہ نفی و اثبات،
 - ☆ — نماز عصر کے بعد پاس انفاس نفی و اثبات
 - ☆ — نماز مغرب کے بعد ذکر مکاشفہ اور
 - ☆ — بعد نماز عشاء ذکر تکبیر مجاہدین یعنی کڑکا حیدری
- اور اس کے بعد یہ رسمہ تعلیم ہوتا ہے:

ذکر سہ پایہ، دورہ قادری:

- ☆ — ذکر روح ☆ — ذکر پاس انفاس اسم ذات
 - ☆ — ذکر ارہ باسم ذات
- ذکر آ اور دبرد جو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مخصوص تھا — ان کے علاوہ اور قسم کے اذکار کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔
- ### ذکر اسم ذات:

یہ ذکر قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ اللّٰهُ وَ لَهٗ سے ماخوذ ہے — واؤ، الف سے بدل گیا تو اللّٰهُ ہوا — اللّٰهُ کے معنی ہیں:

”جاذب، جذب کنندہ عالم و اشیاء کل عالم — جملہ عقول کو اپنی حقیقت سے حیرت میں ڈالنے والا۔“

ذکر اسم ذات سات ضربوں (ہفت ضربی) سے کیا جاتا ہے:

- ☆ — ایک ضربی: قبلہ رخ ہو کر منہ دائیں طرف پھرا کر دل پر اللّٰہ کی ضرب لگائے۔

☆ — دو ضربی: روح اور دل پر ضرب لگائے۔

☆ — سہ ضربی: چپ و راست اور دل پر ضرب لگائے۔

☆ — چہار ضربی: راست، چپ، پیش اور دل پر ضرب لگائے۔

- ☆ — پنج ضروبى: راست، چپ، پیش و پس اور دل پر ضرب لگائے۔
 ☆ — شش ضروبى: راست، چپ، پیش و پس، فوق اور دل پر ضرب لگائے۔
 اسی طرح بار بار کرتا رہے — اگر ضربات کے بغیر زبانی ذکر کرے تو ہر روز
 ایک لاکھ پچیس ہزار بار پڑھتا رہے۔

تَطْمِئِنُ الْقُلُوبُ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمِئِنُ الْقُلُوبُ

ذکر قلندری:

دائیں طرف سے کلمہ اللہ کو شروع کرے اور دل پر ہو کی ضرب لگائے۔ ابتداء
 میں آہستہ آہستہ پھر جیسے جیسے جوش آتا جائے، آواز کو بلند کرتا جائے — پھر ذکر خفی
 یہ جس دم کرے۔ یعنی:

هُوَ اللَّهُ كُونَا فِى لَمَّا كَرَامِ الدَّمَاغِ تَمَّكَ لَمَّا كَرَّ جَسْمِ دَمِ كَرَّ، اور هُوَ اللَّهُ
 كِى جَنبِشِ نَافِ مِىں دے — جَب تَحْكَى نَفْسَ (سَانَسِ مِىں دِشْوَارِى) هُوَ جَائِى تُو بَه لَفْظِ
 اللَّهُ هُوَ دَمِ كُو چھوڑ دے۔

اسی طرح بار بار کرے — اس میں بہت کچھ اثر ہے، جو کرے گا دیکھے گا۔ طیر
 و سیر و ساز سب کچھ اپنے جسم میں پائے گا۔

ذکر قلبی اسم ذات:

اگر چالیس دن تک ہر روز شب و دل سے اسم ذات کا ذکر کرے — چالیس
 روز میں انکشاف عالم ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت و ہا ہوت ہوگا، اور ایک ایسی
 حالت پیدا ہوگی کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ غرض سوائے ذات بحت کے اسے کچھ نظر نہیں
 آئے گا۔

ذکر ارہ جلسہ مربع:

قبلہ رُخ آنکھیں بند کر کے زبان تالو سے لگائے، اسم ذات ناف سے بہ شدت
 تمام بہ دم واثر گوں کھینچ کر دائیں شانے پر لائے — اور ہسوں کی ضرب بہ قوت تمام

دل پر لگائے: میرے ارہ کش لکڑی پر ارہ کو کھینچتا ہے — اسی طرح دما دم نفس کو بزور آواز سخت، بالملاحظہ و صفات امہات و واسطہ جاری رکھے — اور یہ تصور کرے کہ میرے قلب پر ارہ چلتا ہے اور برادے کی بجائے دل سے نور کے صاف ذرات ہو کے ساتھ گرتے ہیں، اور ان سے میرا تمام جسم منور ہوتا جاتا ہے — اسی طرح ذکر ازہ نفی و اثبات میں بھی کیا جاتا ہے۔

ذکر اسم ذات یک ضربی:

اللہ کہتے ہوئے منہ دائیں شانے کی طرف بلند کر کے دل پر ھُو کی ضرب ایسے زور سے لگائے کہ بائیں پہلو خم ہو جائے — اَل — لَا — ھُو — پہلی اور دوسری ضرب معمولی اور تیسری ضرب بہت سخت ہو اسم ذات کو ایک اسم اسماء صفات امہات سبع سے متصف کرے، اور دما دم اس کو کرتا رہے، یہاں تک کہ بے خودی طاری ہو۔

ذکر روح:

اس کی ضربات اس طرح سے ہیں:

☆ — دائیں پہلو پر ھُو الْأَوَّلُ کی ضرب

☆ — بائیں پہلو پر ھُو الْأَخْرُ کی ضرب،

☆ — دونوں زانوؤں کے درمیان ھُو الظَّاهِرُ کی ضرب،

☆ — دل پر ھُو الْبَاطِنُ کی ضرب لگائے

بار بار اسی طرح کرتا رہے۔

ذکر پیاس انفاس اسم ذات:

جب سانس نیچے جائے اللہ کہے، اور ھُو کے ساتھ باہر آئے — ہمیشہ دل پر خیال رکھے اور دل کو نور سے معمور دیکھے — چند روز میں ذاتی انوار سے مشرف ہوگا۔ لیکن ہر وقت یہی تصور رکھے۔

ذکر سہ پایہ دورہ قادریہ:

قبل رُخ دوزانو بیٹھے۔ آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگائے، جس دم کر کے خط نورانی کونور سے ملاحظہ کرتے ہوئے دل سے اس طرح ذکر کرے کہ:

اللَّهُ سَمِيعٌ کوناف سے وسط سینہ میں لائے (کہ مقام لطیفہ سر ہے)۔ پھر سینہ سے اللَّهُ بَصِيرٌ کہتا ہوا ام الدماغ تک لے جائے۔ وہاں سے اللَّهُ عَلِيمٌ کو عرش تک پہنچائے۔ پھر اللَّهُ عَلِيمٌ کو عرش سے ام الدماغ میں۔ اور دماغ سے اللَّهُ بَصِيرٌ کو سینہ میں۔ اور سینہ سے اللَّهُ سَمِيعٌ کوناف میں لائے۔ یہ ایک دورہ ہوا۔

اسی طرح بار بار عروج و نزول کرتا رہے۔ اس کے ثمرات قلم میں نہیں آسکتے۔

ذکر سہ پایہ دورہ قادریہ (ایضاً):

ذکر سہ پایہ کے تین رکن ہیں:

- ☆ — اسم ذات کو مقام حدیث نفس میں،
- ☆ — ملاحظہ صفات امہات کو محل خطرہ میں،
- ☆ — نظر دل اس کے مرکز میں قائم کرے۔

اس لیے اس کا نام سہ پایہ ہے۔ جب اسماء صفات کو اسم ذات میں ملاتے ہیں تو اصطلاح صوفیہ کرام میں "ملاحظہ اور ارادہ" کہتے ہیں۔ اس منظور کو "تصور و واسطہ و رابطہ و برزخ" کہتے ہیں۔

اس ذکر میں آٹھ شرطیں ہیں:

- ☆ — چار داخلی یعنی: شد، مد، تحت، فوق
- ان کے بغیر ذکر نہیں ہوتا۔

- ☆ — پنجم محاربہ — ششم مراقبہ،

یہ دو شرطیں متداخلی ہیں — تداخل محار بہ شد میں ہے، اور تداخل مراقبہ ملاحظہ میں۔

☆ — ہفتم محاسبہ — ہفتم مواعظہ
یہ دو شرطیں خارجی ہیں۔

برزخ و ذات و صفات، شد و مد و تحت و فوق

می نماید طالبان را کُلِّ نَفْسٍ ذَوْقٍ وَ شَوْقٍ

”برزخ اور ذات و صفات، شد و مد اور سب نشیب و فراز اور ہر نفس کی فنا کا تماشا طالبوں کو ذوق و شوق پیدا کرتا ہے۔ اور پھر وہ حقیقت کا نظارہ کرتے ہیں۔“

اقسام برزخ:

برزخ یعنی واسطہ و رابطہ تین اقسام پر ہے:

(۱) — ذکر کے وقت صورت مرشد کو دل کی نظر میں رکھے۔ دل جمال مرشد سے منور ہے کہ صورت مرشد جمال الہی ہے۔

(۲) — اپنی صورت کو آئینے میں دیکھ کر دل کی نظر اپنی صورت پر قائم کرے۔

(۳) — اسم اللہ کے نقش کو طلائی رنگ میں تصور کر کے دل کی نظر اس پر رکھے۔

کیونکہ واسطے کے بغیر اثر کم ہوتا ہے — اول قسم متعدی، دوئم لازمی اور سوئم متوسط ہے۔

ذات سے مراد اسم ذات ہے۔ اس کے معنی دل میں موجود رکھے یعنی

جذب کنندہ جمع عوالم اور صفات عبارت اسماء ائمه سے ہے یعنی سَمِيعٌ بَصِيرٌ عَلِيمٌ

— ”احوال و اقوال و افعال بلحاظ معانی شتونندہ، بنیدہ، دانندہ“

یعنی تمہارے احوال و اقوال و افعال کو خوب سنتا، دیکھتا جانتا ہے۔

اور شد مراد برآوردن ہمزہ اسم ذات بہ نختی جانب فوق — اور مد، عبارت

کشیدن الف اسم ذات — جو لام کے آگے اس کے کھینچنے سے پیدا ہوتا ہے —

اور تحت مراد ہے سر کو ناف کی طرف لے جانا — اور فوق برداشتن سر بہ طرف ام

الدامغ۔

اقسام محاربہ:

محاربہ: — یہ دو قسم ہے:

☆ — دوسرا کبیر

☆ — ایک صغیر

محاربہ صغیر یہ ہے کہ منہ بند کر کے زبان کو تالو سے لگا کر سانس کو ناف کے پاس روکے اور دل سے اسم ذات اللہ کا ذکر با ملاحظہ و واسطہ، شد و مد، تحت و فوق کریں۔ ایک سانس کے روکنے کی مدت میں جس قدر آسانی سے ہو سکے پھر آہستہ آہستہ سانس کو چھوڑیے اور بتدریج ہر جس میں ذکر کی تعداد بڑھائیں، حتیٰ کہ ایک جس میں چالیس بار ہو جائے۔

چالیس سے زیادہ سو تک محاربہ کبیر ہے — جب ایک سو سے دو سو تک شرائط مذکورہ کے ساتھ ذکر اللہ بڑھ جائے تو یہ مقام محویت و استغراق کہلاتا ہے۔
دیگر طریق محاربہ یہ ہے کہ:

منہ بند کر کے سانس کو ناف کے پاس (جو محل نفس ہے) روک کر ناف سے لاکو اٹھائیں اور خیال ہی خیال میں کھینچتے ہوئے دائیں شانہ تک لائیں۔ دائیں شانہ سے اللہ کے ہمزہ کو اٹھا کر لاکو کھینچ کر دماغ تک پہنچا کر ہ کو عرش تک لے جائیں۔ وہاں سے انوار الہی کو لیے ہوئے الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائیں۔ پوری رعایت ملاحظہ و واسطہ و شد و مد و تحت و فوق کے ساتھ ازل دم میں ایک بار کہیے۔ پھر آہستہ سے سانس چھوڑیے اور زبان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیے۔ دو ایک دن اسی کی مشق کریں۔ ایک جلسہ (نشست) میں اس قسم کا جس دس بار کریں۔ جب جم جائے تب تعداد بڑھائیں کہ ایک جس میں تین بار ہو۔ دو تین دن بعد ایک جس میں پانچ بار کریں۔ اسی طرح مشق کرتے ہوئے بتدریج دوسرے تیسرے دن بڑھاتے رہیں۔ مگر تعداد ہمیشہ طاق رہے۔ ایک جس میں تین بار مجموعی تعداد دس مرتبہ کے جس میں تیس ہو جائے گی اور پانچ بار ہوگا تو پچاس ہو جائے گی۔ ذکر کی تعداد یہاں تک

بڑھائیں کہ محویت و استغراق حاصل ہو جائے۔

مخار بہ میں ضروری ہدایت ہے کہ دونوں طریقوں میں ذکر سے فارغ ہونے پر فوراً ٹھنڈا پانی نہ پیئیں — ٹھنڈی ہوا میں نہ نکل آئیں — پسینہ آ جائے تو کپڑے نہ اتار ڈالیں۔ یہ ظاہری رعایتیں اشد ضروری ہیں۔

سلطان الاذکار:

مقام محویت و استغراق کے بعد سلطان الاذکار ظہور کرتا ہے — اس کی ترکیب یہ ہے کہ مربع نشست میں دم کو ناف سے کھینچ کر ام الدماغ میں جس کر کے:

☆ — بی یَسْمَعُ کے تصور میں اللَّهُ سَمِيعٌ کی ضرب دماغ میں،

☆ — بی یُبْصِرُ کے تصور میں اللَّهُ بَصِيرٌ کی ضرب دل میں

☆ — بی یَنْطِقُ کے تصور میں اللَّهُ عَلِيمٌ کی ضرب ناف میں لگائے

— پھر دماغ میں: اللَّهُ غَلِيْمٌ — — — دل پر: اللَّهُ

بَصِيْرٌ — — — اور — — — ناف میں: اللَّهُ سَمِيعٌ کی ضرب

لگائے —

اس طرح عروج و نزول کرتا رہے۔ معانی اسماء صفات دل میں رکھے تاکہ مفہوم ملاحظہ بخوبی حاصل ہو — خیال کو ملاحظہ میں رکھے تاکہ خطرہ مسدود ہو — نظر دل دماغ واسطے پر رہے تاکہ فنا فی اللہ میسر آئے اور ذکر و مذکور باقی نہ رہے۔

اذکار میں احوال کی رونمائی:

ان اذکار میں تین حال رونما ہوتے ہیں:

☆ — قرب نوافل ☆ — قرب فرائض ☆ — عین رویت اللہ

(۱) طالب صادق جب اذکار جبریہ، خفیہ و سریہ سے بفضلہ تعالیٰ ترقی کرتا ہے تو

ذکر رومی اور مشاہدہ میں پہنچتا ہے تو یہاں پر غلبہ اور ہیبت و جلال الہی سے بے ہوش

ہو جاتا ہے — جب ہوش میں آتا ہے تو اپنے آپ کو حقیر و عاجز دیکھتا ہے —

پھر ترقی کرتا ہے، اور انوار و جمال الہی میں مستغرق سالک کے حواسِ خمسہ معطل و بے کار

ہو جاتے ہیں۔ اور طالب کے دل میں تجلی قرار پکڑتی ہے۔ پھر سالک کی دید و شنید، علم و فضل، ارادہ و کلام وغیرہ عین خدا ہوتا ہے۔ اس مقام میں خدا آلہ اور سالک اس کا فاعل ہوتا ہے، اور جمیع اشیاء میں دیدہ باطن سے ہستی حق کو مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مرتبہ کو ”قرب نوافل و مقام مشاہدہ“ کہتے ہیں۔ اور اس کی نہایت نہیں۔ اس مرتبہ میں سالک کی نظر صنعت کی معرفت سے صانع کی طرف جاتی ہے۔ اس مرتبہ کمالیت میں طالب کو ”سالک مجذوب“ کہتے ہیں۔ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ فِيهِ۔

(۲) اس مرتبہ سے پھر ترقی کرتا ہے اور تجلی الہی بصورت اجسام سالک کے دل پر ظہور ہوتی ہے۔ اس مرتبہ میں سالک کی نظر معرفت صانع سے صنعت کی طرف ہوتی ہے، اور تجلی ذاتی عاشق کے دل پر ظہور کرتی ہے۔ اس تجلی میں نور الہی کو بے مثل و مانند دیکھتا ہے۔ ہستی حق کو کثرت اشیاء کے حجاب میں مشاہدہ کرتا ہے، جو کچھ صفات و افعال از خود یا دیگر موجودات سے دیکھتا ہے تو یقین کامل سے جانتا ہے کہ یہ صفات و افعال خدا تعالیٰ کے ہیں۔ اس مقام کا نام ”قرب فرائض“ ہے۔ جو اس مرتبہ کمالیت کو پہنچتا ہے اس کو ”مجذوب سالک“ کہتے ہیں۔ اس مقام میں تمام اشیاء میں ہستی ذات حق کو جلوہ گرد دیکھتا ہے۔ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ۔ یہ مقام بھی لانہایت ہے۔

(۳) طالب جب اس سے بھی ترقی کرتا ہے تو تجلی ذات بہ جمع صفات ظہور پکڑتی ہے، اور فنا در فنا حاصل کرتا ہے۔ مرتبہ سوئم میں صانع کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ مُكَلِّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ پھر بذات حق بقا حاصل کر کے روح کی آنکھ کے نور ذاتی سے ذات حق کو بے پردہ معائنہ کرتا ہے۔ اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

دل کی آنکھیں:

دل اگر کان رکھتا ہے تو اس کی دو آنکھیں بھی ہیں: ایک اوپر، ایک نیچے۔

☆ — بالائی چشم کشادہ ہے اور وہ جسم سے متعلق ہے —

☆ — اور چشم پائیں جو مسدود ہے، اس کا روح سے تعلق ہے۔

سالک جب ذکر جہر میں پہ کوشش تمام مد و شد، نحت و فوق کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو کچھ دیر بعد بالائی چشم بند ہونا شروع ہوتی ہے۔

— اور چشم زیریں ذکر خفی میں جس دم سے مفتوح ہونے لگتی ہے۔

خاندانِ قادریہ و چشتیہ میں رضوان اللہ علیہم اجمعین جس دم اصل الاصول اور شرط

اعظم ہے۔ اس لیے کہ جس دم کے بغیر چشم روح کشادہ نہیں ہوتی — لہذا ہر طالب

صادق کو لازم ہے کہ ذکر جہر و ذکر خفی میں جس دم کی بلیغ کوشش کرے۔ تاکہ چشم دل

عالم بین مسدود ہو، اور چشم روح ذات میں کشادہ — چشم روح کی کشادگی کے بغیر

انوار ذاتی کا حصول محال ہے۔

ذکر صلوة دائمی

صلوة دائمی کیا ہے؟

اذکار الہی میں سے ایک ذکر کا نام ”صلوة دائمی“ ہے۔ یہ ذکر اسم ذات اللہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ذکر کے معنی ہیں: ”یاد الہی“۔ صلوة بمعنی: نماز اور دائمی سے مراد ہمیشہ۔ مفہوم یہ ہوا کہ ذاکر اسم ذات اللہ کے ساتھ ہمیشہ اور ہر وقت حالت نماز میں ہے۔

اقسام نماز:

نماز دو قسم ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ جس میں تعین وقت اور رکوع و سجود وغیرہ کی شرط ہے۔ جیسے نماز پنجگانہ وغیرہ۔ اگر اس نماز پنجگانہ کے نمازی نے:

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ تَعْبُدَكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ کو قائم کر کے نماز ادا کی ہے یعنی با مشاہدہ یا با مراقبہ، تو بے شک یہ نماز مقبول اور فلاح دارین کا موجب ہے۔ اور جس نماز کی یہ شان و شوکت نہیں تو بقول شخصے: مجرا برباد گناہ لازم خالی از علت نہیں۔

(۲) دوسری قسم نماز کی یہ ہے کہ جس میں تعین وقت اور رکوع و سجود وغیرہ کی شرط نہیں ہے۔ اس نماز کا نمازی تعین وقت کے بغیر اور بغیر رکوع و سجود ہر وقت اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے۔ اس کو ”ذکر اللہ دوامی“ کہتے ہیں اور اسی کا نام ”صلوة دائمی“ ہے۔

فضائل صلوٰۃ دائمی:

یہ نماز جمع عبادات سے افضل و بہتر شمار کی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلِيَذْكُرِ اللّٰهُ اَكْبَرُ
 ”تحقیق نماز بے حیائی و بدکرداری سے روکتی ہے، البتہ اللہ کا ذکر سب سے
 افضل ہے۔“ (پ ۱۲ ع ۱)

یعنی جو نماز کہ بہ نظر مشاہدہ یعنی کسانک تراءہ — یا بطور مراقبہ یعنی فسانۂ
 یسراک ادا کی گئی ہے، وہ نماز بے حیائی اور بدکرداری سے روکتی ہے — اگر وہ نماز
 بغیر مشاہدہ و مراقبہ کے ہے تو وہ بے سود اور برباد ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ ذکر الہی جمیع اعمال پر بدرجہا فضیلت رکھتا
 ہے — رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ذکر اللہ کی فضیلت میں بہت
 کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ جسے خیر و برکت کے لیے باب چہارم میں پیش کیا جا چکا ہے۔
 صوفیاء کرام اللہ کے دوامی ذکر کو صلوٰۃ دائمی ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ
 اس نماز میں اطمینان قلب بدرجہ غایت نصیب ہوتا ہے — جیسا کہ ارشاد باری ہے:

تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

”دلوں کا اطمینان اللہ کی یاد میں ہے، خردوار رہو اللہ کی یاد میں دلوں کا
 اطمینان ہے۔“ (پ ۱۳ ع ۱۰، سورہ رعد)

اس نماز میں زیادہ خوبی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اس نماز سے نمازی کا قلب کبھی
 خدا سے غافل نہیں رہتا — اس کی قلبی حالت کسی طرح اور کسی حال میں متغیر نہیں
 ہوتی، بلکہ وہ اپنی اصلی حالت پر ہمیشہ قائم و برقرار رہتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الْاِنْسَانَ خَلَقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّ الْخَيْرُ
 مَنُوْعًا اِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰوةِهِمْ ذٰنِمُوْنَ.

(پ ۲۹، ع ۷، سورہ معارج)

”تحقیق انسان بے صبر پیدا کیا گیا ہے — جب تلگتی ہے اس کو برائی

اضطراب کرنے والا ہے۔ اور جب لگتی ہے بھلائی، منع و بخل کرنے

والا ہے۔ مگر وہ نمازی جو ہمیشہ اپنی نماز میں رہنے والے ہیں۔“

یعنی وہ نمازی جو ہمیشہ اپنی نماز میں ہے، کوئی برائی یا بھلائی ان کے دل کو ہلانہیں سکتی (یعنی ان کی ذات استقامت و عزیمت کی شان رکھتی ہے) وہ اپنی اصلی حالت پر قائم و برقرار رہتے ہیں۔

لہذا اگر نماز سے نماز منجگانہ مراد ہے تو اس نماز کے نمازی کی قلبی حالت برائی یا بھلائی کے پہنچنے پر قائم رہنی چاہئے۔ حالانکہ یہ حالت قائم نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نماز کے علاوہ کوئی اور نماز بھی ہے کہ جس کے پابند (نمازی) کی قلبی حالت ہر دو حال میں اپنی اصل حالت میں برقرار رہتی ہے۔ اور اس نماز کا نمازی تعین وقت کے بغیر اپنی نماز میں ہمیشہ مشغول رہتا ہے۔ صوفیاء کرام اسی نماز کو ”صلوٰۃ دائمی“ کہتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے، اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک صحابی کو اسی صلوٰۃ دائمی کی تعلیم فرمائی ہے۔ ابن ماجہ میں عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! تحقیق اسلام کے احکام مجھ پر بہت ہیں۔ لہذا مجھے خبر دیجئے ایک ایسی چیز کے ساتھ کہ میں اس کے ساتھ بھروسہ کروں۔“

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تیری زبان ہمیشہ ذکر خدا سے تر رہے۔“

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ احکام شریعت سے جس شخص کا پورے طور پر اطمینان قلب نہ ہو سکے تو وہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھے۔ اہل تصوف نے اس ذکر کا نام ”صلوٰۃ دائمی“ رکھا ہے۔ یہ ذکر پیر کامل کی تعلیم کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسے چاہئے کہ وہ اہل تصوف کی طرف رجوع کرے۔ ارشاد باری ہے:

فَسَلُّوْا اَهْلَ الدِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۷۷، ا ۱۱، انبیاء)

اہل ظواہر فرماتے ہیں کہ پہلوں سے دریافت کرو — جبکہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اہل تصوف و اولیاء اللہ سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو — اہل تصوف چونکہ ہمیشہ ذکر الہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لیے ان کا نام اہل الذکر رکھا گیا ہے — حدیث پاک میں ہے:

”جو شخص یہ ارادہ کرے میں اللہ کے ساتھ بیٹھوں، پس وہ صوفیوں میں بیٹھے کہ وہاں ذکر خدا کے سوا کچھ ذکر نہیں ہوتا۔“

یہ لوگ تَخَلَّقُوا بِاٰخِلَاقِ اللّٰهِ سے موصوف و بذکر الہی مشغول رہتے ہیں۔ ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا اور نشیند در حضور اولیاء ”جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا تقرب اور ہم نشینی حاصل ہو جائے، اسے کہہ دو کہ وہ اولیاء اللہ کی حضوری میں (مودب) بیٹھے۔“

بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَ تَحَوَّكْتُ شَفَاةً

”میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے، اور اس کے دوا ب میری یاد میں حرکت میں رہتے ہیں۔“

ایک اور حدیث قدسی شرح مثنوی میں ہے:

اَنَا جَلِيْسٌ مَنْ ذَكَرَنِيْ وَاَنْيَسُ مَنْ اسْتَأْنَسَ

”میں اس شخص کا ہم نشین ہوں جو مجھ کو یاد کرتا ہے، اور میں اس کا انیس ہوں، جو مجھ سے طلب انس کرتا ہے۔“

گر با ہمہ چو بے معنی بے ہمہ در بے ہمہ چو با معنی با ہمہ

”اگر کوئی شخص سب کے ساتھ ہے اور میرے بغیر ہے تو وہ کسی کے ساتھ نہیں ہے — اور اگر کوئی کسی کے ساتھ نہیں ہے اور میرے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو وہ گویا سب کے ساتھ ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کل سے تعلق ہی حقیقت میں تمام کا تعلق اور حصول ہے۔

ذکرِ صلوةِ دائمی کے پانچ وجود:

صوفیاء کرام ذکرِ صلوةِ دائمی کی پانچ وجود میں ہر وجود کی استعداد کے مطابق تعلیم فرماتے ہیں۔ وہ پانچ وجود یہ ہیں:

- (۱) — واجب الوجود
- (۲) — ممکن الوجود
- (۳) — ممتنع الوجود
- (۴) — عارف الوجود
- (۵) — واحد الوجود

ان وجودات میں ذکرِ صلوةِ دائمی کا طرزِ عمل اس طرح پر ہے:

ذِكْرُ اللِّسَانِ لِقَلْقَعَةٍ وَ ذِكْرُ الْقَلْبِ وَسَوْسَةٌ وَ ذِكْرُ الرُّوحِ
مُشَاهِدَةٌ وَ ذِكْرُ البِسْرِ مُعَانِيَةٌ وَ ذِكْرُ الخَفِيِّ مُغَائِبَةٌ

(۱) — واجب الوجود:

واجب الوجود عنصری ناسوتی میں ذکرِ لسانی کیا جاتا ہے، ذکرِ لسانی کو لقلقہ بھی کہتے ہیں — یعنی زبانِ خدا کے ذکر میں ہمیشہ تر اور متحرک رہے، کسی وقت بند نہ ہو — لقلقہ کے معنی ہیں ”حرکت کنندہ، حرکت پذیر“ — اس وجود میں ذکرِ لسانی کا نام صلوةِ دائمی ہے۔

(۲) — ممکن الوجود:

روحانی مثالی ملکوتی میں ذکرِ قلبی ہوتا ہے، جسے وسوسہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی قلب میں ذاتِ حق کو موصوف بہ جمیع صفات کا ملہ منظور رکھے — اور قلب کو ذاتِ حق سے کبھی غافل نہ ہونے دے — اس وجود میں اس کا نام صلوةِ دائمی ہے۔

(۳) — ممتنع الوجود:

ظلماتی جبروتی میں ذکرِ روجی مقرر ہے، جسے مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہر شے کی حقیقت میں ذاتِ حق کا مشاہدہ کرنا رہے، غفلت کو کبھی راہ نہ دے — حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ فِيهِ

”ہر شے کی حقیقت میں میں نے خدا کو دیکھا۔“

یہ ممتنع الوجود مانع صور اشیاء ہے — اسی کو حقائق اشیاء اور اعیان ثابتہ بھی کہتے ہیں کہ جس کا ظہور اب تک نہیں ہوا، اور نہ ہو — یہ موجودات اس کے آثار ہیں۔ اس وجود میں ہمیشہ ہر شے کی حقیقت میں ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتے رہنے کا نام صلوة دائمی ہے۔

(۴) — عارف الوجود:

نورانی لاہوتی میں ذکرِ سری معین ہے — یعنی ہر شے کی حقیقت کو ذاتِ حق میں دوام معائنہ کرتا رہے۔ جیسے دریا میں موجیں، بلبلے — اس وجود میں حقائق اشیاء کو ذاتِ حق میں ہمیشہ (مسلل) ملاحظہ کرنے کا نام صلوة دائمی ہے۔

(۵) — واحد الوجود:

احدیت ذاتِ ہا ہوتی میں محورِ محو، فنا در فنا ہو جانے کا نام ذکرِ مغایبہ اور صلوة دائمی ہے۔

۔ جب حباب اپنی گرہ کے بند سے وا ہو گیا

صاف کہتا ہوں حقیقت میں وہ دریا ہو گیا

غرض صوری وحسی تعینات میں یہ موجیں، بلبلے اور قطرے نامزد ہیں — اور

جب تعینات وحسی و صوری ٹوٹ گئے تو نہ یہ موجیں، بلبلے اور قطرے رہے، اور نہ وہ

دریا — فقط ایک ذات ہے جس کا نہ کوئی نام ہے نہ نشان۔

سجود فی القلب:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلوٰۃ دائمی اور صوم دائمی کو اس طرح بیان فرماتے

ہیں:

سُجُودُ الْقَلْبِ فِي ذَاتِ صَلَوةٍ دَائِمٍ وَصَلٍّ

هُوَ الْمَسْجُودُ فِي قَلْبِ صِيَامٍ صَائِمٍ أَصْلٌ

”ذاتِ الہی میں قلب کا سجدہ، یہ صلوٰۃ دائمی اور وصال ہے، اور وہی ذاتِ
مبجود فی القلب ہے۔۔۔ یہی اصل صیام (روزہ) اور صائم (روزہ دار)
ہے۔۔۔ اہل تصوف کے نزدیک عبادت کے وقت ذاتِ الہی کی دید میں
فنا ہو جانے کا نام نماز ہے۔“

مولانا عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۔ در نماز آن نگار را دیدن ظاہر و باطن اے پسر بہ شمار
در عبادت کے شریک مکن زان کہ لایبشرک است حکم نگار
”نماز کے وقت اس محبوبِ حقیقی کو دیکھنا، ظاہر و باطن میں اے فرزندِ حقیقی
نماز ہے۔۔۔ تو اسے حاصل کر اور اپنی عبادت میں تو کسی غیر کو شریک نہ
کر۔ کیونکہ اس نگار بے مثال کا یہی حکم ہے کہ ”شرک نہ کر“
چنانچہ ظاہری و باطنی حواسِ خمسہ کو خواہشاتِ حیوانی و شہوانی سے روکنے کا نام اصلی
روزہ ہے۔

۔ روزہ حفظ دل است از خطرات پس بود از مشاہدہ افطار
”دل کے تمام خطرات اور وسوساں سے روزہ حفاظت کرتا ہے۔ اس کے بعد
مشاہدہ حق سے افطار ہوتا ہے۔“

یعنی جب تک دل کو ہوا و ہوس اور باطنی خطرات سے صاف نہیں کیا جائے گا، اس
وقت تک دیدارِ الہی ہرگز نصیب نہیں ہوگا۔

سجود فی القلب کی حالتیں:

قلب کا سجدہ چونکہ ذاتِ الہی میں ہے، اور ذاتِ حق میں حقیقتِ قلب ہے — یوں حقیقتِ قلب ”ساجد“ اور ذاتِ الہی مجبود ہوئی۔

☆ — اول حالت کا نام سجودِ قلب فی ذات، صلوةِ دائمی اور وصال ہے۔

☆ — حالت دوم کا نام مجبود فی قلب اور روزہ اصلی ہے۔

سجدہ کے معنی یہ ہیں کہ:

”اپنی ذات کو عاجز خیال کر کے کسی کے سامنے اپنا سر جھکا کر محو ہو جانا۔“

چنانچہ سالک جب مقام توحید میں پہنچتا ہے تو اس کا قلب ذاتِ الہی کے عظیم جاہ و جلال میں اپنی ذات کو بندگی و بے چارگی کی حالت میں بہت حقیر و فقیر اور ذلیل و محتاج دیکھتا ہے — **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** کے حکم کے مطابق اپنی انانیت و تعیناتِ حسی کو قطع کر کے ذاتِ الہی میں سجدہ کرتا ہے، اور محو و فنا ہو جاتا ہے۔ یہ انتہائے قرب ہے — اس حالت کو سجود فی قلب، صلوةِ دائمی اور وصال حقیقی کہتے ہیں —

جب سالک کے قلب سے انانیتِ قلبی اور تعیناتِ حسی مرتفع ہو جاتے ہیں تو جملہ لذایذ محسوسات جمع اور خواہشاتِ نفسانی بھی معاً منقطع ہو جاتے ہیں — یہ روزہ اصلی ہے — اس وقت قلب سالک اپنی ذات میں صفاتِ الہیہ **وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي** (پ ۲۲ ع ۱۳، ق) کی شان پاتا ہے — اس حالت کو سجود فی قلب اور اصلی روزہ کہتے ہیں۔

— لہذا:

☆ — تعینات میں شانِ عجز ہے،

☆ — لاتعین میں شانِ غیوری۔

درحقیقت ایک ذات ہے جو ہر شان میں جلوہ گر ہے —

☆ — کہیں ساجد ہے اور کہیں مجبود،

☆ — کہیں عابد ہے اور کہیں معبود،

☆ — کہیں طالب ہے تو کہیں مطلوب،

☆ — کہیں عاشق ہے تو کہیں معشوق!

بہ لحاظ حقیقت ہر شانِ شیونات عالم میں:

☆ — خود ہی ساجد ہے، خود ہی معبود،

☆ — خود ہی عابد ہے، خود ہی معبود،

☆ — خود ہی طالب ہے، خود ہی مطلوب،

☆ — خود ہی عاشق ہے، خود ہی معشوق!

پس خود بخود ایک ذات ہے جو مجمع بہ جمع صفات ہے اور کچھ بھی نہیں۔

— اہل باطن اپنے حوصلہ و استعداد کے موافق مذکورہ بالا پانچ قسم میں سے کسی نماز کی مشغولی ضرور رکھتے ہیں — لہذا اہل ظواہر اگر کسی درویش شوریدہ سر، ثولیدہ موکو ظاہری صوم و صلوة کا پابند نہ دیکھیں تو اپنی زبان کو بدگوئی اور سخت کلامی سے روکیں — شاید کہ وہ کسی وجود میں صلوة دائمی جو تمہاری نماز سے ہزار ہا درجہ بہتر و افضل ہے، پڑھتا ہو — ظَنَّ الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا پر اکتفا کریں۔

۔ کار درویشی درائے فہم تست سوائے درویشاں تو مگر ست ست

زاں کہ درویشی درائے کارحاست دم بدم از حق مرایشاں راعطاست

زاں کہ درویشاں درائے ملک و مال روزی دارند ثرف از ذوالجلال

”درویشی کا کام تیرے فہم و عقل سے بالا اور باہر ہے۔ تو اس لیے

درویشوں کی طرف بری نگاہ سے نہ دیکھ — درویشی سب کاموں سے

اعلیٰ و افضل ہے۔ کیونکہ ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے دم بدم عطا و بخشش

ہوتی ہے — اور اس وجہ سے بھی کہ درویش لوگ ملک و مال سے بھی

اعلیٰ و برتر ہیں — وہ اپنی بہتر و اعلیٰ روزی اس رزاق عالم ذوالجلال

سے (مخفی طور پر) پاتے ہیں۔“

فصل چہارم:

اشغال

شغل کیا ہے؟

اشغال جمع ہے شغل کی — شغل بمعنی ”مشغول شدن و توجہ کردن: بکارے
— بگنتارے — باوازے — باخیالے“

اقسام اشغال:

یہ چار قسم ہے:

☆ دستی ☆ لسانی ☆ سمعی ☆ نظری

(۱) — شغل دستی:

مثلاً دستکاری و صنعت، پیشہ و حرفہ ہے۔

(۲) — شغل لسانی:

گفتگو و تقریر، کتاب خوانی و قصہ خوانی، وعظ و قرآن خوانی اور ورد و اذکار الہی ہے۔

(۳) — شغل سمعی:

قوت سامعہ کا آواز و حرکت کی جانب متوجہ ہونا، اور اس میں سے معانی الفاظ خود
پیدا کر کے محو ہونا — فقراء اسی قسم کے اشغال کرتے ہیں مثلاً:

☆ شغل سردی ☆ شغل منصوری

☆ شغل قلبی و غیرہ

(۴) — شغلِ نظری و بصری:

یعنی قوتِ باصرہ کو کسی مرئی چیز کی جانب متوجہ کرنا یہاں تک کہ وہ قوتِ نظر قائم ہو جائے، جنبش نہ کرے — اور وہ نظر ہر شے منظورِ نظر سے اثر اخذ کرنے لگے — اور نظر میں اس قدر اثر پیدا ہو جائے کہ اگر کسی شے پر اثر ڈالنا چاہے تو خیال کے ہوتے ہی اثر پڑنے لگے۔

الحاصل اس کا عشرِ عشر تو اعدس مریم ہیں، جسے علمِ مقناطیسی کہا جاتا ہے — فقراء میں اس قسم کے اشغالِ معمول ہیں:

☆ — شغلِ آفتابی / آفتاب

☆ — شغلِ بہتاب

☆ — شغلِ مَقَامًا مَحْمُودًا

☆ — شغلِ سُلْطَانًا نَّصِيرًا

☆ — شغلِ رُوحی وغیرہ

توجہ قلبی کو ان چار اقسام کے اشغال میں شرکت ہے۔ فقراء کے نزدیک ان اشغال کا آخر و انجام، ابتدائے مراقبہ ہے —

جو شخص کہ اشغال سے عاری ہے، اور ان میں دل کی کچھ قوت پیدا نہیں کی، وہ فوائد و نتائجِ علیا مراقبہ سے بھی بے بہرہ اور محروم رہے گا — کیونکہ اس میں فقط تصور و خیال کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے قواعد سے ناواقف محض ہے۔ گو وہ اپنے دل میں کچھ ہی کیوں نہ سمجھے، لیکن کمالِ محویت کو نہیں پہنچے گا — ہاں یہ بات اور ہے کہ کوئی زبردست کامل اس کے حواسِ عشرہ کو قوی و قائم کر دے۔ مگر ہر ایک کو اس کا میسر آنا دشوار ہے۔ البتہ ذَالِكْ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يُّشَاءُ

تعلیمِ اشغال:

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ فِي شُغُلٍ فَآكُهُونُ (پ ۲۳، ۳۷)

”اصحابِ جنت آج کے روزِ شغل میں خوش ہیں۔“

شغل آفتابی:

سب سے پہلے روٹی دار ٹوپی ایسے سلوائے کہ دو آنکھوں کے سوراخ کے علاوہ اس میں کوئی جگہ کشادہ نہ ہو۔ اس شغل کو ابتدائے موسم سرما میں شروع کرے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت مشرق کی طرف منہ کر کے بلندی پر ایسے مقام پر کھڑا ہو جہاں آفتاب اُفق سے نمودار ہوتا ہو معلوم ہو اور ٹوپی چڑھا کر آفتاب کو ٹھنکی باندھ کر دیکھے، پلک نہ جھپکائے۔ اور دیکھتے وقت یا حَسْبِي يَا قَيُّوْمُ کا تصور رکھے۔ روز بروز وقت کو بڑھائے جب تک نظر ٹھہر سکے ٹھہرائے تا وقت کہ آنکھوں میں آنسو بھر آئیں۔ اگر بے اختیار پلک جھپک جائے پھر اسی طرح جمائے۔ یہاں تک کہ آفتاب کی روشنی تیز ہونے لگے اور نظر کا ٹھہرنا اس پر دشوار ہو جائے۔ اس وقت فوراً کسی تاریک حجرہ میں آئے اور اسی قرص خورشید کا تصور اپنے قلب میں جمائے اور اسی طرح منور تصور فرمائے۔ جب آفتاب خط استوا پر پہنچے تو پھر چند لحظہ اس پر اسی طرح نظر جمائے۔ پھر حجرہ تاریک میں جائے اور وہی تصور جمائے۔ غروب کے وقت پھر اسی طرح دیکھے اور اس کے بعد حجرہ تاریک میں بیٹھ کر اسی سورج کی صورت کو اپنے قلب میں پائے۔ چند روز میں آفتاب کا قرص سیاہ ہو کر چکر کھاتا ہوا نظر آنے لگے گا، اور ہر روز قریب آتا جائے گا۔ یہاں تک کہ چھ ماہ میں منہ سے داخل ہو کر قلب میں قیام کرے گا۔ بے شمار انکشاف و تصرفات ہوں گے۔ یہ آفتاب پرستی نہیں بلکہ ایک عادت ڈالنے کے لئے نور پر نظر ٹھہرانا ہے تاکہ نور السموات والارض کا حقیقی نور جب جلوہ فرمائے تو چکا چوند نہ ہو جائے۔

دوران عمل خوارک دودھ چاول اور ہمیشہ تیرید کا استعمال رکھے۔ بوقت شغل آنکھوں میں مسکے گا دی سلوائی سے ہر روز لگاتا رہے۔

شغل ماہتاب:

ایام بیض کی راتوں یعنی تیرہ چودہ پندرہ تاریخوں کے ماہتاب پر نظر جمائے۔ اس

طرح کہ پلک نہ جھپکے۔ جب تک ہو سکے اس شغل کو کریں۔ جب تھک جائے تو حجرہ تاریک میں آ جائیں اور اسی صورتِ ماہتاب کا تصور اپنے دل میں جمائیں۔ یہاں تک کہ نقطہ دل ماہتاب کامل بن کر تمام اسرارِ مغیبات کو مکشوف کر دے۔ اور اس کے اور میں تمام عوالم کی سیر کرتے ہوئے انوارِ ذات کی صورت نظر آئے۔ اس عمل سے یہ ظاہری فائدہ بھی حاصل ہو جائے کہ بینائی بھی کم نہ ہو اور آنکھیں بھی نہ رکھنے پائیں۔

شغلِ منصوری:

بغیر بالین زمین پر لیٹ جائے، اور ہر دو شہ رگ گردن پر دو انگلیاں رکھے۔ ان کی حرکت محسوس ہوگی۔ اس تڑپ پر تصور انسا الحق قائم کرے۔ چند روز میں زور و شور سے آواز آنے لگے گی، اور دریائے عشق موجزن ہوگا۔ ذوق و شوق روز افزوں ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ خودی سے بے خود ہو کر فنا فی اللہ ہو جائے گا۔ اسی طرح شغلِ اسم ذات بھی کرتے ہیں یعنی اس تڑپ پر اللہ کا تصور قائم کرے۔

شغلِ رومی:

آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگائے اور قلب کو اللہ و غیر اللہ سے خالی کرے۔ کسی قدر عرصہ کے بعد حقیقت بے نشانی و گم ہشتگی طاری و ساری ہو جاتی ہے۔ جس کے بیان سے زبان عاجز ہے۔

شغلِ برزخِ اکبر:

یہ شغل تین قسم ہے۔ جس دم کر کے:

(۱) — نظر کو دواہرو کے درمیان رکھے۔

(۲) — نظر ہوا میں رکھے،

(۳) — بائیں آنکھ کو بند کرنے کے دائیں آنکھ کی نظر کو پرہ راست بینی پر قائم

کرے۔

اور نور بے کیف وجود مطلق کا تصور کرے کہ تقیدات سے منزہ ہے، ظہور پکڑے گا —
حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ علاؤ الدین علی احمد
صابر کلیری علیہ الرحمہ یہ شغل کیا کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات کا اسی میں خاتمہ
ہوا —

ہر سہ قسم شغل میں پلک نہ چھپکائے۔ جو کچھ دیکھے یقین جانے کہ میرا یہ مقصود
ہے — اسے شغل ہوائی بھی کہتے ہیں۔
شغل برزخ کبیر:

انسانِ کامل کے ظاہر و باطن کو اپنا ظاہر و باطن قرار دے — یعنی اس کے
ظاہری وجود کو اور اس کے باطنی وجود کو اپنا باطنی وجود تصور کرے۔
قلیل عرصہ میں اس کے اسرار خود میں نمایاں دیکھے گا — لیکن ہمہ تن مصروف
ہو — شب و روز یہ مشغلہ رکھے۔
شغل اسم ذات:

اس کی ترکیب یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے قلبِ صنوبری میں طلائی رنگ کے اسم
ذات کا نقش تصور کرے، یہاں تک کہ محو ہو جائے — اس میں بہت اسرار ہیں جس
کی تفصیل یہ ہے کہ:

کاغذ کی لوح پر قلبِ صنوبری کی صورت بنوائے — اسم ”اللہ“ کو اس
کے اندر طلائی حروف میں لکھوائے — پھر اس منقش لوح کو اپنے
سامنے رکھ کر اسم مذکور کو غور سے دیکھے، اور آنکھیں بند کر کے اپنے آئینہ
دل میں اس اسم طلائی کو نور ذات کے رنگ میں نقش ہوا دیکھے —
چند روز میں وہ نور خیال مشکل ہو جائے گا۔

اس حالت میں سالک اپنے آپ کو اس نقش کے مقابل یا بجانبِ تحت یا بطرف
بیمین و شمال سمجھے گا — اس وقت سالک کو لازم ہے کہ بہت جدوجہد کر کے اپنے

آپ کو اس نور ذات تک پہنچائے۔ اس کو سیر الی اللہ کہتے ہیں۔ — جب اپنے آپ کو الف اور لام کے درمیان دیکھے تو پھر اس سے ترقی کر کے اپنے کو دو لام کے درمیان پہنچائے، اور قیام کرے — وہاں سے بھی کوشش تمام سے اپنے آپ کو لام اور ہا کے درمیان پہنچائے — یہاں سے بھی ہمت کر کے حلقہ ہا میں پہنچ جائے — اور قیام کرے — وہاں سے بھی کوشش تمام سے اپنے آپ کو لام اور ہا کے درمیان پہنچائے — یہاں سے بھی ہمت کر کے حلقہ ہا میں پہنچ جائے — ابتدائے سیر و سلوک میں سالک اپنے سر کو حلقہ ہا میں داخل پائے گا — آخر کار اپنے تمام جسم کو حلقہ ہا میں پائے گا۔ اس وقت سالک جمیع آفات و بلیات اور خطرات سے محفوظ ہو کر حق تعالیٰ کو محیط اور اپنے آپ کو محاط دیکھے گا — اس کا نام سیر فی اللہ ہے۔

جب قطرہ دریا میں فانی اور ذرۂ نور آفتاب ذاتی سے منور ہو کر، اور پھر اس مقام عالی سے اپنے پایہ اسفل کی جانب نزول کرے گا۔ اس وقت اپنے اپنائے جنس کو اپنے ہمراہ عروج و نزول کرائے گا — اس آمد و رفت اور عروج و نزول کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں۔

شغل شطاری:

ا — ب — ص
اللہ — رزخ — ف ات

اسم ذات اللہ جو جلال و جمال کی صفت رکھتا ہے، حواس کو بند کر کے اپنے دل میں ایسا تصور کرے کہ مستغرق ہو جائے، اور محویت طاری ہو — جب قدرے ہوش میں آئے تو اس مقام سے برزخ کبریٰ میں کہ جس کو وحدت صرف اور حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں، تنزل کرے — یعنی اس مقام میں سالک اپنے باطن کو وحدت صرف و حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تصور کرے اور جانے کہ اس ذات نے جو صفت جلال و جمال رکھتی ہے، مجھ میں نزول فرمایا ہے — یہاں

آنکھوں کے سوا جمیع حواس کو کھول دے، تاکہ اس مقام میں ساکن ہو۔ جب اس مقام سے تنزل ہو اور دانائی و بینائی وغیرہ ظہور پکڑے تو آنکھیں کھول کر اپنے بدن پر نظر ڈالے۔ ظاہر اپنے کو برزخ صفری (کہ وحدت جامعہ اور حقیقتِ آدم ہے) قرار دے، بعد میں جو صفت صفاتِ سبعہ سے رونما ہو۔

صفت عبارت ہے صفاتِ سبعہ الہی سے۔ قربِ نوافل کے طریق پر سالک یہ تصور کرے کہ: "میں فاعل ہوں، اور حق آلہ ہے"۔ اپنے جمیع حواس کو اس کی صفات جانے۔ وَخَلَقَ اِذْمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ مَعٰنِدَہ کرے تاکہ سالک پر جمیع اسرارِ باطنی ظہور پکڑیں۔ پھر حقیقتِ انسانی سے ترقی کر کے ذاتِ احد میں قرار پائے۔ اسی طرح عروج و نزول کرتا رہے تاکہ کل مقامات کی سیر ہو جائے اور ذاتِ آفتاب میں ذرہ فنا ہو۔

شغلِ معیت:

اضی اظری عی

خ — ن — م

اول دل سے اللہِ حاضرِ بی کہے اور شش جہات پر نظر کرے۔ فَاٰیْنَمَا تُوَلُّوْا اَفْئِمُّ وَجْهَ اللّٰہِ دِل میں تصور کرے کہ: "وہ مجھ میں حاضر ہے بایں حضور"۔ پھر دل سے اللہِ ناظرِ بی کہے۔ اپنی نظر اور جمیع موجودات کی نظر اپنے اوپر رکھے۔ اور دل میں تصور کرے کہ وہ ہماری نظر کے ساتھ ناظر ہے۔ پھر دل سے اللہِ معنی کہے اور آنکھیں بند کر کے فکر کو سر میں کہ فی البسر انا ملاحظہ ہو۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اٰیْنَمَا كُنْتُمْ متوجہ کرے اور دل میں یہ تصور کرے کہ "وہ ہمارے ساتھ ہے"۔

شغلِ آئینہ:

نظر سے ذرا بلند ایک بڑے آئینے کو اپنے رو برو رکھے، اور ٹنگی باندھ کر آئینے کو دیکھنا شروع کرے اور پلک نہ چمکائے۔ دل میں یٰ اَخِیْ یٰ اَقْبُوْمُ پڑھتا رہے،

اور وقت کو بڑھائے یہاں تک کہ تین گھنٹہ کی نوبت پہنچے۔ اور سچی یعنی مردم چشم پر نگاہ کو قائم کرے۔ ہر گاہ کہ طالب کی نگاہ مردم چشم کی مردک پر پڑے گی، اس وقت جو حال وارد ہوگا اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ ہاں اتنا کہتا ہوں کہ آنکھوں کی پتلیاں صعود کر کے ام الدماغ کے نقطہ اخفی میں داخل ہو کر سویداء قلب میں قائم ہوں گی، اور ظاہر و باطن ایک ہو جائے گا۔

شغل نیم خوابی:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ بوقت خواب اپنے دل میں یہ مضبوط ارادہ کر لے کہ: میں خواب غفلت میں غافل ہو کر نہ سوؤں گا۔ دل میں یَا حَیُّسَی یَا قَیُّوْمُ کا خیال رکھے۔ نیند کا غلبہ ہو، آنکھیں کھول دیا کرے۔ اس عادت کو بڑھائے۔ ایک سال میں خواب و بیداری یکساں ہو جائے گی۔

ع دیش بیدار و چشمش در شکر خواب

”اس کا ذل بیدار اور اس کی آنکھیں خواب شیریں میں بند ہوتی ہیں۔“

کا مضمون ہو جائے گا۔ اس شغل کا بھی وہی اثر ہے جو شغل آئینہ میں ہوتا ہے۔ اگر دونوں شغل کیا کرے تو سبحان اللہ جلد فائدہ ہو۔

شغل صوتِ سردی:

جسے انھد اور آواز ٹکسن بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ آواز ہے کہ ازل الازال سے جاری ہوئی اور ابد آلاباد رہے گی۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ جنگل یا کسی تنہا مکان میں جہاں کچھ شور و غل نہ ہو، خاموش بیٹھ جائے اور کان لگائے۔ ایک جھینگے کی سی آواز آئے گی۔ اس آواز پر خیال کو جمائے۔ بعض آدمی کان کے سوراخ کو انگلی سے بند کر دیتے ہیں۔ یا کالی مرچ روئی میں لپیٹ کر کان کے سوراخ کو بند کر کے بیٹھتے ہیں۔ تاکہ وہ آواز واضح طور پر سننے میں آئے۔ پھر چند روز میں وہ آواز ہر جگہ چلتے پھرتے خود بخود آنے لگتی ہے۔ پھر اس کا زور و شور اس قدر ہو جاتا ہے کہ اس

آواز کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا — پھر یہ دس آوازیں ہو جاتی ہیں، اور ہر ایک جدا جدا معلوم ہوتی ہے — پھر چند مدت کے بعد نو آوازیں فنا ہو کر ایک آواز ایسی خوش الحانی کے ساتھ سنائی دیتی ہے کہ آدمی مست و مدہوش ہو جاتا ہے — اس پر طرح طرح کے اسرار ایسے منکشف ہونے لگتے ہیں کہ عقل حیران ہے۔ جو کرے گا، سونے گا اور دیکھے گا، مجھے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔

ان اشغال سے علاوہ خاندانِ قادر یہ محبوبہ غوثیہ میں یہ خمسہ اشغال معمول و مخصوص ہیں:

شغلِ میث:

بغیر بالین زمین پر مردے کی طرح چت لیٹ جائے اور خیال کرے کہ میں مردہ ہوں — اور موت کو یاد کر کے خاموش پڑا رہے۔ یعنی خیال کرے کہ میرے پاؤں سے جان نکل کر زانو میں آئی، اب ران میں، اب کمر تک، اب سینے تک، اب گلے میں آئی، اور اب نکل گئی — دل میں کُلُّ شَيْءٍ بِهَا لَيْكُ "اِلَّا وَجْهَهُ" کا تصور کرے۔ چند روز کے بعد حالت موت طاری ہونے لگے گی، اور عجیب و غریب حالات پیش آنے شروع ہوں گے — اگر منظور خدا ہے تو ایک عرصہ کے بعد مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوْا کا مرتبہ حاصل ہو کر موت و حیات یکساں ہو جائے گی۔

شغلِ بساط:

ام الدماغ میں ایک نقطہ آفتاب کی مانند "ہ" کی صورت میں ہو درخشاں ہے — اس کی ترکیب یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگالے، اور دم کو ام الدماغ میں لے جائے — وہاں حلقہ کو آفتاب کی صورت میں منور تصور کرے، اور خیال کرے کہ یہ حلقہ ہو (کہ عین ذاتِ الہی بے جہت و کیف ہے) ایسا کشادہ ہوا ہے کہ میرے وجود کو مٹا کے اس کا قائم مقام بن گیا، بلکہ تمام عالم کو محیط ہو گیا ہے — اس کا نام "شغلِ اخفی" بھی ہے —

اسی طرح کا ایک نقطہ قلب میں ہے، جسے سیدائے قلب کہتے ہیں۔ اس میں بھی مندرجہ بالا طریقے سے تصور کرے تاکہ دونوں نقطے ایک ہو جائیں۔ یہاں جلی ذات ہوتی ہے اور سالک فنا در فنا حاصل کرتا ہے۔ مگر اس نقطہ سے باہر آ جانا پیر کمال کے بغیر ام محال ہے۔

شغل آورد برد:

نفی و اثبات کے ساتھ اول دونوں گھٹنے اس طرح کھڑے کرے کہ پاؤں اور سرین زمین پر رہیں۔ پھر چادر یا چڑے کے تے یا رسی وغیرہ سے اپنی کمر اور دونوں زانوؤں کو باندھ کر بیٹھے، جیسے گاؤں کے چودھری اپنی کمر اور گھٹنوں کو چادر سے باندھ کر بیٹھا کرتے ہیں۔ پھر دونوں کہنیوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے، اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے سوراخ بند کرے۔ پھر دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیوں سے دونوں آنکھیں، اور درمیان والی انگلیوں سے دونوں سوراخ بنی۔ اور ہر دو حاضر و نہر سے ہر دو لب بند کرے۔ بنی کے دائیں سوراخ کو بند کر کے خاموش بیٹھا ہوا جب تک سانس کے ضبط کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اپنے دل کو دیکھتا رہے۔ اور جب دم ٹوٹنے لگے تو بنی کے بائیں سوراخ سے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تصور اور خیال سے دم کو بآہستگی تمام چھوڑ دے۔ دم کو اچانک چھوڑنے سے دماغ کو نقصان پہنچتا ہے، بار بار اسی طرح کرتا رہے۔ اگر جس دم کے وقت اور جس دم کے درمیان اور کشادگی دم کے وقت تصور میں قلب مصنوعی کی زبان سے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا رہے تو اس کا نام ”زد برد بالتمام“ ہے۔

شغل آورد برد باسم ذات بھی اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ مندرجہ بالا انداز میں بیٹھ کر دم کو اسم ذات کے ساتھ ناف سے کھینچ کر (یعنی اللہ کہتے ہوئے) دم کو ام الدماغ میں لے جائے۔ اور دم کو روک کر دماغ میں قرار پکڑے۔ جب تنگی نفس ہو دم کو کلمہ ہو کے ساتھ بآہستگی تمام اسی طرح پر چھوڑے کہ اگر ناک کے مقابل روئی بھی ہو تو جنبش نہ کرے۔ جس دم کے دوران اگر اللہ کی ضرب قلب

کے تصور سے دماغ میں لگا تار ہے تو اس کو ”بالتمام زد برد“ کہتے ہیں۔
 اگر زیادہ کشائش منظور ہو تو دورہ سہ پایہ قادر یہ اسی ترکیب سے کرے — اور
 دماغ میں بہ تصور:

اللَّهُ سَمِيعٌ — اللَّهُ بَصِيرٌ — اللَّهُ عَلِيمٌ

پھر: عَلِيمٌ اللَّهُ — بَصِيرٌ اللَّهُ — سَمِيعٌ اللَّهُ

پھر: اللَّهُ سَمِيعٌ — اللَّهُ بَصِيرٌ — اللَّهُ عَلِيمٌ

کی ضرب لگائے — یہ ایک دورہ ہوا۔ یعنی عروج الطرفین — اسی طرح
 اگر ایک دم میں سو دورے تک پہنچ جائے تو فنا کلی حاصل ہوگی — اس شغل میں
 خوارک: نمک کے بغیر نرم کھجڑی دروغن ہے۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بنی سر حق بر ما نجد
 ”تو اپنی آنکھیں، کان اور لب بند کر لے۔ اور پھر اگر تو سر حق نہ دیکھے تو
 مجھ پر نہس۔“

یعنی اگر آنکھیں کان اور لب بند کر کے سب سے یک سو ہو کر ذکر الہی کیا جائے تو
 پھر مشاہدہ تجلیات الہی ہوتا ہے۔

جس دم:

جس دم میں دو امر ضروری ہیں۔ یعنی:

☆ — جس نفس ☆ — جس نفس

جس نفس دو طرح پر ہے:

☆ — ایک بہ تخلیہ ☆ — دوسرا بہ تملیہ

۱۔ جس دم ایسے وقت میں ہو جبکہ نہ معدہ بالکل خالی ہو نہ بالکل پر۔ ایسے مقام پر ہو جہاں پر نہ تیز ہوا ہو نہ
 بالکل خیس۔ نہ زیادہ روشنی ہو بلکہ تاریکی اولی۔ فاتحہ درود کے بعد سچے دل سے توبہ و استغفار کرتے ہوئے
 ظاہری و باطنی طہارت کے ساتھ دل کو نکدرات ماسواہ اور خیالات این و آن سے حتی الوسع خالی کر کے اس
 طرح ذکر میں مشغول ہوں۔

دم کا بلن و ناف سے اور ان کے اطراف سے پشت کی طرف کھینچنا، اور دم کا سینہ یا دماغ میں روکنا تخلیہ سے عبارت ہے۔

دم کا شکم میں کھینچنا اور شکم کو ہوا سے پر کر کے دم کو بلن میں بند کرنا عملیہ ہے۔

اول ترکیب میں گرمی زیادہ ہے، اور دوسرے میں ہضم طعام۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں حد درازی نفس سے قطع نفس کم کرنا ”حصر نفس“ ہے۔

یعنی حصر نفس میں دم کو مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں درازی معہود تک نہیں کھینچتے۔

اس میں شک نہیں کہ جس نفس میں کشش دم کی حرارت حد حرارت تک حصر نفس سے

زیادہ اثر رکھتی ہے، لیکن نقصان کے ساتھ۔ اس شغل کی اصل ترکیب یہ ہے کہ:

پانی میں غوطہ لگا کر اس شغل کو کرے۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت شیخ

عبدالحق عجدوانی کو پانی میں اس شغل کے کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس صورت میں

آکھ، ناک، کان، منہ کو انگلیوں سے بند کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر غوطہ

لگانے کے قابل پانی نہ ملے تو یہ شغل مذکورہ بالا ترکیب سے کرے۔

اشغال میں سے بہترین و لب لباب شغل کن فیکون ہے:

فَإِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَقُولُ (پ ۲۳، ۵۷)

شغل مقاماً محموداً و اسلطاناً نصیراً:

ارشاد باری ہے:

اقِمِ الصَّلَاةَ لِلذُّلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ

قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ

عَسَىٰ أَنْ يَتَّعَبَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِي

مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مَخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ

سُلْطَانًا نَصِيرًا ۝ (پ ۱۵، ۹۷)

”اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! قائم رکھ نماز کو سورج کے ڈھلنے سے

رات کے اندھیرے تک۔ اور قرآن پڑھ فجر کو۔ بے شک

قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے رو برو — اور کچھ رات جاگتا رہ۔ اس میں یہ بڑھتی ہے تجھ کو یہ بات۔ قریب ہے کہ کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں — اور کہہ تو کہ اے رب بٹھا مجھ کو سچا بٹھانا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا — اور کر میرے واسطے اپنی جانب سے غلبہ قوت۔“

یہاں چار مقام پر علماء ظواہر و باطن کا اختلاف ہے:

- (۱) — مقاماً محموداً
(۲) — ادخال صدق
(۳) — اخراج صدق
(۴) — سلطاناً نصیراً

(۱) — مَقَامًا مَّحْمُودًا:

علمائے ظواہر فرماتے ہیں کہ یہ وہ مقام عزت ہے جہاں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن باسندائے طلب شفاعت قائم ہوں گے۔ اور سجدہ میں جا کر شفاعت طلب کریں گے۔ اس کا نام شفاعت کبریٰ ہے۔

(۲) — اَدْخَالَ صِدْقٍ:

مدینہ منورہ سے مراد ہے کہ ہجرت کے بعد جہاں آپ کا قیام ہوا۔

(۳) — اَخْرَجَ صِدْقٍ:

مکہ معظمہ سے مراد ہے کہ جہاں سے آپ نے ہجرت فرمائی۔

(۴) — سُلْطَانًا نَّصِيرًا:

اس غلبہ و نصرت سے مراد ہے کہ جو ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کفار پر حاصل ہوئی جس کی تصدیق اس آیت کریمہ میں موجود ہے:

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

”اب کہہ دے (اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) یہ بات کہ آیا حق اور نکل بھاگا باطل۔ بے شک باطل تھا نکل بھاگنے والا۔“

یعنی دین جاگا، کفر بھاگا۔

صاحب ”تفسیر لباب“ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقام محمود کی یہ تشریح کی ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ مجھ کو قریب کرے گا اور اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔“

تفسیر ”بحر الحقائق“ میں لکھا ہے کہ مقام محمود اللہ ہے اور قیام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بحق بنفس خود ہے۔ زبان اشارت میں اس کا نام مقام محمود ہے۔

صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مَقَامًا مُخْمُودًا وہ مقام قرب اور خلعتِ خاص ہے جو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معراج میں حاصل ہوا۔

مُلْطَانًا نَصِيْرًا وہ غلبہ قوت ذاتی اور اسرار الہی ہیں جو شب معراج میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے — یہ ایک شغل بھی ہے جو امت مرحومہ کے لیے تحفۃ عنایت ہوا تاکہ وہ بھی آپ کے اسرار معراج سے واقف ہوں۔

ادخال صدق سے مراد ہے توحید ذاتی میں پورا قیام — اور اخراج صدق سے مراد ہے تزللات و تعینات جسمانی وحسی اور ماسویٰ اللہ سے پورا نکلنا — رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الہی سے جب اہل مکہ کو توحید کی تعلیم شروع کی تو کفار مکہ کہنے لگے:

”لو سنوا! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں — ہمارے اتنے

خداؤں کو تو ملیا میٹ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سوائے ایک ذات الہی کے سب

باطل ہیں — بھلا ایسی بات کب ہو سکتی ہے، اور یہ باتیں ہم کب سن

سکتے ہیں۔ کہ اتنے بہت خدا تو باطل ہوں اور ایک ذاتِ حق حق ہو —

یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، اور ہم کبھی نہیں مانیں گے۔“

اور ایذا رسانی کے درپے ہوئے — کفار کی یہ باتیں سن کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بدرجہ غایت غمگین ہوئے۔ حکم ہوا:

”اے دوست! اس میں کچھ فکر مت کر اور غم مت کھا۔ یہ لوگ اندھے ہیں اور حقیقت توحید سے جاہل اور راہِ راست سے بہت دور — ان کو قیامت کے دن بھی اپنے دیدار سے محروم رکھوں گا۔ یہ کوئی رنج کی بات نہیں تم کوشش کئے جاؤ — اس کوشش کے بدلے ہم تم کو باعزاز و تکریم معراج میں بلائیں گے، اور خلعتِ قرب عطا فرما کر تمہاری بزرگی ظاہراً و باطناً سب پر عیاں کر دیں گے — اور تمہاری امت کے لیے بھی مقاماً محموداً و سلطاناً نصیراً کا تحفہ عنایت فرمائیں گے۔ جس کی وجہ سے وہ تمہارے معراج کی کیفیت حاصل کرے گی۔ جس کی تعلیم آپ کے اختیار میں ہوگی — تم ہماری جناب سے ہمیشہ مقامِ محموداً و ادخالِ صدق و اخراجِ صدق و سلطاناً نصیراً کی دعا طلب کرتے رہو۔“

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا جب قبول و منظور ہوئی، اور بشرطِ تمام معراج میں بلائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے تھے، پورے کر دیئے — چنانچہ قرآن شریف کہتا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى
الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِسْنَاءِ (پ ۱۵ ع ۱)

”پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کہ جس کو ہماری برکتوں نے گھیر رکھا ہے۔ تاکہ ہم دکھائیں اسے اپنی قدرت کی نشانیاں۔“

اہلِ ظاہر کے نزدیک مسجدِ حرام کعبہ شریف ہے، اور مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس — اہلِ باطن فرماتے ہیں کہ مسجدِ حرام سے مراد ہے تنزلاتِ جسمانی و تنزلاتِ حسی ماسویٰ اللہ — مسجدِ اقصیٰ سے ذات و وحدت عبارت ہے — باقی حال معراج و اسرار و انعامات کا سورہ والسجیم میں مفصل مذکور ہے — رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معراج میں قربِ الہی پایا، اور تنزلاتِ جسمانی و تعیناتِ حسی ماسویٰ اللہ سے پاک و صاف ہو گئے تو اجازت ملی کہ اب آپ تشریف لے جائیے اور معراج کا

ترکیب شغل مقاماً محموداً و سلطاناً نصیراً :

کپڑے کی اینڈی پر مربع نشست اس طرح سے بیٹھے کہ دایاں پاؤں دائیں ران پر، اور بائیں پاؤں دائیں ران پر رکھے۔ اس طرح سے بیٹھے کو ہنود ”پدم آسن“ کہتے ہیں۔ اپنے حواس کو یکسو کر کے چند دن چراغ یا آئینہ یا سفید گلاس بلور یا پہلک کو نظر کے مقابل مگر قدرے اونچا رکھے اور اس پر نظر کو جمائے اور پلک نہ جھپکائے۔ اس دوران دل میں یا حسی یا قیوم کا در در رکھے۔

جب نظر جم جائے بلکہ کچھ صعود بھی کرنے لگے تو پھر ذرا منہ اونچا کرے اور دونوں آنکھوں کی نظر کو بہ گوشہ قوسین ابرو، بینی کی جڑ کے ساتھ قائم کرے، پلک نہ جھپکائے اور دل میں یا حسی یا قیوم کا در در جاری رکھے تاکہ چراغ کی روشنی کی طرح انوار حق نمودار ہوں۔

پھر نظر کو سہولت کے ساتھ آہستہ آہستہ قلب صنوبری کی طرف (جسے لطیفہ قلب کہتے ہیں) گردش دے۔ تاکہ اندھیری رات میں آفتابی تجلی نمودار ہو، اور رنگ برنگ کے عجائبات ظہور میں آئیں۔

پھر کوشش تمام سے نظر کو منظور مستک یعنی پیشانی کے تصور پر لائے۔ (کہ مقام لطیفہ خفی اور خانہ مہتاب ہے)۔ جب دونوں آنکھوں کی پتلی گوشہ قوسین ابرو سے نکل کر مثلث بنا کر لطیفہ خفی میں پہنچ جائیں گے۔ اس کا نام قصاب قوسین اذنی ہے۔

اے طالب حق! اگر تو اسی طرح سعی اتم کرے گا تو کچھ تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے وہ تجھ لے جیسا کہ ایک ہندو نے اپنی کتاب ”مخزن برہم گیان“ ص ۱۰۱-۱۰۲ میں فضل رسول اور حافظہ امداد حسین میرٹھی نے اپنی کتاب ”ریاض الفکر“ کے ضمیمہ ص ۲۱ میں اپنی نادانی و کم فہمی کی داو دی ہے۔۔۔ کیا یہ معراج کسی ذکر و شغل کا نتیجہ تھا؟۔۔۔ ہرگز نہیں! محض رحمت الہی و خاص عنایت و لطفہ پروردگار کا شکر تھا۔ ذکر و شغل پر اگر معراج کا ہونا منحصر ہوتا تو اکثر فقراء ہنود و مسلمان معراج نبوی سے مشرف و جاتے۔ حالانکہ یہ شرف آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

کرامتِ قرب جو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج میں انعام ہوا تھا، تجھ کو بھی تیرے حسبِ لیاقت عطا فرمادے۔

عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

”قرب ہے یہ بات کہ تیرا رب تجھ کو مقامِ محمود عطا فرمادے (یعنی قربِ حق) جو شخص سال بھر فجر کے وقت چار گھڑی روزانہ یہ عمل کرے گا تو روزِ روشن میں آسمان پر ستارے دیکھے گا۔ اور لطیفہ خفی میں (کہ خانہ مہتاب ہے) مہتاب نظر آنے لگے گا۔ جب مہتاب نظر آنے لگے تو اس کے بعد شغلِ آفتابی جو پہلے بیان کیا گیا ہے، کرے۔ کیونکہ جو اس مقام پر شغلِ آفتابی نہیں کر لیتا، آئندہ انوار و تجلیات کی تاب نہیں لاسکتا۔ پھر اس کو خالی ہاتھ لوٹنا پڑتا ہے، اور چشمِ ظاہری پھوٹ جاتی ہے۔ لیکن جب آفتاب گزبھر کے فاصلے پر آجائے تو شغلِ آفتابی کو ترک کر کے نظر کو لطیفہ خفی سے ام الدماغ کی طرف (جسے لطیفہ اخفی کہتے ہیں) بڑھائے۔

— جب دونوں پتلیاں لطیفہ خفی سے صعود کرنے لگیں تو راستے میں دو کندھ یعنی تالاب اور دو پہاڑ حائل ہوں گے۔ ان کے درمیان میں سے ہوتا ہوا نکلے۔ پھر آگے چل کر تین دریا راستے میں رکاوٹ ہوں گے۔ یعنی ظاہر سورخ بنی کے آخر میں ذرا اوپر کی جانب تین سورخ ہیں۔ ہر ایک سورخ سے ایک دریا جاری ہے:

☆ — دائیں طرف کے سورخ سے سفید و شفاف شیریں پانی جاری ہے،
☆ — بائیں طرف کے سورخ سے آتش خیز و شعلہ زن سرخی مائل دریا جاری ہے۔
جس کو خواہشاتِ نفسانی و شہوانی کہتے ہیں۔

☆ — ان دونوں دریاؤں کے درمیان دریائے آبِ حیات ہے۔
دائیں طرف کے دریا میں غسل کرے، اور دریائے آبِ حیات سے پانی پیتا ہوا، اسی دریا کا دایاں کنارہ پلڑ کر روانہ ہو۔۔۔ بائیں طرف کے دریا سے بہت دور بھاگے کہ جل مرنے کا خوف ہے، اسی لئے دریائے آبِ حیات کا بھی دایاں کنارہ لے کر چلتے

ہیں، بائیں جانب نہیں چلتے۔ کہ کہیں کوئی لپٹ نہ لگ جائے۔

— پھر کئی منزل کے بعد ایک مقام ملے گا جہاں دس چتر ہار یعنی حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی سحر کا نہایت خوش الحانی سے انہد کے سرود بجا رہے ہیں — یہ مقام حواسِ ظاہری و باطنی کا مخزن ہے۔ لیکن ان کے راگ رنگ پر مائل نہ ہو کہ ابھی دور جانا ہے — مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ پر عمل کر کے مکشوفات و کمونیات سے روگردانی کرے — کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے لَقَدْ زَاىٰ مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْكُتُبِ کی برکتوں میں سے کچھ عنایت فرمائے — اس مقام میں چھ ماہ کے بعد الہام شروع ہو جاتا ہے۔

پھر ام الدماغ یعنی لطیفہ انہی کی طرف رجوع کرے۔ جسے ”بحر ظلمات“ کہتے ہیں — اور مذکورہ بالا تینوں دریا اسی بحر ظلمات میں آ کر گرتے ہیں — یہاں ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مضمون اور تاریکی محض ہے۔ گھبرائے نہیں۔

ع آب چشمہ حیوان درون تاریکی است

”آب حیات کا چشمہ تاریکی میں ہے۔“

باہمت ہو کر قدم آگے بڑھائے اور خداوند کریم سے یہ دعا: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَايَّاكَ نَسْتَعِينُ مانگتا ہو اور روشنی کا تصور کرے — اچانک ہزارہا آفتاب کی روشنی نمودار ہو جائے گی — جو شخص پہلے شغلِ آفتابی کر چکا ہوگا وہ تو اس روشنی تاب لاسکے گا، ورنہ بے مراد واپس جانا ہوگا، اور آنکھیں بھی پھوٹ جائیں گی یہاں پر سلوک کے تین درجے ملے ہو جاتے ہیں یعنی:

۱ — ناسوت ۲ — ملکوت ۳ — جبروت

اسی کا نام مقام محمود ہے۔ یہاں طرح طرح کے کشف و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور قیامت کا حال عیاں ہو جاتا ہے۔

لیکن یہاں سے جلد تر قدم آگے بڑھائے، اور پتلی کونزول میں گدی کی طرف اتارے۔ اب ”منزل لاہوت“ شروع ہوئی — سالک جب اپنے کشف و کرامات

سے روگردانی کر کے ذاتِ الہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ ذات اس کو اپنے غلبہء عشق میں سرگرم کر دیتی ہے، اور فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی کِیْفِیْتِ چکھا کر اپنی ذات میں فنا کر دیتی ہے۔ یعنی تنزلاتِ جسمانی و تعیناتِ حسی سے فنائے مطلق حاصل کر کے باقی بخدا ہو جاتا ہے۔ پھر پر توئے رسالت سے خلعتِ عبدیت و خلافت حاصل کر کے عالم تنزلات میں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ کا رتبہ پاتا ہے۔ اسی کا نام سُلْطٰنًا نَصِیْرًا اور نصرت نامہ ہے۔

دھیان رہے کہ کبھی کسی خرابی کی وجہ سے جب پتلی کو چڑھاتے ہیں تو فوراً گر جاتی ہے۔ ہر چند کوشش کی جاتی ہے لیکن کچھ پیش نہیں جاتی۔ بہت حیرانی و پریشانی دامن گیر ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں چت لیٹ جایا کرتے ہیں اور دونوں ہاتھ سر کی جانب دراز کر دیتے ہیں۔ پتلی فوراً چڑھ کر قائم ہو جاتی ہے۔ اس عمل میں غذا دودھ چاول ہے۔ آنکھوں کو مسکھ گادی لگاتے رہتے ہیں تاکہ پٹھے نرم رہیں۔

مراقبات

مراقبہ کیا ہے؟

مراقبات جمع ہے مراقبہ کی — محققین کے نزدیک مراقبہ کے معنی ہیں:

(۱) ”ایک دوسرے کو دیکھنا اور اپنی قلبی توجہ کو رقیب کی طرف پھیرنا۔“

(۲) منتظر ہونا اور نگہبانی کرنا —

(۳) اصطلاح صوفیا میں دل کی نگہبانی کرنے اور فیض الہی کے لیے منتظر ہونے کو مراقبہ کہتے ہیں۔

جب ٹھوٹے آلا بڈکھو اللہ تطمئن القلب ذکر کی قوت و برکت سے قلب کو طمانیت نصیب ہو۔ یا یہ کہ ذکر کی مشق کرتے کرتے یکسوئی پیدا ہونے لگے اور کسی ایک امر پر دھیان جم سکے اس وقت مراقبہ کیا جائے۔ اسی حالت میں فکر کی حقیقی لذت سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ ارشاد ربانی:

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (۳:۱۹۱)

کی تعمیل میں اور اس حالت میں سالکین طریقت تفکر فی الصفات فرماتے ہیں۔ لہذا ذکر کے بعد اگر سالک میں صلاحیت خاص پیدا ہو جائے تو جس آیت قرآن کریم کے معنی یا موجودات ارضی و سماوی میں سے جس چیز میں فکر کرے گا اور جس چیز کے لیے مراقبہ ہوگا، بحول اللہ دتوبہ اس کی حقیقت مکشوف ہوگی۔ اور اس کی کیفیات دل پر وارد ہوں گی۔

رقیب انشاء حسنیٰ میں سے ایک اسم الہی ہے — بعض محققین فرماتے ہیں کہ

شغل و مراقبہ میں کچھ فرق نہیں۔ اس لیے کہ دونوں میں تصور و خیال سے کام لیا جاتا

ہے۔ مراقبہ سے اہل تصوف کی مراد وہ حالت قلبی ہے جو ایک قسم کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس حالت سے کچھ اعمال اعضاء میں اور کچھ دل میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔

مراقبہ کی اقسام:

یہ حالت دو قسم پر ہے:

(۱)۔ ایک تو یہ حالت ہے کہ ہر وقت رقیب قلب کو تکنا اور اس کی طرف مشغول و ملتفت و متوجہ رہنا، اور ہمیشہ اسی کو ملاحظہ کرنا۔

جس معرفت سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل میں خفیہ و ظاہر باتوں اور باطن کے احوال کا پورا عالم جاننا، اور بندے کو اپنے جمیع احوال و کل نفوس کے تمام اکتساب پر زبردست رقیب سمجھنا۔ کیونکہ اس پر اسرار قلوب اپنے عیال ہیں۔ جیسے شمس نصف النہار، بلکہ ذرے کی حرکت بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔

(۲)۔ دوسری حالت یہ ہے کہ اسماء الہی میں سے کسی اسم کے معنی یا کسی لفظ و آیت قرآنی یا غیر قرآنی کے معنی میں دل کے خیال و تصور و توجہ کو ایسا متوجہ کرے کہ وہی حالت اس کے قلب پر ایسی طاری ہو کہ وہ خود معانی بن جائے، اور اپنی خبر بھی نہ رہے۔

ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

”ہر فرد و بشر کی فکر اس کی ہمت و حوصلہ کے موافق ہوتی ہے۔“

مراقبہ کا انحصار:

مراقبہ کا انحصار دل پر ہے۔ دل جب متوجہ الی اللہ یا غیر اللہ ہوتا ہے تو سب اعضاء بھی اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب دل کے تابع ہیں۔ مراقبہ کا نتیجہ یہ ہے کہ محبوب کے تصور میں ایسا مستغرق ہو کہ پھر کسی کی خبر نہ

رہے — حضرت ابن مبارک علیہ الرحمہ نے ایک شخص سے فرمایا:
 ”ہمیشہ اسی طرح پرہ کہ تو خدا کو دیکھتا ہے۔“

حدیث پاک میں ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کر کہ گویا تو اس کو دیکھتا ہے۔“

اس حدیث پاک میں پہلا مقام مشاہدہ ہے، اور دوسرا مقام مراقبہ۔
 ارشاد باری ہے:

☆ — أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ

”کیا تو نے نہیں دیکھا کیسے دراز کیا تیرے رب نے سایہ کو۔“

☆ — أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى

”یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے۔“

☆ — إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

”ضرور اللہ تم کو دیکھتا ہے۔“

جب یہ معرفت یقینی ہو جاتی ہے، اور شک سے خالی، تو وہ معرفت دل پر غالب ہو کر دل کو دبا لیتی ہے — اور رقیب و محبوب کے پاس لے جاتی ہے۔ لہذا فقیر کو ہر وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ:

”خدا مجھ کو دیکھتا ہے اور میں خدا کو۔“

اگر ہمیشہ نہ ہو سکے تو عبادت کے وقت تو ضروری ہے کہ اس بات کا خیال

رکھے —

مراقبہ کے دوران:

مراقبہ کے دوران مناسب ہے کہ:

☆ — بادب تمام قبلہ رخ ہو کر بیٹھے،

☆ — دو زانو یا جس طرح آرام دیکھے، بیٹھے،

☆ — آنکھیں بند کر کے دل کی طرف متوجہ ہو،

☆ — اس کلمہ، آیت یا اسم کے معنی کا تصور کر کے ایسا مشغول ہو کہ مجھ درمچو ہو جائے۔

چنانچہ طالب صادق جب نماز و ذکر سے فارغ ہو تو مراقبہ کرے تاکہ توحید میں فنا حاصل ہو۔

فیرمان الہی ہے.....:

یہاں مراقبہ سے متعلق آیات کریمہ پیش ہیں:

☆ — اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى

”کیا نہ جانا اس نے یہ کہ اللہ دیکھتا ہے۔“

☆ — اَللّٰهُ نُوْرٌ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔“

☆ — وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ

”وہ ہر شے کو محیط ہے۔“

☆ — وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

”اور تمہارے نفسوں میں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے؟“

☆ — كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَاٰنٍ وَيَبْقٰى وَجْهٌ رَبُّكَ ذُو الْجَلَالِ

وَالْاِكْرَامِ

”جو اوپر زمین کے ہے، فنا ہونے والا ہے، اور باقی رہے گی ذات تیرے

رب صاحب بزرگی اور صاحب انعام کی۔“

☆ — فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَتَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ

”جدھر کو رخ کرو، ادھر رخ اللہ کا ہے۔“

☆ — هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظّٰهِرُ وَالْبَاطِنُ

”وہی اول و آخر ہے وہی ظاہر و باطن، کوئی نہیں مگر وہ ہے۔“

مختلف مراقبات:

یہاں کچھ مراقبات درج کئے جاتے ہیں:

- ☆ — مراقبہ قدس
- ☆ — مراقبہ ہفت گام پنج مراتب
- ☆ — مراقبہ بحر
- ☆ — مراقبہ مقرب نوافل
- ☆ — مراقبہ مقرب فرائض
- ☆ — مراقبہ عین
- ☆ — مراقباتِ خمسہ قادریہ محبوبیہ غوثیہ

مراقبہ قدس:

تنگ و تاریک حجرہ ہو جس میں کھلی آنکھوں سے نظر کو ایک جگہ قائم کرے —
اور دل میں:

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى

کا تصور رکھے — دل سے اِنْسِي اَنَا اللهُ کی آواز سنائی دے گی اور انوارِ مقدس سے
مشرف ہوگا۔

مراقبہ ہفت گام پنج مراتب:

ہفت گام سب سے صفاتی ذاتی سے عبارت ہے۔ یعنی:

- (۱) — حیات (۲) — مسلم (۳) — ارادت (۴) — قدرت
- (۵) — سمع (۶) — بصر (۷) — کلام

اور پنج مراتب سے مراد ہے:

- (۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت (۵) ہاہوت

ہر مراتب میں یہ تصور کرے کہ وہ ذات پاک:

☆ — خودِ حسی ہے بہ حیاتِ خود،

☆ — خودِ علیم ہے بہ علمِ خود،

☆ — خودِ مُرید ہے بہ ارادتِ خود،

☆ — خود قَدِیْر ہے بہ قدرت خود،

☆ — خود مَسْمُوعُ ہے بہ سمع خود،

☆ — خود بَصِیْرُ ہے بہ بصر خود،

☆ — خود کَلِیْمُ ہے بہ کلام خود

جو چیز نظر آئے وہ ناسوت میں ہے — اور ناسوت، ملکوت کی صورت ہے — اور ملکوت، جبروت کی صورت — اور جبروت ہے لاہوت کی صورت — اور لاہوت حاصوت کی صورت ہے — اور حاصوت عین ذات ہے۔
پس حقیقت میں وہ شے یہی عین ذات ہے۔

مراقبہ بحری:

اپنے آپ کو ذات کے سوا سمجھے اور باقی اشیاء کو حجاب — کہ یہ سب اشیاء ظاہر ہو کر مجھ میں فنا ہو جاتی ہیں۔ سب کی اصل میں ہوں۔

مراقبہ قرب نوافل:

سالک یہ تصور کرے کہ میں فاعل ہوں اور خدا آلہ ہے یعنی:

☆ — سالک حَقِّی ہے بہ حیات حق،

☆ — سالک عَلِیْم ہے بہ علم حق،

☆ — سالک مرید ہے بہ ارادت حق،

☆ — سالک قَدِیْر ہے بہ قدرت حق

☆ — سالک مَسْمُوع ہے بہ سمع حق،

☆ — سالک بَصِیْر ہے بہ بصر حق،

☆ — سالک کَلِیْم ہے بہ کلام حق،

مراقبہ قرب فرائض:

یعنی خدا فاعل اور بندہ اس کا آلہ ہے — یہاں سالک یہ تصور کرے کہ:

- ☆ — حق سمیع ہے بہ روح سالک،
- ☆ — حق موجود ہے بہ وجود سالک،
- ☆ — حق کلیم ہے بہ کلام سالک،
- ☆ — حق بصیر ہے بہ بصر سالک،
- ☆ — حق قدیر ہے بہ قدرت سالک،
- ☆ — حق حاضر ہے بہ حضور سالک،
- ☆ — حق ناظر ہے بہ نظر سالک،
- ☆ — حق حی ہے بہ حیات سالک،
- ☆ — حق مرید ہے بہ ارادت سالک۔

مراقبہ عین:

مراقبہ نہ قرب نوافل نہ قرب فرائض بلکہ عین ہے یعنی سالک یہ تصور کرے کہ وہ خود "حی، سمیع، کلیم، قدیر، علیم، بصیر، مرید" وغیرہ ہے۔

مراقباتِ خمسہ قادر یہ محبوبہ غوثیہ:

اذکار و اشغال و مراقبات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ یعنی:

(۱) — صفائی (۲) — ذاتی (۳) — مشترک

چنانچہ انہی اقسام میں سے ایک خمسہ پیش ہے۔ داند کہ داند ہو خدا:

(۱)۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ — اللّٰهُ قَادِرٌ

(۲)۔ وَهُوَ مَعْلَمٌ اِنَّمَا — اللّٰهُ مَعِي

(۳)۔ فَاِنَّمَا تُوَلُّوْا فَنَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ — اللّٰهُ شَاهِدِي

(۴)۔ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرِي — اللّٰهُ نَاصِرِي

(۵)۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ — اللّٰهُ حَاضِرِي

ان سب سے بہتر اور عمدہ مراقبہ لفظ انسا ہے۔ بہ شمار بست یکبار۔ اور قادری گیارہ اسم الہی کے موافق کہ جو خاص ورد اور شغل حضرت غوث الاعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ تھا، ورد و شغل رکھے۔ — خاندانِ قادریہ محبوبیہ غوثیہ میں سراسر مراقبہ
مَنْ فَيَكُونُ بِهِ خَمْسَةٌ وَجُودَاتٍ هِيَ۔

اذکار و اشغال و مراقبات میں درپیش کفریات:

طالبِ صادق جب اذکار و اشغال و مراقبات کرتا ہے تو اس راہ میں اسے چار
کفریات پیش آتے ہیں — ایک تو انکشاف سے پہلے، اور تین انکشاف کے بعد:
(۱) — کفر شرعی:

جو کفر انکشاف سے پہلے آتا ہے وہ کفر شرعی ہے — یعنی:

☆ — اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک کرنا۔

☆ — اللہ کے فرائض سے منکر ہونا۔ جیسے کفار و مشرکین بت پرست ہیں۔

☆ — اپنی اتانیت کو اس کے سامنے رکھنا۔ جیسے ابلیس لعین ہے۔

انکشاف کے بعد جو کفر پیش آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۲) — کفر نفسی (۳) — کفر قلبی (۴) — کفر روحی

(۲) — کفر نفسی:

کفر نفسی وہ ہے کہ اس راہ میں طالبِ صادق کو پہلے نورِ نفس انکشاف ہوتا ہے۔
اسے خدا نہ سمجھے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا تھا۔

قرآن کریم میں ہے:

☆ — فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي (پ ۷۷ ع ۱۵)

”پس جب ڈھانپ لیا اس کو رات نے، دیکھا ایک تارہ (یعنی نور

نفس) کہا: ”یہ میرا رب ہے۔“

☆ — فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآلِهِينَ

”پس جب وہ چھپ گیا، کہا: میں دوست نہیں رکھتا چھپ جانے والے

کو۔“

یعنی جب اس رتبہ سے ترقی پائی اور نور نفس فنا ہوا تو کہا کہ میں فانی کو دوست نہیں رکھتا۔

☆ ————— فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي

”پھر جب دیکھا چاند کو روشن، کہا: یہ میرا رب ہے۔“

یعنی جب نور نفس سے ترقی پا کر نور قلب نمودار ہوا (لطیفہ قلب کی روشنی قمریۃ البدر کی مانند ہے) تو کہا: ”یہی میرا مطلوب ہے۔“

(۳) ————— کفر قلبی:

☆ ————— فَلَمَّا أَفْلَحَ قَالَ لَيْنَ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

الضَّالِّينَ

”پھر جب چھپ گیا تو کہا: اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو میرا پروردگار تو البتہ میں ہو جاؤں گا قوم گمراہوں سے۔“

یعنی جب نور قلب بہ سبب ترقی کرنے کے فنا ہوا تو گھبرا کر کہنے لگے کہ اللہ بچائے، ایسا نہ ہو کہ گمراہ ہو جاؤں۔

۴ ————— کفر روحی:

☆ ————— فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ

”پھر جب دیکھا سورج کو روشن، کہا: یہ میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔“

یعنی جب نور قلب سے ترقی پائی اور نور روح کا انکشاف ہوا تو کہنے لگے کہ: بس یہی میرا پروردگار ہے سب سے بڑا روشنی والا۔ (لطیفہ روح کا نور شمس کی مانند روشن ہے۔)

☆ ————— فَلَمَّا أَفْلَحْتُ يَنْقُومُ إِنِّي بَرِيٌّ مِمَّا تُشْرِكُونَ

”پھر جب چھپ گیا کہا: اے قوم میری میں بیزار ہوں اس چیز سے کہ تم

شریک کرتے ہو۔“ میں تم مشرکین کے ہمراہ نہیں ہوں۔

یعنی جب نور روح سے ترقی پائی اور نور سبحانی بے کیف منکشف ہوا تو کہا:

إِنِّي وَجْهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا
مِنَ الْمُشْرِكِينَ

”تحقیق میں نے متوجہ کیا اپنے منہ کو واسطے اس کے جس نے پیدا کیا

آسمانوں اور زمین کو، توحید کرنے والا ہو کر۔ اور میں نہیں مشرکین سے۔“

چنانچہ طالب کو لازم ہے کہ نیر نجات کو ہمیشہ نفی کرتا ہوا میدان توحید میں علم

گاڑے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کفر کے بعد ہے۔

۔ ہوز از کاف کفرت خود خبر نیست حقائق ہائے ایمان را چہ دانی

کفر و ایمان قرین یک دگراند ہر کرا کفر نیست ایمان نیست

اولاً کفر باید اے درویش ورنہ بے کفر کس مسلمان نیست

”ابھی تو تجھ کو اپنے کفر کے کاف کی بھی خبر نہیں ہوئی ہے، تو دین و ایمان

کے حقائق بھلا کیا جانے گا۔ کفر و دین و ایمان ایک دوسرے کے نزدیک

ہیں۔ جس کو کفر کی پہچان نہیں ہے اس کا ایمان بھی نہیں ہے۔“

یعنی جو نیک و بد اور حق ناحق کو نہ سمجھے گا وہ غلط فہمی سے کب بچے گا اور حقیقت کو کس طرح

پہچانے گا۔

”اے درویش پہلے کفر چاہئے ورنہ بغیر کفر کے کوئی مسلمان نہیں ہوتا۔ یعنی

کفر و دین کے جھگڑے ایک حجاب ہیں۔ حقیقت کی پہچان ہونی چاہئے۔

جب تک طالب کفر سے نہیں گزرتا مومن کامل نہیں ہوتا۔ بلکہ جب تک کفر و ایمان کے

جھگڑے میں مجھوب ہے۔ چنانچہ حضرت اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”کفر و ایمان ہر دو مقام ہیں عرش سے آگے ہر دو حجاب ہیں خدا اور

بندے کے درمیان“

۔ عشق را با کفر و ایمان کار نیست عاشقان را جز خدا درکار نیست

ہر کرا در معرفت محکم قدم
چون ترا این کفر و این ایمان نماند
مرد میداں می شوی این کار را
پائے در نہ بچو مردان و مترس
در گزشت از کفر و از ایمان ہم
مرد باشی این چنین اسرار را
در گزر از کفر و از ایمان مترس
باز شو چون شیر مرداں سوائے کار

”عشق کو کفر و ایمان سے کوئی تعلق اور کام نہیں ہے۔ عاشقوں کو تو سوائے محبوبہ حقیقی (ذات الہی) کے اور کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو شخص معرفت الہی میں مضبوطی سے قدم رکھتا ہے وہ کفر و ایمان ہی سے گزر جاتا ہے۔ یعنی اس کو سوائے جذبہ عشق کے سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے۔ جب تجھ کو یہ کفر اور یہ ایمان ہی حاصل نہ رہے گا۔ تو تیرا یہ جسم ظاہری اور یہ تیری جان (مقید) بھی باقی نہیں رہے گی، اور تو سب سے بے نیاز ہوگا۔ اس اہم اور سخت و دشوار کام کے لیے تو مرد میدان ہی کی ضرورت ہے۔ لہذا تو ان اسرار حقیقی کو سمجھنے کے لیے مرد بن جا۔

اور تو اس راہ حق میں مردوں کی طرح قدم رکھ اور کسی بات سے نہ ڈر۔ تو اس ظاہری کفر و ایمان سے گزر جا اور بے باک ہو جا۔ بھلا تو کب تک ڈرتا رہے گا۔ بچپن کی ان باتوں سے ہاتھ اٹھالے اور شیر مردوں کی طرح پھر اپنے اصلی کام پر لگ جا۔“

بہرنا میکہ در اسلام بودیم
چو از کونین ہر دو دیدہ بستیم
بجملہ بر مغان ایثار کردیم
میان دیدہ خود دیدار کردیم
”اس تمام عزت و آبرو اور نام و نمود سے جو مجھے اپنے دین میں حاصل تھی، میں اپنے محبوب پیر مغان پر نثار و قربان ہو گیا۔

جب میں نے دونوں جہان سے اپنی آنکھیں بند کر لیں تو میں نے اپنی آنکھوں (چشم باطنی) کے درمیان خود کو بیدار و ہوشیار کر لیا۔

یعنی میں ظاہری زہد و تقویٰ اور مذہبی ریاکاری کو چھوڑ کر اپنے محبوب حقیقی پر
 جب خدا ہوا اور تمام ماسوا سے آنکھیں بند کر لیں تو پھر مجھے شاہد حقیقت کا جلوہ نظر
 آنے لگا۔“

فصل ششم

تجلیات الہی و تنزلات و تعینات، خمسہ وجودات

زمانہ سابق میں یہ تعلیم خاندان قادریہ و چشتیہ میں بڑے زور سے ہوا کرتی تھی۔ لیکن فی زمانہ سوائے اوراق کے کہیں نظر نہیں آتی۔ بلکہ خمسہ وجودات کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ افسوس صد افسوس۔ میں بھی اوراق ہی میں درج کرتا ہوں۔

ظہورات عالم:

احدیت ذات نے اپنی تجلیات سے وجودات عالم کا ظہور کس طرح پر فرمایا، اور ہر درجہ وجود میں ذات کو ظہورات عالم سے کیا نسبت ہے؟ — اہل معرفت خوب آگاہ ہیں کہ ذات حق اپنی اصلی حالت پر **الآن کما کان قائم** و برقرار ہے، اور عروج و نزول و تعینات سے منزہ و مقدس! — سالک مبتدی کے سمجھانے کے لیے صوفیاء کرام نے تنزلات و تعینات، تجلیات و خمسہ موجودات احدیت ذات مقرر فرمائے ہیں یعنی:

- ☆ — **تجلی اول:** واحد الوجود بہ تعین اطلاق عالم حاہوت
 - ☆ — **تجلی دوم:** عارف الوجود بہ تعین وحدت و حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، عالم لاہوت
 - ☆ — **تجلی سوم:** ممتنع الوجود بہ تعین واحدیت و اعیان ثابتہ عالم جبروت
 - ☆ — **تجلی چہارم:** ممکن الوجود بہ تعین ارواح جمیع مخلوقات عالم ملکوت
 - ☆ — **تجلی پنجم:** واجب الوجود بہ تعین اجساد و اجسام عالم ناسوت
- چنانچہ ذات حق کو ہر درجہ وجود میں اپنے ظہورات سے جداگانہ نسبت ہے۔ یعنی:

☆ — عالم ناسوت واجب الوجود میں ذات کو اپنے مظہر صفات کے ساتھ حاکم و محکوم کی نسبت ہے۔

☆ — عالم ملکوت ممکن الوجود میں ایسی نسبت ہے جیسے باپ کو اولاد سے ہوتی ہے۔

☆ — عالم جبروت ممتنع الوجود میں نسبت محبوبیت کی ہے۔

☆ — عالم لاہوت عارف الوجود میں نسبت عاشقی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ظہورات کو ان پانچ وجودات میں ختم کیا ہے۔ یعنی:

(۱) واحد الوجود (۲) عارف الوجود (۳) ممتنع الوجود (۴) ممکن الوجود (۵) واجب الوجود صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ذات بحت نے اول بہ تعین اطلاق ”واحد الوجود“ نام پایا — رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ ”اللہ تھا اور نہ تھی اس کے ساتھ کوئی شے۔“

— پھر اس ذات مقدس نے بہ تعین عارف الوجود (جس کا نام نامی نور و حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے) بعلم اجمالی ظہور فرمایا — رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ مَا نُورِي

”سب سے پہلے اللہ نے میرے ہی نور کو اپنا مظہر بنایا۔“

پھر اپنے نور کے اس جمال بے مثال کو ملاحظہ فرما کر خود کو عاشق بنایا، اور اس نور قدسی کو اپنا محبوب بنایا — چنانچہ یہ حدیث قدسی:

لَوْلَاكَ لَمَّا أَظْهَرْتُ الرَّبُّوبِيَّةَ

”اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگر تو نہ ہوتا تو میں البتہ اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔“

اللہ تعالیٰ کو اس درجہ وجود میں اپنے مظہر کے ساتھ نسبت عاشقی کی ہے — پھر اس نور لطیف کو عرفان بخشا تا کہ اپنے نفس کی معرفت سے اپنے آپ کی معرفت حاصل

کرے اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کی تصدیق ہو جائے۔۔۔ چنانچہ اس عرفان کی وجہ سے اس نور مقدس کو روحِ قدسی کا خطاب عنایت ہوا۔۔۔ عالمِ جبروت حقیقتِ انسانی میں بہ تعین متمتع الوجود بعلمِ تفصیلی ظہور فرمایا۔۔۔ اس درجہ وجود میں وہ روحِ قدسی سے شناخت کے خود ذاتِ واحد کو موصوف بہ صفاتِ شبہہ شناخت کر کے ذات پر عاشق ہو گئی۔ اس مرتبہ میں ذات کو اپنے مظہر سے محبوبیت کی نسبت ہے۔ یعنی اس مقام میں ذاتِ الہی محبوب ہے اور مظہر عاشق۔

پھر بہ تعین ممکن الوجود جس کو ”عالمِ ملکوت“ کہتے ہیں، ظہور فرمایا۔ شانِ محبوبی کے کمال کی وجہ سے خود روحِ قدسی سے ارواحِ غیر تنہا ہی آئینہ ہائے مختلف الالوان کو ظہور میں لایا۔ ارشاد باری ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاخْتِلافِ اللَّسَانِيَّاتِ وَاللَّوَانِيَّاتِ
 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَايٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ (پ ۲۱، ع ۶۷)

”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور اختلاف تمہاری لہجوں کا اور تمہارے رنگوں کا۔۔۔ البتہ اس میں نشانیاں ہیں عالموں کے لیے یعنی عارفوں کے لیے، تاکہ اپنے حسن و جمال کو ان مختلف کائناتوں میں ملاحظہ فرمائیں۔“

ذاتِ حق کو اس مقام ممکن الوجود میں اپنے ظہور سے ایسی نسبت ہے جیسے باپ کو اولاد سے، اور اولاد کو باپ سے۔ یعنی اس مرتبہ ملکوتیہ میں ذاتِ حق باپ کی مانند رحیم و کریم اور تربیت و پرورش کنندہ ہے، اور اولاد کی طرح مخلوق کو نہ خوف عذاب ہے نہ امید ثواب، نہ خیال عطا، نہ طلب عرفان، نہ آرزوئے حصول کمالات۔۔۔ ذاتِ حق نے اثبات ربوبیت کے لیے، اور حکمِ تضادِ قدر کے اجرا کے لیے، خود ان ارواح کی تربیت کے لیے اپنے قہر و عطا، رحم و کرم کو ارواح پر اظہار فرما کے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فَالْتَوُوا بِلٰئِيْ شٰهِدٰنَا عبودیت کا اقرار لیا۔۔۔ اور سب کو وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ كَ الْخَلْقِ سے مشرف فرمایا۔ اور ہر ایک کو اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ اپنی نیابت و خلافت

کا حکم سنادیا۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ — پھر عالم جسمانیات میں بھیج کر قیام کا حکم فرمایا۔ یہاں عالم ناسوت میں پہنچتے ہی ہر ایک کو دعویٰ خلافت ہوا۔ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَيفَةَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
ذَرَجَتْ لَيَسْخُوكُمْ فِيمَا أَنْتُمْ

”اسی نے تم کو کیا ہے نائب زمین میں، اور تم میں بلند کئے درجے ایک کے ایک پر کہ آزمائے تم کو اپنے دیئے حکم میں۔“

اس سے ہر ایک کو علم ہو گیا کہ ”ہم نائب ہیں“ — اس لیے ہر ایک نے دعویٰ نیابت کیا۔ آپس میں ہر طرح کے نزاع و فساد شروع ہوئے — پھر ذاتِ حق نے بشانِ احکم الحاکمین اپنے بندگانِ خاص کی معرفت احکام بھیجے شروع کر دیئے۔ چنانچہ ذاتِ حق بدرجہء واجب الوجود عالم ناسوت میں بمنزلہ حاکم کے ہے۔ — ذاتِ سبحانہ، تعالیٰ نے بہ خسرہ وجوداتِ عالم ظہور فرمایا، اور ہم نے ان تنزلات کا نام خسرہ وجودات رکھا ہے۔

معرفت واجب الوجود بہ تعین اجسام (تجلی پنجم):

تنِ خاکی — روح نامی — مؤکل میکانیل۔ اس مؤکل کا یہ کام ہے کہ اوپر سے فیض لے اور اجسام کو دے، یعنی پرورش اجسام اس کا کام ہے۔

علمائے شریعت کی اصطلاح میں وجود باری عزاسمہ، کو واجب الوجود کہتے ہیں۔ جو بذاتِ خود قائم و دائم ہے، اور تغیر و تبدل، حدوث و فنا کو اس کے پردہٴ عزت کے گدراہ نہیں اور کونین کے جملہ موجودات کے وجود اس کے ذاتی وجود سے نمود میں آئے ہیں۔ — صوفیا کرام کی اصطلاح میں اس جسدِ عنصری کو واجب الوجود یعنی ”لازم الوجود“ کہتے ہیں۔ یہاں وجود بمعنی جسم ہے — حیوانی، طبعی و نباتی نامی روح کو جسمِ عنصری کے ظہور کے بغیر ہرگز قیام و قزاق نہیں۔ اس لیے یہ جسدِ عنصری روح کے لیے واجب و لازم قرار پایا — یہ عنصری وجود نزولِ رحمت، مورد ورود و فیضانِ الہی کا

موجب ہے۔ اور حصول مراتب اور غیر متماثل مقاصد کا سبب ہے۔ اگر یہ غصری وجود نہ ہوتا تو کوئی شخص مرتبہ نبوت و رسالت اور ولایت وغیرہ کہ نہ پہنچتا۔ اس جسد غصری میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عجیب و غریب حکمت بالغہ کا اظہار فرمایا ہے کہ عقل جزوی اس کے ادراک میں حیران و پریشان ہے۔ متضاد عناصر کو ایک جگہ پر جمع کر کے ان میں مختلف حواس کو پیدا کرنا، اور حواس میں لذائذ اور لذائذ میں کیفیات کو قائم رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔ جو فہم و قیاس عقلا و حکماء زمانہ سے بالاتر ہے۔ یہ عجیب وجود ہے کہ جمع وجودات یعنی:

”ممکن الوجود، متمتع الوجود، عارف الوجود اور واحد الوجود“

سب اس میں موجود ہیں۔ پھر یہ خود ہر ایک وجود میں موجود ہے۔ یہ عجیب عالم صغیر ہے کہ عالم کبیر بھی اس کے اندر لپٹا ہوا ہے۔ یہ طلسم الہی ہے اس کا راز آج تک کسی پر منکشف نہیں ہوا۔ لَا یَعْلَمُ حَقِیقَتَهُ إِلَّا هُوَ۔

یہ واجب الوجود پانچویں تجلی اور ممکن الوجود کا مظہر و پرتو ہے۔ تن خاکی اور روح حیوانی کے اتصال سے قلب مضغہ گل صنوبری مع مدارج کمالات ظہور میں آیا۔ حدیث قدسی میں ہے:

إِنَّ فِیْ جَسَدِ اذْمٍ لَّمْضِغَةً وَفِی الْمُضْغَةِ قَلْبٌ وَفِی الْقَلْبِ فُؤَادٌ

وَفِی الْفُؤَادِ صَمِیْرٌ وَفِی الصَّمِیْرِ سِرٌّ وَفِی السِّرِّ اَنَا

یعنی اس قلب مضغہ صنوبری میں یہ خود اور ممکن الوجود، متمتع الوجود، عارف الوجود اور واحد الوجود جو روح حیوانی، روح متحرک، روح ناطق، روح قدسی اور ذات احدیت کے نام سے موسوم ہیں، موجود ہیں۔

سبحان اللہ! یہ مضغہ صنوبری ہے یا خانہ طلسمات۔ جس چیز کو ڈھونڈو وہ سب اس میں موجود، بلکہ احدیت ذات کا پتہ بھی اس میں ہی لگتا ہے۔ وَفِی أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ پھر اس مضغہ صنوبری میں ایک قابلیت رکھی گئی ہے۔ جس کا نام نفس امارہ ہے یعنی خواہشات مذمومہ۔ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔ جب روح حیوانی طبعی

نامی اس جسدِ عنصری میں قائم ہوئی، تو چونکہ جسدِ پہلے ہی سے متضاد عناصر کے طلسمات کا مجموعہ مختلف حواس اور عجیب و غریب لذائذ کا پتلا بن رہا تھا۔ روح آتے ہی گرفتار طلسمات ہو گئی اور ناجنسوں کی صحبت میں لذائذ کی طرف میلان کیا، اور دل کی معین و مددگار بن گئی۔ سچ ہے:

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند
 ”اچھی اور نیک صحبت تجھے نیک بنائے گی، اور بری صحبت تجھے خراب کر دے گی۔“

دل میں امارگی کی صفت تو پہلے ہی سے موجود تھی، ”دیوانہ را ہوئے بس است“ کا مضمون ہو گیا۔ اس کی اشتعالی صفت سے دل ذمیرہ خصائص اور ملعونہ خواہشات کا مخزن بن گیا۔ اسی لیے انسان حواسی لذائذ اور حیوانی شہوانی خواہشات میں مبتلائے بلا رہتا ہے۔ اسی کو نفسِ امارہ کہتے ہیں۔ یہ مقام روحِ نامیہ کا ہے۔ اور جسم میں دل مغضہ و گوشت بہ صورتِ گل صنوبر مقامِ نفسِ امارہ ہے۔ اگر کوئی طالبِ صادق اس قیدِ جسمانی و کیدِ نفسِ امارہ سے خلاصی، و مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے راز سے آگاہی منزلِ اسْفَلِ السَّافِلِينَ سے ذاتِ احدیت کی طرف عروج کرنا چاہئے۔ اول ذمیرہ صفاتِ قلبی کو توحیدِ اقوالی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عاملِ علی الشریعت ہو، اور ارشادِ پیرِ کامل کے مطابق ذکرِ لسانی میں (جس کو لعلقہ کہتے ہیں) مشغول رہے۔ تاکہ کیدِ نفسِ امارہ سے نجات پائے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ مِضْقَلَةٌ وَمِضْقَلَةُ الْقَلْبِ ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى

تاکہ آئینہ قلبِ زمانم کے زنگ سے پاک و صاف ہو کر عکس قبول کرنے لگے۔ پھر مراقبہ شرعی جس کا نام احسان ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: فَبِإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ کو ہر وقت مد نظر رکھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے اقوال و اعمال و احوال پر سمج و بصیر و حاضر و ناظر جانے۔ پھر نفی و اثبات سے اسمِ ذاتِ اللہ

کی طرف رجوع کرے، اور اسم ذات مجرد از صفات زبان کو ہمیشہ متحرک رکھے۔ تاکہ ذوق و شوق پیدا ہو۔ یہاں تک کہ مستغرق ہو جائے۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی تصور رکھے کہ میرا یہ جسم خاکی مجھ سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ اس تصور کو یہاں تک بڑھائے کہ یہ جسم ناسوتی جدا نظر آنے لگے۔ پھر تجرید و تفرید کو اختیار کرے۔

☆ — تجرید: ذمائم سے مجرد ہونے کا نام ہے،

☆ — تفرید: علائق سے منفرد ہو جانے کا نام

ان کو اپنی ذات پر مضبوطی سے لازم سمجھے کہ پھر لغزش نہ ہو۔ اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر درجہ و وجود میں سالک کو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے معنی جداگانہ کیفیت سے منکشف ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے نفس کی معرفت کے ذریعہ سے معرفت رب حاصل کرتا ہے۔ سببہ ارج کے اختتام رب الارباب کی معرفت ہوتی ہے۔ ذَالِكْ يُؤْتِيهِ مَنْ يُشَاءُ۔

مثلاً عالم ناسوت میں معرفت نفس اور معرفت رب فہم و قیاس سے مطابقت ہے۔ یعنی اپنے نفس کی شناخت پر معرفت رب قیاس کرتا ہے۔ چنانچہ اس درجہ میں سالک:

☆ — شق اول کے یہ معنی قیاساً مفہوم کرتا ہے کہ ”میں عبد ہوں، بندہ ہوں، مخلوق ہوں، مصنوع ہوں“۔

☆ — شق ثانی کو اسی پر قیاس کرتا ہے کہ ”رب میرا معبود ہے، مالک ہے، حاکم ہے، صانع ہے“۔

اور قیاس کرتا ہے کہ اس عالم کا کوئی صانع ضرور ہے جو اپنی صنعت کاملہ سے اس کو بوقلموں طرز سے صفحہ اظہار میں لایا ہے۔ وہی میرا پروردگار ہے۔ غرض اس درجہ وجود میں صانع کو صنعت سے شناخت کرتا ہے۔ سالک کو تن خاکی جب الگ نظر آنے لگے تو اس حالت والے کو عارف کہتے ہیں۔ پھر اسم ذات میں ایسا مشغول ہو کہ ہر بال کی جز سے سلطان الاذکار جاری ہو جائے۔ اس کے بعد وہ تن خاکی جو تصور

میں جدا آنے لگا ہے، اس تصور کو یک لخت اٹھا دے، اور خواب ناسوتی سے بیدار و ہوشیار ہو کر حصول ممکن الوجود کے لیے بلخ کوشش کرے — ممکن الوجود وہ وجود مثالی ہے جو حالت خواب میں اسی وجود کے مثال سیر کرتا ہوا نظر آتا ہے — یہ وجود مثالی شہادت مبداء میں حاصل ہوتا ہے۔ واجب الوجود ترک کرنے کے لیے اور ممکن الوجود حاصل کرنے کے لیے شہادت مبداء مقرر ہے۔

شہادت مبداء:

شہادت مبداء وہ ہے کہ تن خاکی کی تمام حرکات و سکنات کو نگاہ میں رکھے، اور ساکن ہو کر باطن کی طرف متوجہ ہو جائے اور خوب بغور دیکھتا رہے کہ جسد عنصری میں بوقت سکون جو دوسرے و حرکت و خطرہ ظاہر ہو بالیقین جانے کہ یہ ممکن الوجود کی طرف سے ہے۔

اقسام شہادت مبداء:

شہادت مبداء دو قسم ہے:

(۲) — عینی

(۱) — رسمی

☆ — شہادت مبداء رسمی:

وہ ہے کہ اپنے تصور کو اس وجود خاکی سے اٹھالے، اور وجود مثالی روحانی جو خواب میں سیر کرتا ہوا نظر آتا ہے، اسے اپنی نظر تصور میں قائم کرے۔ یہ یقین خیال کرے کہ میرا خاص وجود یہی ہے نہ کہ وجود خاکی — اس کا کمال یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے تن خاکی میں سوئی گاڑ دے تو کچھ خبر نہ ہو۔

☆ — شہادت مبداء عینی:

اپنے تن خاکی کو از سر تا قدم علیحدہ دیکھے — اس کا کمال یہ ہے کہ رنج و راحت، لذت و تلخی بدرجہ مساوات ہو جائے، بلکہ تکلیف و عذاب سے لذت زیادہ اٹھائے — جب تک سالک کو شہادت مبداء عینی میں وجود مثالی نظر نہ آئے۔ ہر

وقت وجود روحانی کے حصول میں مشغول رہے یہاں تک کہ وجود ناسوتی کو فنا و وجود ملکوتی میں بقا حاصل ہو جائے۔ اس حال کے صاحب کو داخل کہتے ہیں۔ یہ منزل ناسوت ہے۔

ممکن الوجود مسلکوتی کا حصول:

پیر کامل، واقف اسرار و وجودات خمسہ کی اجازت سے اس مراقبہ میں مشغول

ہو۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گرنہ بینی سر حق بر ما نہ خند
 ”تو اپنے کان اور اپنی دونوں آنکھیں اور لب بھی بند کر لے — پھر اگر
 تو سر حقیقت (یعنی راز الہی) نہ دیکھے تو بے شک تو مجھ پر خندہ زنی کرتا۔“

طریقہ حصول:

مقام تنہائی میں حجرے کا دروازہ بند کر کے قبلہ رخ بیٹھے۔ اور آنکھیں کان اور ہونٹ بند کر کے اپنی باطنی نظر اور قلبی توجہ کو اپنی نیت پر قائم کرے، اور اس کی محافظت کرتا رہے کہ علم سے پوشیدہ نہ ہو جائے۔ یعنی اپنے علم کو بھی قائم رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ مدہوشی طاری ہو جائے — اس میں نقصان ہے، ہوشیار رہے۔ یہاں تسخیرات خلائق بدرجہ کمال ہے۔ اس طرف ملتفت نہ ہو کہ طے منازل سے رہ جائے گا۔ بلکہ ظہورات ذات حق کی جانب متوجہ رہے۔

اس شغل کو ہر روز بعد نماز صبح چار گھنٹہ تک کرتا رہے۔ اور نماز ظہر کے بعد پانچ بجے عصر تک مشغول رہے — اور نماز عشاء کے بعد صوت سردی میں اللہ کو شامل کر کے ہو کو کلمہ دراز کھینچ کر دماغ میں لے جائے اور جس دم کرے — جب دم بہ نہایت پہنچے تو انا سمیع بصیر غلبیم کہہ کر چھوڑ دے۔

پھر اسی طرح ہو کو آواز سردی کے ساتھ دماغ میں لے جائے، اور اسی آواز پر ہو کا تصور جمائے رکھے۔ ابتداء میں اپنے اوپر یہ امر لازمی سمجھے کہ اپنے خیال و نظر دل

کو اسی آواز پر بہ لفظ ہو قائم رکھے — تاکہ خیال و نظر اور دلِ مسمع میں قائم رہے، ورنہ مسمع سے پوشیدہ ہو جائے گی، اور یہ نقصان ہے — جب تک جس دم کی طاقت رہے، توجہ و نظر دل اسی آواز میں ہو گا تصور قائم رکھے۔ اور اس بات کا بھی تصور رکھے کہ:

”میں ہی سنتا ہوں، میں ہی دیکھتا ہوں، میں ہی جانتا ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔“

اس مراقبہ میں ہو گا تصور بآواز سردی اور نظر دل توجہ کی اس آواز پر، اور شنوائی، بینائی، دانائی معمول ہیں — اسی طرح نو (۹) پارہ دم کو روکے اور چھوڑ دے۔ — اس شمار سے کم ورزش نہ کرے کہ عدد امہات اعداد ہے — اگر ہو سکے تو اکیس (۲۱) یا اکتالیس (۴۱) بار تک نوبت پہنچائے۔

جیسی نیت ویسا پھل:

پھر اس تعداد سے فارغ ہو کر ایک رکعت نماز ادا کرے، اور جس نیت سے پڑھے گا، اس کا اثر چالیس روز میں محسوس ہونے لگے گا — یعنی اگر بہ نیت شہود و مشاہدہ ممکن الوجود، کشفِ کونی والہی، تصرفات و خوارقِ عادات، طی الارض، مشی علی البہاء اور دریا وغیرہ — یا حصول مال و دولت، تسخیرِ خلائق اور فتوح وغیرہ، جس نیت سے پڑھے گا، اس کا اثر بہت جلد دیکھے گا۔

اس کی ترکیب یہ ہے کہ ایک رکعت نماز ممکن الوجود کے حصول کے لیے اللہ اُنْجَبُرُ کہہ کر آنکھیں بند کر کے خاموش کھڑا رہے۔ اور آواز سردی میں ہو کو شامل کر کے دماغ میں لے جائے اور دل و نظر کی توجہ کو اس آواز پر قائم رکھے — پھر تھوڑی دیر کے بعد اللہ اُنْجَبُرُ کہہ کر رکوع میں جائے۔ اور اس آواز میں ہو گا تصور قائم رکھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اللہ اُنْجَبُرُ کہہ کر قیام کرے اور اس آواز میں ہو گا تصور رکھے — پھر اللہ اُنْجَبُرُ کہہ کر سجدہ میں جائے، اور ہو گا تصور قائم رکھے —

پھر اللہ اُنْجِسْرُ کہہ کر سجدہ سے سر کو اٹھائے، اور التَّجِیَّات کی جگہ ہو کے تصور کو قائم رکھے۔ پھر اللہ اُنْجِسْرُ کہہ کر دائیں طرف سلام کی نیت سے منہ پھیرے اور تصور کو قائم رکھے، پھر اللہ اُنْجِسْرُ کہہ کر بائیں طرف سلام کی نیت سے منہ پھیرے، اور اسی تصور میں بیٹھا رہے۔ پھر جب چاہے کھڑا ہو جائے، نماز ختم ہوئی۔ نماز کے ہر رکن میں نو بار جس دم کرے اور چھوڑے۔ نماز کے خاتمہ پر جو دعا طلب کرے گا قبول ہوگی۔ لیکن ہر رکن میں جس قدر دیر لگائے گا، زیادہ فائدہ ہوگا۔ اور اگر ان سب ارکان میں جس دم کرے تو بہتر ہے۔

تجلی پنجم میں ہفت شغل بہ ہفت حروف:

شہادت مبداء یعنی میں سالک کو جب وجود ملکوتی نظر آنے لگے تو تن خاکی کو بحوالہ ہفت شغل خداوند کریم و حافظ حقیقی کے سپرد کرے۔ وہ ہفت شغل بہ ہفت حروف یہ ہیں:

(۱) ی (۲) ہ (۳) و (۴) ن (۵) م (۶) ل (۷) ک

(۱) حرف ی:

حرف یا کو زیر اقام تصور کر کے ان کلمات کو استقامت طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگے:

يَسِّرْ لَنَا اِلَّا سْتِقَامَةً وَتَبِّتْ اَقْدَامَنَا يَا اَللّٰهُ

”اے اللہ! اپنی یاد میں مجھ پر استقامت کو آسان کر اور اپنی عبادت میں مجھے ثابت قدم رکھ۔“

(۲) حرف ہ:

حرف ہا کو بجائے زانو مقرر کر کے یہ دعا مانگے:

هَقِّبْ جَلْسَتَنَا يَا اَللّٰهُ

”اے اللہ! میرے زانوں کو اپنی عبادت میں بیٹھا رکھ۔“

(۳) — حرف و:

حرف واؤ بجائے قلب و نفوس تصور کر کے یہ دعا مانگئے:
 وَسِعَ قَلْبُنَا بِقَبُولِ قِيَامِكَ وَأَحْفِظُ الْفَاسِنَا عَنِ الْغَفْلَةِ يَا اللَّهُ
 ”اے اللہ! میرے دل کو فراخی بخش تاکہ تیرے فیضان کو قبول کر سکے، اور
 میرے انفاس کو غفلت سے محفوظ رکھ کہ کوئی دم تیری یاد سے خالی نہ
 جائے۔“

(۴) — حرف ن:

حرف نون بجائے سینہ تصور کرے اور یہ دعا طلب کرے:
 نَعْمَنَا بِنِعْمَتِكَ الْحَقِّ يَا اللَّهُ
 ”اے اللہ! اپنی نعمت حقانی و نورانی سے میرے سینہ کو پر کر دے۔“

(۵) — حرف م:

حرف میم کو بجائے حلقوم تصور کرے اور یہ دعا مانگئے:
 مَرَجَ الْحَائِي بِذِكْرِكَ يَا اللَّهُ
 ”اے اللہ! میرے حلق کو اپنے ذکر میں الجالی عطا فرما کہ ہر وقت تیری یاد
 میں مشغول رہے۔“

(۶) — حرف ل:

حرف لام بجائے پیشانی مقرر ہے۔ اور اس طرح دعا کرے:
 لَقْنَا ذِكْرًا فَانضًا لِنُورِكَ يَا اللَّهُ
 ”اے اللہ! مجھے ایسا ذکر تلقین فرما کہ میری پیشانی تیرے نور کے فیض سے
 منور ہو جائے۔“

(۷) — حرف ک:

حرف کاف کو بجائے دماغ مقرر کیا ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

كَمَلْ مَشَامَنَا بِذِكْرِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! میرے دماغ کو اپنی یاد و محبت سے مکمل فرما کہ تیرے سوا سب کو بھول جاؤں۔“

شہادتِ مبداء یعنی میں اشغال کو درگاہِ حق جل و علی شانہ، میں عجز و نیاز سے ہمیشہ کرتا رہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس وجودِ خاکی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، اور اپنے الطافِ عیم سے ممکن الوجود کی معرفت عطا فرما کر طریقت کی راہ دکھائے۔

تجلی چہارم بہ تعین ممکن الوجود:

تن روحانی متحرک — روح حیوانی — مؤکل اسرائیل — اس مؤکل کا یہ کام ہے کہ ممتنع الوجود سے فیض لے اور ممکن الوجود کو پہنچائے۔

قلب منیب:

ممكن الوجود ممتنع الوجود کا مظہر و پرتو ہے — حدیثِ قدسی میں فَخَلَقْتُ الخَلْقُ کا اشارہ اسی ممکن الوجود کی طرف ہے — یہ ہر دو عالم کی جمیع مخلوقات کا منبع ہے۔ بلکہ یہ جملہ عالم اجساد اور عالم ارواح کا وجود ہے۔

ممكن الوجود وہ ہے جس کا عدم و وجود ذاتِ حق کے مساوی و قائم ہو — یہ وہ وجود روحانی ہے جو عالمِ خواب میں اسی جسمِ خاکی کی صورت و شکل میں سیر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی کو ”روحِ مسافر، روحِ جاری اور روحِ سیرانی“ کہتے ہیں — اسی روحِ جاری کا نام ممکن الوجود ہے — روزِ میثاقِ النَّسْتِ بِرَبِّكُمْ کی مخاطبِ بے روح تھی، اور اسی روح نے جواب میں بلیٰ کہا تھا — اس روح کا قیام یہ روحِ ناطق ہے کہ وہ عینِ روحِ قدسی ہے۔ جو پرتو ذاتِ حق ہے — یہ ممکن الوجود ظہورِ اشیاءِ مکانیہ کی جگہ ہے — اللہ تعالیٰ نے اس وجود کو تن روحانی یعنی وجودِ ملکی اور وجودِ مثالی جو عالمِ خواب میں نظر آتا ہے، اور روحِ متحرک و سیرانی جو حالتِ خواب میں اس جسمِ مثالی کو اٹھا کر سیر و طیر کرتا ہے، عنایت فرمایا — اس کو خواب و بیداری میں ہرگز آرام و قرار نہیں۔

تن روحانی اور روح متحرک کے اتصال سے قلب نیب کا ظہور ہوا — اس قلب میں قابلیت لو اگی یعنی اوصاف حمیدہ ملکیہ کے حصول کی خواہش رکھی گئی ہے۔ اسی کا نام نفس لوامہ ہے — ارشاد باری ہے:

لَا أُقْسِمُ بِبَیْوَمِ الْقِیَمَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللُّوَامَةِ

یہ نفس آدمی کو برائی و ملامت اور نقص کی اصلاح اور ماسوی اللہ سے اعراض کرتا ہے۔ اور حق کی طرف توجہ نام رکھتا ہے — یہ قلب نیب کی قابلیت و حقیقت ہے۔ واجب الوجود عنصری کا نام ہوا ہے۔ اور ممکن الوجود روحانی کا نام صفا — وہ عالم ہوا میں سیر کرتا ہے، اور یہ عالم صفا میں۔ روح متحرک کا مقام قلب نیب ہے۔ یہ روح ہمیشہ حرکت میں رہتی ہے۔ اس میں اس قدر قوت سیر و طیر ہے کہ طرفہ العین میں مشرق سے مغرب تک اور فرش سے عرش تک پہنچ سکتی ہے۔ — اسے اس وقت سکون ہوتا ہے کہ جب سالک متصف بہ صفات نفس لوامہ سے متصف ہو کر قلب نیب میں داخل ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۖ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ
ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ

”جو شخص اللہ سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور آتا ہے قلب نیب میں، داخل ہوا اس میں سلامتی کے یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا، گویا آج سلامتی میں داخل ہو گیا۔“

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ

”اور ان کے لیے ہے جو کچھ کہ چاہیں گے بیچ اس کے، اور نزدیک ہمارے ہے زیادتی۔“

قلب نیب کی یہ خاصیت ہے کہ روح متحرک کی حرکات طبعہ کو اپنے آپ میں قبض و جذب کر لیتا ہے۔ یعنی روح متحرک اپنی اختیاری حرکات سے کہ بہ مقتضائے طبع حقیقت میں وہ اضطراری ہیں، اور دخول عالم ملکوت کی مانع باہر آ جاتی ہے —

اضطراری عادی حرکات عالم ملکوت میں نہیں ہیں، کیونکہ ملائکہ مامور بہ امر حق ہیں، حرکت اختیاری نہیں رکھتے۔۔۔ بس واجب الوجود عنصری کی حرکت باطن کو جو ممکن الوجود روحانی کی روح متحرک میں ابھی کچھ باقی تھی۔ قلب نیب نے جب اس کو جذب کر لیا تو قلب نیب کا کام ختم ہوا۔۔۔ اب نفس لواہم کی کارروائی شروع ہوئی۔۔۔ سالک جب نفس امارہ کی بقیہ حرکات سے کہ وہ ذمیدہ صفات میں خبردار ہو کر آگاہی پالیتا ہے۔ اگرچہ نفس امارہ جاتا رہا ہے، لیکن جو کچھ اس کے ذمائم اور اثر باقی رہ گیا ہے۔ کیونکہ نفس لواہم اسے زائل کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی صفات حمیدہ ملکیہ ہیں۔۔۔ سالک اس مقام پر صفات ملکوتی سے متصف ہو کر باقی ماندہ صفات امارگی سے صفائی حاصل کر لیتا ہے۔ اس وقت سالک کو بہ حیثیت احاطہ معرفت حق بہ فہم وہم ہوتی ہے۔

فہم وہم:

وہ ہے کہ جو کچھ اس کے لائق حال ہو، معرفت الہی حاصل کرے۔ یعنی جیسے واجب الوجود عنصری میں فہم قیاس تھا کہ صانع کو بہ صفت صنعت شناخت کیا تھا۔ اب ممکن الوجود میں فاعل کو فعل سے شناخت کرتا ہے۔ یعنی سالک اپنی ذات کو فعل اور ذات حق کو فاعل جانتا ہے۔ اس مقام میں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے یہی معنی ہیں۔

توحید افعالی:

صانع و فاعل میں یہ فرق ہے کہ صانع غیب میں ہے، اور فاعل حضوری میں۔۔۔ ملائکہ فہم وہم حق تعالیٰ کو بالیقین فاعل و حاضر بالفعل جانتے ہیں۔ اور امر حق کو بعینہ متصرف و نافذ دیکھتے ہیں، اپنے ارادے سے کچھ نہیں کر سکتے کہ مامور بہ امر حق ہیں۔۔۔ اس مقام میں سالک کا فہم بھی اسی قبیل پر ہو جاتا ہے، اور اپنے افعال طبعی کو بالکل ترک کر دیتا ہے۔۔۔ بدون امر حق اپنے اختیار سے کوئی فعل نہیں کر سکتا۔۔۔ اس کا نام توحید افعالی ہے۔

تجربہ و تفرید:

توحید انعالی کے بعد سالک کو تجربہ و تفرید کا اختیار کرنا لازم ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو عالم ملکوت میں فاعل افعال دیکھ کر اپنے افعال سے مجرد ہونے کا نام تجربہ ہے۔ اور اپنے افعال طبعی سے مبرا و منفرد ہو کر وجود روحانی میں داخل ہونا اور ملائکہ کے مانند طاعت و عبادت میں بامثال امر حق میں مشغول ہو جانے کا نام تفرید ہے۔

مراقبہ طریقت:

سالک کی توحید انعالی تجربہ و تفرید کے ساتھ جب مکمل ہو جاتی ہے تو راہ طریقت بے تکلف اس پر کشادہ ہو جاتا ہے۔ منزل فقر کا کوئی دروازہ کلید توحید کا دروازہ کشادہ نہیں ہو سکتا۔ ہر منزل کی توحید جداگانہ مقرر ہے۔ فقر کے ہر ایک مقام و منزل میں سالک سے اول توحید کا سوال ہوتا ہے۔ اگر سالک نے شافی جواب دیا تو آگے جانے کا حکم ملتا ہے، ورنہ واپس کیا جاتا ہے۔ جب حکم مل جاتا ہے تو اس پر عبادت طریقت لازم ہو جاتی ہے۔ یعنی:

- ☆ تجربہ و تفرید تام سے خطرات کی نفی میں مشغول ہو،
- ☆ دل میں جو خطرہ آئے، ہمیشہ اس کی نفی کرتا رہے،
- ☆ مقام خطرہ میں ذکر الہی کو قائم رکھے۔ یعنی غیر اللہ سے اعراض کر کے متوجہ الی اللہ رہے۔ اسے مراقبہ طریقت بھی کہتے ہیں۔

یہ مقام بدرجہ غایت سیر و طیر کا ہے۔ جہاں چاہے، ارادے کے ساتھ ہی پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ ذکر قلبی میں حاصل نہیں ہو سکتا۔

مشاہدہ طریقت:

ذکر قلبی کو سوسہ کہتے ہیں۔ یعنی قلب منیب کو باہم ذات، صفات اسماء حسنیٰ مثلاً رحمن و رحیم و کریم و قادر و رزاق وغیرہ کے تصور سے ہر وقت ذاکر

رکھے۔ یا۔ بان کو صفات کے تصور میں اسم ذات سے ممکن الوجود قلب فیض میں
 ذاکر رکھے۔ اس سے معرفت و محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اسے مشاہدہ طریقت کہتے ہیں،
 اور صاحب حال کو عارف۔ اس مقام پر عالم ملکوت و صفات اسماء الہی کے انکشاف
 کا اس قدر ظہور ہوتا ہے کہ اس کے ذوق و شوق میں بالکل بے خبر و مدہوش ہو جاتا ہے۔
 ایسی حالت والے کو عاشق کہتے ہیں۔

کشف کو نیابت و اخبار مغیبات اس منزل ملکوت کا لازمہ ہے۔ عجائبات الہی کی
 وجہ سے۔ مالک کو اس عالم ملکوت سے نکلنا بسا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس پر فریفتہ نہ ہو کہ
 منزل مقصود ابھی بہت دور ہے۔

ع بناید بر سر پل ایستادن

”پل کے کنارے پر نہیں کھڑے ہونا چاہئے۔ اس سے کیا فائدہ ہے۔ یعنی

جب تک پل کو عبور ہی نہ کرو گے، دریا کے پار کیسے جاؤ گے۔“

شہادت و جدا:

اگر سالک کو اس عالم سے نکلنا منظور ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ کمر ہمت باندھ
 کر راہ منزل حقیقت کی جستجو میں شہادت و جدا کو اختیار کرے کہ شہادت و جدا ممکن الوجود
 عالم ملکوت اور حصول ممتنع الوجود عالم جبروت کے انقطاع کے لیے معین ہے۔
 ممکن الوجود وہ ہے کہ کبھی نیست اور کبھی ہست، اور کبھی ہست بخود قیام نہیں رکھتا مگر
 بروح ناطق۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ عالم خواب میں اپنے وجود امکانی سے کبھی
 نیست اور کبھی ہست ہوتا ہے۔ یعنی حالت خواب میں کبھی ظاہر ہو کر تماشا دیکھتا ہے، اور
 کبھی خواب غفلت میں معطل و معزول ہو کر پوشیدہ ہو جاتا ہے، اور کوئی شے اس کو نظر
 نہیں آتی۔ لہذا جو چیز اس کو معزول کر کے اپنے آپ میں پوشیدہ کر لیتی ہے اس کو
 ممتنع الوجود کہتے ہیں۔ اس کا حصول شہادت و جدا پر موقوف ہے۔

اقسام شہادت و جدا:

شہادت و جدا کی دو اقسام ہیں:

(۱) — شہادت و جدارسمی

(۲) — شہادت و جداعینی

(۱) — شہادت و جدا رسمی:

یہ ہے کہ سالک اپنے ممکن الوجود کو یک لخت ترک کر کے بھول جائے۔ اور ہوشیاری و بیداری میں خواب غفلت کی حالت اپنے اوپر طاری کرے — اس استغراق کو یہاں تک بڑھائے کہ حواس و وجود فنا، جو دو وجود ناپیدا اور راہ خطرہ مسدود ہو جائے۔

(۲) — شہادت و جدا عینی:

یہ ہے کہ ممکن الوجود میں جو اوصاف مثل سیر و طیر، عبادتِ ملکی، صفاتِ لامہ اور معرفت وغیرہ حاصل کر چکا ہے، سب کونفی کر دے۔ کہ یہ سب راہ حقیقت میں حجاب ہیں — سالک جب ممکن الوجود کے اوصاف سے پاک و صاف ہو جاتا ہے تو اس وقت متمتع الوجود نظر آتا ہے —

تجلی چہارم میں ہفت شغل بہ ہفت حرف:

سالک اپنے ممکن الوجود کو بہ دعوت ہفت شغل پر د خدا کرے۔ وہ ہفت شغل بہ ہفت حروف یہ ہیں:

(۱) - ق (۲) - ف (۳) - غ (۴) - ع (۵) - ظ (۶) - ط (۷) - ض

(۱) — حرف ق:

حرف قاف کلام و نطق سے متعلق ہے۔ اس کی عام یہ ہے:

قَدَسْ كَلَامَنَا فِي مَدْحِكَ يَا اللهُ

”اے اللہ! میرے کلام کو اپنی حمد و ثناء میں پاک کر۔“

یعنی اس زبان سے پاک زیادہ اور زبان عنایت فرما جو کہ تیری مدح کے لائق

(۲) — حرف ف:

حرف ف احسن شامہ سے متعلق ہے۔ اس کی دعایہ ہے:

فَرِحْنَا بِرَأْسِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! اپنی رحمت و فرحت کی خوشبو سے میرے دماغ کو فرحت بخش۔

تاکہ تری محبت و رحمت میں گرفتار رہوں۔“

(۳) — حرف غ:

حرف غین بصر سے متعلق ہے۔ اس کی دعوت یہ ہے:

غَنِمْنَا بِلِقَائِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! اپنے دیدار کی نعمت میری آنکھوں کو نصیب فرما۔“

(۴) — حرف ع:

حرف عین مہملہ سح کے متعلق ہے۔ اس کی دعوت یہ ہے:

عَلَّمْنَا الْقُرْآنَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! مجھے قرآن شریف تعلیم فرماتا کہ تیری معرفت حاصل ہو۔“

(۵) — حرف ظ:

حرف ظا تجرہ عقل سے ہے۔ اس کی دعوت یہ ہے:

ظَهَرُ ظَرْفِ اسْتِعْدَادِ نَابِجُو هَرَكِ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! میری عقل کے ظرف استعداد کو قوت بخش تاکہ تیرے جوہر نور

ذاتی میں مستعد ہو کر تیری معرفت حاصل کروں۔“

(۶) — حرف ط:

حرف طا کا تعلق قلب سے ہے۔ اس کی دعایہ ہے:

طَرَبْنَا بِطَمَانِيَتِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! میرے دل کو اپنی رضا مندی کے ذوق و شوق میں خوش کرتا کہ
اطمینان قلب ہو۔“

(۷) — حرف ضی:

شغل ہفتم دعوت بہ حرف ضاد معجمہ جو تمام جسم کے متعلق ہے۔ اس کی دعوت یہ ہے:

ضَيِّنَا بِضِيَاءِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! میرے تمام جسم کو اپنے نور ذاتی سے منور فرما۔ تاکہ تیرے محل
قرب میں جگہ پاؤں۔“

شہادت و جدا میں ان اشغال کو درگاہ خداوند کریم میں جاری رکھے۔ اور وجود
روحانی یعنی ممکن الوجود سے نظر کو بالکل اٹھادے۔ اور کسی خطرہ و صورت کی طرف متوجہ نہ
ہو سب کو نفی کرتا رہے۔ یہاں تک کہ دل میں کوئی خطرہ نہ آنے پائے — بفضلہ
تعالیٰ ان اشغال کی برکت سے شہادت و جدا پورے طور پر حاصل ہو جائے گی۔

وصل طریقت:

شہادت و جدا کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ممتنع الوجود عطا
فرمائے گا۔ یعنی جیسے اول وجود سے انتقال کر کے دوسرے وجود ”ممکن الوجود ملکوتی“ میں
آیا تھا۔ اس طرح ممکن الوجود سے انتقال کر کے وجود سوم ”ممتنع الوجود جبروتی“ میں
داخل ہو جائے گا — اس وقت سالک کو واصل اور اس عمل کو وصل طریقت کہتے
ہیں۔

تجلی سوم بہ تعین ممتنع الوجود:

تن ظلمانی — روح ناطق — موکل عزرائیل — اس کا کام یہ ہے کہ
عارف الوجود سے فیض لے کر ممتنع الوجود کو پہنچائے۔

ممتنع الوجود عارف الوجود کا مظہر و پرتو ہے، جسے ”واحدیت اور تجلی سوم“ کہتے

ہیں۔ یہاں ممتنع معدوم سے عبارت ہے اور وجود کے معنی ہیں ”صورت ہستی“۔
 لہذا ممتنع الوجود وہ ہوا جس میں وجود اور صورت شے معدوم ہو۔ یعنی وہ
 ظہور میں مانع صور اشیاء اور شریک باری ہے۔ ازل الا زال میں ذات خدا کے سوا کسی
 شے کا وجود نہ تھا، فقط خدا کی ذات تھی۔ یہ حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس پر
 گواہ ہے:

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ

”اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔“

یہ منزل جبروت و راہ حقیقت ہے۔ اس منزل میں ذات الہی کے سوا کسی شے کا وجود
 نہیں۔ جن کو اعیان ثابتہ اور حقیقت اشیاء کہتے ہیں، وہ محض معنی ہیں۔ ان کا ظہور
 اب تک عدم میں ہے۔ یعنی ذات حق کی ہستی و نیستی بحت ممتنع الوجود کو نصیب ہے۔ اور
 اسی ”نہیں“ کو ممتنع الوجود کہتے ہیں۔ وہ ایک وجود ہے کہ نہ بخود قائم اور نہ ہی تغیر
 اعتبار یہ رکھتا ہے۔ ممکنہ اشیاء کے جمیع وجودات کا جو مقام ہے۔ اس کو نسبتاً ”لامکان“
 کہتے ہیں۔ یعنی جملہ موجودات نے اسی لامکان میں ظہور پکڑا ہے۔

ظلمت کیا ہے؟

نیستی سے مراد ظلمت ہے۔ یہ ممتنع الوجود تن ظلماتی رکھتا ہے۔ عظمت الہی کا
 جلال ظلمت کے رنگ میں نمودار ہے کہ:

ع آب چشمہ حیوان درون تاریکی است

”چشمہ آب حیات“ تاریکی میں پوشیدہ ہے۔ یعنی جس طرح آب حیات تاریکی
 میں ہے، اسی طرح نور بھی ظلمت میں مستور ہے۔ دیدہ مینا کو ہر شے میں نور ہی نظر
 آتا ہے۔

جس کا کچھ رنگ نہ ہو اس کا نام ظلمت ہے۔ روح قدسی کی صفت جلالی کا نام
 ظلمت ہے۔ جسے ”روح ناطق“ کہتے ہیں۔

”روح قدسی“ اور ”روح ناطق“ میں ایسا فرق ہے جیسے آگ اور گرمی میں۔

درحقیقت دونوں ایک چیز ہیں۔ یعنی جو آگ ہے، وہی گرمی ہے۔ آگ کی گرمی مانع دخول اشیاء ہے۔ اگر اس میں کچھ آجائے تو آتش اپنے رنگ میں ہم رنگ کر لیتی ہے۔ — اسی طرح سالک جب اس مقام میں پہنچتا ہے تو اس کے جملہ خطرات و انانیت بھسم ہو کر ہم رنگ بن جاتے ہیں۔

ناطق بمعنی مدرک یعنی ہر دو وجود: ۱- ظاہری عنصری اور ۲- باطنی ممکنی ہیں — جو صورت و خطرہ و اشارہ وغیرہ پیدا ہوتا ہے، وہ بہ ادراک خود اس کا عالم و مدرک ہے — ممنوع الوجود مظہر ذات حق اور عارف الوجود کا پرتو ہے — اس میں روح قدسی ہے اور ممنوع الوجود میں روح ناطق — یہ ایک دوسرے کے عین ہیں نہ غیر جلال۔

روح قدسی کا نام روح ناطق ہے۔ یہ سالک کے خطرات قلبیہ کو اپنے حریم کے گرد پھٹکنے نہیں دیتی — اسی روح ناطق کا نام ”ممنوع الوجود“ ہے — تن ظلماتی اور روح ناطق کے اتصال سے قلب سلیم نمودار ہوا۔ جو غیر اللہ کے جمیع خطرات سے سلامت باکرامت ہے۔ ارشاد باری ہے:

☆ — لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ اتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

(پ ۱۹ ع ۹)

”جس دن نفع نہ دے گا مال اور نہ بیٹے، مگر جو لائے اللہ کے پاس قلب سلیم۔“

☆ — وَإِنْ مِنْ شَيْعَتِهِ لَأَبْرَاهِيمَ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

”تحقیق تابعون اس کے سے، البتہ ابراہیم تھا جس وقت کہ آیا اپنے رب

کے پاس ساتھ دل سلامت کے، یعنی حنیف و موحد بن کر۔“

(پ ۲۲ ع ۷)

اس قلب سلیم میں مطمئن کی قابلیت رکھی گئی ہے جس کا نام نفس مطمئنہ ہے — روح قدسی کی ہستی چونکہ سب پر اپنی انانیت رکھتی ہے تو سالک کو لازم ہے کہ جب اس انانیت میں پہنچے تو باہوشیاری تمام اپنی دانائی کا تصور رکھے۔ تمام خطرات کو فنی کرتا رہے،

یہاں تک کہ اپنی صورت کو بھی بھول جائے۔ کوئی شے نظر میں باقی نہ رہے۔ ہر وقت اسی خیال میں قائم و ناظر رہے کہ ممتنع الوجود معلوم و منظور نظر ہو جائے، اور اسی کے شوق میں مستغرق رہے۔

ممتنع الوجود جب سالک کے پیش نظر ہو جاتا ہے، اور وہ اس میں غوطہ لگاتا ہے تو ایک ظلمت نمودار ہوتی ہے۔ درحقیقت وہ ظلمت نہیں بلکہ وہ روح قدسی کی ہستی کا جلال ہے جسے روح ناطق کہتے ہیں۔ جو ظلمت کے رنگ میں نظر آتی ہے۔ روح ناطق اپنی اور غیر کی اتانیت پر ناظر و شاہد ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ سالک کے جملہ صوری و معنوی خطرات کو خود میں قبض کر لیتی ہے، اور وجود کو قائم رکھتی ہے۔ اس مقام میں سالک کو بارگاہ الہی سے یہ ندا ہوتی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً
فَاذْخُلِي فِي عِبَادِي وَاذْخُلِي جَنَّتِي (پ ۳۰ ع ۱۰ والفجر)

”اے نفس میرے ذکر میں آرام پانے والے رجوع کر (دینی و دنیاوی اتانیت سے) اپنے پروردگار کی طرف، خوش ہے تو پسند کیا گیا۔ پس داخل ہو میرے بندگان شائستہ کے گروہ میں، اور داخل ہو میرے (وصال کے) بہشت میں۔“

یعنی اپنے دین و دنیا کی اتانیت بالکل ترک کر کے یہاں داخل ہو۔ کیونکہ:
إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاسْخَلْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِأَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوبَىٰ
وَإِنَّا اخْتَرْنَاكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ (پ ۱۶ ع ۱۰)

”تحقیق میں ہوں پروردگار تیرا۔ پس اتار ڈال دونوں جوتیاں اپنی (یعنی اتانیت دینی و دنیاوی)۔ تو پاک میدان کے بیچ میں ہے کہ اس کا نام طوبیٰ ہے (یعنی میدان عشق و محبت) اور میں نے پسند کیا تم کو۔ پس سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔“

اس مقام پر سالک اپنی اتانیت کے دور کرنے میں ہر چند کوشش بلیغ کرتا ہے لیکن

سعی مشکور نہیں ہوتی — اس کے دفع کرنے میں قادر نہیں ہو سکتا کہ یہ اتانیت بھی ذاتِ حق کا عطیہ ہے — آخر ناچار پروردگار کے حضور میں عجز و انکساری، آہ و زاری اور دعا کرتا ہے — چنانچہ حق سبحانہ، و تعالیٰ اس در ماندہ فقیر کی دعا قبول فرماتا ہے، اور اس کی اتانیت قبض کر کے سالک کو اپنی ذات میں فنا کر دیتا ہے — یہ حالت اس وقت میسر آ سکتی ہے جب سالک جمیع شرائط اور لوازم ممتنع الوجود بجالا کر کما حقہ، اس کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

ممتنع الوجود میں معرفتِ الہی کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ سالک بنفسِ خود ممتنع الوجود میں آئے — اور

☆ — روحِ باطن جو مد رک اشیاے جزو کل ہے،

☆ — قلبِ سلیم جو قابلِ معرفتِ الہی ہی ہے،

☆ — نفسِ مطمئنہ جو ذوق و شوقِ الہی رکھتا ہے۔

ہر ایک کو اپنے اپنے کام میں مشغول رکھے — اور خود بھی بکمالِ ذوق و شوق اسی کام میں مستعد ہو کر استقامت اختیار کرے۔ یہاں تک کہ ہر دو عالم جسمانی اور روحانی، نفسی و آفاقی پیش نظر رہیں۔ تاکہ تجلیاتِ الہی اپنے جمالِ بے مثال سے پردہ اٹھائے اور عینِ بہ عین نمایاں ہو جائے۔

اس کے بعد منزلِ حقیقت میں آ کر قلبِ سلیم ممتنع الوجود کی استعداد کے مطابق معرفتِ حق سبحانہ، و تعالیٰ حاصل کرتا ہے۔ یعنی قلبِ سلیم ہی معرفتِ الہی کے لیے مخصوص ہے — اس مقام میں سالک جب ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے تو نفسِ مطمئنہ آرام و تسکین پاتا ہے — قلبِ سلیم ہی معرفتِ الہی کے قابل اور الہاماتِ شہنشاہی کا سزاوار ہے۔

سالک جب ممتنع الوجود میں پہنچتا ہے تو علوم کی بے نہایتی اور معرفتِ خداوندی سے غایتِ درجہ حیران ہو جاتا ہے۔ اور خود شناسی و خدا شناسی سے بہ فہم گمان سرگرداں رہتا ہے — یہاں فہم گمان بمعنی حیرت ہے۔ یعنی اس مقام پر کسی شے کی تمیز و تشخیص

باقی نہیں رہتی — گرداب حیرت میں گرفتار و متحیر ہو کر کہتا ہے کہ:

”میں کیا ہوں؟ — ہست ہوں یا نیست — یہ سب کچھ میں ہی ہوں۔ یہ کیا ہے کہ کبھی نیست ہوں کبھی ہست! — اور اگر کچھ ہوں تو پھر میں کیا ہوں؟“

ایسا ہی خدا کی نسبت کہتا ہے۔ کیونکہ یہ ممتنع الوجود، ممکن الوجود اور عارف الوجود کے درمیان ایک برزخ ہے۔ جو ہر دو وجود کا جامع اور غلبہ احکام یکے بعد دیگرے کا مانع ہے — اس کا برزخ چونکہ ہر دو جانب رہتا ہے، اس لیے اپنی نسبت اور خدا کی نسبت یہ فہم گمان ہست و نیست کا حکم لگاتا ہے۔ بہت متردد و پریشان ہو جاتا ہے۔ لیکن فہم و گمان کے بعد ہی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سالک کو توحید احوالی سے متصف کر دیتا ہے۔

توحید احوالی:

توحید احوالی وہ مرتبہ ہے کہ سالک جملہ صفات حق اپنی ذات میں پاتا ہے، اور غنا و انانیت حاصل کرتا ہے۔ جب صفات حق:

☆ — جلال و جمال ☆ — خالقیت و رزاقیت ☆ — قدرت و قاعدیت

وغیرہ اپنی ذات میں پاتا ہے تو اپنے احوال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا

ہے۔ — پھر اللہ تعالیٰ اپنی عنایت و لطف سے سالک کو اپنی صفات ذاتیہ قدیمہ:

”حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع و بصر و کلام“

عطا فرماتا ہے — اپنی ذات میں سالک جب ان صفات کاملہ کا ظہور دیکھتا ہے تو یہ واحدانیت حق اقرار کرتا ہے۔ اس مقام میں سالک پر مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے معنی اتحاد صفاتی منکشف ہوتے ہیں — اس وقت خدا کے ساتھ اتحاد و یگانگی پیدا کرتا ہے، مگر عبودیت بھی باقی رہتی ہے۔ اس کا نام اتحاد صفاتی ہے۔

پھر اس پر عشق الہی کا غلبہ زیادہ ہو جاتا ہے، اور کمال بے قراری میں ہر وقت جمال بے مثال کے دیدار کا مشتاق رہتا ہے۔ اور آتش عشق و سوز و گداز سے درگزرے

— تفرید یہ ہے کہ علاقہ صفات سے روگرداں و مفرد ہو کر منزل حقیقت میں قدم رکھے۔

حقیقت کیا ہے؟

حقیقت سے یہ مراد ہے کہ اپنی ان صفات کو صفات حق کا ظلال و عکس جانے، اور اپنی ذات میں جملہ صفات کا ظہور ذات حق کی طرف سے تصور کرے۔ مثلاً:

☆ — احیاء و ممات ☆ — رزاقی و عطا وجود ☆ — لطف و جبر و قہر و غیرہ سب کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کرے، اور مراقبہ حقیقت کو اپنا معمول و ملزوم رکھے یعنی:

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَفِي
أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تَبْصُرُونَ

قرب معیت بلکہ مظہریت کے لحاظ سے اپنی ذات میں ذات حق کو عین سمجھے اور دیکھے — اس مراقبہ والے کو عالم کہتے ہیں۔ اس مراقبہ میں ذکر روجی یعنی مشاہدہ حق نصیب ہوتا ہے — اس بات کا سمجھنا البتہ دشوار و مشکل ہے کہ ممتنع الوجود میں مشاہدہ حق کیونکر حاصل ہو سکتا ہے —

عارف کسے کہتے ہیں؟

روح قدسی کی دید کو مشاہدہ حق مانا گیا ہے — معنی کے لحاظ سے مشاہدہ فاعل ہے یا اسم مفعول، یعنی بہ نیندہ یا دیدہ شدہ تو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے یہ معنی ہوئے کہ:

”جس نے روح قدسی کو دیکھا، وہ بہ نیندہ خدا ہے — یا جس کو روح

قدسی نظر پڑا، اس نے بعینہ خدا کو دیکھا۔“

یہ مشاہدہ صفاتی ہے کہ روح کو صفات الہیہ سے متصف دیکھتا ہے۔ صفاتی مشاہدہ والے کو عارف کہتے ہیں — مگر ابھی تمیز صفات میں ہے، کیونکہ یہاں سالک کو مشاہدہ روح

صفات کی تمثیل میں ہوتا ہے۔

عاشق کے کہتے ہیں؟

صفاتی مشاہدے کے بعد منزل عالم جبروت شروع ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ تحصیل یہ ہے کہ اس حدیث قدسی:

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ اِذْمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ

کا مراقبہ اس صورت سے کر لے کہ روح قدسی کو عین ذاتِ حق اور اس کی صفات کو عین صفاتِ حق تصور کرے۔ اس تصور کو یہاں تک بڑھائے کہ روح اور اس کی صفات عین ذاتِ حق نظر آنے لگیں۔ چونکہ کلامِ جلال، عظمت و منزلتِ منزل جبروت کی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اور اپنے حال سے بے خبر ہو کر سالک حالتِ حق اختیار کرتا ہے، اور منصور و انغرہ انا الحق لگاتا ہے۔ اس وقت اس کو عاشق کہتے ہیں۔

اس مرتبہ میں سالک پر جملہ صفاتِ الہیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی ذاتِ حق کی طرف سے سالک کو ایسی حالت و قوت، قدرت و امداد حاصل ہوتی ہے کہ جو کچھ چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ لیکن اس حالت میں کمالِ لذت اور جمالِ روح کے سبب وہ کسی طرف ملتفت نہیں ہوتا۔ سالک کے لیے یہ مقام بلائے جان بے درمان ہو جاتا ہے، اور اس مقام سے نکلنا بسا دشوار، جیسے شاہ منصور علیہ الرحمہ۔ اس منزل میں قیام کرنا زہرِ قاتل ہے۔ یہ حالت انتہائی متمتع الوجود، منزل جبروت اور ابتدائی حالتِ عارف الوجود منزلِ لاہوت کی ہے۔

اس وقت سالک شہادتِ عمداً کو اختیار کر کے عارف الوجود میں ترقی کرے کہ شہادتِ عمداً منزل جبروت ترک کے لیے اور منزلِ لاہوت حاصل کرنے کے لیے مقرر ہے۔ منزلِ لاہوت چونکہ عارف الوجود سے متعلق ہے، اور عارف الوجود میں اس وقت پہنچتا ہے کہ جب شہادتِ عمداً کے لیے نظر کو متمتع الوجود سے اٹھائے جیسا کہ پچھلے ہر دو وجود سے نظر کو اٹھایا تھا۔ یعنی اپنی نظر کو متمتع الوجود کے عرفان و روح کی انانیت و صفات سے اٹھائے، اور منزل جبروت کی کسی صفت کو خیال میں نہ لائے۔ سب

سے ترک تعلق کر کے منزل لاہوت کی راہ لے۔ لیکن ممتنع الوجود سے عارف الوجود کی طرف انتقال کرنا، اور عالم جبروت سے عالم لاہوت کی طرف جانا سخت مشکل و بےادشوار ہے۔ — ہر ایک آدمی کا کام نہیں کہ بحرنا پیدا کنار ذات میں غواصی کر کے دریا غر غر عرفان کو ہاتھ میں لائے مگر ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

پاؤں در دریا منہ کم گو ازان برب دریا خمش کن لب گزان
گرچہ صد چون من ندر اذ تاب ہو لیک می نکلیم از غرقاب ہو
”تو دریا کے اندر اپنا قدم مت ڈال، تو اس کے متعلق کچھ نہ کہہ — تو
اس دریائے بے کنار کے کنارے خاموشی سے کھڑا رہ — اگرچہ مجھ
جیسے سینکڑوں بھی ایک ہو سکی تاب و مجال نہیں رکھتے۔ لیکن میں اس
بحر وحدت کے ہو میں غرقاب ہونے سے صبر و خوف نہیں کرتا۔“

منزل لاہوت جس کو حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں، کثرت و احدیت کے درمیان ایک برزخ ہے۔ جس کی شان میں

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزُخٌ لَا يُبْهِنَانِ

آیا ہے — یہاں سالک دو نظریں یعنی دو جانب توجہ رکھتا ہے:

(۱) — ایک توجہ معرفت عالم کی طرف، کہ وہ ممتنع الوجود ہے — چونکہ وہ خود بھی عین ممتنع الوجود اور مقید ہے۔ اس کی نظر معرفت بھی ذات عالم کی طرف مقید ہوگی، کہ وہ ممتنع الوجود ہے — اس لیے کہ جب وہ خود مقید و ممتنع الوجود ہے تو اس کی نظر معرفت بھی ممتنع الوجود اور مقید ذات عالم ہی ہے۔

(۲) — دوسری توجہ معرفت ذات حق کی طرف کہ وہ عارف الوجود ہے جو قید عالم سے باطلاق حق، اطلاقیات رکھتا ہے۔ — سالک کی نظر معرفت بھی ذات حق کے اطلاق سے مطلق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں شہادت عدا کو اختیار کرے — یہ دو قسم ہے:

☆ — شہادت عدا یعنی

☆ — شہادت عدا رکی

تجلی سوم میں شہادت عدا رسی:

یہ ہے کہ سالک کو تینوں منزلوں میں جو کچھ معرفت حاصل ہوئی ہے، اس سے دست بردار ہو۔ اس لیے کہ علم کثرتی ہے نہ کہ وحدتی۔ اس علم کو نفی کرے۔ اور اس معرفت سے جو دو نظر اور توجہ رکھتا ہے منہ موڑے، اور اپنے اوپر اشیاء کی فراموشی لازم جانے، اور اپنے نفس و انانیت سے منائے۔

تجلی سوم میں شہادت عدا عینی:

یہ ہے کہ شہادت عدا رسی سے ترقی کر کے اپنی خودی و خود بینی سے گزر کر فنا ہو جائے۔ لیکن نہ از علم بلکہ اپنی ہستی و نیستی کو نگاہ میں رکھے اور شناسا رہے۔ صفات سے مجرد اور صفات میں مفرد ہو جائے۔

جب یہ حالت طاری ہو تو بکمال عجز و انکساری اور بدرجہ غایت آہ و زاری بارگاہ حق سبحانہ، تقدس میں ہفت شغل کے ذریعے مناجات میں مشغول ہو۔ تاکہ وہ سبحانہ، تعالیٰ اپنے جو دو کرم سے عارف الوجود کی تمام ماہیت منکشف فرمائے، اور اپنے جمال بے مثال سے حجاب اٹھائے۔ اس ممتنع الوجود کو سپرد خدا کرے۔

تجلی سوم میں ہفت شغل بہ ہفت حرف:

(۱) - ص (۲) - ش (۳) - س (۴) - ز (۵) - ر (۶) - ذ (۷) - د

(۱) — حرف ص:

مناجات بہ حرف صاد بہ قضائے خدا تعالیٰ:

صَبْرُنَا فِي قَضَائِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! اپنی قضا میں مجھے صبر عطاء فرما۔“

(۲) — حرف ش:

حرف شین اللہ تعالیٰ کے شکر کے لیے ہے۔ اس کی مناجات یہ ہے:

شُكْرِنَا فِي شَهَادَتِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! اپنی شہادت میں مجھے شکر نصیب فرما۔“

(۳) — حرف س:

حرف سین مہملہ میں اسرار الہی کی مناجات یہ ہے:

بِسْرِنَا فِي سِرِّكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! اپنے اسرار میں مجھے سیر کرا۔“

(۴) — حرف ز:

حرف زا، مجھ زینت وجود کے لیے مناجات یہ ہے:

زَيْنَا بِزِينَتِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! اپنی زینت میں میرے وجود کو زینت عطا فرما۔“

(۵) — حرف ر:

حرف را مہملہ طلب رحمت کے لیے ہے۔ اس کی مناجات یوں ہے:

رَحْمَتَانِي رُبُّوبِيَّتِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! ربوبیت کے واسطے سے خود مجھ پر رحمت فرما۔“

(۶) — حرف ذ:

حرف ذال مفقوطہ، ذوق و شوق کے طلب کے لیے ہے، اس کی دعایوں ہے:

ذِكْرِنَا فِي ذِكْرِكَ يَا اللَّهُ

”اے اللہ! اپنے ذکر میں ذوق و شوق عطا فرما۔“

(۷) — حرف د:

حرف دال مہملہ راہ راست کی طلب اور اسرار الہی میں دخول کے لیے ہے۔ اس کی دعایہ ہے:

ذُلْنَا إِلَىٰ وَصُولِكَ وَاجْعَلْنَا وَجِيلاً فِي سِرِّكَ يَا اللَّهُ
 ”اے اللہ! میری رہنمائی فرما۔ پنے وصول کی طرف اور مجھے اپنے اسرار
 میں داخل فرما۔“

تجلی دوئم بہ تعین عارف الوجود:

تن نورانی — روح قدسی — مؤکل جبرائیل — اس مؤکل کا کام یہ
 ہے کہ احدیت ذات سے فیض لے کر وحدت و حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 کو پہنچاتا ہے — احدیت ذات سے کبھی بلا واسطہ فیض پہنچتا ہے۔

یہ عارف الوجود اور واحد الوجود کا مظہر و پر تو ہے۔ جسے وحدت و حقیقت محمدی صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور تجلی دوم کہتے ہیں — واحد الوجود احدیت ذات نے جب
 كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًا سے فَأَخْبَثْتُ أَنْ أُعْرِفَ كِي تجلی فرمائی تو عارف الوجود یعنی ہستی
 بخود داننا کا ظہور ہوا۔ جس کو علم اجمالی، وحدت اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
 وسلم بھی کہتے ہیں — اس وجود کا تن نورانی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي

”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو ظاہر فرمایا۔“

نفس ملہمہ یعنی قلب شہید:

اس وجود کے تن نورانی کو روح قدسی کے اتصال سے قلب شہید ظہور میں آیا۔
 ارشاد باری ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ وَأَلْبَعَى السَّمْعَ وَهُوَ
 شَهِيدٌ (پ ۲۶ ع ۱۷)

”تحقیق اس میں البتہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے کہ اس کے لیے ہے
 دل آگاہ! — یا ڈالا کان کو (جو مجرول ہے) اور وہ گواہی دینے والا

— ہے۔“

قلب شہید میں ایک قابلیت رکھی گئی ہے جس کا نام ملہمہ ہے:

وَنَفْسٌ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا

”اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اس کو بنایا، پھر اس کو ملہم کیا۔“

نفس: بمعنی خواہش — ملہمہ بمعنی: الہام کیا گیا — یعنی یہ قلب ہمیشہ عالم غیب، کلام حق، دیدار ذات، اسرار معرفت اور رویت اسرار الہی کا مشتاق اور انہیں الہامات کا ملہم رہتا ہے۔

عارف الوجود وہ ہے جو اپنی ہستی پر خود دانا ہے، اور جملہ وجودات کی ہستی اسی کے ساتھ قائم ہے، اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز — یہ وجود اپنے ماتحت سے متصف باطلاق ہے۔ بلکہ اطلاق ذات حق کا مماثل ہے۔ جو جمع ہستی ہائے ممکنات سے منزہ مقدس ہے — چنانچہ سالک جب ممتنع الوجود سے ترقی پا کر عارف الوجود میں آتا ہے تو اپنی اصلی شناخت جو مستلزم حقیقی شناخت رب الارباب ہے، پہنچ جاتا ہے۔ اور اس پر مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے معنی پورے طور پر منکشف ہو جاتے ہیں — یعنی ذات مطلق کو اپنے عارف الوجود میں حاصل کر لیتا ہے۔ ممتنع الوجود میں سالک اگرچہ جمع صورت اشکال ماسوائے اللہ سے نظر اٹھا کر خود ناظر و شاہد ہو گیا ہے۔ لیکن ممتنع الوجود کی ایک صفت شاہدی و خودی و خود بینی اس میں اب تک باقی ہے — جب اس کو بھی فنا کر دے گا تو پھر عارف الوجود میں پہنچے گا کہ وہ اپنی ذات میں اور اپنے اوپر خود بخود شاہد و ناظر ہے۔

بشارت اور ہاتف:

لازم الوجود خاکی کی روح نامی نباتی اور طبعی حیوانی ہے — سالک جب یہ سب

مراتب وجودات:

☆ — ممکن الوجود روحانی کی روح متحرک:

☆ — ممتنع الوجود ظلماتی کی روح ناطق، اور

☆ — عارف الوجود نورانی کی روحِ قدسی،

طے کرتا ہوا عارف الوجود میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو کچھ مشاہدہ و کلام، رویت و الہام اور پیامِ ذوق و تجلی وغیرہ اس کو عطا فرماتا ہے —

اول عارف الوجود میں — پھر ممنوع الوجود میں — پھر ممکن الوجود میں — پھر واجب الوجود پر ظاہر ہوتا ہے۔

جو کلام مرتبہ نور میں ہے اس کو راز کہتے ہیں — جو کلام روح پر آتا ہے، اسے الہام کہا جاتا ہے۔ — جب دل میں آتا ہے تو اسے اشارہ کہا جاتا ہے۔

کلامِ بنفس میں گزرتا ہے اس کو بشارت کہتے ہیں — کلام جب جسمانی کان میں پہنچتا ہے تو اسے حاتف کہتے ہیں۔

رُوحِ قدسی:

روحِ قدسی جو تن نورانی عارف الوجود کے متعلق ہے، یہی کلامِ الہی کے قابل اور ذاتِ حق کے مشاہدہ کے لائق ہے — گو تن روحانی اور روحِ قدسی دو نام ہیں، درحقیقت وہ ایک ہی ذات ہے۔ جیسے: شمس اور شعاع شمس۔ اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا کا اشارہ اسی مرتبے کی طرف ہے — روحِ قدسی کا مشاہدہ اس وقت تحقق ہوتا ہے کہ جب قلب شہید جو تن روحانی اور روحِ قدسی سے ظہور میں آیا ہے، گواہی دے اور اعتراف کرے۔

فہم آگاہ:

نفسِ ملہمہ جو قلبِ شہید کی قابلیت کا نام ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے ایک فہم عطا فرمایا ہے۔ جس کا نام فہم آگاہ ہے۔ اس کی خاصیت شک و تردد کو رفع کرنا ہے۔ یعنی جو کلام و رویت، معرفت و الہام وغیرہ نفسِ ملہمہ کو حاصل ہوتا ہے۔ فہم آگاہ اس کا شک و تردد رفع کر دیتا ہے۔ اور ایسی تحقیق کرتا ہے کہ سالک کو پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں رہتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مقامِ معرفتِ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

و سلم یعنی عارف الوجود میں پہنچے تو تحقیق و تفتیح کے بعد نفسِ ملہمہ نے کہا:

إِنِّي وَجْهْتُ وَجْهِي لِلذَّيِّ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا
مِنَ الْمُشْرِكِينَ

لہذا سالک فہم آگاہ کو مرتبہء کلام و رویت اور معرفت و الہام وغیرہ میں نگاہ رکھے تاکہ جو کچھ غیب سے پہنچے اس کو مرتبہء آگاہی تک پہنچا دے۔ یہ آگاہی مرتبہء توحید ذاتی کی ہے۔

سالک کا تحقق جب مرتبہء آگاہی میں پہنچ جاتا ہے تو اپنی ذات کو ذاتِ حق کی موجودگی کے احاطے میں بلبلے کی طرح پاتا ہے۔ اس احاطے کی شناخت ذوق و وجدان اور معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس پر توحید ذاتی کھل جاتی ہے۔

مرتبہء جمال کی تجرید:

توحید ذاتی کا تعلق جمال سے ہے۔ اس لیے کہ عارف الوجود مرتبہء جمال میں ہے۔ توحید ذاتی کے بعد سالک کو تجرید و تفرید کا اختیار کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کی تجرید یہ ہے کہ سالک روحِ قدسی، قلبِ شہید، نفسِ ملہمہ اور فہم آگاہ سے گزر جائے اور فراموش کر دے۔

مرتبہء جمال کی تفرید:

مرتبہء جمال کی تفرید یہ ہے کہ اپنی ذات کو محض نیست و نابود جانے اور حق تعالیٰ کے ساتھ مفرد و یگانہ ہو جائے، تاکہ زاہ معرفت نظر آئے۔

راہ معرفت، تجرید و تفرید اور توحید ذاتی کی تکمیل کے بعد منکشف ہوتی ہے۔

چنانچہ سالک اپنے کمالِ عجز و انکساری کا اقرار کر کے اپنے اوپر اس سے نظر کو قائم کرے کہ میں صفات کے بغیر مجرد و مفرد و بیچارہ و ابرودائے کبریائی میں محض و مستور ہوں۔

مرتبہء جمال میں مراقبہ:

اسی مرتبہ میں فعلِ عبدِ فضلِ خدا ہوتا ہے۔ مَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ

رَمَىٰ — اور حدیثِ قدسی: مَا زَالَ عَبْدِي — گواہ ہے!

اس مقام میں لوازمِ عبودیت کے ساتھ قیام کرے۔ کیونکہ عبادت سے محبت بڑھتی ہے، اور محبت سے عشق، اور عشق سے وصال آتا ہے۔ — اور دیدارِ الہی کے قابل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عبودیت کے جمیع لوازم بجالائے تاکہ مراقبہ معرفت میں پہنچ جائے — حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ تَكُنَّكَ قَرَاهُ كَ الْمَطَابِقِ مَرَاقِبَهُ مَعْرِفَتِ اخْتِيَارِ كَرَىٰ۔ تاکہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ كَ الْمَعْنَى پورے طور پر منکشف ہو جائیں — یہاں مراقبہ کے معنی یہ ہیں کہ:

”میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔“

ہر وقت کلامِ الہی کا مشتاق اور اسی فکر میں مستغرق رہے کہ میں اس کلامِ پاک سے کس مستفیض ہوں گا — اس مراقبہ والے کو عالم کہتے ہیں۔ یہاں ذکرِ سری یعنی معائنہ حق حاصل ہوتا ہے۔

ذکرِ سری:

ذکرِ سری یہ ہے کہ سالک جب اس مقام کے مراقبہ کو نگاہ میں رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ الطاف و عنایات سے اپنی آگاہی و کلام اور معرفت اس کی استعداد کے موافق روشنی فرماتا ہے — تاکہ کلامِ الہی کی حقیقت کو شناخت کر سکے — کلام کے بعد رازِ خفی ہے جو حق تعالیٰ کی ذاتِ خاص سے مخصوص ہے۔ — لہذا ذکرِ سری یاد ہے اور اس کا معائنہ رازِ خفی ہے — رازِ خفی جب عیاں ہو جاتا ہے تو منزلِ لاہوت میں پہنچ جاتا ہے۔ یعنی اس منزل کا وصول ذکرِ سری کے بعد ہے — اس حالت والے کو واصل کہتے ہیں۔

منزلِ لاہوت میں واصل:

منزلِ لاہوت کے حصول کی علامت یہ ہے کہ اس منزل کا واصل رازِ خفی کے ادراک سے اپنی ذات میں ایک قسم کی قربت و عظمت پاتا ہے — منزلِ لاہوت

مقام بے باکی ہے۔ جو شخص ابتداء میں اس میں داخل ہوتا ہے، اور کلام الہی میں محرم ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے تو اس کو بے اختیار قرب و انانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کسی دوسرے کو اس مرتبہ مقرب میں اپنے برابر نہیں جانتا۔ ذات حق کے سوا اسے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لہذا منصور حلاج علیہ الرحمہ کی طرح انا الحق کا اعلان کرتا ہے۔ کیونکہ عارف الوجود مطلق نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور یہ بحرنا پیداکنار کی ایک موج ہے۔ موج کو بحر سے انفکاک نہیں۔ یعنی بحر مجرد ہے۔

اس منزل کی ابتدائی حالت میں وصل اپنی ذات کو ذات حق اور ذات عالم کے ساتھ ایک جانتا اور ایک دیکھتا ہے، اور کچھ تمیز نہیں کر سکتا۔ اس لیے بے اختیار انا الحق پکارتا ہے۔ اہل معرفت اس کو اس منزل کی ابتدائی حالت اور ساغر اول جانتے ہیں، اس پر اکتفا نہیں کرتے کہ یہ عارف الوجود کا ادنیٰ مرتبہ اور منشاء خودی ہے۔ محل قرب اخلاص اور وحدت خاص الخاص ذاتی آگے ہے۔ اب شہادت شہیدا کو اختیار کرے تاکہ مقام اختصاص قرب خاص الخاص میں داخل ہو۔

شہادت شہیدا:

شہادت شہیدا عارف الوجود کو ترک کرنے کے لیے اور ذات حق کے خاص الخاص قرب حاصل کرنے کے لیے مقرر ہے۔ اس قرب کا نام ”قرب اختصاص احدیت ذات واحد الوجود“ ہے۔ قَابِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ اسی کا عنوان ہے۔ اور اَوْحَىٰ اِلَىٰ عَبْدِهِ مَا اَوْحَىٰ اِی کی شان ہے۔ یہ مرتبہ معشوقی ہے اور مقام انتہائے فقر۔

شہادت شہیدا بھی دو قسم ہے:

(۱) — رکی (۲) — عینی

(۱) — شہادت شہیدا رکی:

یہ ہے کہ اس منزل کی ابتدا میں سالک کو جو کچھ اوصاف حاصل ہوئے ہیں، ان سب کو نفی کرے۔ اور جو کچھ زبان سے سرزد ہوا ہو، اس سے بیزار ہو کر توبہ

کرے — ان سب امور کی اضافت بذاتِ خود منسوب کرے۔ اور اپنی ذات کو نیست و نابود سمجھ کر ذاتِ حق کو موصوف بہ جمیع صفات ثابت و قائم کرے — اپنی نظر احدیت ذات کے جلال پر رکھے، اور اپنی جملہ صفات کو شمعِ جلالِ احدیت ذات پر پروانہ وار جلا کر فنا کر دے۔

(۲) — شہادتِ شہیدِ اعینی:

یہ ہے کہ فنائے شہادتِ ربی کے بعد جو کچھ سالک کے وجود میں ظاہر ہوا ہے یعنی: کلام و قدرت، حیات و ارادہ، علم و سمع اور بصر، تمام کو ذاتِ حق کی طرف منسوب کرے — جمیع صفات کو تجلیاتِ ذات سمجھے، اپنی ذات کو درمیان میں نہ لائے۔ تاکہ **بِسْمِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَنْصُرُ وَبِیْ یَنْطِقُ** کے معنی عیاں ہوں — اور **مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ** کا مضمون منکشف ہو —

تجلی دوم میں ہفت شغل بہ ہفت حرف:

شہادتِ شہیدِ اکے بعد مجیب الدعوات کی بارگاہ میں ہفت شغل کے ذریعے عارف الوجود کو بہ امانِ حق سبحانہ، تعالیٰ سپرد کرے تاکہ اقرب احدیت اور مرتبہ محبوبیت حاصل ہو۔

ہفت شغل بہ ہفت حروف یہ ہیں:

(۱) - خ (۲) - ح (۳) - ج (۴) - ث (۵) - ت (۶) - ب (۷) - ۱

(۱) — حرف خ:

شغلِ اول بہ حرفِ خاءِ معجمہ ہے جو کہ خلعتِ خلافت کی طلب کے لیے ہے۔ اس کی دعایہ ہے:

خَلَعْتَنَا فِيْ خَلَاْفَتِكَ يَا اَللهُ

”اے اللہ! مجھے اپنی خلافت و محبوبیت کی خلعت عطا فرما۔“

(۲) — حرف ح:

شغل دوم بہ حرف حا مہملہ ہے جو کہ طلب محبت کے لیے ہے۔ اس کی دعا اس طرح سے ہے:

حُبِّينَا فِي حُبِّكَ يَا اللَّهُ
 "اے اللہ! تیری محبت میں میری محبت ہو۔"

(۳) — حرف ج:

شغل سوم بہ حرف جیم معجمہ ہے۔ یہ جمال کی طلب کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

جَمَلْنَا فِي جَمَالِكَ يَا اللَّهُ
 "اے اللہ! اپنے حسن و جمال سے مجھے جمال عنایت فرما۔"

(۴) — حرف ث:

شغل چہارم بہ حرف ثاء مشدہ ہے۔ یہ طلب ثبات کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

ثَبَّتْنَا فِي ثَبَاتِكَ يَا اللَّهُ
 "اے اللہ! مجھ کو اپنے ثبات محبت و عشق میں ثابت قدم رکھ۔"

(۵) — حرف ت:

شغل پنجم بہ حرف تاء ماثاۃ فوقانیہ ہے۔ یہ اتمام نعمت کی طلب کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

تَمِّمْ عَلَيْنَا نِعْمَتَكَ يَا اللَّهُ
 "اے اللہ! اپنی نعمتیں مجھ پر تمام کر۔"

(۶) — حرف ب:

شغل ششم بہ حرف باء موحده طلب نور کے لیے ہے۔ اس کی دعا یوں ہے:

بَلِّغْنَا فِيْ بَهَجِيْكَ يَا اَللّٰهُ

”اے اللہ! مجھے اپنی خوش حالی دیدار و معرفت میں منور فرما۔“

(۷) — حرف ا:

شغل ہفتم بہ حرف الف فنا کی طلب کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

اَدْرِزْنَا الْفَنَاءُ فِيْ اٰخِرَتِكَ يَا اَللّٰهُ

”اے اللہ! مجھے اپنی ذاتِ احدیت میں فنا کرتا کہ تجھ میں بقا پاؤں۔“

ان اشغال کو ہمیشہ عجز و انکسار کے ساتھ کرتا رہے۔ تاکہ بابِ رحمت واحد

الوجود کشادہ ہو۔

تجلی اول واحد الوجود بہ تعین اطلاق:

واحد الوجود تعینِ اول اور منزلِ حاہوت ہے — ذاتِ لائقین نے اس مقام پر

واحد الوجود مطلق کا نام پایا —

صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ جب سالک عارف الوجود سے ترقی پا کر واحد الوجود میں (جو اطلاق ذاتی ہے) آتا ہے — تو ذاتِ حق میں فنائے اتم حاصل کر کے باقی بہ بقائے ذاتِ حق ہو جاتا ہے — اس فنا ہونے کا نام ذکرِ مغایبہ ہے۔ اسے ذکرِ خفی بھی کہتے ہیں۔

صلوٰۃِ دائمی کے ذکر میں معلوم ہوا کہ واحد الوجود بمعنی واحدہ ہستی مطلق ہے چونکہ یہ مقام اطلاق ہے، یہاں دم مارنے کی جگہ نہیں کہ بیان زبان، ادراک عقول اور افہام و اذہان سے باہر ہے۔ مگر اس منزل پر سالک پر دو تجلی کا ظہور ہوتا ہے:

(۱) — تجلیِ جلالی (۲) — تجلیِ جمالی

۱ — تجلیِ جلالی (مرتبہٴ عاشقیت):

یہ ہے کہ سالک اپنی ہستی کو علمِ اولین و آخرین کے ساتھ جو عارف الوجود میں حاصل کر چکا ہے، ان جملہ صفات کو اس تجلی میں محو فنا کر بیٹھتا ہے، اور کورا مسکین و عاجز

رہ جاتا ہے۔ — تجلی مہلابی مرتبہ عاشقیہ ہے۔

۲۔ — تجلی جمالی (مرتبہ معشوقیت):

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات احدیت کی تجلی کو بہ ارادت خود سالک پر از سر نو عیاں فرماتا ہے۔ پھر علم اولین و آخرین اس کو نصیب و عطا فرما دیتا ہے۔ — یہ درجہ معشوقیت و محبوبیت ہے۔

یہ اڈل سے افضل و بالاتر اور اقصائے مراتب فقر ہے۔ اس سے آگے کوئی مقام نہیں۔ یہ مرتبہ نور ہے بلکہ نور علی نور ہے۔ ارشاد باری ہے:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَنُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ

لیکن یہاں سالک کی سعی و کوشش منقطع، جدوجہد معطل و معزول، سوائے ارادت الہی کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سلوک منزل و قطع مراحل عارف الوجود کی شہادت شہید ایک ختم ہو چکی۔ اب تو محض وہ سبحانہ، تعالیٰ کے فضل و کرم کا امیدوار ہے۔ وہ خواہ محبوب بنائے یا عاشق رکھے۔

اقسام نظر:

یہ بات ملحوظ رہے کہ نظر دو قسم کی ہے:

(۱) — نظر ظاہری (۲) — نظر باطنی

(۱) — نظری ظاہری:

جو اس جسم خاکی ظاہری کے متعلق ہے، اور یہ مسکین و حقیر، فقیر و محتاج ہے۔

(۲) — نظر باطنی:

دوسری نظر باطنی جو روح قدسی کے متعلق ہے اور یہ مستغنی و قادر، منزہ و مقدس ہے۔ — نظر ظاہری نظر باطنی کے تابع ہے۔ وہ مقید ہے اوز یہ مطلق — نظر باطنی جسم میں جا بجا سیر کرتی رہتی ہے۔

چنانچہ عارف الوجود نظر ظاہری کے مشابہ ہے، اور واحد الوجود نظر باطنی کے۔
 — عارف الوجود کو اس کے سوا کچھ اختیار نہیں کہ وہ عجز و انکسار، عبادات و مناجات
 بارگاہِ واحد الوجود میں بہ الحاح کرے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ بہ عنایات و الطاف خود جذب اور
 اپنے کلام سے محرم راز فَاَوْحَىٰ اِلَىٰ عَبْدِهِ مَا اَوْحَىٰ سے سرفراز فرمائے۔ یہ مقام
 معراج و مرتبہ محبوبیت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میسر آتا
 ہے۔ — شغل نفی و اثبات لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہاں ختم۔ ماسوا اللہ کا اضافی وجود غیب
 سے منتزع ہو جاتا ہے۔ ذاتِ واحد الوجود کے سوا کچھ مقصود نہیں ہوتا۔

وجدان:

سالک جنبِ واحد الوجود میں آتا ہے تو اس کو اس منزلِ حاہوت میں چند وجدان
 پیش آتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ مفہوم کرتا ہے کہ میں واحد الوجود میں آ گیا ہوں۔

وجدان کی چار اقسام ہیں:

(۱) - اول: دو نظری (۲) - دوم: توحید و قرب (۳) - سوم: نور

(۴) - چہارم: لباس باعتبار صفات

(۱) — وجدان اول: دو نظری:

یعنی نظر ظاہری و باطنی جن سے انانیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ سالک جب اس منزل
 میں آتا ہے تو اس کی ہر دو نظر اور جمیع اشیاء خارجیہ کا وجود اس کے ادراک میں محدود و محدود
 فنا درخا معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اپنا وجود بھی کھو بیٹھتا ہے۔ — یہاں واحد ہستی مطلق
 کے سوا کچھ ادراک نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ ذاتِ مطلق پہلے اپنے پر تو ذاتی سے عارف الوجود کو (کہ وہ نور محمدی صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے) ظہور میں لایا، اور عارف الوجود کی ہستی سے منتزع الوجود
 ظاہر ہوا۔ — اور ممکن الوجود سے واجب الوجود یعنی لازم الوجود ہویدا ہوا۔ جن کی
 تشریح پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ — چنانچہ:

- ☆ — لازم الوجود مظہر و پر تو ہے ممکن الوجود کا،
- ☆ — ممکن الوجود مظہر و پر تو ہے ممتنع الوجود کا،
- ☆ — ممتنع الوجود مظہر و پر تو ہے عارف الوجود کا،
- ☆ — عارف الوجود مظہر و پر تو ہے واحد الوجود کا۔

اسی لحاظ سے واحد الوجود کی یافت لازم الوجود جسد انسانی میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ جمیع وجودات جسمانیات میں اربع وجودات یعنی:

- (۱) ممکن الوجود (۲) ممتنع الوجود (۳) عارف الوجود (۴) واحد الوجود
- یہ حسب وجود پائے جاتے ہیں۔ بالخصوص انسانی وجود میں (جو کہ مظہر ذات و مظہر صفات الہی ہے) اظہر من الشمس عیاں و نمایاں ہیں۔ اسی لیے یہی وجود عنصری انسانی و اجبہ مامور بہ تحصیل عرفان ہوا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ لِيَعْرِفُونِ

- اس پر بین دلیل ہے۔۔۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہر ایک عنصری وجود میں یہ مذکورہ بالا چاروں وجود مضمحل ہیں۔ تو ہر ایک لازم الوجود عنصری پر لازم ہے کہ:
- ☆ — اپنے وجود میں طلب یافت ذات حق کرے۔ کہ یہ وجودات خمسہ ایک دوسرے کے عین ہیں۔

☆ — ہر ایک وجود میں اپنی ذات کو دیکھے، اور

☆ — اپنے وجود میں ہر ایک کا ملاحظہ کرے۔

البتہ ہمیر کمال کی تعلیم کی ضرورت ہے۔

(۲)۔۔۔ وجدان دوم: توحید و قرب:

اس کی علامت بے نیازی ہے کہ جب سالک مرتبہ توحید اور قرب واجب الوجود میں پہنچتا ہے تو ذات حق کا وصف بے نیازی اس پر غلبہ کرتا ہے، اور سالک سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

الْفَقِيرُ لَا يَسْتَحْجُ إِلَى نَفْسِهِ وَلَا إِلَى رَبِّهِ اسی مقام کا

بیان ہے — یہ منزل قرب تمام منازل سے افضل و اعلیٰ تر ہے۔ اس لیے کہ ذاتِ حق سالک پر اپنی استغنائی کی جھلی مبذول کراتی ہے — یہ معراج نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عکس ہے۔ — اسی مقام پر سالک کو علم اولین و آخرین حاصل ہوتا ہے، اور ذکر خفیصیب ہوتا ہے —

یہ مقام عارف الوجود کی انتہاء اور واحد الوجود کی ابتداء ہے — ذکر خفی کے معنی ہیں: ”فرا موشی“ — یعنی وصال محبوب میں فنا ہو جانے کا نام ذکر خفی ہے۔

اقسام ذکر:

ذکر پانچ اقسام ہیں:

(۲) — قلبی یعنی وسوسہ

(۱) — زبانی یعنی لقلقہ

(۳) — سری یعنی معائنہ

(۳) — روجی یعنی مشاہدہ

(۵) — خفی یعنی مغائبہ

(۱) — ذکر زبانی یعنی لقلقہ:

کوئی عاشق دور افتادہ جب اپنے معشوق مسافر کا زبانی ذکر کرتا ہے۔ تو اس کو لقلقہ کہتے ہیں۔

(۲) — ذکر قلبی یعنی وسوسہ:

جب معشوق کے آنے کی خبر سن کر دل میں سوچتا ہے تو اسے ذکر قلبی یعنی وسوسہ کہتے ہیں۔

(۳) — ذکر روجی یعنی مشاہدہ:

معشوق کو جب قریب سے دیکھ لیتا ہے تو اسے ذکر روجی یعنی مشاہدہ کہتے ہیں۔

(۴) — ذکر سری یعنی معائنہ:

معشوق سے جب ہم کلام ہوتا ہے تو اسے ذکر سری یعنی معائنہ کہتے ہیں۔

(۵) — ذکر خفی یعنی مغائبہ:

معشوق کے وصال میں سب کی فراموشی اور اپنی فنا کا نام ذکر خفی یعنی مغائبہ ہے۔

وجدان سوم: نور:

یعنی اس مقام پر سالک ہر ذرے میں ذاتِ حق کا نور دیکھتا ہے — اور اللہ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

وجدان چہارم: لباس باعتبار صفات:

یعنی مثلاً کافر، مومن، عابد، زاہد، عارف، ولی، نبی — یہ تمام صفاتی لباس ہیں — اور ذاتی شے واحد، جیسے: بادشاہ، وزیر، قاضی، مفتی، لشکری، گدا، وغیرہ ہیں — ان میں ہر ایک شخص صفاتی لباس سے متمیز ہو سکتا ہے — اگر ان سب کا امتیازی لباس اتار کر ان کو بالکل برہنہ کر دیا جائے تو کوئی شخص ہرگز یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ ان میں سے بادشاہ و لشکری اور گدا کون ہے۔

چنانچہ سالک جب منزل واحد الوجود میں قدم رکھتا ہے تو یہاں کوئی صفاتی لباس باقی نہیں رہتا — نہ اپنا نہ غیر — فقط ایک ذاتِ مطلق کا ظہور ہے جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے — سالک آخر فناء اتم حاصل کر کے باقی بہ بقائے حق ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

پس عدمِ گردم، عدمِ چون ارغنون گویدم گنا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

”پس میں بالکل عدم ہی عدم جب ہو جاؤں گا، تو پھر وہ ارغنون باجے کی

طرح اِنَّا لِلّٰهِ رَاجِعُونَ (بے شک ہم کو اسی کی طرف جانا ہے) کہوں گا۔“

ع راجع آن باشد کہ باز آید بہ شہر

”واپس آنے والا وہ ہوتا ہے جو کہ شہر میں واپس آتا ہے۔“

واحد الوجود نقطہ ذات:

واحد الوجود نقطہ ذات ہے جس کا بیان محالِ عقل ہے — اہل تصوف نے نقطہ

ذات کو آٹھ ناموں سے موسوم کیا ہے۔ یعنی:

- (۱) مرتبہ واحد الوجود (۲) مرتبہ توحید ذاتی (۳) مرتبہ خفی (۴) مرتبہ قرب
(۵) مرتبہ نور (۶) مرتبہ وراء الوراہ (۷) مرتبہ احدیت (۸) مرتبہ لا این

(۱) — مرتبہ واحد الوجود:

جو شخص مرتبہ واحد الوجود میں پہنچا اس نے خدا کو شناخت کیا۔ کہ یہاں ذات واحد الوجود کے سوال کچھ نہیں۔

(۲) — مرتبہ توحید ذاتی:

جو کوئی مرتبہ توحید ذاتی میں آتا ہے وہ جملہ اشیائے عالم میں ذات حق کو دیکھتا ہے — مَا زَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ فِيهِ كَيْفَ مَعْنَى هِيَ۔

(۳) — مرتبہ خفی:

جو مرتبہ خفی میں گیا وہ اپنی ذات کو ذات حق میں نشی دیکھتا ہے۔ اور حقائق ذات الہی میں ایسا محو و نابود ہو جاتا ہے کہ نہ عبد رہتا ہے نہ معبود۔

(۴) — مرتبہ قرب:

جس میں عظمت و کمال قدرت پیدا ہوگئی وہ مرتبہ قرب میں پہنچا۔

(۵) — مرتبہ نور:

جس کو جملہ عالم نور نظر آیا وہ مرتبہ نور میں گیا۔ اور اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کی حقیقت سے آگاہ ہوا۔

(۶) — مرتبہ وراء الوراہ:

جس کی نظر سے زمان و مکان ہر دو عالم مرتفع ہو گیا اور ذات حق کو لامکان دیکھا، وہ مرتبہ وراء الوراہ میں پہنچا۔

(۷) — مرتبہ احدیت:

جس نے عالم کو ذاتِ حق میں اور ذاتِ حق کو عالم میں بمرتبہ عروج و نزول دیکھا وہ مرتبہ احدیت میں آیا۔

(۸) — مرتبہ لا این:

جس نے عالم کو نفی اور ذاتِ حق کو ثابت دیکھا، اور ذاتِ حق کے سوا کسی شے کا کہیں کچھ نشان نہ پایا وہ مرتبہ لا این میں پہنچا۔
غرض ان علامات سے سالک معلوم کر سکتا ہے کہ میں کون سے مرتبہ میں آ گیا ہوں — سالک کو ان تجلیات کا حسب استعداد ظہور ہوتا ہے — ہر مرتبہ میں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے معنی اپنے عرفانِ نفس پر تصور کرتا ہے۔
جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ عارف الوجود بمنزلہ نظر ظاہر کے ہے — اور واحد الوجود بمرتبہ نظر باطن — مگر درحقیقت دونوں ایک ہی ذات ہیں۔
جیسے:

☆ — آئینے میں عکسِ صورت،

☆ — جسم میں عکسِ روح،

☆ — عالم میں عکسِ ذاتِ حق،

☆ — فوکس میں عکسِ صورِ اشیاءِ عالم۔

۔ اور دل من است و دل من بدست اوست

چون آئینہ بدست من و من در آئینہ

”وہ محبوبِ حقیقی درحقیقت میرے دل کے اندر ہے، اور میرا دل اس کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح کہ آئینہ میرے ہاتھ میں اور میں (میری صورت) آئینے میں نظر آتا ہوں۔“

یہ عجب وحدت ہے کہ بہ دیدہٴ احوال بین کثرت نمودار ہے — اور یہ عجیب

کثرت ہے کہ یہ نظر حق بین ذات واحد الوجود قائم و برقرار ہے — جب سالک بارادہ الہی ذات واحد الوجود میں پہنچ جاتا ہے تو پھر ذات واحد الوجود کے سوا اس کی نظر میں کچھ باقی نہیں رہتا:

☆ — نہ عبد نہ معبود،

☆ — نہ عشق نہ عاشق،

☆ — نہ معشوق نہ محبت،

☆ — نہ محبت نہ محبوب!

عشق و عاشق محو گردد این مقام خود همان معشوق ماند والسلام
”یہ وہ انتہائی مقام ہے جہاں عشق و عاشق سب کچھ محو و فراموش ہو جاتا ہے — بس صرف تمام معشوق ہی ہو جاتا ہے، اور وہی سلامت رہے۔“

لہذا نظر ظاہری، نظر باطنی کا پرتو و عکس ہے — یہ حسب وجود جسمانی اضافی ایک دوسرے سے جدا معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہ ایک ہی ذات ہیں۔ جیسے شمع فانوس۔ کہ اس کا نور جو فانوس کے اندر ہے، وہی نور فانوس سے باہر ہے — لہذا اگر فرق ہے تو صرف اضافت کا ہے — جب حجاب اضافی بھی مٹتی ہو گیا تو پھر وہی ایک نور لائقین ہے، جو پہلے تھا۔ بندے اور ذات واحد الوجود کے درمیان یہی فرق اضافی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جیسے زیور طلائی۔ جب تعین صوری ٹوٹ گیا تو پھر وہی سونا ہی سونا ہے۔

حجاب جب اپنی گرہ کے بند سے وا گیا
صاف کہتا ہوں حقیقت میں وہ ہو دریا گیا

حضرت ابو بکر دقاق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الْفَرْقُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ الْعُبُودِيَّةُ

”میرے اور خدا کے درمیان فرق عبودیت کا ہے۔“

حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لَا فَرْقَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَبِّي إِلَّا بِصِفَتَيْنِ صِفَةُ الذَّاتِيَّةِ وَصِفَةُ الْقَائِمِيَّةِ
فَقِيَامُنَا بِهِ وَذَاتُنَا مِنْهُ

”کچھ فرق نہیں میرے اور پروردگار کے درمیان، مگر دو صفتوں کے سبب سے، ایک صفت ذاتیہ، ایک صفت قائمیہ کے — پس ہمارے قیام اس کے ساتھ ہے، اور ہماری ذات اس کی ذات سے ہے۔“

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَرْقٌ إِلَّا إِنِّي تَقَدَّمْتُ بِالْعُبُودِيَّةِ

”کچھ فرق نہیں میرے اور اس کے درمیان، لیکن میں نے تقدیم کی بندگی کی طرف۔“

چہرہ ربوبیت کا جمال عبودیت کے خال کے بغیر وصف کمال نہیں رکھتا کیونکہ عبودیت کے بغیر ربوبیت محال ہے۔

بے عاشق و عشق حسن معشوق کجاست تا عاشق و عشق نیست کجاست
درفتوی عشق اگرچہ اس قول خطاست مشاطہ حسن یار بے صبری ماست
”عشق و عاشق کے بغیر معشوق کا حسن و جمال کہاں ہے — جب تک عاشق و عشق نہ ہو معشوق کہاں ہوتا ہے — اگر عشق کے فتوے کے لحاظ سے یہ بات خطا اور گستاخی کی ہے کہ حسن دوست کی تمام آرائش کرنے والی اور کشش کا باعث ہماری بے صبری ہے۔“

حضرت اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا تَمَّتْ عُبُودِيَّةُ الْعَبْدِ فَيَكُونُ عَيْشُهُ كَعَيْشِ اللَّهِ تَعَالَى

”جس وقت عبد کی عبودیت تمام ہوئی، پس اس کی عیش ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے

عیش کی مانند۔“

اتمام عبودیت اس وقت ہوتی ہے کہ جب تقصیر و تو قیر برابر ہو جائیں — بلکہ جو کچھ خدا کے لیے ہو، اس کا بندے میں ظہور ہو — ہر گاہ قطرہ دریا میں شامل ہو کے فنا ہو گیا اور نیست و نابود کا تعین — پس دریا کی عیش عین قطرے کی عیش ہے۔
دعائے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشہد میں ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:
 اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَسِيْحِ
 الدَّجَالِ

”الہی میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ عذاب قبر سے، اور پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ کانے دجال سے۔“

یہاں قبر سے مراد قید جسمانی و بشری ہے — اور دجال، نفس امارہ سے ہے۔ نفس امارہ کو یک چشم (کانا) اس لیے کہا ہے کہ اس کی توجہ ظاہر کی طرف ہوتی ہے، باطن کی طرف متوجہ نہیں — جب انسان اس مقام میں پہنچ جاتا ہے، اور حجاب دار گرہ تعین توڑ دیتا ہے تو پھر ذات کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

مقامات راہ سلوک:

واضح رہے کہ:

☆ — معشوق حاحوت میں ہے یعنی ذات محبت میں،

☆ — عاشق لاہوت میں ہے،

☆ — عارف جبروت میں ہے،

☆ — واصل ملکوت میں ہے، اور

☆ — واقف ناسوت میں۔

یہ نزول ہے — اور عروج میں جب:

☆ — واقف و قوف پاتا ہے تو وصف میں آتا ہے،

☆ — وصف سے عرفان میں،

☆ — عرفان سے معارف میں،

☆ — معارف سے رویت میں،

☆ — رویت عاشق بناتی ہے اور

☆ — جب عاشق ہوتا ہے تو اپنے آپ ہی کو پاتا ہے۔

پس ناگاہ کمین گاہ وحدت سے تیغ عشق!

۔ ایں عشق نہ جائے کار سازی است ہش دار کہ تیغ بے نیازی است

”یہ عشق کسی کار سازی و تدبیر کا مقام نہیں ہے — خبردار! ہوش قائم

رکھ — کہ یہاں شان بے نیازی کی تلوار ہی چلتی ہے۔“

شان بے نیازی کی تلوار جب چمکتی ہے تو ماسوائے الحبوب سب کو شربت فنا

چکھاتی ہے۔ معشوق کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا — یعنی عاشق و عشق دونوں معشوق

میں فنا ہو جاتے ہیں — لہذا

☆ — كُنْتُ كُنْزًا مُنْخَفِيًّا سے مراد حاضوت ہے،

☆ — فَأَخْبَيْتُ سے مراد لاہوت ہے،

☆ — أَنْ أَعْرِفَ سے مراد جبروت ہے،

☆ — فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ سے مراد ملکوت و ناسوت ہیں۔

۔ تو مباش اصلا کمال این است و بس تو دردگم شو وصال این است و بس

”تو بالکل باقی نہ رہ“ فنا فی المحبت“ ہو جا۔ بس یہی کمال ہے — تو اسی محبوب

حقیقی میں گم ہو جا بس یہی تیرا وصال ہے۔“

سلطان عشق کے تخت:

سلطان عشق کے چار تخت ہیں:

(۱) — لاہوت (۲) — جبروت (۳) — ملکوت (۴) — ناسوت

(۱) — لاہوت:

لاہوت سے مراد سر یعنی نور ہے۔

(۲) — جبروت:

جبروت سے مراد روح ہے۔

(۳) — ملکوت:

ملکوت سے مراد دل ہے۔

(۴) — ناسوت:

ناسوت سے مراد جسم ہے۔

پس تن خدمت میں دل کے — دل کی محبت میں روح کے — روح
 قربت سر میں — سروصال خدا میں ہے جو وحدت بے کثرت ہے — وہ منزل
 خاص الخاص کی ہے۔
 جو وحدت با کثرت ہے، وہ مقام خاص کا ہے — جو کثرت بے وحدت ہے،
 وہ منزل عام کی ہے — چنانچہ:

☆ — خاص الخاص مقام محض امن وامانی میں ہے

☆ — خاص مقام حیرانی میں ہے، اور

☆ — عام مقام صرف نادانی میں

☆ — علم الیقین:

علم الیقین طالبوں کا مقام ہے۔

☆ — عین الیقین:

عین الیقین متوسطوں کی منزل ہے۔

☆ — حق الیقین:

حق الیقین واصلوں کا مقام ہے — واصلوں کو موت نہیں، اس لیے کہ یہ حق

باقی ہیں۔

ہرگز نمیر و آن کہ دلش زندہ شد عشقِ حُب است بر جریدہٴ عالم دوامِ ما

”جس کا دل عشقِ حقیقی سے زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرتا — اسی لیے

کتابِ عالم کے اوراق پر ہمارا نام ہمیشہ کے لیے ثبت و باقی ہے۔“

مرتبہ واحد الوجود باعتبارات:

مرتبہ واحد الوجود کو باعتبارات یہ کہتے ہیں:

- | | | |
|--------------------|--------------------------|-------------------|
| (۱) — توحید ذاتی | (۲) — مرتبہ ذکرِ لُحْمٰی | (۳) — مرتبہ نور |
| (۴) — مرتبہ عِزّ | (۵) — مرتبہ وراء الوراء | (۶) — مرتبہ احدیت |
| (۷) — مرتبہ لائقین | | |

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

صورتِ مراقبہ:

عارف الوجود وہ ہے جو اپنے وجود پر دانا ہو — یعنی وہ ہستی جو دانائے خود ہے، اور وہ ہمہی تمام ہستیوں سے منزہ ہے اور اپنے ہستی میں قیام رکھتا ہے، نامتناہی ہے — واجب و ممکن اور متمتع اس کے ساتھ قائم اور اس کے محتاج ہیں — وہ ان سب سے مستغنی (بے نیاز) ہے۔ یہ وجود اپنے ماتحت کی نسبت متصل بہ اطلاق ہے۔ یعنی اس وجود کا اطلاق مماثل و مشابہ اطلاق، اور تمام ہستیوں سے منزہ و مقدس ہے۔ اسی اعتبار سے یہ مرتبہ وراء الوراء ہے۔

وراء الوراہے کیا؟

وراء الوراہ ایک مکان ہے — تمام مکان اس کے پر تو سے ظہور میں آئے ہیں — مکان اسے کہتے ہیں جس میں صورت و شکل قرار پکڑے اور نمودار ہو —

یعنی مکان بمعنی بودن ہے — لہذا اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا کیا ہے وہ ایک مکان ہے۔ چنانچہ عناصر یعنی:

☆ — آبی: اشیاء آبی کا مکان ہے،

☆ — آتشیں: اشیاء بادی کا مکان ہے، اور

☆ — ہوا: اشیاء بادی کا مکان ہے، اور

☆ — خاک: اشیاء خاکی کا مکان ہے۔

پس یہ عناصر بھی خود بخود ایک دوسرے کے مکان و مکین ہو گئے ہیں۔ جیسے:

صفا: مکان باد — باد: مکان آتش — آتش: مکان خاک —

خاک: مکان آب!

یعنی جو چیز جس میں قرار پائے وہ اس کا مکان ہے — چنانچہ ہر شے کا مکان

ایک اسم کے ساتھ موسوم ہو گیا ہے۔ مثلاً

صفا و ہوا، مکان و لامکان اور وراء الوراہ —

پس وراء الوراہ اس حضرت کا بطون ہے کہ تمام قابلیات اسماء و صفات الہی اس میں مستقر

ہیں — اور — اعیان ثابتہ کا مظہر و مکان ہے۔

اے سالک! ذات الہی کا بھی ایک مکان ہے جسے وراء الوراہ کہتے ہیں —

وراء الوراہ کے پرتو سے لامکان پیدا ہوا ہے کہ لامکان اس کی ایک صورت ہے۔

صفا سے ہوا پیدا ہوئی — ہوا مرآة لازم الوجود کا مظہر ہے — لازم الوجود

ہوا میں ظاہر ہے — یہ وہ ہوا ہے کہ تمام جسمانیات:

☆ — عرش سے فرش تک،

☆ — سمک سے ساک تک، اور

☆ — علیٰ علیین سے اسفل السافلین تک

اس میں ظاہر و ہویدا ہے۔

صوفیہ کرام کے نزدیک وراء الوراہ جمیع ہیولات کا ہیولا ہے۔ اس لیے کہ لامکان وراء

الوراء کے پرتو سے ظہور میں آیا ہے۔ پس وراء الوراء ایک مکان ہوا۔ علیٰ حد الاقیاس جمع مراتبات، قابلیات، حسب مراتب ایک دوسرے کے لیے مظہر و مسکن ہیں۔ فَأَعْرَفَا سالک کو چاہئے کہ ایک کا تماشا دوسرے میں دیکھے۔ مثلاً
صفا کو ہوا میں — مکان کو لامکان میں — لامکان کو مکان میں —
لامکان کو وراء الوراء میں۔

بلکہ ہمیشہ وراء الوراء کے مطالعہ و مشاہدہ میں رہے، اور اس مرتبہ کا کمال حاصل کرے۔ — اگر سالک نے یہاں دنیا میں یہ مرتبہ نہایت حاصل نہ کیا تو پھر کب کرے گا کہ تحصیل کمال اسی مرتبہ میں ہے۔

جو شخص وراء الوراء میں پہنچ گیا، پس وہ احدیت ذات میں مل گیا — یہ مرتبہ واحد الوجود کا ہے۔ ازل الازل میں اس کے سوا کسی شے کا وجود نہ تھا، اور نہ اب ہے — یہ وہ ہے کہ جس کا نام نامی وجود مطلق احدیت ہے۔ مناسب ہے کہ طالب صادق اس مقام کے حصول کے لیے شغل مراقبہ بے رنگی کرتا رہے۔ مراقبات بے رنگی سے اعظم ترین مراقبہ ”مراقبہ واحد الوجود“ ہے۔

مراقبہ واحد الوجود:

غسل کر کے لباس ظاہر پہنے — دو رکعت نفل ادا کر کے قبلہ رخ بیٹھے — استغفار اور درود شریف پڑھے — آنکھیں بند کر کے قلبی توجہ کو حقیقت جامعہ بیرنگ میں متوجہ کرے — اس وجود کے مرآت میں (کہ جو اطلاق و تقیدات سے مطلق ہے) معائنہ کر کے با امرہ تعالیٰ چند دن میں فنا ہو کر شان بے رنگی حاصل کرے گا۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس مراقبہ کی ممارست سے جمع ماسوائی اللہ منظمی ہو جائیں گے — اگر اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی شائبہ تعین یا کوئی دوسرا امر دل میں خطرے کا باعث ہو تو وجود مطلق کی ذات میں پناہ گزیر ہو۔ تاکہ اس میں رسوخ حاصل ہو — پھر اس رسوخ سے آنکھ کھولے اور ہر ایک موجود کے وجود میں خاص وجود مطلق کو چشم ظاہر سے دیکھے جیسا کہ چشم باطن سے دیکھا تھا —

غرض اس مراقبہ میں بہ کوشش تمام ایسا مستغرق ہو کہ پھر کسی قاطع سے منقطع نہ ہو، بس منجبد ہو جائے — اس کو ذکر سرالسر کہتے ہیں۔ — توحید میں یہ مرتبہ علیا ہے، اور درجہ قصویٰ — اس کے افتتاح کے لیے ہمیشہ ذکر اسم ذات سری کرتا رہے، تاکہ ہمیشہ انشراح ہوتا رہے — اللہ بس باقی ہوں!

باب سوم:

حق الیقین، قیام اقلیم حقیقت

اقلیم حقیقت کیا ہے؟

حقیقت بمعنی: اصل شے جیسی کہ وہ ہے — اقلیم حقیقت میں چندے قیام اس لیے ہوتا ہے کہ اپنی حقیقت سے آگاہی — نفس کی شناخت اور معرفت ذات الہی کے ظہور کی ابتدا ہو — خودی مٹے اور خدائی کے آثار نمودار ہوں —

اسی مقام پر خود شناسی اور خدا شناسی کا ظہور ہوتا ہے — طالب جب سیر وجود سے علیٰ قدر مراتب فارغ ہوتا ہے تو پھر اسے اقلیم حقیقت میں تفکرات کی تعلیم فرماتا ہے — توحید حقیقت کی مدد سے ہر ایک بلا سے بچاتے ہوئے معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔

توحید حقیقت یعنی: اسم و سعی کی تمیز اٹھادینا۔

فصل اول:

تفکرات

اذکار و اشغال اور مراقبات کے بعد تفکر کا مرتبہ ہے — یعنی جب آئینہ مصقلہ اذکار وغیرہ سے مصفا و مچھلی ہو جاتا ہے تو اکملین ہمیشہ تفکرات میں مشغول رہتے ہیں — اس میں آیات بینات اور عجیب و غریب اسرار الہی کا ظہور ہوتا ہے —

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دانشوروں کو عبرت و تدبیر اور تذکر و تفکر کی بہت کچھ ترغیب فرمائی ہے، اور اہل عقل کو اپنی آیات و بینات اور قانون قدرت کا ملہ کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ مقارح انوار ربانی اور مبداء بصیرت رحمانی ہے — اور علوم و معارف کے لیے حال بے زوال —

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تفکر کی فضیلت کو بڑے شد و مد سے بیان فرمایا کہ لوگوں کو بڑے زور سے اس طرف متوجہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے توحید ذاتی اور کمال وحدت حقیقی کا ظہور پورے طور پر ظاہر و نمایاں ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (پ ۴، آل عمران، ۱۰۷)

”آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا بدلنے آنا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔“

اور فرمایا کہ خرابی ہے اس کو جو اس کو پڑھے اور فکر نہ کرے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:

ابن ابی الدنیا سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

أَعْطُوا أَعْيُنَكُمْ حَقَّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ

”اپنی آنکھوں کو عبادت میں ان کا حصہ دو۔“

کسی نے عرض کیا:

”آنکھوں کا عبادت میں کیا حصہ ہے؟“

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”کلام الہی میں نظر و فکر کرنا اور اس کے عجائبات سے عبرت پکڑنا۔“

(۱) فکر کی دولت وہ زبردست نعمت ہے جس کے لئے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ہے:

تَفَكَّرُ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ

”ایک گھڑی کا فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔“

اس فکر سے مراد وہ غور و خوض ہے جو اپنی ذات کے مختلف احوال طفولیت، بلوغ، کہولت و پیریٰ زمانے میں نفس خبیث کے اغوا سے معائبِ سیئات کبار و صغائر ظہور پذیر ہونے پر کیا جائے۔ یہ علم لوگوں کا فکر ہے۔

(۲) ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

تَفَكَّرُ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ مِائَتِينَ سَنَةٍ

”ایک گھڑی کا فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔“

یہ وہ غور و خوض ہے جو شیطان کے شیر اور نفس و ہوا کے وساوس پر کیا جائے۔ حرص و ہوا کے بندھنوں کا توڑنا اور نجات حاصل کرنا یقیناً ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

(۳) ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

تَفَكَّرُ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ

”ایک گھڑی کا فکر جن و انس کی مشترکہ عبادت سے بہتر ہے۔“

یہ دل کو خطراتِ ماسویٰ اللہ سے قطعاً پاک رکھتا ہے۔ یقیناً ایسی ایک آن واحد جس میں ماسویٰ اللہ سے قطعاً انقطاع ہو دنیا و مافیہا کی عبادت سے بہتر ہے۔

ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا:

”کیا دنیا میں آپ کا کوئی ثانی ہے؟“

آپ نے فرمایا:

”ہاں! — جس کی گفتگو ذکر ہو — سکوت فکر اور نظر عبرت۔“

ارشاد حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ:

آپ نے فرمایا کہ جس کے کلام میں حکمت نہ ہو اور وہ لغو ہے۔ جس کا سکوت فکر نہ ہو وہ سہو ہے۔ جس کی نظر عبرت کے لیے نہ ہو وہ لہو ہے۔ مزید فرمایا کہ اہل عقل ہمیشہ ذکر سے فکر کے عادی ہوا کرتے ہیں، اور فکر سے ذکر کے۔ یہاں تک کہ ان کے دل گویا ہو جاتے ہیں، اور حکمت بولنے لگتے ہیں۔

ابوسلیمان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

دنیا کے لیے فکر کرنا آخرت کی آڑ ہے۔ اولیاء اللہ کے حق میں عذاب اور آخرت میں فکر کرنا مورث حکمت اور دلوں کو زندہ کرنا ہے۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سب سے اشرف و اعلیٰ مجلس یہ ہے کہ توحید کے میدان میں فکر کے ساتھ بیٹھ کر معرفت کی ہوا کھائے۔ جامِ محبت کو اتحاد کے دریا سے نوش کرے۔ اور اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کے ساتھ نظر کرے۔

پھر فرمایا: ان مجالس کا کیا ہی کہنا ہے۔ بہت عمدہ ہیں۔ اور اس پینے کی چیز کا کیا ہی کہنا ہے، نہایت لذیذ ہے۔ خوش حال ہے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ بات نصیب کی ہو۔

تفکرات جمع ہے تفکری۔ یہ بھی ایک قسم کا مراقبہ ہے۔

تفکر کے معنی ہیں:

”کسی کار، یا امر میں، یا شے، یا لفظ و عبارت، کلام و گفتگو میں غور و تامل اور خوض و فکر کرنا۔“

شاعر کہتا ہے:

اے پردہ نشیں ایں گزر گاہ نے عشق بر نئے شود راہ

توے کہ ز خود بریدہ رھند
در فکرو بہ کوششے در آویز
سر بر بخط لو نمی زمانے
چوں فکر ترا بتور ساند
یک جذبہ او ترا دران دم
باید کہ سر از کشش نتابی
فکر است کلید ایں معانی
مذکور طلب چہ خواہی از ذکر
دانستن فکر مشکل آمد
فکر تو ہنوز خار خار است
از فکر بفکرے تو ان رفت
یک بار مجرد از صفت شو
اے خواجہ دے قلندری کن
یا یک نفس اندری خرابی
بر بند بکلم دیدہ آرز
بر ساعد و قرارے کن
اے گم شدہ خویش را طلب کن
”اے اس گزرگاہ (منزل حقیقی) کے پردہ نشین! یہ راہ دشوار عشق و محبت کے
بغیر ہرگز بسر نہ ہوگی۔

ایک گروہ نے اس راہ کو اپنے آپ سے فراموش ہو کر طے کر لیا ہے۔ اس صحرائے
محبت میں وہ پیدل مصیبتیں اٹھاتے ہوئے گئے ہیں۔
تو اپنی فکر و جستجو میں بڑی سعی و کوشش سے لگا رہے — تاکہ تو ایسی کشش منزل کو
حاصل کر لے کہ تو راہ پر اٹھ کر چل پڑے۔

تو ایک عرصے تک اس محبوب کے خط (پیام) پر سر جھکا کر غور و خوض کر۔ تاکہ تو اس مکتوب کی تحریر کا نشان اور مجید معلوم کر لے۔

جب تیرا فکر تجھ کو تیری حقیقت کے اندر پہنچائے گا، پھر تیرا عشق تجھ کو مقامِ اعلیٰ پر پہنچا دے گا۔ اس وقت تیرا ایک دم کا جذبہ صادق بھی دونوں عالم کی عبادت سے افضل و بہتر ہوگا۔

تجھے چاہئے کہ سعی و کوشش سے مطلق سرتابی نہ کرے۔ تاکہ تیرا محبوب تجھ کو طلب کرے اور کہے کہ مجھے حاصل کر۔ یعنی اس کی کشش محبت تجھے منزل مقصود پر پہنچا دے۔

دراصل فکر ہی ان تمام معانی کی کنجی ہے۔ جب تک تو اپنے آپ راہ نہ حاصل کرے گا، اس حقیقت کو تو ہرگز نہیں جانے گا۔
اگرچہ حقیقی فکر جاننا نہایت مشکل ہوا۔ مگر وہ صحیح معنوں میں دیدہ دل کی بیداری اور حقیقت سے واقفیت کا باعث ہو گیا۔

تو اس ذکر سے کیا چاہتا ہے۔ تو اس مذکور (خدائے تعالیٰ) کو طلب کر۔ بس یہی تمام ذکر و فکر کا مقصد اور خلاصہ ہے۔

تیرا فکر ابھی خار خاری ہے۔ جب یہ (ماسوائے الہی) کا فکر باقی نہیں رہے گا، تو بس وہ حقیقی کام ہے۔ تیرا فکر حقیقی فکر سے ہی دور ہونا چاہئے۔

جو بھی گیا ہے وہ بے نشان ہی گیا۔ یعنی تو تمام فکروں سے بے نیاز ہو کر فکر حقیقی میں مستغرق ہو جا۔ اور اس نام و نمود کو چھوڑ کر بے نشانی سے راہ محبت پر گامزن ہو کر منزل مقصود پر پہنچ جا۔

ایک مرتبہ تو ان تمام صفات ظاہری سے جدا ہو کر مجرد و یکتا ہو جا پھر معرفت حقیقی کے بحر محیط میں غرق ہو۔

اے خواجہ! تو ایک دم کو قلندری و بے باکی سے کام لے، اور اس جسم و جان کی محنت سے بری ہو جا۔ تاکہ ایک نفس کو اس خرابی کے عالم میں بغیر ظاہری جان کے، اصلی

حیات حاصل کر لے۔

اس حرص و لالچ کی آنکھ کو بالکل تو بند کر لے تاکہ اے باز! تو ہدم شاہ ہو کر شہباز

بن جائے۔

تو اس (مرشد کامل) کے دستِ اقدس پر پکا اقرار کر اور پھر صحنِ بقا میں آزادی سے

سیر و شکار کر۔

اے اپنے آپ سے کھوئے ہوئے خود فراموش! تو خود اپنی طلب کر۔ اگر تو اس

ذاتِ اقدس کو پالے تو ادب اختیار کر۔“

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فکر کے معنی یہ ہیں کہ دو معرفتوں کو دل میں موجود کر کے تیسری معرفت کو حاصل

کرنا۔

دنیا کی نسبت آخرت اختیار کرنا کس طرح بہتر ہے؟

کوئی دنیا دار اگر یہ معلوم کرنا چاہئے کہ دنیا کی نسبت آخرت اختیار کرنا کس طرح

بہتر ہے تو اس کے دو طریق ہیں:

(۱) — ایک یہ کہ اپنے کسی بزرگ سے یہ سنے کہ دنیا کی نسبت آخرت بہتر

ہے — اور سنتے ہی اس کو سچا جان کر بغیر اس کے کہ حقیقت امر پر اس کی

بصیرت کچھ کارگر ہوئی ہو، یقین کر لے — صرف اس کے کہنے پر اعتبار کر کے

اپنے عمل سے آخرت کی ترجیح کا مائل ہو جائے تو اس کو معرفت نہیں بلکہ تقلید کہتے

ہیں۔

(۲) — دوسرا طریق یہ ہے کہ اول اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ پائیدار چیز کا

اختیار کرنا بہتر ہے — پھر اس کا علم ہوا کہ آخرت بہتر ہے — ظاہر ہے

کہ اس تیسری بات کا معلوم کرنا، پہلی دو معرفتوں کا موجود کرنا تفکر و اعتبار، تذکر و

نظر اور تامل و تدبر کہلاتا ہے — یہ تینوں یعنی تفکر، تامل و تدبر مترادف الفاظ

ہیں مگر ان کا معنی ایک ہے۔ جبکہ تذکر، اعتبار اور نظر کے معنی میں فرق ہے۔

☆ — اعتبار:

دو معرفتوں کے موجود کرنے کو اعتبار کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں سے تیسری معرفت کی طرف عبور کر سکتے ہیں۔

☆ — تذکر:

اگر دو معرفتوں پر آگاہی ہوئی ہو مگر تیسری معرفت کی طرف عبور نہ ہوا ہو تو اسے تذکر کہتے ہیں۔

☆ — نظر و تفکر:

دو معرفتوں کے ہونے کو نظر و تفکر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں تیسری معرفت کی تلاش ہے۔ جو شخص تیسری معرفت کا طالب نہیں، اسے ناظر نہیں کہیں گے۔

☆ — تذکر و تفکر میں فرق:

جو شخص متفکر ہوگا وہ تذکر بھی ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ جو تذکر ہو وہ متفکر بھی ہو۔ تذکر میں یہ فائدہ ہے کہ دل پر معارف کمر جم جائیں اور اس میں سے محو نہ ہوں۔ تفکر کا یہ فائدہ ہے کہ علم بڑھتا جائے، اور جو معرفت حاصل نہ تھی وہ حاصل ہو جائے۔ تذکر و تفکر میں بس یہی فرق ہے۔

سب معارف دل سے متعلق ہیں:

معارف بے شمار ہیں اور وہ سب دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ دل میں جس قدر طاقت ہوتی ہے، اسی قدر عرش عرفان پر پرواز کرتا ہے۔

دل ایک سوار ہے، اس کا زادراہ اور تسکین و اطمینان دہندہ ذکر الہی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

تَطْمِئِنُ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمِئِنُ الْقُلُوبُ

(پ ۱۳ ع ۱۰، رعد)

”دلوں کا اطمینان ذکر الہی میں ہے۔ آگاہ ہو کر دلوں کا اطمینان ذکر الہی

میں ہے۔“

فقر کے کنز مخفی کے حاصل کرنے کے لیے یہ سوار (کہ جس سے کُنْتُ كُنْتُ مَخْفِيًا مراد ہے) تیار کیا جاتا ہے — علم محافظ، عقل مدرکہ سواری اور فہم و فراست اس کے اسلحہ ہیں — اور جمع مجاہدات و اشغال، مراقبات و تفکرات اس کے مخبر و راہنما۔ چنانچہ ان حوائج ضروری کے انجام دینے میں جس قدر تغافل و سستی کرے گا، فقر کے گنج مخفی سے (جو مقصود اصلی ہے) اسی قدر دور و در ماندہ رہے گا — ہاں اگر خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے چھت پھاڑ کر کچھ عنایت فرمادے تو یہ اس کی بخشش ہے۔

ع ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج (سعدی)

”بے وقوف نے ویرانے کھنڈر میں خزانہ پالیا۔“

پھر کسی چیز کی حاجت و ضرورت نہیں۔

۔ جب لاگیں برسن کے چاؤ پرلا دیکھیں نہ پچھوا باؤ مگر یہ شاذ و نادر ہے۔

معرفت در معرفت:

غرض جب دل میں معارف جمع ہوتے ہیں، اور ایک خاص ترکیب سے ملتے ہیں تو ان سے ایک اور معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی ایک معرفت پہلی معرفت کا ثمر ہوتی ہے، اور جب یہ نئی معرفت حاصل ہوتی ہے، جب وہ دوسری معرفت سے ملتی ہے تو اس سے ایک اور نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اسی طرح ثمرات بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور علوم بھی زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں، اور فکر بھی بے انتہا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے — غرض دل جو خالص نور ربانی و اسرار الہی ہے۔ اس میں یہ قدرت رکھی گئی ہے کہ ان وسائل کے ذرائع سے وہاں تک پہنچ سکتا ہے، ورنہ ذات الہی میں کسی حس کی رسائی نہیں —

کیونکہ وہ ذات شمس نصف النہار کی طرح بلکہ اس سے بھی کروڑوں درجہ زیادہ بین و اطہر ہے کہ کثرت شعاع سے حواسِ عشرہ، خیرہ و اماندہ دید ہیں — البتہ یہ اسی دل میں قوت ہے کہ اپنی خاص توجہ سے کسی شعاع کے وسیلہ سے (کہ وہ جل اہتین ہے) کنگرہٴ تقدیس پر کند ذال کر اس سلطانی گنج مخفی (خفیہ شاہی خزانہ) میں جا پہنچتا ہے۔

تفکر کے معنی اور اس کے درجے:

تفکر کے معنی ہیں دل میں دو معرفتوں کو جمع کر کے ان سے تیسری معرفت حاصل کرنا — اس میں پانچ درجے ہیں:

(۱) — اول تذکر: یعنی دل میں دو معرفتوں کو جمع کرنا

(۲) — دوم تفکر: یعنی ان دو معرفتوں سے معرفت مقصود کا طلب کرنا

(۳) — سوم: معرفت مطلوبہ کا حصول: اور اس سے دل کا متجلی ہونا

(۴) — چہارم: حصول نور معرفت سے دل کا حال بدل جانا

(۵) — جس طرح دل کا حال بدلتا جائے، اسی طرح جمیع اعضاء و جوارح ظاہری و باطنی دل کے تابع و خادم رہیں۔

مرکز فکر:

فکر کبھی تو ایسے امر میں ہوتا ہے جو دین سے متعلق ہو — اور ہم اسی کو بیان کرتے ہیں۔

دین سے ہماری مراد یہ ہے کہ جو معاملہ اللہ اور بندے کے درمیان ہو وہ دین ہے — اس صورت میں فکر دو حال سے خالی نہیں:

(۱) — یا تو وہ فکر خدا کی ذات و صفات و افعال سے متعلق ہوگا۔

(۲) — یا انسان کی ذات و صفات و افعال سے متعلق ہوگا۔

اور جو فکر کہ خدا سے متعلق ہے وہ:

☆ — یا تو اس کی ذات و اسماء حسنیٰ میں ہوگا،

☆ — یا اس کی صفات و افعال، ملک و ملکوت اور تمام آسمانوں، زمینوں

اور ان کے درمیان کی چیزوں کا ہوگا۔

لیکن اس کی ذات میں فکر کرنا ایک شرعی ممنوع، دوسرا یہ کہ اس کی کنیہ / ذات میں

عقل جزوی انسانی حیران و سرگرداں ہے، ناکامی و بدنامی کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

تو ان در بلاغت بہ سبحان رسید نہ در کنیہ بے چون سبحان رسید

”فن شعر و ادب میں نصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سبحان بن وائل مشہور

شاعر عرب تک پہنچ سکتے ہیں۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ اس ذات بے مثل و بے

مثال رب سبحان کی کنیہ (حقیقت) تک کسی کی عقل و فہم کی رسائی

ہو سکے۔“

جو ذات کہ عقل و قیاس، گمان و وہم، فہم و ادراک و خیال سے برتر ہو، اس میں فکر

کرنا محض نادانی نہیں تو کیا ہے — اور جو دور یا کہ بے پایاں ہو، جس کی نہ کوئی حد ہو

نہ کنارہ، نہ کوئی ابتداء ہو نہ انتہا، ایسے بحر محیط کی موجوں میں اپنی فکر کی زروق چلانا اور

عقل ناقص کی بانس بلی لگانا اپنی تباہی کا سامان — ہلاکت کا باعث نہیں تو کیا ہے

— جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ:

تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللَّهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي ذَاتِ اللَّهِ

”تم فکر کرو اللہ کی مخلوقات میں، اور مت فکر کرو اللہ کی ذات میں۔“

پھر ایسی جگہ ہم کیوں فکر کریں جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی

نافرمانی ہو۔ — اور عقل کی حس باطل ہو — مناسب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ہم بھی مخلوقات میں (جو ہماری نظروں کے سامنے

موجود ہے) فکر کریں — کیونکہ جو غرض ہماری ذات کے فکر کرنے میں ہے، وہ مخلوق

میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ مخلوق بھی ظہور حق ہے۔ —

اپنے آپ کو پہچانو:

مخلوقات میں سے بہتر و برتر خلقت انسان ہے — جیسا کہ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

”البتہ ہم نے آدمی کو پیدا کیا اچھی سے اچھی صورت میں۔“

کیونکہ جمال صورت و کمال معنی رکھتا ہے — پھر ہم کو یہ مژدہ سنا دیا کہ!

وَلِيَّ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ

”اور تمہارے نفسوں میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے۔“

یعنی جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو وہ تمہاری ہی ذات میں موجود ہے — اس

لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

”جس نے اپنے نفس و ذات کو پہچانا، اسے عرفان رب حاصل ہو گیا۔“

کیونکہ اس میں نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي شَانَہے — حضرت امام محمد غزالی

علیہ الرحمہ اپنی کتاب ”احیاء العلوم“ میں فرماتے ہیں کہ اگر شوق و محبت کا حال پیدا کرنا

چاہے، اور اپنی ہستی کو ذات الہی میں فنا کرنا تو اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت اور کبریائی

میں فکر کرے — اس میں چند مقام ہیں۔ سب سے بڑا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

ذات و صفات اور اس کے ناموں کے معانی میں غور کریں — لیکن ایسا کرنا شرع

شریف میں ممنوع ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا — کیونکہ عقلمیں اس کی ذات کی حقیقت

میں حیران ہیں۔ صدیقیوں کے سوا کوئی اور اس طرف آنکھ کھول کر دیکھ نہیں سکتا۔ اور وہ

بھی ہمیشہ نہیں، بلکہ جب ان کی نظر جمال لایزال پر پڑتی ہے تو وہ خود بھی تاب نہ لا کر

ذات الہی میں فنا ہو جاتے ہیں — اکثر عقلموں کو تو اس کی ذات و صفات سننے کی بھی

تاب نہیں ہوتی۔ بلکہ تھوڑی بات جس کی تصریح بعض علماء نے کی ہے:

”اللہ تعالیٰ مکان و اطراف و جہات سے پاک ہے — نہ وہ عالم کے

اندر ہے نہ باہر — نہ ملا ہوا ہے نہ جدا۔“

اتنی بات سننے سے بعض لوگوں کی عقل ایسی حیران ہوئی ہے کہ وہ اس کی ذات

سے بھی منکر ہو گئے — کیونکہ:

☆ — نہ سننے کی طاقت،

☆ — نہ شناخت کا ادراک،

بلکہ اتنی بات بھی برداشت نہ کر سکے۔ جب ان سے کہا گیا کہ:

”اللہ تعالیٰ کے نہ سر ہے نہ پاؤں — نہ ہاتھ ہے نہ آنکھ، — نہ عضو

ہے نہ جسم — نہ معین نہ مقدر و حتم۔“

تو کہہ اٹھے کہ یہ بات تو خدا کے جلال و عظمت میں نقصان پیدا کرتی ہے —

یہ ان کے فہم کا قصور ہے نہ رات کا نقصان، بلکہ وہ ذات اور اکات البصار اور انبامات

عقول سے برتر و الطف ہے — جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ ذات، صفات سے باہر

نہیں — اور انسان اعلیٰ ترین صفات الہیہ میں سے ہے، اور اس میں ظہور روح قدسی

ہوا ہے۔ تو پھر ہم کیوں بے ٹھکانے بھٹکیں اور خالی سکہ لگاتے پھریں۔

اے عزیزو! اگر تم صفات و مخلوق کا راستہ اختیار کر کے ذات کا سراغ لگاؤ گے تو

ضرور کسی ٹھکانے لگ جاؤ گے۔

فصل دوم:

تعلیمات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مقام الہی:

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم ذات و صفات میں فکر کریں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے جگر گوشہ و فرزند دل بند کو تعلیم فرمایا:

يَا وَلَدِي فِكْرُكَ فَيْكَ يَكْفِيكَ فَلَيْسَ شَيْءٌ خَارِجًا مِنْكَ
وَذَانُكَ فَيْكَ وَمَا تَشْعُرُ ذَوَانُكَ مِنْكَ وَلَا تُبْصِرُ
وَتَزْعَمُ إِنَّكَ جِسْمٌ صَغِيرٌ وَفَيْكَ انْطَوَى عَالَمٌ أَكْبَرُ
وَأَنْتَ أُمَّ الْكِتَابِ الَّذِي مَا حَرَفَهُ يُظْهِرُ الْمُضْمُ

”اے میرے فرزند! تیرا فکر تجھ میں تیرے لیے کافی ہے۔ کیونکہ کوئی شے

تجھ سے خارج نہیں ہے۔

اور تیرا درد تیرے اندر ہے اور تو نہیں جانتا، تیری دوا تجھ میں ہے اور تو نہیں دیکھتا۔

اور تجھ کو گمان ہے کہ تو چھوٹا جسم ہے۔ حالانکہ تیرے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے۔

اور تو وہ ام الكتاب ہے کہ اپنے حرفوں سے دل کی بات جانتا ہے۔“

اس کلام فیض نظام کی تشریح یہ ہے کہ یَا وَلَدِي فِكْرُكَ فَيْكَ يَكْفِيكَ یعنی

اے میرے فرزند! ترا فکر تجھ میں ہی ترے لیے کافی ہے۔ یعنی تو اگر خدا کا دیدار اور اپنی

شناخت چاہے تو اپنے اندر فکر کر کہ خدا تجھ میں ہے نہ کہ تجھ سے جدا — جیسا کہ

ارشاد باری ہے:

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ

”اور تمہارے نفسوں میں ہے، کیا تم نہیں جانتے۔“

ایک روز عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سے سوال کیا:

إِنَّ اللَّهَ لِيَعْنِي اللَّهُ كَيْبَانَ؟

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَفِي رَوَايَةٍ فِي الْعَمَاءِ

یعنی ”اس کے بندوں کے دل کی تاریکی میں ہے۔“

جو سویداء قلب انسانی سے مراد ہے۔

۔ نباشد عیب پر سیدن ترا خانہ کجا باشد

نشانے وہ اگر یابم کہ آن اقبال ما باشد

”یہ پوچھنا کوئی برائی یا گستاخی کی بات نہیں ہے کہ تیرا مقام و مکان کہاں

ہوگا۔۔۔ تو ہم کو اپنا پتہ و نشان بتا۔ اگر ہم نے پایا تو یہ ہمارا اقبال و خوش

نصیبی ہوگی۔“

حدیث پاک میں ہے:

قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ عَرَشُ اللَّهِ تَعَالَى

”مومنوں کا دل اللہ کا عرش ہے۔“

ارشاد الہی ہے:

الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى

”اللہ تعالیٰ عرش پر کیس ہے۔“

جب مومن کا دل عرشِ مظہر اتو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دل پر کیس ہے۔

انسان کی اصل کیا ہے؟

اے فرزند! دل میں سوچ، اور اپنے نفس میں فکر کر کہ تو کون ہے، — کیا تھا؟

— کیا صورت پائی؟ — تیری اصل کیا ہے؟

ذرا ہوش سے سن! — کہ تیری اصل ذات بحت ہے — اول منزل میں حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نام پایا — دوسری میں حقیقت انسانی، تیسری منزل میں روح — پھر منزل مثال، — پھر تیرے رہنے کو یہ جسم کثیف ملا۔ تاکہ تو اپنی اصل کو بھول جائے — اس جسم کثیف نے اپنی کثافت کا اثر ڈالا۔ اس اثر صحبت نے تجھ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا اور تو کہنے لگا:

”یہ میرا جسم ہے، میں جسم ہوں — میں فلاں کا باپ ہوں، —

فلاں کا بیٹا ہوں — میں بھوکا ہوں، میں پیاسا ہوں — میں ننگا

ہوں — میں اندھا ہوں — میں لنگڑا ہوں — میں عاجز

ہوں!“

اے فرزند! تو جسم ہے، نہ تیرا جسم ہے — نہ تو کسی کا باپ نہ بیٹا — نہ بھوکا ہے نہ پیاسا ہے — نہ اندھا نہ لنگڑا نہ عاجز — غرض جو کچھ ہے ان صفات سے موصوف یہ جسم ہی جسم ہے۔ باپ ہے تو جسم، بیٹا ہے تو جسم، کل عیوب اس جسم میں ہیں — تجھ میں کوئی عیب نہیں۔ تو روح پاک و صاف ہے — تو خلیفۃ اللہ ہے۔ یہ جسم ایک اعتباری و خیالی لباس ہے — جب تو نے ایسے ہزاروں لباس بدل ڈالے، ایک دن اس کو بھی اتار دے گا — اس کے نہ ہونے سے تیرا کسی طرح نہ پہلے حرج و نقصان تھا، نہ پھر ہوگا — تو جیسا تھا ویسا ہی رہے گا — بلکہ اس کے ساتھ محبت کرنے سے پستی میں گرے گا، اور ہمیشہ جتلانے غم و الم رہے گا — لہذا بالقصد اس سے محبت کا رشتہ توڑ، اور اس کی الفت سے منہ موڑ تاکہ عذابِ سردی کے سفر سے چھوٹے اور اپنے اصلی وطن میں پہنچ کر آرام پائے حب الوطن من الایمان۔

حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی مے کرد مے گفت گدا بودن کنعان خوشتر
”وطن کی محبت سلیمان سے بھی زیادہ اچھی ہے، اپنے وطن کا کاٹنا بھی سنبل

دریخان سے زیادہ اچھا ہے — یوسف علیہ السلام نے اگرچہ مصر میں بادشاہی کی۔ مگر وہ بھی یہی فرماتے تھے کہ اپنے وطن ”کنعان“ کا گدا و فقیر ہونا اس سے بھی زیادہ اچھا ہے۔“

۔ آن وطن مصر و عراق و شام نیست آن وطن شہرے است کا ترانام نیست
”وہ حقیقی وطن مصر و شام اور عراق نہیں ہے، وہ وطن تو ایک ایسا شہر ہے کہ جس کا کوئی نام ہی نہیں ہے۔“

جب تم اوپر کے تنزلات و تعینات و اضافات کو اپنے سے الگ کر کے فکر کرو گے تو یقین کامل ہے کہ تم اپنی اصل حقیقت کو پہنچ جاؤ گے — عاقل کو ایک اشارہ ہی کافی ہے۔

فَلَيْسَ شَيْءٌ خَارِجًا مِنْكَ

”کوئی شے تجھ سے باہر نہیں۔“

سب چیز تیرے اندر موجود ہے — حکیم سنائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۔ آسمان ہاست در ولایتِ جان کار فرمائے آسمانِ جہان

در رہ روح پست و بالا ہاست کوہ ہائے بلند و دریا ہاست

”جان کے ملک و ولایت میں بہت سے آسمان ہیں۔ جو اس دنیا جہان

کے آسمان میں کار فرما ہیں — روح کے راستے میں بہت سے نشیب و

فراز ہیں۔ اور بہت سے بلند و بالا پہاڑ اور بڑے بڑے دریا ہیں۔“

اکثر علماء محققین ان آیات کریمہ:

☆ — وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوْرَكُمْ (پ ۲۸، ع ۱، تغابن)

☆ — لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (پ ۳۰، التین)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ انسان فی الحقیقت ظاہری و باطنی جمال رکھتا ہے — اور یہ نسخہ جامعہ و مجموعہ کاملہ ہے — اس میں جمیع موجودات عالم خلق، امر ملکوتی، علوی، سفلی و منظوی مندرج ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو نسخہ جامع جمیع کمالات ظاہری و

باطنی پیدا کیا ہے — یہ جمع علوم و فنون و صنعت وغیرہ کا جامع مجموعہ ہے — کوئی علم، کوئی ہنر، کوئی پیشہ، کوئی صنعت اس سے باہر نہیں — جو کچھ موجود ہے اسی کی نمود ہے، سب چیز اس کے اندر موجود ہے — حقیقت میں انسان سنج مخفی کا نمونہ ہے — خلیفۃ اللہ اس کا خطاب ہے۔ قَابِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ اس کا مقام ہے — فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ اس کا کلام ہے — وَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا يَعْلَمُ (پ ۳۰، ع ۱)، وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلْمًا (پ ۱۵، ع ۹، کف)، وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (پ ۲، ع ۳)، اس کا علم ہے — یہ مخزن اسرار ربانی ہے — یہ مطلع انوار سبحانی ہے — سب شے اس میں موجود ہے، کوئی چیز اس سے خارج نہیں۔

اے نامہ نسخہ الہی کو کہ توئی دے آئینہ جمال شای کہ توئی بیرون ز تو نیست پرچہ دو عالم ہست۔ در خود بطلب ہر آں چہ خواہی کہ توئی ”اے وہ کہ تو ہی کتاب الہی کا ورق ہے، اور وہ جمال شای کا آئینہ تو ہی ہے — جو کچھ بھی دونوں جہان میں ہے، وہ تجھ سے باہر نہیں ہے — تو بس اپنے اندر ہی طلب کر۔ جو کچھ تو چاہتا ہے تو ہی ہے۔“

اپنا مطلوب خود میں ہی طلب کر:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اے فرزند! اپنے اندر فکر کر۔ جو چیز تجھ کو مطلوب ہے، اپنے ہی میں طلب کر، وہ اپنے ہی اندر پائے گا۔ — کوئی شے تجھ سے باہر نہیں کہ جسے خارج میں تلاش کرے۔

وَوَايَاكَ فَبِكَ وَمَا تَشْعُرُ ذَوَايَاكَ مِنْكَ وَلَا تَبْصُرُ

”اور تیرا مرض تیرے اندر ہے، اور تو نہیں جانتا — دوا بھی تیرے ہی

پاس ہے اور تو نہیں دیکھتا — یعنی تیرا درد اور تیری دوا تجھ ہی میں

ہے۔“

کفر اور شرک تیرے لیے درد ہے۔ ارشاد باری ہے:

☆— إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا

”اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک لایا جائے، اور بخشتا ہے سوائے اس کے، جس کے واسطے چاہتا ہے، اور جو کوئی شرک لائے اللہ کے ساتھ، تحقیق وہ گمراہ ہوا گمراہی دور کا۔“ (پ ۵ ع ۳ آء)

☆ — إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (پ ۲۱ ع ۲۰ لقمان)

”شرک البتہ بڑا ہی ظلم ہے۔“

توحید و معرفت اس کی دوا ہے — جب یقین دل سے تم نے جان لیا کہ حقیقتاً ذات پاک کے سوا کوئی موجود فی الخارج نہیں — اور یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے کل موجودات فقط ایک وہی، خیالی اعتبارات پر وابستہ ہے — یہ معدوم محض ہے — مگر موجود حقیقی اول و آخر، ظاہر و باطن ذات پروردگار ہے — بس یہی اس درد کی دوا ہے۔ یعنی اس کی ہستی کے باوجود اپنی ہستی کا ثبوت کرنا یہ درد ہے، اور اپنی ہستی کو اس کی ذات میں فنا کر دینا یہ دوا ہے۔

انسان میں عالم اکبر ہے:

وَتَزَعُمُ أَنْكَ جِسْمٌ صَغِيرٌ وَفِيكَ أَنْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ

”اور تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے، حقیقت میں تیرے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے۔“

اس میں شک نہیں کہ انسان میں عالم اکبر مندرج ہے۔ جو شخص سلوک نقشبندیہ ابتداء سے انتہا تک طے کر چکا ہے — یا جس نے سیر انسانی کی ہے، وہ میری اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے کہ عالم کون اور عالم امر دونوں ہر انسان میں مندرج ہیں، بلکہ روح اللہ بھی اس میں موجود ہے — جو ذات و صفات اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی ذات و صفات روح اللہ کی ہے — اللہ تعالیٰ جب سب اشیاء پر حاوی و محیط ہے، تو اسی طرح روح اللہ بھی حاوی و محیط ہے —

لہذا انسان عالم صغیر ہے جملہ از روئے صورت، — اور آفاق عالم کبیر ہے
مفصلاً از روئے معنی — لیکن از روئے مرتبہ انسان عالم کبیر ہے، اور آفاق عالم صغیر!

اے آں کہ تراست ملک سکندر و جم از حرص مباح در پے نیم درم
عالم ہمہ درت و لیکن از جہل پنداشتہ تو خود را در عالم کم

”اے وہ کہ تیرا ہی وہ تمام ملک سکندر و جم ہے، تو حرص و ہوس میں آدھے
درہم کے لیے پریشان نہ ہو — تمام عالم حقیقت میں تیرے ہی اندر
ہے۔ لیکن تو اپنی جہالت سے اپنے آپ کو عالم سے کم تر سمجھتا ہے۔ یعنی
تو اپنی اصل و حقیقت کو سمجھ۔ کہ تو بحر حقیقت کا ایک قطرہ ہے۔“

کتابیں بھی دو، عالم بھی دو:

وَأَنْتَ أُمُّ الْكَيْبِ الَّذِي مَا حَرَفَهُ يُظْهِرُ الْمُضْجِرُ

”تو وہ ام الکتاب ہے کہ اپنے حرفوں سے دل کی بات جانتا ہے۔“

معلوم ہونا چاہئے کہ کتابیں دو ہیں:

۱ — ایک ام الکتاب: جس میں مجمل حال مندرج ہو — جیسے قرآن شریف میں

سورہ فاتحہ، کہ تمام قرآن مجید بطریق اجمال اس میں مندرج ہے۔

۲ — دوسری کتاب مبین: کہ جس میں اس مجمل حال کی تفصیل ہے۔ جیسے قرآن

شریف الم سے والناس تک سورہ فاتحہ کی تفصیل ہے۔ اب یاد رہے کہ عالم

بھی دو ہیں:

۱ — ایک عالم امر: یعنی جو قسمت پذیر نہ ہو۔ ارشاد در بانی ہے:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (پ ۹۱۵، بنی اسرائیل)

۲ — دوسرا عالم حق: جس کی تقسیم و مساحت ہو سکے۔ چنانچہ اِنَّ اللّٰهَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

میں اس طرف اشارہ ہے —

انہی دو عالم کو ’عالم آفاقی و انفسی‘ بھی کہتے ہیں — ارشاد باری ہے

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَنْبَئِيَهُمْ إِنَّهُ الْحَقُّ

(پ ۲۵، ج ۱، حم سجدہ)

”اب ہم دکھادیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں، اور آپ ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے۔“
پس انسان ام الکتاب ہے یا عالم امر یا عالم انفسی — جملہ موجودات کتاب میں ہے، یا عالم خلق یا عالم آفاقی — یعنی وہ مجمل ہے اور یہ سب اس کی تفصیل — یہ سب اسی کی تفصیل اور اس اجمال و تفصیل کا مرجع و مآب ذات باری ہے:

أَلَا لَهَ الْخَلْقِ وَالْأَمْرِ. إِنَّ الْحَقَّ مُبْدِئُ لِكُلِّ مَعَادَةٍ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ
الْأَمْرُ كُلُّهُ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (پ ۸، ج ۱۳، اعراف)

”اللہ تعالیٰ سب کا مبداء و معاد ہے۔ اور تمام امور اسی کی طرف پھر جانے والے ہیں۔ کل امور کا انجام اللہ کی طرف ہے۔“

تو اب ضرور ہے کہ کل موجودات اپنی ہستی سے پہلے ذات خدا میں، یا ذات خدا کل موجودات میں موجود ہو — لیکن یہ امر متحقق ہے کہ ازل لا ازال میں صرف ذات خدا تھی اور کچھ نہ تھا۔ — حدیث پاک میں ہے:

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ

”اللہ تعالیٰ موجود تھا، اور کوئی شے اس کے ساتھ موجود نہ تھی۔“

اور مضمون اَلْآنَ كَمَا كَانَ سے ظاہر ہے کہ جیسا تھا ویسا ہی اب ہے — معلوم یہ ہوا کہ عالم امر اور عالم خلق غیر ذات نہیں بلکہ اعتبارات ہیں۔

حق ز ایجاد جہان افزوں نشد آں چہ اول آن نہ بود انکوں نشد
در اثر افزوں شد و در ذات نے ذات را افزونی و آفات نے

”حق تعالیٰ جہان کی ایجاد سے کچھ زیادہ نہیں ہوا۔ وہ ذات پاک جو کچھ پہلے نہیں تھا، اب بھی وہ نہیں ہوا — اگر اثر و اعتبارات کے لحاظ سے زیادہ ہوا۔ مگر اپنی اصل و ذات میں نہیں ہوا۔ کیونکہ اس ذات مطلق کو کمی و

زیادتی اور آفات وغیرہ نہیں ہیں۔“

قلم ام الكتاب، لوح محفوظ کتاب مبین:

ذاتِ حق اس اعتبار سے کہ کل موجودات اس میں مجملاً مندرج ہیں، اُم الكتاب ہے۔ اور علمِ حق اس اعتبار سے کہ جو کچھ ذات میں مجمل تھا، وہ علم الہی میں مفصل ہے، اور جو کچھ اس میں پوشیدہ تھا، وہ اس میں ظاہر ہے، کتاب مبین ہے۔

لہذا ذات کا ذاتی علم تمام اشیاء کے علم کو مستلزم ہے۔ تمام اشیاء ذاتِ حق میں اس طرح ہیں جیسے گشلی میں درخت۔ یعنی علمِ حق، ذاتِ حق کا آئینہ ہے، اور ذاتِ حق، علمِ حق میں ظاہر ہے۔ اس لیے حقائق الہیہ میں ذاتِ حق، اُم الكتاب ہے۔ اور علمِ حق، کتاب مبین!

اسی طرح حقائق موجودات میں قلم اُم الكتاب ہے، اور لوح محفوظ کتاب مبین۔ یعنی جو کچھ قلم میں مجمل تھا، وہ لوح محفوظ میں مفصل ہوا۔ نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

ذاتِ تحت مبداء کل	ذاتِ حق	علمِ حق
ذاتِ حق	اُم الكتاب	کتاب المبین
حقائق الہیہ	ذاتِ حق	علمِ حق
حقائق الموجودات	قلم	لوح محفوظ

عرش اُم الكتاب، کرسی کتاب مبین:

ذاتِ حق اور قلم میں اجمال اور کلیت کے سبب مشابہت ہے۔ کیونکہ دونوں اُم الكتاب ہیں۔ اس لیے مرتبہ کونیہ میں قلم ذات کا آئینہ ہوا۔ یعنی جو کچھ ذات میں اجمالاً درج ہے، وہی قلم میں موجود ہے۔ مرتبہ کونیہ میں لوح محفوظ علم الہی کا آئینہ ہے۔ یعنی جو کچھ جزوی اور تفصیلی طور پر علمِ حق میں موجود ہے، وہی لوح محفوظ میں ظاہر ہے۔ لہذا عالم امر میں عقل اول، جس کو قلم کہتے ہیں، اُم الكتاب ہے۔ اور روح، جس کو لوح محفوظ کہتے ہیں، کتاب مبین ہے۔ اسی طرح

عالم خلق ہے کہ جس میں عرش اُم الکتاب ہے، اور کرسی کتاب مبین۔
نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

کتاب المبین	اُم الکتاب	حقائق الموجودات
روح یعنی لوح محفوظ	عقل کل یعنی قلم	عالم امر
کرسی	عرش	عالم خلق

ذات انسان بالفعل کامل ہے:

یعنی جو کچھ عرش میں مجمل ہے، وہی کرسی میں مفصل ہے۔ چنانچہ اجمال کے سبب عرش و قلم میں مشابہت ہے۔ اسی طرح تفصیل کی وجہ سے لوح محفوظ اور کرسی میں مناسبت ہے۔ اس لیے مرتبہ حس میں عرش قلم کا آئینہ ہے اور کرسی لوح محفوظ کا۔

چنانچہ قلم یعنی عقل، نسخہ ذات — اور لوح، نسخہ علم — اور عرش، نسخہ قلم — اور کرسی، نسخہ لوح ہے — اور انسان کامل بالفعل — اور عام انسان، بالقوۃ — ایک ایسا نسخہ ہے جو تمام نسخوں کا جامع ہے اور تمام میں مستخرج و مستنبط یعنی چیدہ و برگزیدہ ہے۔

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

کتاب المبین	اُم الکتاب	ذات بحک مبداء کل	
علم حق	ذات حق	حقائق الہیہ	
لوح یعنی روح نسخہ علم	قلم یعنی عقل نسخہ ذات	عالم امر	حقائق
کرسی نسخہ روح	عرش نسخہ قلم	عالم خلق	موجودات
	انسان جامع کمالات		

آئینہ مشابہت:

جیسے ذات حق بالا جمال اُم الکتاب، اور اس کا ذاتی علم بالتفصیل اپنی ذات کی

کتاب مبین ہے — ایسے ہی ذات انسان کامل بالفعل، اور عام انسان کی ذات بالقوة أم الكتاب ہے — اس کا ذاتی علم اپنی ذات کی کتاب مبین ہے۔

جس طرح علم الہی، ذات الہی کا آئینہ ہے — اسی طرح انسان کا علم ذات انسان کا آئینہ ہے — لہذا ذات حق تعالیٰ اور انسان کی ذات میں باعتبار کلیہ و اجمال

مشابہت ہے — کیونکہ دونوں میں تمام اشیاء بہ وجہ کلی و اجمالی موجود ہیں — جو شے جزوی اور کلی طور پر علم الہی میں ظاہر ہے، وہی انسان کامل کے علم میں بالفعل، اور عام انسان کے علم میں بالقوة ہویدا ہے — بلکہ اُس کا علم اِس کا علم، اِس کی ذات اِس کی ذات ہے۔ لیکن نہ بطریق اتحاد و طول اور ضرورت، کیونکہ یہ بات تو دو وجودوں میں ہوتی ہے — جبکہ یہاں سوائے ایک وجود کے اور کچھ نہیں۔ — اور کل موجودات اسی ایک وجود سے موجود ہیں۔

اس وجود کے بہت سے ظہور ہیں، جن کو عالم کہتے ہیں — اور بہت سے بطون ہیں، جن کو اسماء کہتے ہیں —

لہذا ظہور، ظہور کا آئینہ ہے — اور بطون، بطون کا آئینہ۔ — جو چیز ان دونوں آئینوں کے درمیان ہے وہ اجمال و تفصیل کے اعتبار سے آئینہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزُخٌ لَا يُبْغِيَانِ

اب ہم پھر اسی طرف آتے ہیں کہ جیسے فیما بین ذات حق، اور ذات انسان — اور علم حق، اور علم انسان میں مشابہت ہے۔ یعنی:

☆ — جو اس میں مجمل ہے، وہی اُس میں مجمل ہے،

☆ — جو اس میں مفصل ہے، وہی اُس میں مفصل ہے

اسی طرح فیما بین قلم اور روح انسان کے، اور روح و قلب انسان اور عرش و جسم انسان کے — اور کرسی و نفس انسان میں مشابہت ہے — ان میں ہر ایک اپنے اپنے مشابہ کا آئینہ ہے —

نقشہ آئینہ مشابہت ملاحظہ فرمائیں:

ذاتِ حق	ذاتِ انسان
علمِ حق	علمِ انسان
قلم	روحِ انسان
لوحِ محفوظ	قلبِ انسان
عرش	جسمِ انسان
کرسی	نفسِ انسان

یعنی جو کچھ قلم میں مجمل ہے وہی روحِ انسان میں مجمل ہے۔ جو کچھ لوح میں مفصل ہے، وہی اس کے قلب میں مفصل ہے۔ جو کچھ عرش میں مجمل ہے، وہ اس کے جسم میں مجمل ہے۔ جو کچھ کرسی میں مفصل ہے، وہ اس کے نفس میں مفصل ہے۔

انسان ہی شک و شبہ سے بالا کتاب ہے:

انسان کتبِ الہیہ و کتبِ کونیہ کی ایک جامع کتاب ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم، تمام اشیاء کے علوم کو سترزم ہے۔ بے شک وہ جمیع اشیاء کو اجمالاً اور تفصیلاً جانتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا

”اپنا لکھا، پڑھ لے، تو ہی کفایت کرتا ہے آج کے دن اپنا حساب کرنے کو۔“

غرض کہ جس نے یہ کتاب پڑھی، بے شک اس نے یہ معلوم کر لیا کہ:

”جو ہو چکا ہے۔۔۔ جو ہو رہا ہے۔۔۔ اور جو ہوگا۔“

اگر سب نہیں پڑھ سکتا تو اس میں سے جتنا ہو سکے، پڑھ لے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الْم ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

”یہ وہ کتابِ کامل ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔“

☆ — الف سے احدیت ذاتِ حق کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے وہ ذاتِ احدیت

ازل آلازال میں سب سے پہلے ہے، ایسے ہی الف بھی مقدم ہے۔

☆ — لام سے وجود کی طرف اشارہ ہے۔ جو کہ موجودات پر پھیلا ہوا ہے۔

— کیونکہ ل میں ایک ستون ہے، وہ تو الف ہے — اور ایک دامن

ہے، اور وہ نون کا دائرہ ہے۔ دائرے کو نون کہتے ہیں — لہذا الف کال

سے متصف ہونا کون کے اوپر وجود کے پھیلنے کی دلیل ہے۔

☆ — میم سے جامع وجود کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انسان ہے۔

لہذا عالمِ انسان وہ کتاب ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں۔ ارشاد باری ہے:

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ

”کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ بس ہے گواہ میرے اور

تمہارے درمیان، اور جس کو کتاب کا علم ہے۔“

فَهَذَا يَا وَلَدِي هُوَ أُمُّ الْكِتَابِ وَعِلْمُ الْكِتَابِ وَأَنَّ الْكِتَابِ

وَعِلْمُكَ بِكَ عِلْمُ الْكِتَابِ وَلَا رَطْبَ أَمَىٰ عَالَمِ الْمَلِكِ وَلَا

يَابِسَ وَهُوَ عَالَمِ الْمَلَكُوتِ وَلَا أَعْلَىٰ مِنْهُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ وَهُوَ

أَنَّ

”اے میرے فرزند! تو وہ امِ الکتاب ہے — اور علمِ الکتاب، اور تو

کتاب ہے، اور تیرا علم تیری اپنی ذات کا علم، الکتاب ہے — اور نہ

کچھ تر یعنی عالمِ ملک (عالمِ خلق) اور نہ عالمِ خشک (عالمِ امر) یعنی عالم

ملکوت، اور نہ اس سے برتر — مگر کتابِ مبین میں ہے، اور وہ تو ہی

ہے۔“

اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ

تعلیم فرمائی کہ پس اپنے نفس میں فکر کر — اسی میں درد ہے اور اسی میں اس درد کی

دوا ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں — جو کچھ نظر کے سامنے موجود ہے، یہ محض اعتبارات ہیں — عالم اکبر خود تیرے اندر موجود ہے، کوئی شے خارج میں نہیں ہے۔ صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔

غرض کہ انسان ایک نسخہ عجیب و جامع کل ہے۔ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ — یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں۔ فی الحقیقت وہ کتاب ذاتِ انسان ہے — اب رہی وہ کتاب جو انسانِ کامل و خیر البشر پر نازل ہوئی ہے، وہ ذاتِ انسانی کا معرف ہے، اور اس کے جزوی و کلی حالات سے حکایت کرنے والی ہے — یعنی وہ انسان کے مراتبِ کلیہ و جزویہ کا مجمل و مفصل بیان ہے — اور انسان اس کی وحدت و جمعیت کا مرتبہ ہے۔ اس لیے کہ اس کے مقامات و مراتب، ذات و صفات اور افعال کے فرق کا بیان اس کتاب منزل میں ہے۔ کیونکہ وہ کتاب ذات، اسماء، صفات، افعال، عوالم، مراتب اور اہل عالم کے ہر موقع سے، اس کے اہل کے اقتضا سے باجمال و تفصیل حکایت کرتی ہے۔ — یہ تفصیل دراصل انسان کے مراتب ہیں، اور وہ سب کا مجموعہ ہے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ یہ کتاب انسان کی معرف ہے۔ کلی اور جزوی مراتب بیان کرنے والی ہے — اس کتاب میں سورۃ فاتحہ اُمّ الكتاب ہے۔ سورہ فاتحہ بسم اللہ شریف میں — اور بسم اللہ شریف با کے نقطے میں مندرج ہے — نقطہ احدیت ذات ہے — تمام کتاب میں جو حروف مقطعات و مفصلات، الفاظ و کلمات، آیات و سورتیں ہیں، ان سے یہ مراد ہے کہ کتاب کی کشادگی سب سے متعین ہو گئی ہے — اس میں تمام حالات کا مندرج ہونا عبارت ہے۔

جو شخص عدم انبساط سے اس قول کو سمجھ لے گا تو اس پر اس آیت کے معنی کھل جائیں گے — ارشاد باری ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا
الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ثُمَّ قَبَضْتَهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا (۱۹، ع ۳، فرقان)

”کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا، کیسے دراز کیا سائے کو، اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا رکھتا — پس کیا ہم نے آفتاب کو سائے کی شناخت پر راہنما۔ پھر پکڑا ہم نے سائے کو اپنی طرف آسان پکڑنا۔“

مَدَّ الظِّلَّ — یعنی سائے کی درازی نقطہ وجودیہ کی کشادگی، حروف البیہ و حروف کونیہ کے تعینات سے عبارت ہے — سکون، نقطہ وجودیہ کے کشادہ نہ ہونے سے اور حروف البیہ و حروف کونیہ کے عدم تعین سے عبارت ہے — جبکہ شمس، ذاتِ حق سے عبارت ہے — اگر آفتاب احدیت، مطلعِ عزت سے نہ چمکے تو سایہ ندارد ہے — یہاں سائے کا ہمسایہ آفتاب ہے۔

ہم چو نور و سایہ ما ہمسایہ ایم
نور خواہی گو بیا سایہ طلب
سایہ را بے شک دلیل نور خوان
سایہ را از نور نتواں کرد دور
سایہ ہم ناچیز گردد سر بسر
وصل اور اور زمان در خود شود
”وہ جو آفتاب عالم تاب کی مانند ہے، تو ہم سائے کی مثال ہیں — ہم نور و سائے کی طرح ہمسائے ہیں۔“

روز و شب کا سایہ نور ہی کا تابع ہے — اگر تو نور کو چاہتا ہے تو آسایہ (مرشد کامل جو ظل اللہ ہے) کو طلب کر، اور اس کے زیر سایہ ہو۔
تو سائے کی ہستی کو نور ہی سے سمجھ۔ اور تو بے شک سائے کو نور کی ہی دلیل جان۔

نور کے عکس سے وہ برسوں سے (مدت مدید سے) نظر آتا ہے۔ سائے کو نور سے جدا نہیں کر سکتے۔

اگر نور خود ایک مدت تک چھپ جائے، تو پھر یہ سایہ بھی خود بخود سر بسر ناچیز

و ناپید ہو جائے۔

جب نور آفتاب سے سائے محو اور غائب ہو جائیں تو پھر اس کا وصل اس

وقت نور خورشید ہی میں ہوتا ہے۔“

گر نہ خورشید جمال یار گشتے رہنمویں از شب تاریک غفلت کس نہ بردے رہ بردوں

”اگر جمال یار کا خورشید منور خود را ہنمائی نہیں کرتا تو کوئی بھی شب تاریک

کی غفلت کی وجہ سے باہر نکلنے کا راستہ ہرگز نہ پاتا۔“

روئے صحرا چو ہمہ پر تو خورشید گرفت نتواند نفسے سایہ بآن صحرا شد

”جب روئے صحرا نے تمام سورج کا پر تو حاصل کر لیا تو پھر وہ لق و قح صحرا

ایک دم کے لیے بھی سایہ نہیں رکھے گا۔ یعنی نور آفتاب کی وجہ سے

پھر وہاں سائے کا وجود ہرگز نظر نہیں آئے گا۔“

اس آیت کی تفسیر بھی ”تفسیر جواہر“ میں خوب لکھی ہے۔ یہ نقطہ وجودیہ خزانہ

ذات احدیت کُنْتُ كُنْزًا مَّخْفِيًّا سے ہے۔

— اب یہ نقطہ بانی بسم اللہ کا نقطہ وجودیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور

بانی بسم اللہ کا اشارہ دوسری أم الكتاب ”قلم“ کی طرف ہے۔ اور بسم اللہ کا

اشارہ تیسری أم الكتاب ”عرش“ کی طرف ہے۔ فاتحہ کا اشارہ کتاب جامع

”انسان“ کی طرف ہے۔ بے شک اپنے ظہور سے پہلے جمع مراتب میں مندرج

تھا۔ جیسے جمع اشیاء اس کے ظہور کے بعد اس میں مندرج ہیں۔ نقطے کا کشادہ ہونا

اپنی ذات میں کتاب مبین اول کی طرف اشارہ ہے۔ اور باء کا کشادہ ہونا سین

تک کتاب مبین ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ بسم اللہ کے حروف کا متصل و

منفصل ہونا کتاب مبین ثالث کی طرف اشارہ ہے۔ بسم اللہ کے حروف کا

فاتحہ میں مکرر ہونا، اور ایک کا ایک سے مشابہ ہونا کتاب جامع کی طرف اشارہ ہے

— اور فاتحہ سے والناس تک تمام قرآن مجید مراتب عالم اور اس کے اجزا کی

طرف اشارہ ہے۔ فافہم!

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

۱	نقطہ بائے بسم اللہ	نقطہ وجودیہ
۲	بائے بسم اللہ	قلم
۳	بسم اللہ	عرش
۴	فاتحہ	انسان
۵	کشادگی نقطہ	اول کتاب مبین: علم حق
۶	باء کی کشادگی سین تک	ثانی کتاب مبین: لوح محفوظ
۷	اتصال و انفصال حروف بسم اللہ	ثالث کتاب مبین: کرسی
۸	مشابہت و تکرار حروف بسم اللہ و فاتحہ	کتاب جامع: انسان
۹	سورہ فاتحہ تا والناس تمام قرآن	اشارہ بطرف مراتب عالم معجزا

ع درخانہ اگر کس ست یک حرف بس است

”اگر تیرے گھر (باطن) میں کچھ قابلیت ہے تو تجھے بس ایک حرف ہی کافی ہے۔“
 دل گفت مرا علم لدنی ہوس است تعلیمی کُن اگر ترا دسترس است
 گفتم کہ الف گفت و گر گفتم بیچ درخانہ اگر کس ست یک حرف بس است
 ”دل نے کہا: ”مجھے علم لدنی (علم اسرار) کی ہوس و آروز ہے۔“
 مجھے یہ تعلیم کر۔ اگر تجھ کو اس میں کچھ دسترس اور واقفیت ہے۔“
 میں نے کہا: ”الف!“! — اس نے کہا: ”اور دوسرا —“ میں نے
 کہا: ”بس اور کچھ نہ کہہ۔ اگر تیرے گھر میں (باطن میں) کچھ ہے تو بس
 یہی ایک حرف کافی ہے۔“

اپنے نفس کا عرفان کافی ہے:

انسان کو اپنی ذات کا فکر، اپنے نفس کا عرفان، اپنی حقیقت کا انکشاف کافی ہے۔
 — امام غزالی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث پاک بیان فرمائی:

فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ فَأَعْرِفْ نَفْسَكَ يَا إِنْسَانُ تَعْرِفْ رَبَّكَ

”تحقیق اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انسان کو اپنی صورت پر، پس پہچان اپنے نفس کو اے انسان! کہ — تاکہ پہچانے تو اپنے خدا کو۔“

چنانچہ جب عرفان حاصل ہوا تو امر و نہی کی تعمیل، خدائی اور بندگی کے القاب اور اِنْسَا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً کا خطاب ایسا ہے جیسے سکندر قاصد بن کرنوشاہ کے روبرو گیا تھا — نوشاہ نے چونکہ پہچان لیا تھا، اس لیے فوراً پکارا مٹھی:

۔ میا مٹھی نہ شاہ آزادہ فرستدہ نے فرستادہ
 ”تو کوئی ملازم و قاصد نہیں ہے۔ تو خود آزاد بادشاہ ہے۔ تو بھیجا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ تو بھیجنے والا ہے۔ (یعنی تو خود ہی آقا و مالک ہے۔)“

اگر اس مشمت خاک میں سر کبریائی (بڑائی کا راز) پوشیدہ نہ ہوتا تو سجدہ صرف حضرت ذات پاک کے لیے مخصوص ہے — ملائکہ سے آدم علیہ السلام کو نہ کرایا جاتا — چونکہ اس ویرانے میں خزانہ سلطانی پنہاں رکھنا منظور تھا، اس لیے عالم ملکوت میں منادی کی گئی:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقُولُوا لَهُ سُبْحَانَ

”جب میں ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں اپنی جان، تو گر پڑو اس کے

آگے سجدہ میں۔“ (پ ۲۳ ع ۱۳ ص)

الحاصل تمام ملائکہ نے تعمیل ارشاد کی، سجدہ میں گر پڑے۔ لیکن ابلیس لعین نے حکم نہ مانا۔ انکار و استکبار کیا، مردود بارگاہِ ٹھہرا۔ — آدم علیہ السلام کو بہکایا، جنت سے نکلوایا — خود گمراہ بنا، اوروں کو گمراہ کیا —

ارباب فہم کو اس مقام پر غور کرنا چاہئے کہ جب کوئی شے حضرت انسان سے خارج نہیں، اور عالم اکبر خود اس کے اندر موجود و مندرج ہے — اور خود اسے اپنے نفس میں غور و فکر کی ہدایت کی گئی ہے — تو یہ کیا معاملہ تھا:

☆ — کون سجود تھا، اور کون ساجد!

☆ — انکار کس نے کیا، اور حکم کس نے دیا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ (پ ۲۸ ع ۱۵ لقمان)

”وہ اللہ کہ پیدا کیا تم کو — پھر تم میں سے بعض کو کافر اور بعض کو مومن

کیا — اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

بعض مفسرین نے یوں معنی لکھے ہیں:

”وہ اللہ جس نے پیدا کیا تم کو، پھر تم میں سے ہر واحد کے بعض اجزاء کو

کافر (مثل افعال قبیحہ اور عادات خبیثہ کے) — اور پیدا کیا تم میں ہر

واحد کے بعض اجزاء کو مومن (مانند اعمال صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے) —

ہر واحد تم میں ان دو جزو کا جامع ہے — اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے

جو شخص جس جزو کا تابع ہے۔“

مولانا روم اور حقیقت انسان:

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

گاہ مانی باشد واو گاہ شت

نیم او حرص آوری ہمیش صبر

بارِ مِنْكُمْ كَافِرٌ وَكَبْرُ كَبْرٍ

نیمہ دیگر سفید او ہم چو ماہ

ہر کہ آن نیمہ بہ بیند کد کند

لیکن اندر دیدہ یعقوب نور

کاندھین یک شخص ہر دو فعل ہست

نیم او مومن بود ہمیش گبر

گفت یزدانت فَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ

ہم چو گاہ دے نیمہ جلدش سیاہ

ہر کہ این نیمہ بہ بیند رو کند

از جمال یوسف اخوان بس نفور

”کیونکہ اس مقام پر ایک شخص دو فعل رکھتا ہے۔ یعنی دو حالت اور کیفیت

سے دو چار ہے — کبھی تو وہ پھلی (کی شکل) ہوتا ہے، اور کبھی شکاری

کی ڈور کاٹنا بنتا ہے۔

آدھا اس کا مومن ہوتا ہے اور آدھا کافر و مشرک — اس کا آدھا نفس حرم و لالچ قبول کرتا ہے، اور آدھا صبر و تکلیب کی حالت میں رہتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یزداں نے فرمایا ہے کہ: تم میں سے بعض مومن ہو اور بعض کافر — تمہاری حالت کبھی ایمان کی ہوتی ہے، کبھی کافرانہ ہوتی ہے — یعنی تمہارے اندر دونوں خاصیتیں ہیں۔ (جو صورت و کیفیت غالب ہو جائے تم وہی ہو جاتے ہو)

جس طرح کہ کوئی گائے کہ اس کی آدھی جلد سیاہ اور آدھی سفید چاند کی طرح چمکتی ہو — جو کوئی اس سیاہ رنگ کو دیکھے تو نفرت و کراہت کرے، اور جو کوئی اس آدھی سفید براق صورت کو دیکھے تو وہ اس کو پسند کرے۔

اور جس طرح سے حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی ان کے جمال زیبا کو دیکھ کر سخت نفرت کرتے تھے۔ مگر اسی پر نور اور دلکش صورت کو دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی بے نور آنکھوں میں نور آ گیا۔“

ذاتِ واحد کی دو صفات:

جبکہ یہ سب کچھ اس کے اندر داخل ہے۔ پس یہی آدم ہے، یہی رحمان ہے، یہی فرشتہ، یہی شیطان۔

سبحمن و رحیم و رحمت اللہ مانیم شیطان رجیم و لعنت اللہ مانیم
ہر نیک و بدے کہ در جہان سے گزر د باللہ مانیم ثم باللہ مانیم
”رحمن و رحیم اور اللہ کی رحمت ہم ہی ہیں — اور شیطان گمراہ و مردود اور اللہ کی لعنت بھی ہم ہی ہیں۔“

جو کچھ نیک و بد دنیا میں ہوتا ہے، خدا کی قسم! ہم ہی نہیں، ہم ہی ہیں۔“

یعنی سب کچھ ہم سے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان مظہر ذات الہی ہے۔ جب امر ربی یعنی روح تن خاکی میں پھونکی جاتی ہے تو عقل و فہم، تیز وادراک، ہوش و حواس مثل ملائکہ اس کے سجدہ کو سر جھکاتے ہیں، اور اطاعت بجالاتے ہیں۔ لیکن ہوائے شہوانی اور لذت و خواہشات نفسانی بالکل نافرمان اور آدم کے شیطان ہیں۔ اس کو بے نیازی کے نعیم و مقیم سے نکال کر حاجت مندی اور حرص و ہوا کی زمین پر لا ڈالتا ہے۔ ہر چند کہ روح و عقل و نفس ہر ایک بجائے خود جدا ہے۔ لیکن ذات انسان سے کوئی خارج نہیں۔

اگر کہا جائے کہ خود انسان ہی روح ہے، عقل ہے، نفس ہے، تو درحقیقت درست ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ صرف روح یا عقل یا صرف نفس تو انسان نہیں، تو یہ بھی سچ ہے۔ انسان کہتا ہے کہ:

”میری روح ہے، میری عقل ہے، میرا نفس ہے۔“

پس وہ کون ہے جس کی طرف یہ سب مضاف ہیں۔ اگر بغور سوچو تو یہ خود ہی مضاف ہے، اور خود ہی مضاف الیہ۔ پھر خود ہی اس کا کہیں پتہ نہیں۔ روح بھی ہے، عقل بھی ہے، نفس بھی ہے، لیکن انسان کہاں! —

☆ — اگر عقل رہنما ہے تو کس کے لیے؟

☆ — اور نفس گمراہ کرنے والا ہے تو کس کے لیے؟

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ضلالت کا قائل اپنی ہی ذات کو بتلایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ — فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

”پس گمراہ کرتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے، اور ہدایت کرتا ہے، جسے چاہتا ہے۔“ (پ ۲۲، ع ۱۳، فاطر)

☆ — وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (پ ۱۳، ع ۹، نحل)

”اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو سب کو ایک ہی فرقہ بنا دیتا، ولیکن گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“

☆ — أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا (پ ۱۳ ع ۱۰ سجدہ)

”اگر چاہے اللہ تو راہ پر لائے سب لوگوں کو۔“

☆ — وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هَدْيَهَا (پ ۲۱ ع ۱۰ سجدہ)

”اگر ہم چاہتے تو ہم دیتے ہر نفس کو سوچھ اپنی راہ کی۔“

حدیث پاک میں ہے:

مَنْ يَهْدِي اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ

”جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے، کوئی اسے گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جس کو

گمراہ کرے، کوئی اسے ہدایت کرنے والا نہیں۔“

غرض کیا ہدایت، کیا ضلالت، ہر فعل کو اپنی ہی طرف منسوب کیا ہے۔ — پھر

کیا آدم، کون فرشتہ، کیا شیطان! —

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے چالیس روز کے بعد جب توریت لے کر

واپس آئے، اور قوم کو گوسالہ پرستی و گمراہی میں دیکھا تو عرض کیا:

”یہ مگر تیرے ہی کرتوت ہیں۔ گمراہ کرتا ہے تو ساتھ اس کے جس کو چاہے،

اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہے۔“ (پ ۹ ع ۸، اعراف)

اگر شیطان و رحمن دو فاعل ہوتے جیسے گمراہ و ترسا ”اھرمن (مضل) اور یزدان

(رحمن)“ کہتے ہیں تو خدا کی خدائی آدمی رہ جاتی — ایک راہ ٹپراتا، ایک بہکاتا

— ایک بناتا، ایک بگاڑتا — اس کھینچا تانی میں خلقت تمام ہو جاتی —

ارشاد باری ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

”اگر ہوتے ان دونوں میں (یعنی زمین و آسمان میں) اور خدا سوائے اللہ

کے، تو البتہ دونوں خراب ہو جاتے۔“ (پ ۱۷ ع ۲ انبیاء)

اس سے ثابت ہے کہ ذات واحد کی دو صفات ہیں:

(۱) — ایک صفت جمال (۲) — دوسری صفت جلال

اور یہ دونوں صفات حضرت انسان میں موجود ہیں — چنانچہ وہ خود ہی ہادی ہے خود ہی مصل — کیا خوب فرمایا ہے:

ذَٰئِنِكَ وَ ذَوَانِكَ فَيُنَكِّفُ شَيْءٌ خَارِجًا مِنْكَ أَنْتَ أُمَّ
الْكِتَابِ

”دوئی کا خیال درد و غم ہے، اور وحدت و یگانگی دوائے اتم۔ جس وقت تجھے فکر کرنے سے یہ راز منکشف ہوگا تو ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی شے تجھ سے خارج نہیں — انکشاف توحید جب اس وسعت کو پہنچے گا تو معلوم ہوگا کہ تو ام الکتاب ہے۔“

حضرت شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تو بمعنی جان جملہ عالی	ہر دو عالم خود توئی بگر دے
لوح محفوظ است در معنی دولت	ہرچہ خواہی شود ز حاصلت
در حقیقت خود توئی ام الکتاب	خود ز خود آیات حق را بازیاب
صورت نقش الہی خود توئی	عارف اشیاء کماہی خود توائی
انتخاب نسخہ عالم توئی	سرشاس علم الآدم توئی
تو بمعنی برتری از انس و جان	ہرچہ بنی خود توئی بگر بدان
از کمال قدرتش بین بے شکے	ہر دو عالم را نماید در یکے
نقش آدم را رقم نوے زند	ہر دو عالم را درد پنہاں کند
درہ گز قالب نماید در عیان	ہرچہ بود و ہرچہ باشد در جہان
بحر عمان آمدہ در کوزہ	کرد عالم از درشن در یوزہ
ہست انسان برزخ نور و ظلم	مطلع الفجرش ہمیں گفتند ہم
برزخ جامع خط موہوم اوست	چون نماید وہم تو معلوم اوست

آں چه مطلوبت جهان در جہاں
 من عرف زان گفت شاہ اولیا
 دانش آفاق راز نفس خوان
 گرہی خواہی کہ گردی حق شناس
 تازہ راه کشف و تحقیق و یقین
 گر بسر خود بیابی تو رہی
 ہم ملک ہم نہ فلک بہ شناختی
 چون بدانی تو کماہی خویش را
 کے شود این سرتر اعین الحقین
 چوں بہ عشق دوست گردی جاں فشانی
 شد مقید روح تو در جس تن
 تا گردی بے خبر از خود تمام
 گر بقا خواہی فنا شو کین فنا
 گر بہ کنہ خود ترا باشد رہی
 آں کہ سبحانی ہی گفت آن زمان
 ہم ازیں روگفت آن بحر صفا
 آن انا الحق گفت این معنی نمود
 لیس فی الدارین آن کوگفتہ است
 ہر کس این معنی بنوعی بازگفت
 ہر کہ این رہ را بہ پایاں بردہ است
 گرہی خواہی کہ یابی زین نشان
 گر بامرش سیر کردی این طریق
 چون نہماند از توئی با تو اثر

ہم تو داری باز جواز خود نشان
 عارف خود شو کہ بہ شناسی خدا
 تا کہ گردی عارف اسرار دان
 خویش را بہ شناس از راہ قیاس
 عارف خود شو کہ حق این است و این
 ہم ز خود تو از خدا ہم آگہی
 چوں بہ کہنہ خویشتم رہ یافتی
 علم عالم حاصل آید مر ترا
 تا گردی محو حق اے نازنین
 پر ز خود بینی ہمہ کون و مکان
 کے توانی کرد فہم این سخن
 کے خبر یابی ز حق اے نیک نام
 چون بمعنی بگری باشد بقا
 از خدا و خلق بے شک آگہی
 این معانی گشتہ بود اور اعیان
 نیست اندر جبہ ام غیر از خدا
 گر بصورت پیش تو دعوی نمود
 در این معنی چه نیکو سفتہ است
 کہ نہاں و کہ عیاں این رازگفت
 ہم ازیں معنی بیانے کردہ است
 سر بہ بر خاکپائے کا ملاں
 نیست گردی عاقبت ہم زین حقیق
 بے گمان یا بے ازیں معنی خبر

آں کہ خود را آں چنان کہ ہست دید
 شیخ گفت اور ائمہ برطن بایس
 موج گفتا گفت دانا کہ منم
 شیخ گفتش گزندانی ہم منم
 گفتہ اندو حال ہست اندر زمان
 چون محمد ہم چو عیسیٰ اند بدل
 ہم بمعنی آفتاب روشنم
 بندگان بودند و ہستند این زمان
 باز عزرائیل و اسرافیل دار
 تاز پنداری من این جان و تنم
 محو گردد از خدا بہ نود جدا
 خود ہمہ حق ادست باطل نیست این
 حق ہمہ خود را بہ بیند اے عجب
 دید خود را عین نور ایزدی
 ذرہ گشتہ جہان اندر جہان
 بے نشان گشتہ مقید در نشان
 مہر پنہاں چون شود در ذرہ
 باطن این جامعین شد ظاہر بین
 دیدہ دانستی ازانی در گمان
 نقد خود رانیہ مے گوئی عجب
 در عطش اندر تب و تابم چرا
 موج ساز و بحر را فاش جہاں
 کے کئی تا با خودی از خویش سود

سرور اقطاب، عالم بایزید
 زدیکے پرسید شیخا عرش چیست
 گفت کری چیست گفتا کہ منم
 باز پرسید او کہ چه لود خود قلم
 باز پرسیدش کہ حق را بندگان
 کہ چو ابراہیم و موسیٰ اند بدل
 شیخ گفتا آں ہمہ آخر منم
 گفت مے گویند حق راہ در جہاں
 قلب شان جبرئیل و میکائیل وار
 گفت صدق آدر کہ آن جملہ منم
 بایزیدش گفت ہر کو در خدا
 در حقیقت ہر چہ ہست اے مرددین
 او چو فانی گشت اندر نور رب
 او چو خالی کرد خود را از خودی
 صد ہزاراں بحر در قطرہ نہاں
 لامکان اندر مکان کردہ مکان
 کے بگنجد بحر اندر قطرہ
 این ابدعین ازل آمد یقین
 پیش چشمت ہست دریائے رواں
 عین آبی آب مے جوئی عجب
 من کہ آبم تشتہ آبم چرا
 شد بہ نقش موج ما در عیاں
 خویش را از راہ خود بردار زود

گنج عالم داری و کدے کئی خود کہ کردہ آں کہ باخود مے کئی
 بادشاہی از چہ مے گردی گدا گنج حا داری چرائی بے نوا
 جملہ عالم ہست حاجت مند تو تو گدایانہ چہ گردی کو بہ کو
 از توئی دریائے تو خس پوش شد خس نماںد بحر گر در جوش شد
 مانع راہ تو ہم ہستی تست نیست شو تارہ بخود یابی درست
 گشت خورشیدت نہاں در زیر میخ قیمت خود را ندانستی در بیخ
 مخزن اسرار ربانی توئی مجمع اوصاف رحمانی توئی

ہرچہ موجود است در عالم توئی
 وانچہ تو جوئیے آنی ہم توئی

”در حقیقت تو تمام عالم کی جان کے معنوں میں ہے۔ اور دونوں عالم بھی

اصل ہیں۔ خود تو ہی ہے، ذرا دم بھر کر غور و فکر تو کر۔“

تیرا دل لوح محفوظ کے معنوں میں ہے، تو اس کو حاصل کر کے جو چاہتا ہے حاصل

کر، وہ ہو جائے گا۔

حقیقت میں تو خود ہی ”ام الکتاب“ (سب کتابوں کی ماں) ہے۔ بس تو

اپنے آپ ہی سے آیات حق اور رموز الہی کو حاصل کر۔

تو خود ہی نقش الہی کی شکل و صورت ہے۔ اور تو خود ہی تمام اشیائے عالم کی حقیقت

کا عارف (جانے والا) ہے۔

تو ہی نسخہء عالم (کتاب کائنات) کا انتخاب اور لب لباب ہے۔

— تو ہی ”آدم کو سکھایا“ کے اسرار و حقیقت کو سمجھنے والا ہے۔

تو اپنے معنوں کے لحاظ سے (حقیقت میں) جن و انسان سب سے بڑھ کر

ہے۔ جو کچھ تو دیکھتا ہے، حقیقت میں وہ سب تو ہی ہے۔ ہاں تو، دیکھ اور جان

لے!

مگر بے شک تو اس کو اس کے کمال قدرت کے ساتھ دیکھ۔ وہ تجھ کو دونوں عالم کو

ایک ہی حقیقت دکھائے گا۔ اس باکمال خالق بے مثال نے نقش آدم علیہ السلام کی ایک رقم لکھ کر ایک بے شمار نوع و نسل بنا دی، اور تمام عالم کو (اس مظہر تام) میں چھپا دیا۔ جب تجھ کو حقیقت کا علم ہوگا تو پھر تجھ کو اس راز کا انکشاف ہوگا۔

اور تو دیکھ لے اگرچہ ظاہر میں جسم انسانی (قالب) صرف دو تین گز کا ہی نظر آتا ہے۔ مگر جو کچھ بھی جہان میں ہوا ہے، اور جو کچھ بھی ہوگا سب اسی سے متعلق ہے۔

”بحرِ عمان (عرب کے قریب ایک سمندر، جس میں سے موتی نکلتے ہیں)۔ بھی اس کے سامنے (اور اس کا) ایک کوزہ ہے۔ تمام عالم اس کے در کا بھاری ہے، اور سب اس کے آگے نیاز مند ہیں۔

یہ ذاتِ انسان جو مظہر کل ہے، نور و ظلمات کا برزخ (درمیان والا مقام) ہے۔ اس کو مطلع الفجر بھی کہتے ہیں۔ یعنی صبح وحدت کا نور اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے۔

برزخ جامع اس کا خط موہوم (وہی و خیالی) ہے۔ جب اس کا فکر وہم اس کو ظاہر کرے تو وہ معلوم و ظہور پذیر ہوتا ہے۔

سارے جہاں میں جو کچھ تجھ کو خواہش و طلب ہو، وہ سب تو خود اپنے اندر رکھتا ہے۔ تو مکرر اس کی تلاش و جستجو کر، وہ تجھ کو ضرور ملے گا۔ یعنی قادر مطلق نے اس خاکی انسان کو اپنا ”خليفة ارضی“ بنایا ہے۔ اور اس کو حیرت انگیز طاقتوں اور عجیب و غریب صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے فکر و عمل سے ہر مطلوبہ شے حاصل کر لیتا ہے۔

اسی وجہ سے حضرت مولیٰ علی شاہ اولیاء نے مَنْ عَرَفَ یعنی تو اپنے نفس و ذات کی حقیقت کو پہچان، فرمایا۔ جس نے اپنی حقیقت کو جانا اس نے اپنے خالق کل کو جانا۔ اس لیے تو بھی اپنی ذات کا عارف بن، تاکہ تجھے بھی خدا شناسی نصیب ہو۔

تو سارے دنیا جہان کی عقل و دانش کو اپنی ذات ہی میں سمجھ۔ تاکہ پھر تو عارف اسرار و رموز ہو جائے۔

اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تو حق شناس ہو جائے تو تو اپنے آپ کو پہچان — اور راہ قیاس سے اس حقیقت کا اندازہ کر — تاکہ تو کشف کی راہ سے اور تحقیق و یقین سے اپنی ذات کا عارف ہو جائے۔ خوب سمجھ لے کہ حق یہی ہے۔

اگر تو اپنے راز و بھید کی راہ معلوم کرے گا، تو تو خود بخود اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لے گا — پھر تو فرشتوں کو بھی اور تمام افلاک کو بھی پہچان لے گا — جب تو اپنی حقیقت معلوم کر لے گا، اور جب تو پوری طرح سے اپنی حقیقت سے واقف ہو جائے گا تو پھر تجھ کو تمام عالم کا علم حاصل ہو جائے گا۔

اے ناز پروردہ، پیارے! یہ راز حقیقت ”عین الیقین“ تجھے کب حاصل ہوگا — یہ تجھے صرف اسی وقت ہی حاصل ہوگا کہ جب تو اپنے مولیٰ تعالیٰ کی محبت میں محو و مستغرق ہوگا — جب تو اس حقیقی دوست کی محبت میں جاں فشانی کرے گا — مگر تمام کون و مکان تیری قید میں ہے۔ پھر بھلا تو اس راز حقیقت کو کب سمجھ سکتا ہے — جب تک تو پورے طور سے اپنے آپ سے بے خبر نہ ہو جائے۔ اور اپنی اس ظاہری ہستی کو فنا نہ کر لے۔ اے نیک نام! تو کب حق کی خبر پاسکتا ہے۔

اگر تو بقا چاہتا ہے تو بس فنا ہو جا۔ کیونکہ یہی تیری فنا، اگر تو حقیقت معنی کی نظر سے دیکھے تو یہی تیری بقا اور حیات دوام ہے۔

اگر تجھ کو اپنی حقیقت اور راز ہستی کی آگاہی ہو جائے تو بلاشبہ تو خدا اور تمام مخلوق سے آگاہ ہو جائے گا۔

وہ برگزیدہ ہستی جنہوں نے ”سبحان“ یعنی پاک و اعلیٰ ہے تیری ذات، اس وقت (حالت فنا) میں فرمایا تھا۔ یہ راز و معانی درحقیقت اس وقت (باقی باللہ) ہو کر حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ پر عیاں ہوا تھا — اسی وجہ سے ان اہل حقیقت بحر صفائے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس وقت میرے جب (گدڑی) میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود نہیں ہے۔ (یعنی انہوں نے اپنی ظاہری ہستی کو فنا کر دیا تھا)۔

اور اس بزرگ (منصور علاج علیہ الرحمہ) نے جو بحر حقیقت میں مستغرق ہو گئے

تھے۔ انہی معنوں کے لحاظ سے انا الحق (یعنی میں خدا ہوں) فرمایا تھا — اگر یہی کیفیت اور حقیقت حال تجھ کو پیش آئے تو تو بھی یہ دعویٰ کر۔

ایک وہ بزرگ تھے جنہوں نے حالت استغراق میں یہ فرمایا تھا کہ درحقیقت دونوں جہان میں سوائے اس کے (اللہ تعالیٰ) اور کوئی نہیں ہے۔ ان معنوں میں انہوں نے کیا خوب معرفت کے موتی پروئے ہیں۔

اس گروہ حق آگاہ میں سے ہر ایک نے ان معنوں میں اس بات کو بار بار کہا ہے، اور کسی نے اس راز حقیقت کو پوشیدہ طور سے بیان کیا، اور کسی نے کھلم کھلا بیان کر دیا — اس راہ کو جس کسی نے بھی آخر تک طے کیا ہے، اس نے یہی حقیقی معنی اور راز بیان کیا ہے۔

اگر تو بھی اس ”نشان حقیقت“ کو پانا چاہتا ہے، تو پھر تو اپنا سراپد و عقیدت سے کالمان معرفت الہی کے قدم مبارک پر رکھ دے۔

اگر تو نے ان کے حکم کے موافق اس طریقہ کی سیر کی، تو آخر کار تو اس طرح اپنے آپ کو نیست و فنا بنائے گا۔ جب تیری ذات کے اندر تیری خود نمائی کا مطلق اثر باقی نہیں رہے گا، تو بے گمان و بلاشبہ ان حقیقی معنوں کی خبر پالے گا۔

تمام دنیا کے قطبوں اور اولیاء کے سردار حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے جب کہ اسی طرح اپنے آپ کو مٹا کر دیکھا، یعنی جب وہ ”فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ“ ہو گئے۔ تو ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ:

”حضرت! عرشِ اعظم کیا ہے؟“ — شیخ وقت نے اس سے فرمایا کہ:

”میں ہی ہوں۔“ — تجھے اس بات کا یقین کرنا چاہئے — پھر اس نے

دریافت کیا: ”کرسی کیا ہے؟“ — آپ نے فرمایا: ”وہ بھی میں ہی ہوں۔“ —

دریافت کیا: ”موج کیا ہے؟“ — تو دانائے معرفت نے ارشاد فرمایا کہ: ”میں ہی

ہوں۔“ — پھر اس نے پوچھا کہ: ”قلم خود کیا تھا؟“ — تو شیخ نے فرمایا کہ: اگر تو یہ

نہیں جانتا تو جان لے کہ وہ بھی میں ہی ہوں۔“ — پھر اس نے پوچھا کہ: ”اللہ تعالیٰ

کے بندوں نے فرمایا ہے کہ اس زمانے میں بھی صاحبِ حال اہل کمال ہیں کہ وہ مثل ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بدل ہیں۔ — شیخ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ: ”وہ سب آخر میں ہی ہوں، اور میں ہی آفتابِ روشن کے معنوں میں بھی ہوں۔“ پھر اس نے کہا کہ ”کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دنیا میں برحق بندے ہیں، اور اس زمانے میں ان کا قلب منور حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی طرح سے ہے۔“ — تو شیخ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا:

”تو حق جان کہ وہ میں ہی ہوں، اور تجھ کو یہ گمان و وہم نہ ہو کہ میں اپنی اس جان و جسم سے ہوں۔“

آخر کار حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے اس شخص سے ارشاد فرمایا کہ: ”تو یہ حقیقت جان لے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ میں محو و مستغرق ہو جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں ہوتا۔“

اے دنیا کے مرد! حقیقت میں جو کچھ بھی تمام عالم میں ہے وہ سب خود حق ہی ہے، یہ باطل ہرگز نہیں ہے۔

وہ بندۂ عارف جب نور رب العالمین میں فنا ہوا تو وہ تمام اپنے آپ کو حق ہی دیکھتا ہے۔ اور یہ اہل ظاہر کے لیے تعجب کی بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اس نے اپنے آپ کو خودی و خود نمائی سے خالی کر لیا تو پھر اس نے اپنے آپ کو حقیقت میں بالکل نور ایزدی ہی دیکھا۔

سیکنڈوں ہزاروں سمندر ایک قطرے کے اندر پوشیدہ ہیں، اور ایک ننھا سا ذرہ بھی اپنے اندر جہان اندر جہان رکھتا ہے۔

لامکان نے مکان کے اندر مکان کیا ہے، اور بے نشان، نشان کے اندر مقید ہو گیا ہے۔ بھلا ایک بحرِ خار ایک چھوٹے سے قطرے کے اندر سما سکتا ہے۔ (مگر اس طرح)

جیسے آفتاب درخشاں ننھے سے ذرے کے اندر چھپا ہو۔

یہ ابد (روز آخر ہمیشہ) عین ازل (روز اول) آیا ہے، یقین رکھ۔ اور اس جگہ باطن عین ہو کر کھلم کھلا ظاہر ہوا ہے۔

تیری آنکھوں کے سامنے ایک بہت بڑا دریا رواں ہے۔ اور تو جان بوجھ کر پیاس کا گمان کرتا ہے۔ مگر تو خود عین آب ہے — تعجب کی بات ہے کہ تو پانی ڈھونڈتا ہے، اور یہ بھی حیرت ہے کہ تو اپنے نقد کو ادھار کہتا ہے — میں جبکہ خود پانی ہوں تو پھر پانی کا پیاسا کیوں ہوں، اور پیاس کے مارے کیوں بے وجہ حیران و پریشان ہوں۔

حقیقت میں موجوں کی شکل سے خود دریا ظاہر ہے — اور جہان کے سمندر کو بالکل فاش (ظاہری طور سے) موج بنایا — پس تو اسی ظاہر کی راہ سے اپنے آپ کو جلدی اٹھالے۔ اس طرح تو اپنی خودی کے ساتھ بھلا کب فائدہ اٹھائے گا۔

تو تو خود اپنے اندر سارے جہان کا خزانہ رکھتا ہے۔ اور اس سے نفرت و پرہیز کر کے بے سود دوسری جگہ تلاش کرتا ہے — کسی نے تیرے ساتھ (ایسا برا) کب کیا ہوگا؟ جیسا کہ تو خود اپنے ساتھ کرتا ہے۔

تو تو خود بادشاہ عالم ہے۔ تو کس لیے گدائی کرتا ہے — تو تو خود خزانہ معمور رکھتا ہے، کیوں بے نوا بھکاری کی طرح پھرتا ہے۔

تمام عالم تیرا حاجت مند بنا ہوا ہے۔ تو بھلا کس لیے ہر گلی کوچے میں گدائی کرتا بھیک مانگتا پھرتا ہے۔

تیری ہی (خودی و خود نمائی اور غلط فہمی کی) وجہ سے تیرا دریائے بے پایاں خس پوش ہوا ہے — دریا و سمندر جب جوش میں آتے ہیں تو پھر خس و خاشاک کب باقی رہتے ہیں۔

تیری (راہ حقیقت) کی مانع و رکاوٹ خود تیری ہی ہستی ہے۔ تو خود نیست و نابود اور فنا ہو جا۔ تاکہ آسانی سے اپنی سیدھی راہ پالے —
تیرا خورشید منور تو بادلوں کے پردے میں چھپ گیا ہے۔

انسوس! کہ تو اپنی قدر و قیمت کو نہیں پہچانتا۔ اسی لیے حقیر و ذلیل اور پریشان ہو رہا

ہے۔

دراصل تو ہی اسرار ربانی کا خزانہ ہے اور تو ہی حقیقت میں اوصاف رحمانی کا مجموعہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تیری ہستی میں بے شمار صلاحیتیں اور عجیب و غریب صفات رکھی ہیں۔

تمام عالم میں جو کچھ موجود ہے، تو ہی ہے۔ اور جو کچھ بھی تو تلاش کرتا ہے، وہ بھی خود تو ہی ہے۔“

نظر بہ سوئے خود کن کہ تو جان و دل ربائی
مفلکں بہ خاک خود را کہ تو از بلند جائی
تو ز چشم خود نہائی تو کمال خود چہ دانی
چو در آصف برون آ کہ تو بس گراں بہائی
”تو خود اپنے آپ پر نظر ڈال، درحقیقت تو خود جان اور دل رہا ہے۔“

تو اپنے آپ کو خاک پر مت گرا۔ کیونکہ تو بلند اور اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ یعنی اپنی ہستی کو ناقدری سے کتر و حقیر نہ بنا۔

تو خود اپنی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔ بھلا تو اپنا کمال کیا جانے۔ تو پہلے موتی کی طرح سے اپنے جسم ظاہر (صدف) سے باہر آ۔ (پھر تجھے اپنی قدر و قیمت معلوم ہوگی) تو انتہائی قیمتی موتی ہے۔“

تیری دوا تجھی میں ہے، تجھ کو خبر نہیں
تیرا مرض تجھی سے ہے، تجھ کو خبر نہیں
تہا سا جسم جانتا ہے اپنے آپ کو
تہا سا جسم جانتا ہے اپنے آپ کو
ام الکتاب تو ہے کہ جس کے حروف سے
ظاہر ہے سب چھپا ہوا کچھ مستتر نہیں

شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ہست انسان برزخ نور و ظلم
مطلع الفجرش ازیں گفتند ہم
عابد و معبود غیر یار نیست
در حقیقت غیر او دیار نیست
سر پہاں است در زیر نقاب
نہم کن واللہ اعلم بالصواب
دید راہ تو توئی آمد بدان
ورنہ حق پیدا است در کون و مکان

نیمت از خود شو کہ تاییلی نجات چون تو بر خیزی نشید حق بجات

دیدہ حق بین اگر بودے ترا

ادرخ از ہر ذرہ بہ نمودے ترا

”حقیقت میں انسان نور و ظلمات کا برزخ ہے۔ یعنی اس میں یہ دونوں

صفات موجود ہیں۔ اسی وجہ سے اسے مطلع فجر یعنی صبح کے نکلنے کا مقام

بھی کہتے ہیں۔

اصل میں عابد و معبود اس دوسرے کے علاوہ اور کوئی (غیر) نہیں ہے۔

حقیقت میں اس کے علاوہ کوئی اور موجود اور رہنے والا نہیں ہے۔ یعنی اصل میں

اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے۔

یہ تو ایک پردہ و نقاب کے اندر ایک پوشیدہ راز ہے۔ تو اس کی حقیقت کو سمجھ، بس

اللہ ہی اچھی طرف خوب جانتا ہے۔

تیری راہ میں تیری یہ دید (ظاہری مشاہدہ) ہی غیر بنی ہوئی ہے۔ تو اس کی حق

شناسی کی وجہ سے اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ورنہ تمام کون و مکاں (عالم موجودات) میں حق

بالکل ظاہر و موجود ہے،

بس تو اپنے آپ سے نیمت اور فنا ہو جا۔ تاکہ تو نجات پائے، اور اس دوتی اور

غیر بنی کے چکر سے چھوٹ جائے۔ جب تو اپنے آپ سے اٹھ جائے گا، یعنی اپنی

ظاہری کو منادے گا تو پھر تیری جگہ پر حق متمکن ہو جائے گا۔ پھر تو نہ رہے گا، بس حق ہی

حق رہے گا۔

اگر تیری آنکھیں بھی حق بین ہوتیں تو وہ اپنا رخ پر نور کائنات کے ہر

ذرے میں تجھے دکھا دیتا۔“

فصل سوم:

تفکر کی صورت کیا ہے؟

ہر انسان کو لازم ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر دل کی طرف ہو کر بغور سوچے کہ:

☆ — میں کون ہوں؟

☆ — خدا کی شے ہے؟

☆ — ظہور عالم جو نمودار ہے، کیا چیز ہے؟

چند روز میں اس کو خود بخود منکشف ہو جائے گا کہ میں یہ جسم نہیں ہوں — کیونکہ جب جسم نہ تھا تو میں موجود تھا۔ اب جب یہ جسم و صورت نہ رہے گی تو بھی میں رہوں گا — میں روح اللہ ہوں۔ نَفْسُ فِيهِ مِنْ رُوحِي — وہ روح میں ہی ہوں۔

شد بہ نفس موج ما دریا عیاں آں چہ در عالم تو جویانی منم
چون ظہور جملہ اشیاء بمانست مظهر اوصاف رحمانی منم
ہر دو عالم شد بہ نور ماعیان اصل ہر پیداوار پنہانی منم
نیست عالم در حقیقت جز طلسم سنج بے پایاں اگر دانی منم
”ہم موجوں کی شکل و صورت میں دریا بن کر ظاہر ہوئے ہیں۔ جو کچھ تو

عالم میں ڈھونڈتا ہے، دراصل میں ہی ہوں۔“

جبکہ تمام اشیائے عالم کا ظہور ہم ہی سے ہوا ہے۔ تو پھر مظهر ”اوصاف رحمانی“ ہم

ہی ہیں۔

دونوں عالم ہمارے ہی نور سے ظاہر ہوئے ہیں۔ لہذا ہر ظاہر و پوشیدہ کی اصل ہم

ہی ہیں۔

حقیقت میں یہ تمام عالم موجودات سوائے ایک طلسم حیرت انگیز کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس لیے اگر تو اس طلسم عالم میں خزانہ بے شمار کو معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ میں ہی ہوں۔“

تفکر کا انداز:

مذکورہ بالا دلائل سے جب یہ ثابت ہو گیا اور یقین دل و حق الیقین سے متحقق ہو گیا کہ،

”ذات خدا کے سوا کچھ موجود نہیں، اور نہ کوئی چیز ذات الہی سے خالی ہے۔“
تو انداز فکر اس طور پر ہے کہ مثلاً تم نے کسی چیز کو اشیاء ممکنات سے دیکھا یا سنا، یا کہا تو اس وقت سوچنا چاہئے کہ یہ چیز:

”عالم ناسوت یعنی عالم اجسام میں ہے، — ناسوت، عالم ملکوت اور عالم مثال کی صورت رکھتا ہے — اور ملکوت، عالم جبروت و عالم ارواح کی صورت رکھتا ہے۔“
یعنی: ”حقیقت انسانی اور عالم جبروت، عالم لاہوت اور حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صورت رکھتا ہے — عالم لاہوت، عالم حاہوت اور احدیت کی صورت ہے — عالم ناسوت، عین حاہوت و ذات نکت ہے“ —
پھر تنزل کرے۔ یعنی:

”حاہوت، لاہوت کا باطن ہے — لاہوت، جبروت کا باطن ہے — اور جبروت، ملکوت کا باطن ہے — اور ملکوت، ناسوت کا باطن ہے۔“

پس حاہوت عین ناسوت کی صورت ہے۔ جو جلوہ گر اور ظاہر ہے — اسی طرح عروج و نزول کرتا اور ہر شے کو اسی خیال سے دیکھے — چونکہ ہر ایک چیز ایک خاص اسم الہی کا مظہر ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

الطَّرْفُ إِلَى اللَّهِ بَعْدَ الْفَاسِ الْمَخْلُوقَاتِ

اس کے یہی معنی ہیں کہ: ”جس چیز کو دیکھو اسی میں راہ موصل الی المطلوب

ہے۔“ — بطریق نزول و عروج جبکہ ہر چیز مظہر الہی ہے — اور ہر ذات میں ذات الہی موجود ہے۔ تو بس اپنی ذات میں فکر کرنا بہتر و افضل ہے کہ:

☆ — میں کون ہوں؟

☆ — کیا ہوں اور کیا تھا؟

اس طرح فکر کر لے گا تو اپنی ذات میں خدا کو پائے گا۔

بدرون تست مصری کہ تو کی شکرستانش چہ غم است گرز ہیروں درد شکرنداری
شده ام مثال صورت بمثال بت پرستان تو چہ یوسفی و لیکن سوئے خود نظرنداری
بخدا جمال خود را چو در آئینہ بہ بنی بت خویش خود تو باشی بہ کے گزرنداری

”تیرے اندر ہی مصری و شیرینی ہے۔ کیونکہ تو خود شکرستان (شکر کی

جگہ) ہے۔ پھر تجھے کیا غم ہے۔ اگر تو باہر اور ظاہر میں شکر نہیں رکھتا۔

بت پرستوں کی طرح میں خود صورت کی مثل (تصویر حیرت) ہو گیا ہوں۔

افسوس ہے، تو کیسا یوسف جمال ہے مگر تجھ کو خود اپنی خبر نہیں ہے، اور تو اپنی

صورت زیبا کو نہیں دیکھتا۔

خدا کی قسم! اگر تو اپنا حسن و جمال آئینے کے اندر دیکھے تو پھر تو اپنی ہی

صورت کا عاشق ہو جائے، اور کبھی دوسرے کی طرف نظر نہ کرے۔“

تفکر و تصور کی وادیاں:

اس تفکر و تصور میں یہ چار وادیاں پیش آتی ہیں:

(۱) — وادی استغناء (۲) — وادی توحید

(۳) — وادی فقر و فنا (۴) — وادی بقاء

وادی توحید کے بعد گرداب حیرت بھی آتا ہے۔ اس کے بعد دیگر دو

وادیاں درپیش آتی ہیں — خولجہ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ ہر وادی کی صفت بیان

فرماتے ہیں:

(۱) — وادی استغناء:

بعد ازاں وادی استغناء بود نے درد معنی و نے دعویٰ بود
 می جہد از بے نیازی صرصرے میزد برہم بیک دم کشورے
 ہست جنت نیز این جامردہ ایست ہفت دوزخ ہم چونخ افسردہ ایست
 قدرتے تو دارد این جانے کہن خواہ این جا بیچ کن خواہی گن
 گر دریں دریا ہزاراں جان فناد شینے در بحر بے پایاں فناد
 گر بیک رہ گشت این نہ طشت گم قطرہ در ہفت دریا گشت گم
 ”اس کے بعد وادی استغناء (منزل بے نیازی) ہوتی ہے۔ اس کے اندر

نہ تو معنی و مطلب ہوتا ہے، اور نہ کچھ دعویٰ و مطالبہ ہی ہوتا ہے۔

اور ایسی بے نیازی کی طوفانی ہوا (آندھی) چلتی ہے کہ وہ ایک دم تمام ملک کو
 برباد کر دیتی ہے۔

اس مقام پر آٹھوں جنتیں بھی مردہ و بیکار ہیں۔ اور ساتوں دوزخ بھی اس جگہ
 برف کی طرح افسردہ اور ٹھنڈی ہیں۔

اس مقام پر تیری یہ پرانی جان ایسی طاقت و قدرت رکھے گی کہ چاہے تو کچھ
 کرے، چاہے نہ کرے۔

اگر تو اس دریائے موج میں ہزاروں جانیں بھی غرق ہو جائیں تو بس اس طرح
 سے ہو کہ جیسے کسی بحر بے پایاں میں ایک قطرہ شبنم ڈال دیا۔

اگر اس کی راہ میں یہ نو طشت (آسمان) بھی گم ہو جائیں تو ایسا ہے جیسے بس ایک
 قطرہ سات سمندر میں گر کر معدوم ہو گیا۔“

یہاں طالب مستغنی ہو کر خوشی مناتا ہے۔ کرامات کا خاطر خواہ ظہور ہوتا ہے —
 جو کم حوصلہ ہوتے ہیں، وہ یہاں کا توطن اختیار کرتے ہیں۔ لیکن پیر کامل اپنے مرید کو
 اس منزل میں زیادہ نہیں رہنے دیتا۔ تاکہ مغرور ہو کر مقام اصلی تک پہنچنے سے نہ رہ
 جائے — وادی توحید میں لا کر بجلت تمام بیداری کی تعلیم فرماتا ہے۔ اور مرید

حیرت کے گرداب میں جا پڑتا ہے۔

یہ منزل نہایت پر خوف و خطر ہے۔ کوئی ٹھہر نہیں سکتا — اجاڑ سنسان میدان میں بھلا کس کا جی لگتا ہے — اس جنگل میں شیر کے جگر والا مردہ سکتا ہے۔ دوسرے کی کیا ہستی ہے۔“

(۲) — وادی توحید:

بعد ازاں وادی توحید آید۔
روئے ہاچوں بیاباں درکنید
گر بے بنی عدو گراند کے
چون بے باشد یک اندر یک مدام
نیست ایک کان احد آید ترا
چون برون است این زحد در عدد
چون ازل گم شد ابد ہم جاوداں
چون ہمہ یچ بود یچ آن ہمہ

منزل تفرید و تجرید آیدت
جملہ سر از یک گریباں برکنید
از یکے باشد بدیں وہ در یکے
از یک اندر یک یکے باشد تمام
زاں یکے کا ندر عدد آید ترا
از ازل قطع نظر کن وز ابد
ہر دورا کے یچ ماند در میان
کے بود دراصل جز یچ آن ہمہ

”اس کے بعد تجھے وادی توحید سے واسطہ پڑے گا۔ تیرے سامنے منزل تفرید و تجرید (یکتائی اور علیحدگی) آئے گی۔

جب اس بیابان حیرت اور لوق و دوق صحرا میں اپنا رخ کریں تو بے شمار لوگ بھی اپنا سرا یک ہی گریبان میں (حیرت و تعجب سے) ڈال لیں۔

خواہ وہاں بہت سے دشمن دیکھیں یا تھوڑے سے، اس جگہ وہ دس بھی ایک ہی ہو جائیں۔ یعنی میدان توحید میں کثرت مبدل بہ وحدت (یکتائی) ہو جاتی ہے۔

جس طرح ایک کے اندر بہت سے ہوں، تو وہ ہمیشہ ایک کے اندر ایک ہی رہیں

— گے

اسی طرح ایک سے ایک کے اندر ہمیشہ ایک ہی ہوں گے۔ یعنی جو شے ایک ذات واحد سے ظاہر ہوگی، وہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہوگی، اور آخر کار ایک

ہی ہو کر اپنی اصل میں رجوع کرے گی۔

کیا یہ ایک (واحد) نہیں ہے جو تیرے باطن (اندر) میں رہتا ہے۔ اور یہ بھی اس ایک ہی سے ہے جو بظاہر تجھ میں عدد کی شکل میں رونما ہوا ہے۔

جبکہ یہ ایک وحدت تمام حدود اور اعداد سے باہر ہے تو پھر تو (ہر حال میں) اس کی شان وحدت یکتائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے (ازل وابد (اول و آخر) سے بھی قطع نظر کر لے۔ یعنی بس اول و آخر ہے۔ اور یہ وحدت ہی بس دوامی ہے۔ یہ بظاہر کثرت و تعداد جو ہے، یہ فانی اور معدوم ہے۔

جب ازل و ابد اور جاوداں (ہیشگی) میں بھی گم ہو جائے، تو پھر یہ دونوں زمانے درمیان میں کچھ بھی باقی نہ رہیں گے۔

جبکہ سب کچھ ہیچ ہے (کچھ نہیں ہے) تو یہ سب ہیچ (معدوم) اس اصل (حقیقت) کا سوائے کچھ نہ ہونے کے اور کیا جز ہوگا۔ یعنی حقیقت میں سب کچھ اصل اور وحدت ہی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بس لا موجود الا اللہ (سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ موجود نہیں ہے۔“

گرداب حیرت:

اس وادی تو حید میں ایک گرداب حیرت آتا ہے کہ نہایت سخت و شدید عقبہ ہے کہ دین و ایمان کفر و اسلام کچھ نہیں رہتا۔ نہ اپنی خبر رہتی ہے نہ دوسرے کی۔

مولانا عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بعد ازاں گرداب حیرت آیدت	کار دائم درد و حسرت آیدت
ہر نفس ایں جا چو تیغے باشدت	ہر دے ایں جا دریغے باشدت
آہ باشد درد باشد سوز ہم	روز باشد نے شب و نے روز ہم
آتشے باشد فردہ مرد این	بادل و جان سوختہ از درد این
مرد حیران چون زودزیں جائے گاہ	در تحیر مردہ و گم کردہ را
ہر چہ زد تو حید بر جانش رقم	جملہ گرد و محو از او نیز ہم

گر بد گویند ہستی یا نہ
درمیانی یا برونی از میان
فانی یا باقی یا ہر دوئی
گوید اصلا من ندانم کیستم
لیک از عشتم ندانم آگہی
”اس کے بعد تیرا سامنا گرداب (بھنور) حیرت سے ہوگا۔ پھر ہمیشہ تجھے
درد و حیرت سے کام پڑے گا۔

اس مقام پر اپنا ہر سانس آب دار کواری کی طرح مہلک اور تیز معلوم ہوگا —
اس جگہ ہر وقت فکر و افسوس ہوگا۔

اس وقت تجھے آہ و درد اور سوز و جلن ایسی شدید ہوگی کہ پھر تجھے دن رات کی
مطلق خبر نہ ہوگی، اور تیرے لیے دن رات کا کچھ فرق یا امتیاز باقی نہ رہے گا۔
افردہ دل مرد بھی اس جگہ آگ کی مثال ہوتا ہے۔ اس درد و سوز سے اس کی جان
و دل سوختہ ہوتے ہیں۔

جب کوئی حیران مرد اس مقام پر جاتا ہے تو وہ محو حیرت ہو کر مردہ اور گم کردہ راہ
ہو جاتا ہے۔

اپنے دل و جان پر اس نے توحید کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہو، وہ سب کچھ
اس جگہ پر فراموش ہو جاتا ہے۔ اور وہ خود بھی حیرت کے اس بھنور میں کھو جاتا ہے۔
اس وقت اگر اس سے یہ کہیں کہ تو موجود بھی ہے یا نہیں تو وہ بھی نہ کہے گا کہ ”وہ“
ہے بھی یا نہیں۔

اس حال میں اس کو یہ خبر نہیں ہوگی کہ وہ درمیان میں ہے، یا بیچ میں ہے —
دریا کے کنارے پر ہے، یا چھپا ہوا ہے۔ یا ظاہر ہے — نہ یہ معلوم ہوگا کہ فانی ہے یا
باقی ہے، یا دونوں صفات رکھتا ہے یا نہیں — ہر دونوں تو ہی ہے، یا تو نہیں
ہے — غرض اس عالم حیرت میں اس کے ہوش حواس مطلق گم ہوں گے — اگر

وہ کچھ کہے گا تو بس یہ کہے گا کہ —:

”میں ہرگز کچھ خبر نہیں رکھتا کہ میں کیا شے ہوں — نہ میں یہ جانتا ہوں اور نہ وہ جانتا ہوں — اور نہ اپنے آپ کو — لیکن میں عاشق ضرور ہوں، مگر یہ نہیں معلوم کہ میں کون ہوں؟ — نہ تو میں مسلمان ہوں نہ ہی کافر ہوں — پھر خبر نہیں میں کیا ہوں — میں عشق کی حقیقت سے خبر و واقفیت نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے میں عشق سے بھرپور دل رکھتا ہوں، اور دل (پر ماسوا شے سے) خالی بھی رکھتا ہوں۔“

وادی فقر و فنا:

جب طالب یہاں گرداب حیرت اپنے پر پرزے سنبھال لیتا ہے تو پھر شیخ بہ عجلت تمام یہاں سے نکال کر وادی فنا میں لاتا ہے۔ اس منزل میں فنا در فنا، محو در محو کی تعلیم فرماتا ہے — یہاں طالب کو بالکل بے خبری کا عالم ہوتا ہے — بعض لوگ یہاں رہ جاتے ہیں — یہ وادی ششم ہے۔

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بعد ازاں وادی فقر است و فنا	کے بود این جا سخن گفتن را
عین ایں وادی فراموشی بود	گنگی و کری و مدہوشی بود
صد ہزاراں سایہ جاوید تو	گمشدہ بنی زیک خورشید تو
بحر کلی چون بہ جنبش کرد رائے	نقش ہا در بحر کے ماند بجائے
ہر دو عالم نقش آں دریا بود	ہر کہ گوید نیست آن سودا بود
ہر کہ در دریائے کل گم بودہ شد	دائماً کل بودہ کل بودہ شد
دل دریں جانست در آسودگی	سے نیاید ہیچ جز گم بودگی
گرازیں گم بودگی بارش دہند	صنع ہیں گردو بے کارش دہند

”اس کے بعد وادی فقر و فنا ہے۔ اس مقام پر بھلا کوئی گفتگو کرنا کب جائز ہے۔

اس وادی کی حقیقت واصل خود فراموشی ہے، اور گونگا و بہرا ہونا اور مدہوشی ہے۔

یہاں سینکڑوں ہزار دوامی سایہ بھی، تو خود اپنے خورشید منور میں گم دیکھے گا۔ یعنی اس مقام پر تیری اصل و حقیقت کا آفتاب ایسا چمکے گا کہ تیری تمام ظلمت دور ہو جائے گی۔

جب حقیقت کا بحر کل جنبش کر کے جوش میں آجائے، تو پھر کوئی نقش (موہوم) بھول کر کب اپنی جگہ پر رہ سکے گا۔

درحقیقت یہ دونوں عالم (ظاہری و باطنی) اسی دریائے بے پایاں کے نقش ہیں۔ اور جو کوئی یہ کہے کہ نہیں تو اس کو سودا و دیوانہ پن ہے۔

اور جو بھی اس دریائے کل میں گم ہو گیا، وہ ہمیشہ کے لیے بس کل ہی ہو گیا۔ اس جگہ دل کو مطلق آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ اور سوائے گم ہو جانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اگر (خوش نصیبی سے) تجھے بھی اس گم بودگی (خود فراموشی) اور منزل ”فقر و فنا“ میں بازیابی عطا فرمائیں تو یہ ایک ایسی عجیب و بیش بہا صفت ہے جو بہت سے کام دے۔ یعنی یہ نعمت بے مثال ایسا گراں بہا عطیہ الہی ہے کہ اس سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

فصل چہارم:

اقلیم معرفت، فنا و بقائے سالک

معرفت کیا ہے؟

معرفت کے معنی ہیں: ”کسی چیز کا پہچانا“ — چونکہ حق کی شناخت حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس کا نام ”معرفت“ رکھا ہے۔

☆ — وادی بقا:

جب فنائے اتم حاصل ہو جاتی ہے تو پھر طالب کو پیر کامل وادی بقا میں لے جاتا ہے۔ اور صحو کی تعلیم فرما کر ملک بے زوال معرفت کلی میں پہنچا دیتا ہے — یہ وادی ہفتم ہے۔

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

از بقا و از فنا کس را سخن	مجت ہرگز گرواست دور کہن
شرح او دور ست از وصف و خبر	ہم چناں کا واز دوراست از نظر
کے توانی زد دران منزل قدم	تا تو ہستی در وجود و در عدم
از بقا روشن شود آنگہ ترا	چوں نہ این ماند نہ آن در وہ ترا
جان چورامت گشت عزم راہ کن	منزل دور است از جان آہ کن
تا با خردانی این آخر چہ بود	درنگر تا اول و آخر چہ بود
تاشدہ ہم عاقل و ہم کار ساز	نطفہ پروردہ در صد عزو ناز
داد او را معرفت در کار خویش	او را واقف اسرار خویش

بعد از انش محو کردہ برگ گل ز اں ہمہ عزت در انگندہ بزل
 باز گر دانیداد را خاک راہ باز کردہ فانی او را چند گاہ
 پس میان ایں فنا صد گونہ راز گفتہ با او گفتہ بے او نیک باز
 بعد ازاں او را بقائے داد گل عین عزت کردہ بروئے عین دل
 تا نیابی در فنا کم کاستی در بقا ہرگز نہ بینی راستی
 نیست شوتا ہست از پے در رسد تا تو ہستی ہست در تو کے رسد

”یہاں (اگر اس مقام پر) کوئی آواز نہیں ہے۔ مگر یہ مقام قدیمی اور پرانا

ہے۔ بقا اور فنا کے حال میں بھلا کس کو بولنے کی مجال ہے۔

اسی طرح سے جو کہ نظر سے بھی دور (مقام) ہے، اس کی شرح و احوال خبر و بیان کے وصف سے بھی دور ہے۔

جب تک تو وجود اور عدم کے مقام پر موجود ہے، تو بھلا اس منزل میں کب اپنا قدم رکھ سکتا ہے۔

جب تیری راہ میں نہ یہ رہے گا، اور نہ وہ رہے گا۔ یعنی جب تو وجود و عدم دونوں حالتوں سے گزر جائے گا۔ اس وقت تجھ پر منزل بقا کی حقیقت روشن ہوگی۔

یہ منزل اعلیٰ بہت ہی دور دراز ہے۔ تو اپنی جان سے ہاتھ دھولے اور آہ کر! — جب تیری جان اس دشوار گزار منزل کو طے کرنے کو تیری رام (غلام) ہو جائے تو پھر تو عزم راہ کر۔

اور تو دیکھ اور غور کر کہ اول و آخر (تیرا) کیا تھا — یعنی اپنی اصل حقیقت پر غور و فکر کر۔ تاکہ تو آخر تک جان لے کہ آخر یہ کیا تھا۔

(پہلے تو اس حقیقت کو سمجھ) کہ اول نطفے کو سو عزت و ناز سے پرورش کیا۔ یہاں تک کہ وہ بڑا ہو کر عاقل و کار ساز ہوا۔ (یعنی اس نے پیدائش، بچپن اور جوانی وغیرہ کی منزلیں بخوبی طے کیں) — پھر اس کے علم و عقل سے بہرہ یاب ہونے کے بعد، اپنے حقیقی اسرار سے (حق تعالیٰ جل شانہ، نے) نوازا — اور اس کو اپنے امور قدرت

اور حقیقت کی معرفت عطا کی۔)

پھر اس کی (ہستی) پھول کی پتی کی طرح محو و غائب کر دی، اور اس کی وہ تمام عزت خاک میں مل گئی — پھر اس کو خاکِ راہ بنا دیا۔ پھر اس کو چند مرتبہ فانی کر دیا — اس فنا میں بھی سینکڑوں راز ہیں۔ اور یہ (حقائق) کہے، جیسے کہے ہیں۔ اور نا اعلیٰ سے نہیں کہے ہیں —

اس کے بعد اس کو (مٹی کو) بقا بخشی، اور پھر اس کی حقیقی عزت و توقیر بڑے لطف و مہربانی سے فرمائی۔

لہذا جب تک تو فنا نہیں ہوگا، یہ اعلیٰ مقام ہرگز حاصل نہیں کرے گا — اور سچ یہ ہے کہ اس وقت تک تو مقام بقا کو نہیں دیکھے گا۔
لہذا تو نیست و نابود ہو جاتا کہ تو ہست کے مرتبہ کو پہنچے۔ مگر جب تک تو موجود رہے گا تو اس مقام بقا (دوام) میں کیسے پہنچے گا۔“

فصل پنجم:

تمثیل کے انداز میں خلاصہ ملائقہ و دیگر حالات طلسم مذکور

جلوہ گاہ معرفت:

اس خون خوار ہفت وادی سے رہبر کامل کے بغیر گزرتا محال ہے۔ بعض کالین اپنے مرید کو تاریکی میں چلاتے ہیں تاکہ گھبرا کر طے منازل سے رہ نہ جائے۔ ایسا شخص لاکھوں میں کوئی ایک ہوتا ہے۔ بعض مردان خدا ایسے زبردست ہوتے ہیں کہ مرید کو اپنی صحبت کی ریل میں بٹھا کر وادی توحید میں لاتے ہیں، اور توحید سے معرفت میں پہنچا دیتے ہیں۔ ایسا مرد خدا کروڑوں میں کوئی ایک ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس زمانے میں حضرت مولانا سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہ تھے۔ سالک جب مقام معرفت میں پہنچ جاتا ہے تو سلطان معرفت کو کہ جس کے شوق دیدار میں یہ مصیبتیں اٹھا کر پہنچا ہے، طلب و تلاش کرتا ہے۔ جب بغور دیکھتا ہے تو ہر منزل و مقام میں حاکم و محکوم، پیر و مرید، رسول و امت، بندہ و خدا، شہنشاہ و رعایا اپنے آپ ہی کو پاتا ہے۔ بقول عارف کہ جس وقت ذات بے چون و بے نمود نے کُنْتُ كُنْتُ مَخْفِيًا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ كَمَا فرمان جاری کیا تو میں بھی لائقین و بطون سے تعین و ظہور میں آیا۔ حکم ہوا کہ اس وقت تیرا یہاں رہنا مناسب نہیں، جا، اور ملک معرفت کی سیر کر۔ وہ یہاں سے کئی منزل پر ہے۔ ہر منزل میں عقبہ۔ ہر عقبہ میں بہت دشواریاں اور بے شمار تکلیفیں ہیں۔ وہ طلسمات سے بھر پور ہے۔

اگر توجیح و سلامت پہنچا تو ازل سے ابد تک تیری قرار گاہ ہے۔ اور

اگر کچھ بھی عہد شکنی کی اور ڈمگایا، تو یاد رکھ کہ فراقِ ابدی میں مبتلا رہے گا۔
 اب ہمارے وزیرِ اعظم کی خدمت میں جا اور جو کچھ فرمائیں اس پر حکمِ فحتملہا
 الْإِنْسَانَ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (پ ۲۲، ع ۱۱۵ اعراف) پر عمل پیرا ہو۔ عہد و پیمان
 کر کے وزیرِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کا نام حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وآلہ وسلم ہے۔ یہاں سے بھی حکم ہوا کہ ہمارے نائب کے پاس جا اور جو کچھ
 دریافت کرنا ہو، کر کے اپنی راہ لے۔

طلمس کدہ انساں:

ارشاد کے مطابق وزیرِ ثانی ”حقیقتِ انسانی“ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
 انہوں نے فرمایا:

”جا اپنے ملک کی سیر کر جو تیرے آباء و اجداد کا مسکن ہے۔“

طالب نے عرض کیا:

”اس ملک کی کچھ تعریف اور راہ کی کیفیت تو بیان فرما دیجئے۔ جانے پہچانے بغیر
 کیسے پہنچ سکوں گا۔“

وزیرِ ثانی نے فرمایا:

”یہاں سے کچھ منزلیں طے کر کے ملک معمورِ طلسمات میں پہنچے گا جس کا نام عالم
 اجسام و انفاں ہے۔ اول تیرا گزر ایک طلسمی شہر میں ہوگا۔ جس میں دو دریا (خون
 اور پانی) ہیں۔ اور سات پہاڑ، تین منزلیں چار طبقے اور اس
 کی دو فصیلیں ہیں۔“

شہر انساں کی فصیلیں:

اس طلسمی شہر کی دو فصیلیں ہیں:

☆ — ایک فصیل ظاہر

۱۔ طلسمی شہر یعنی جسم ۲۔ سات پہاڑ یعنی ہفت اندام ۳۔ تین منزلیں یعنی بچپن، جوانی، بڑھاپا۔

۴۔ چار طبقے یعنی عناصر اربعہ: آگ، مٹی، ہوا، پانی۔

☆ — دوسری فصیل باطن

ہر فصیل کے پانچ پانچ دروازے ہیں — ہر دروازے پر ایک ایک دربان

متعین ہے۔

☆ — فصیل ظاہر کے دروازے:

- | | |
|----------------|----------------|
| ۱ — دروازہ لیس | ۲ — دروازہ بصر |
| ۳ — دروازہ سمع | ۴ — دروازہ ذوق |
| ۵ — دروازہ ششم | |

(۱) دروازہ لیس:

فصیل اول کے پہلے دروازے کا نام لیس ہے — دربان لاسہ خون پر بیٹھا ہے — صلح و فساد اس کا کام ہے — حاکم شہر اشیاء کی سختی و نرمی کا طلسم اس کے ہاتھ میں ہے۔

(۲) دروازہ بصر:

فصیل اول کے دوسرے دروازے کا نام بصر ہے — اس کا دربان باصرہ ہے — ناظم شہر خوبصورت و بدصورت اشیاء کا طلسم رکھتا ہے۔

(۳) دروازہ سمع:

تیسرے دروازے کا نام سمع ہے — اس کے دربان کا نام سامعہ ہے — آگ پر بیٹھا ہوا ہے — خوش آوازی و بد آوازی کا طلسم اس کے قبضے میں ہے — وہ جاسوس اور مخبر شہر ہے۔

(۴) دروازہ ذوق:

چوتھے دروازے کا نام ذوق ہے — اس کا دربان ذائقہ ہے۔ جو تخمیر کے چبوترے پر بیٹھا ہے — چیزوں کی خوش گواری و بدگواری کا طلسم رکھتا ہے — اور

وکیل شہر ہے۔

(۵) دروازہ شمش:

پانچویں دروازے کا نام شمش ہے۔ اس کا دربان شامہ ہے۔ ہوا نشین ہے۔ شہر کی صفائی کی خبر رکھتا ہے۔ طلسم خوش بو اور بد بو اس کے اختیار میں ہے۔

☆ ————— فیصل باطن کے دروازے:

فیصل اول کی طرح اس کے بھی پانچ دروازے ہیں:

(۱) — دروازہ حس مشترک

(۲) — دروازہ خیال

(۳) — دروازہ وہم

(۴) — دروازہ فکر

(۵) — دروازہ حفظ

(۱) دروازہ حس مشترک:

دوسری فیصل کے پہلے دروازے کا نام ”حس مشترک“ ہے۔ اس کے دربان کا نام حس مشترک ہے۔ پانی پر بیٹھا ہوا ہے۔ طبع مائل بہ رطوبت فراموشی کا طلسم رکھتا ہے۔ جو بات پوچھو فوراً بیان کرتا ہے، مگر یاد نہیں رکھتا۔

(۲) دروازہ خیال:

دوسرے دروازے کا نام خیال ہے۔ اس کا دربان متخیلہ ہے۔ جو خاک نشین سے اور طبع خشکی مائل طلسم نا فہمی رکھتا ہے۔ جب سمجھ جاتا ہے تو فراموش نہیں کرتا۔ اس وقت اس کا نام ذکرہ ہے۔

(۳) دروازہ وہم:

تیسرے دروازے کا نام وہم ہے۔ اس کا دربان واہمہ ہے۔ جو ہوا نشین ہے۔ اور طبع مائل برزودت، کذابی، فتنہ پروری اور لغو گوئی کا طلسم رکھتا

(۴) دروازہ فکر:

چوتھے دروازے کا نام فکر ہے۔ اس کا دربان مدرکہ ہے۔ آتش نشین ہے، اور طبع مائل بہ حرارت، بصفات ملکی، کبھی بھفت شیطانی موصوف ہے۔ عجائب و غرائب طلسمات و شعبدات، کیمیا و سیما، سحر و جادو کا طلسم رکھتا ہے۔ طرح طرح کی چیزیں اور رنگ برنگ کی اشیاء جمع کر کے جدا کرنا اس کا کام ہے۔

(۵) دروازہ حفظ:

فصیل باطن کے پانچویں دروازے کا نام حفظ ہے۔ اس کا دربان حافظ ہے۔ یادداشت کا طلسم رکھتا ہے۔ مکرو حیلہ مگر اس پر غالب ہو جاتے ہیں۔ تودہ تخییر پر بیٹھا ہوا ہے۔ معتدل مزاج ہے اور بڑا امین و محافظ شہر ہے۔ اس شہر میں مختلف قسم کے لوگ رہتے ہیں:

- ☆ کوئی خام کو جلاتا ہے، کوئی پکاتا ہے،
 - ☆ کوئی تقسیم کنندہ ہے، لطیف کو لطیف، کثیف کو کثیف پہنچاتا ہے۔
 - ☆ کوئی ایسا ہے کہ جو چیز اسے ملتی ہے، اپنے میں شامل کر لیتا ہے۔
 - ☆ کوئی ہر اشیاء کو مہیا و مرتب کر کے شہر کی مرمت میں مشغول ہے۔
 - ☆ ایک شخص مہیب صورت خوفناک شکل طریقہ چالپوسی رکھتا ہے۔
- پھر تم کو ایک عجیب عجوزہ پیرزالہ نامی مکار و خونخواہ بڑھیا ملے گی۔ جو کہ ہزارہا طرح کی طلسمات و شعبدات رکھتی ہے۔ اس سے پچنا دشوار ہوتا ہے۔

چار مقام اور ہیں:

اگر ان سب بلیات (مذکورہ بالا) سے سلامت گزر گیا تو آگے چار مقام اور ہیں:

(۱) شریعت

(۲) طریقت

(۳) حقیقت

(۴) معرفت

ہفت وادی خوشخوار:

اور ہفت وادی خوشخوار ہیں۔ ہر ایک بڑے بڑے طلسمات سے معمور ہے۔
اگر خدا نخواستہ کسی طلسم میں پھنس کر رہ گیا تو بس گیا گزرا ہوا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ فراق ابدی میں گرفتار ہوگا۔ وادیاں یہ ہیں:

- (۱) طلب (۲) عشق (۳) معرفت (۴) استغناء
(۵) توحید (۶) حیرت (۷) فقر و فنا بقا

ان مقامات و منازل کا طے کرنا دل سے ہوتا ہے نہ کہ پاؤں سے۔ مگر ان
دشوار گزار مقامات اور وادیوں سے پیر کامل کی مدد کے بغیر نکلنا خیال محال ہے۔ اگر
بفضلہ تعالیٰ کوئی مرد خدا مل گیا تو سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی، ورنہ اپنی بد قسمتی کو روایا
کرتا۔ جاؤ رخصت، خدا حافظ!

زار و زبیر ثانی کے ارشاد کے مطابق کمر ہمت کو چست کر کے

دریں دریائے بے پایاں، دریں طوفان موج افزا

دل افگندیم بسم اللہ مجربہا و مرہا

”اس دریائے بے پایاں (بے تھاہ و بے کنار) اور شدت سے موجیں

مارتے ہوئے طوفان میں ہم ”بسم اللہ“ کہہ کر اپنا دل تو پھینکتے ہیں۔ یعنی

ہم جو یہ خطرناک سفر شروع کرتے ہیں تو بس وہی اپنے فضل و کرم سے اس

بیزے کو چلانے والا اور منزل مقصود پر پہنچانے والا ہے۔“

روانہ ہوا اور پیر کامل کی مدد سے منازل و مقامات طے کرتا ہوا معرفت میں جب

آنکھ کھلی اور بغور دیکھا تو اول و آخر، ظاہر و باطن، حاکم و محکوم، شہنشاہ و وزیر، پیر و مرید

منزل و مقام سب کچھ میں ہی میں تھا، میرے سوا دوسرا نہ تھا۔ فَهَمَّ مِنْ فَهَمٍ

قصہ انسان کا لب لباب:

لب لباب اس قصے کا بلکہ تمام کتاب کا بقول حضرت غوث صدیقی قطب ربانی سید

عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز یہ ہے کہ:

”وہ وجود مطلق تعالیٰ شانہ، مستغنی عن العالمین: — نہ عاشق ہے نہ معشوق — نہ خالق ہے نہ مخلوق — نہ صانع ہے نہ مصنوع — نہ رازق ہے نہ مرزوق — نہ عابد ہے نہ معبود — نہ فاعل ہے نہ مفعول — بلکہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ یعنی ”اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہے“ — اللَّهُ الصَّمَدُ ”اللہ بے نیاز ہے“ — لَمْ يَلِدْ ”نہ اس نے جنا — وَلَمْ يُولَدْ“ اور نہ جنا گیا“ — وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ“ اور نہیں کوئی اس کے جوڑ کا“ — تَعَالَى شَانَهُ عَمَّا يَصِفُونَ۔“

لیکن یہ ارشاد اکثر آدمیوں کے پیانہ فہم وادراک سے باہر ہے۔
حضرت ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ:

”خلق در راہ حق نیست و حق در راہ خلق نیست“

”خلق راہ حق میں نہیں ہے اور حق راہ خلق میں نہیں ہے۔“

یعنی خدا ایگانہ ہے، اور اگر ایگانہ ہے تو یہ بھیڑ بھاڑ کیسی۔

۔ جبکہ اُس بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے!

— اگر یہی بھیڑ بھاڑ ہے تو خدا کا پتہ محال ہے۔ سمجھ میں کیا خاک آئے

— ایک سمجھنے والا ایک سمجھ — ایک وہ جس کو سمجھے — جب یہ ہنگامہ ہے تو

یگانگی و توحید کہاں! — اور اپنا تو مسلک التَّوْحِيدِ اسْقَاطُ الْإِضَافَاتِ مَا سِوَى

اللَّهِ ہے۔

غرض ہم ہیں تو خدا نہیں، اور اگر خدا بالذات موجود ہے تو ہم نادر ہیں —

پس اس امر کا فہم اس وقت ممکن ہے کہ نہ فہم رہے، نہ صاحب فہم نہ مفہوم — یا ان

تین مراتب میں سے کسی مرتبہ کی پوری سمجھ رکھتا ہو:

☆ — علم الیقین ☆ — عین الیقین ☆ — حق الیقین

ورنہ یہ زبانی باتیں زندقہ و الحاد و کفر کی ہیں — اَعُوذُ بِاللَّهِ — اَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لَأَحْوَلُ

وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ!

۔ بر سماع راست ہر تن چیز نیست طعمہ ہر مرغ کے انجیر نیست
 ”یہ صحیح معنوں میں ہر کوئی سماع سننے کا اہل نہیں۔ جیسے کہ ہر پرندے کی غذا
 انجیر نہیں ہے۔“

یاد رہے کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ میں نے اپنے خیال کے موافق
 لکھا ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے۔ اور نہ آج تک کسی پر یہ راز منکشف ہوا
 کہ ہمارے حضرت قبلہ مولانا مولوی سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہ
 العزیز بھی وجود و شہود، تشبیہ و تزییہ میں سے کوئی خاص مسلک رکھتے تھے۔ کیونکہ
 بحرنا پیدا کنار کے غواص کو مسلک و مقام سے کیا سرور کار!۔ وہاں نہ یارائے گفتار،
 نہ پائے رفتار، نہ تاب افکار!۔ البتہ جب مرتبہ بیان میں تعلیم فرماتے تھے تو ہر
 مسلک و مقام کی تشریح و توضیح ہوتی تھی۔ نہ کسی کا اثبات مقصود تھا نہ کسی کی نفی، بلکہ
 ہر مسلک کو بجائے خود صحیح و درست فرماتے تھے۔ اور جو معاملہ و رائے مسلک و مقام
 ہے، وہ تقریر و بیان سے خارج ہے۔ اس کو نہ کوئی اب تک کہہ سکا۔ اور نہ آئندہ
 کہہ سکے گا۔

ع نکتہ دان را گنگ باید شد ز حرف

”نکتہ دان کو بس ایک حرف ہی دریائے گنگ، (معنی کا خزانہ) ہے۔“

البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے، حضرت اقدس کی تعلیم کا
 اثر اور آپ کے فیضان صحبت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میں کہاں اور بحر لائقین کی غواصی
 کہاں۔ اور پھر اس میں سے دریائے معارف کا نکالنا، اور عرصہ شہود میں لا کر ان کو
 پیش کرنا میری تاب و طاقت سے باہر ہے۔ یہ تو اسی صاحب گہر بار کے رشحات اور اسی
 بحر موآج کے قطرات ہیں۔
 والسلام؟

ایک شب خیال ہوا:

ایک رات تنہائی میں یہ خیال پیدا ہوا کہ تم نے جس بے نام و نشان کی سراغ رسانی
 کے لیے یہ کتاب لکھی ہے، اس میں حمد و ثناء یا تو یہ محتمل بر کذب ہے، یا جہنی بر سہود

خطا — کیونکہ دیکھے بھالے بغیر کسی کے اوصاف حمیدہ و کمالات پسندیدہ، خوبی ہائے حسن و جمال، سیرت ہائے خوش خصال سے سنائے بیان کرنا کہاں تک وقعت کے قابل و صحیح ہو سکتے ہیں — اس لیے کہ اس بے نام و نشان تک کسی کی رسائی ہی نہیں۔ تو حمد و ثناء کیسی! — براہین صادقہ و نصوص قطعہ سے کہ زبان زدِ خلّاق ہے کہ وہ ہے اور ضرور ہے۔ مگر بقول شخصے:

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ
میں نہ مانوں گر کے بنیاں جو نہ دیکھوں اپنے نیناں
تاکہ لَبَطْمَيْنِ قَلْبِي ہو — اس خیال کے آتے ہی یہ جبط دل میں سما یا کہ:
”جب وہ ہے تو اس بے نشان کو کہیں تلاش کروں — اور اگر اس سعی و
کوشش میں کامیاب ہو کر دیکھ پاؤں تو اس کے سامنے صدق دل سے سیس
نواؤں اور سچے گن گاؤں۔“

مرتبہ احدیت میں اُس بے نشاں کی تلاش:

سب سے پہلے میں نے مرتبہ احدیت ذاتِ محبت و وجودِ مطلق پر (کہ ہستی محضہ و
ہویت مطلقہ ہے) نظر ڈالی — اس کی جستجو میں ادراکِ فکر و عقل نے کوششِ بلیغ فرمائی۔
لیکن ادراکِ عقل و فکر کا تیز پرواز شاہین اس کے کنگرہ تقدیس تک پرواز نہ کر سکا — اور
ذاتِ مطلق کو مطلق بے نام و نشان پایا — اس لیے کہ اس مرتبہ میں:

”نہ کوئی حامد ہے نہ محمود — نہ واصف ہے نہ موصوف — نہ عابد
سے نہ معبود — نہ ذاکر ہے نہ مذکور — نہ طالب ہے نہ مطلوب
— نہ عاشق ہے نہ معشوق — نہ محبت ہے نہ محبوب — نہ کوئی
عارف ہے نہ معروف!“

بلکہ وہ ہستی محضہ ہے۔ اب دریافت کروں تو کس سے بھلا۔ جہاں کسی کا بھی کچھ
پتہ نہ چلے — بقول حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ

”اللہ تھا، اور کوئی شی اس کے ساتھ نہ تھی۔“

یہاں کس کی حمد و ثناء اور کون حامد و محمود — جب میں نے یہ دیکھا کہ اس دریائے ناپیدا کنار میں تیری حمد و ثناء کی زروق نہیں چل سکتی، بلکہ ہم ہلاکت میں ہیں۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ

تیر سد خرد مند ازیں بحر خون کز و کس نبردست کشتی برون
دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار کہ پیدا نشد تختہ بر کنار
”اس خوفناک خونی سمندر سے ہر عقل مند ڈرتا ہے۔ کیونکہ کسی نے اس سے اپنی کشتی پار نہیں لگائی — یعنی اس طوفان خیز ملہم سمندر میں جس نے اپنا بیڑا ڈالا وہ غرق ہی ہو گیا ہے۔“

اس میں وہ بھنور پڑتے ہیں کہ ہزاروں کشتیاں اس میں ایسی غرق ہوئیں کہ پھر کبھی ان کا ٹوٹا پھوٹا تختہ بھی کنارے پر ظاہر نہیں ہوا — بس جو یہاں آیا، غرق و معدوم ہی ہو گیا۔“

ناچار خوف زدہ ہو کر بچپوری تمام بے نیل حرام وہاں سے واپس ہوا۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کین جا ہمیشہ باد بدست است دام را
”عنقا (ایک نایاب خیالی پرندہ) آج تک کسی کا شکار نہیں ہوا، اور نہ ہوگا۔ بس تو اپنا جال اٹھالے — کیونکہ اس جگہ تو ہمیشہ ہوا ہی جال کو اڑا لے جاتی ہے۔“

پس میں نے احدیت سے وحدت کی طرف رخ پھیرا۔

مرتبہ وحدت میں اس مطلوب کی تلاش:

مرتبہ احدیت سے جب مایوسی ہوئی تو مرتبہ وحدت کی طرف رجوع کیا۔ کہ اگر وہ مطلوب قلبی یہاں مل جائے تو اس کے آگے سر جھکاؤں، اور اکناف عالم میں اس کی خوبی ہائے کمال و جمال کی دھوم مچاؤں —

تلاش و تجسس میں سررم ہوا، اور بغور و تامل دریائے تفکر میں غوطہ لگایا — خوبی

قسمت سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا یہ گوہر بے بہا ہاتھ آیا — شب معراج جناب باری سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم صادر ہوا:

وَالسُّجُودُ وَالْاِقْتِرَابُ ”تو سجدہ کر اور ہمارے قریب تر ہو جا۔“
تو بحکم الہی آپ نے سجدہ کیا اور مرتبہ وحدت میں پہنچے — آپ کی پہلی نظر توحید افعال پر پڑی۔ کہ یہ ایک مانع ترقی حجاب ہے۔ آپ نے دفع حجاب کے لیے عرض کی:

أَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ
”میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کی تیرے عذاب سے۔“
عفو و عذاب دو فعل ہیں — پھر یہاں سے ترقی پا کر آپ کی نظر توحید صفات پر پڑی۔ اور دوسرا حجاب ہے — آپ نے رفع حجاب کے لیے یہ دعا مانگی:
أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخْتِكَ
”میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کی تیرے غصہ سے۔“

رضا اور غصہ دو صفات ہیں — پھر یہاں سے ترقی کر کے توحید ذاتی میں پہنچے — اور حمد و ثناء کا ارادہ کیا تو وہاں پر عظمت و جبروت اور جاہ و جلال کبریائی دیکھ کر گھبرا گئے اور فوراً یہ دعا مانگی:

أَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَيَّ
نَفْسِيكَ

”میں تیری ہی پناہ مانگتا ہوں تجھ سے۔ میں پوری نہیں کر سکتا تیری حمد و ثناء۔ جیسا کہ تو خود ہی اپنی حمد و ثناء کرے۔“

یعنی اس مرتبہ میں تو خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود — تو آپ ہی اپنی حمد و ثناء کر سکتا ہے۔ میری قدرت و مجال نہیں کہ میں تیری حمد و ثناء کر سکوں، معافی کا خواستگار ہوں — اب میں نے سوچا کہ اللہ اکبر! یہاں بھی تو اسی بحرِ ذخار کی موآبی ہو رہی ہے کہ آں سرورِ انام علیہ التحیۃ والسلام تعریف الہی میں اپنا عذر و تقصیر بیان فرما رہے ہیں۔ کہ اس مقام پر تو وہ:

”خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود — خود ہی واصف ہے اور خود ہی موصوف — خود ہی ذاکر ہے اور خود ہی مذکور — خود ہی عابد ہے اور خود ہی معبود — خود ہی طالب ہے اور خود ہی مطلوب — خود ہی عاشق ہے اور خود ہی معشوق — خود ہی محبت ہے اور خود ہی محبوب — خود ہی عارف ہے اور خود ہی معروف!“

چنانچہ میں نے غور کیا کہ اس قلمزم محیط میں تیری حمد و ثنا کی کیا وقعت!

اے راقم! اس گرداب جانکاہ سے نکل کہ یہاں بھی خوف ہلاکت ہے۔

کسانے دریں رہ فرس راندہ اند بلا اھسی از تک فرد ماندہ اند
چو شہا نشستم دریں سیر گم تیر گرفت آستینم کہ قم

”اس سخت راہ میں جس نے بھی اپنا گھوڑا ڈالا ہے۔ اس نے بے حد و بے

شمار بھاگ دوڑ کی ہے۔ (مگر کہیں نشان منزل کسی کو نہیں ملا۔)

اور جب کہ میں بہت سی راتوں کو بیٹھ کر سیر عجیب میں گم (خود فراموش)

رہا۔ تو پھر حیرت ہی نے میری آستین پکڑی کہ اٹھ ہوش میں آ۔“

برواین دام بر مرغ و گرنہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

”جا اور اپنا یہ جال کسی اور پرندے پر ڈال۔ کیونکہ عنقا کا آشیانہ تو بہت ہی

بلند ہے۔ (یعنی وہ بلند پرواز کسی طرح تیرے جال میں نہیں آئے گا)۔“

اس مرتبہ میں بھی جب اس بے نشان کا کچھ سراغ نہ ملا تو آخر کار اسی تلاش میں مرتبہ واحدیت میں آیا۔

مرتبہ واحدیت میں اس محبوب کی جستجو:

جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس ذات گم گشتہ کا سراغ لگانا مذکورہ بالا ان دو مراتب میں

امر محال ہے۔ تو مرتبہ واحدیت کی جانب (کہ وہ مرتبہ انسان ہے) مائل ہوا۔

اپنے خیال محقق، سرلیج ایسرو فکر، بلند پرواز حقیقت شناس، عقل دور بین نتیجہ رس کو

اطراف عالم میں دوڑایا، کہ جاؤ اور اس حبیب قلبی کا کہیں سے کچھ پتہ لاؤ — ایک

عرصہ دراز میں سخت حیرانی و پریشانی کے بعد یہ تینوں صاحب واپس تشریف لائے اور

ہر جگہ زمین و آسمان و مافیہا میں انسان ہی کی دھوم دھام ہے۔ کل اشیاء پر انسان ہی کا تسلط و قبضہ ہے، باقی سب مخلوقات طفیلی۔ جو کچھ آپ کو مطلوب ہے وہ انسان ہی میں ہے۔۔۔۔۔ جمع اسرار الہیہ انسان میں موجود ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ - بِجَمِيعِ صِفَاتِ جَمَالِهِ وَجَلَالِهِ
وَإِلَٰنْسَانٍ سِرِّيٍّ وَأَنَا سِرٌّ شَاهِدٌ حَالٌ

انس یعنی محبت یہ صفات الہیہ میں سے بدلیل فَآخِيبُتِ اَوَّلِ درجہ کی صفت ہے۔
انسان صفت مشبہ انس سے مشتق ہے۔۔۔۔۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

”تم صفات الہیہ میں غور و فکر کرو نہ ذات میں۔“

کہ صفات ذات سے منفک نہیں ہے، اس ذریعہ سے ذات تک پہنچ جاؤ گے
۔۔۔۔۔ پس اپنی ہی ذات میں غور و تامل کرے۔ تاکہ وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کا راز منکشف ہو۔

۔۔۔۔۔ در گزر از ذات و بگر در صفات تا صفات رو نماید سوائے ذات
”تو اگر حقیقت کی تلاش کرنا چاہتا ہے، تو تو ذات سے گزر (چھوڑ) اور اس
کی صفات میں دیکھ۔ تاکہ تجھ کو اس کی صفات ہی ذات کی رونمائی اور
مشاہدہ کرائیں۔“

اسی لحاظ سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے فرزند جگر گوشہ کو اپنے
ہی اندر خوض و فکر کی تعلیم فرمائی ہے: يَا وَلَدِي فَكْرُكَ فَيْكُ يَكْفِيكَ
جب سِرِّ ذات و صفات انسان ہی کے اندر موجود ہے تو پھر دوسری جانب نظر کو دوڑانا
محض خام خیالی اور بالکل خلاف عقل نہیں تو اور کیا ہے۔
مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جہاں گشت موجود بے بیچ ریب	۔۔۔۔۔ چو ہر اسم را مظہر آمد ز غیب
شہادت پذیرفت از غیب این	رسید انداز علم اسما بعین
جہاں جسم و انسان بگر جان درد	جہاں فرع اصل است انسان درد

بہر طور اور اظہوریت خاص کہ دارد درین مرتبت اختصاص
تو روح جهانی و از روح بیش و لیکن ندانستہ قدر خویش
بدان گر بدانی با بقائے سبح کہ کونین در نشات تست جمع
توئی نسختہ جامع مختصر بگو ہر چہ جوئی بجائے دگر
بدانی بہ افنائے قید دوئی کہ اول تو بودی و آخر توئی

”جبکہ ہر اسم (نام) مظہر غیب سے آیا۔ تو پھر کسی شک کے بغیر یہ عالم موجودات وجود میں آیا۔ اور علم الہی سے اسماء (چیزوں کے نام) کی حقیقت کو پہنچے۔ یعنی عالم خیال سے اشیاء موجود ہو گئیں۔ اور پھر غیب کے عالم سے یہ عالم شہادت ظاہر ہوا۔

حقیقت میں جہان ایک فروغ ہے، اور اس میں اصل انسان ہے۔
— جہان ایک جسم کی مانند ہے اور انسان اس میں جان کی طرح ہے۔
غرض ہر طرح سے اس (انسان) کا ظہور اس میں خاص طور سے ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مرتبہ اور حقیقت کے لحاظ سے خصوصیت رکھتا ہے۔
تو اصل میں سارے جہان کی روح ہے، اور روح سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن افسوس تو نے اپنی قدر نہیں جانی۔

اگر تو جان سکتا ہے تو ساتوں بقاؤں کے ساتھ جان لے۔ کیونکہ دونوں جہان تمام تیرے ہی ظہور سے موجود ہیں۔ یعنی اگر تو نہ ہو تو یہ کارخانہ ہست و بود نہ ہو۔ — پس تو اپنی حقیقت پر غور کر۔ تو ہی کتاب عالم کا تفصیلی نسخہ ہے۔ اور تو ہی مختصر بھی ہے۔ لہذا جو کچھ تو دوسری جگہ تلاش کرتا ہے (اپنے اندر کے سوا) کہیں نہ تلاش کر۔

تو یہ جان لے کہ اس قید دوئی کی فنا و معدومیت کے بعد تو اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ دراصل اول بھی تو ہی ہے اور آخر بھی تو ہی ہے۔“

۱۔ فروغ: شخص یعنی اس کے علاوہ زائد چیزیں ۲۔ بقائے سبح: سات انسانی حواس ۱۔ قوت باطن ۲۔ قوت باصرہ ۳۔ قوت سامعہ ۴۔ قوت شامہ ۵۔ قوت لامہ ۶۔ قوت ذائقہ ۷۔ قوت حس مشترکہ

رب دو جہاں کی سمائی:

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ:

”قلب انسانی کے سوا میری گنجائش اور کہیں نہیں۔“

پس جبکہ ذات الہی انسانی قلب میں ہی ہے — مولا ناروم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

گفت پینمبر کو حق فرمودہ است من علقم بیچ در بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز من علقم ایں یقین دان اے عزیز
من علقم در زمین و آسمان لیک علقم در دل بہ شکستگان
در دل مومن علقم اے عجب گر مرا جوئی درین دل حا طلب

”آقائے دو عالم حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ

جل شانہ، نے فرمایا ہے کہ میں کسی بلند و بالا اور پست یعنی کسی چھوٹی بڑی

چیز میں ہرگز نہیں سما سکتا۔ — نہ زمین و آسمان اور نہ عرش اعظم میں

میری گنجائش ہے — اے عزیز! تو یہ بات یقینی طور سے جان لے۔

اگرچہ میں ایسے عظیم آسمانوں اور زمینوں میں بھی نہیں ساتا۔ مگر میں ٹوٹے ہوئے

دلوں میں (جو محبت الہی سے معمور ہوں) ساتا ہوں۔

حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ میں مومن کے دل میں ساتا ہوں۔ اگر تو چاہے تو

ان کے دل میں مجھے تلاش کر۔ یعنی میرا نور دل مومن میں تجھ کو ملے گا۔“

تو پھر غیر جگہ تلاش کرنا بے سود ہے۔ بقول شاعر:

دل جسے کہتے ہیں بتلاؤ یہ گھر کس کا ہے؟

رات دن شام و سحر اس میں گزر کس کا ہے؟

یوں تو سب کہتے ہیں یہ خانہ حق ہے تحقیق

کیوں نہیں کہتے ”خدا ہم میں ہے“ ڈر کس کا ہے؟

رسول اکرم الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ غَرْشُ اللَّهِ

”قلب انسانی جلوہ گاہ الہی ہے۔“

بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کو شیخ نابینا کی تعلیم:

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کو شیخ نابینا نے جو تعلیم فرمائی ہے اسے مولانا روم

علیہ الرحمہ نے یوں بیان کیا ہے:

سوائے مکہ شیخ امت بایزید
 او بہر شہرے کہ رفتے از نخست
 گفت حق اندر سفر ہر جا روی
 بایزید اندر سفر گشتے بے
 دیدہ نابینا و دل چون آفتاب
 بایزید او را چو از اقطاب یافت
 گفت عزم تو کجا اے بایزید
 گفت عزم کعبہ دارم از ولہ
 گفت دارم از درم نقرہ دوی است
 گفت طوف کن بہ گردم ہفت بار
 وان در مہا پیش من نہ اے جواد
 عمرہ کر دی عمر باقی یافتی
 حق آن حقے کہ جانت دیدہ است
 کعبہ ہر چندے کہ خانہ براوست
 تا بگرد آن خانہ را در دے ز رفت
 کعبہ را یک بار بیٹی گفت یار
 خدمت من طاعت و حمد خداست
 چشم نیکو باز کن در من نگر

از برائے حج و عمرہ مے دوید
 مر عزیزاں را بگردے باز جست
 باید اول طالب مردے شوی
 تا بیا بد خضر وقت خود کے
 ہم چو فیلے دیدہ ہندوستان بخواب
 مسکت بہ نمود دور خدمت شتافت
 رخت غربت را کجا خواہی کشید
 گفت ہیں با خود چہ داری زادہ
 تک بہ بستہ سخت بر گوشہ روی است
 دین نکوتر از طواف حج شمار
 واں کہ حج کردی و حاصل شد مراد
 صاف گشتی بر صفا بہ شتافتی
 کہ مرا بر بیت خود بہ گزیدہ است
 خلقت من نیز خانہ سراوست
 و اندرین خانہ بجز آن حی ز رفت
 گفت یا عبدی مرا ہفتاد بار
 تانہ پنداری کہ حق از من جداست
 تا بہ بینی نور حق اندر بشر

چون مرا دیدی خدا را دیدہ

گرد کعبہ صدق بر گردیدہ

”ایک دفعہ شیخ امت حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ حج و عمرہ کے لیے مکہ

معظمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ دوران سفر وہ جس شہر میں بھی جاتے۔ وہاں کے اہل اللہ اور مردان حق سے ملاقات کرتے۔ جیسے کہ کسی نے درست فرمایا ہے:

”تو سفر میں جس جگہ بھی جائے، پہلے تجھے مردانِ کامل (یعنی عارفانِ الہی) کی طلب و جستجو کرنی چاہئے۔“

اسی وجہ سے حضرت بایزید علیہ الرحمہ اپنے سفر میں بہت ڈھونڈتے پھرتے تاکہ اس وقت کے خضر طریقت (مرشدِ کامل) کو پائیں۔

آخر تلاش بسیار کے بعد انہوں نے ایک نابینا بزرگ کو دیکھا، جن کا دل آفتاب کی طرح روشن تھا۔ اسی طرح سے جیسے کہ انہوں نے خواب میں ہندوستان کو ایک ہاتھی کی طرح دیکھا۔ حضرت بایزید علیہ الرحمہ نے جب ان کو اقطابِ زمانہ میں سے پایا تو بڑی عاجزی و انکساری سے ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور بڑے بڑے شوق و ذوق سے ان کے ساتھ ساتھ بھاگ دوڑ کرنے لگے تاکہ ایسا مرشدِ کامل کہیں نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ انہوں نے آپ سے فرمایا:

”اے بایزید! تمہارا کہاں کے سفر کا ارادہ ہے۔ اور تم یہ سامانِ غربت کہاں کھینچتے پھرتے ہو۔“

آپ نے عرض کی کہ میں بڑے شوق اور ولولہ سے کعبہ شریف کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا:

”دیکھو تو سہمی تم اپنے ساتھ کیا سامانِ سفر رکھتے ہو؟
عرض کیا:

”میں چاندی کے صرف دو درہم رکھتا ہوں۔ اور ان کو میں نے اچھی طرح سے

ایک چادر کے کونے میں باندھ رکھا ہے۔“

یہ سن کر ان حضرت نے فرمایا:

”اچھا تم میرے گرد سات بار طواف کرو، اور اس کو تم حج سے بڑھ کر سمجھو۔ جو درہم تم نے حج کعبہ کے لیے رکھے ہیں، اے بہادر نخی! وہ تم میرے سامنے رکھو اور بس اب تو یقین جان کہ حج کر لیا۔ اور تیری مراد

حاصل ہوگئی۔ تو نے اب عمرہ بھی کر لیا۔ تو نے اپنی باقی عمر بھی پائی۔ تو پاک و صاف ہو گیا۔ جبکہ تو اس راہ صفا پر گامزن ہوا۔“

حق وہ ہے جس کو تیری جان نے دیکھا ہے اور جس نے مجھے اپنے گھر پر چھوڑا ہے۔ کعبہ جہاں تک بھی ہے اس کا گھر مٹی کا بنا ہوا ہے۔ مگر میری خلقت (پیدائش) بھی اس کا ایک اسرار ہے۔ تو کب تک اس کے باہر پھرے گا۔۔۔ اس گھر کے اندر کیوں نہیں گیا۔۔۔ اس گھر کے اندر سوائے اس حسی (خدا تعالیٰ) کے اور کوئی نہیں گیا۔۔۔ اس دوست حقیقی نے کعبہ شریف کو تو صرف ایک بار ہی اپنا گھر کہہ کر دیکھا ہے۔ مگر مجھ کو اس نے ”اے میرے بندے!“ کہہ کر ستر بار یاد فرمایا ہے۔ بس میری خدمت اب اللہ تعالیٰ ہی کی طاعت اور اس کی حمد ہے۔ تاکہ تو یہ نہ سمجھے کہ ”حق“ مجھ سے جدا ہے۔

تو اپنی نیک بین آنکھیں کھول اور میری طرف اور میرے اندر غور سے دیکھ۔ تاکہ تو یہ دیکھ لے کہ نور حق تعالیٰ بشر کے اندر ہے۔ چنانچہ جب تو نے مجھے دیکھا تو بس خدا تعالیٰ کو دیکھا۔ حقیقت میں تو جو میرے گرد پھرا ہے، تو یہ تو نے کعبہ ہی کے گرد طواف کیا ہے۔ یعنی تیرا مقصود اصلی حاصل ہو گیا ہے۔“

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس زمانے تک جمیع اہل اللہ کا کلام اسی طرز و بیان پر آ رہا ہے۔ اس کتاب میں بھی پڑھ چکے ہو کہ انسان کو اپنے نفس کا جب عرفان ہو جاتا ہے تو:

☆ — مَنْ رَأَى فَقَدَرَا الْحَقُّ

☆ — سُبْحَانِي مَا أَعْظَمَ شَانِي

☆ — أَنَا الْحَقُّ

وغیرہ کے نعرے لگاتا ہے۔ ہم کہہ چکے کہ انسان کے بغیر آپ کو خدا کا پتہ کہیں نہیں ملے گا۔ ہماری تحقیقات میں جو کچھ ثابت ہوا ہے، بیان کر دیا ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ ان محققین نے جب دلائل سے عقلی و نقلی ثبوت کامل پہنچا دیا کہ

”وہ ذاتِ انسان ہی میں ہے۔“

خدا بندے میں آ کر یوں نہاں ہے جوں بوگل کی، گل کے درمیاں ہے
شیخ اکبر مچی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:

فِي الْخَلْقِ عَيْنَ الْحَقِّ إِنْ كُنْتُ ذَا عَيْنٍ وَفِي الْحَقِّ عَيْنُ الْخَلْقِ إِنْ
كُنْتُ ذَا عَقْلٍ

”خلق میں عینِ حق ہے۔ اگر تو صاحبِ بصیرت ہے اور حق میں عینِ خلق
ہے اور اگر تو صاحبِ عقل ہے“ — لَا زَيْبَ فِيهِ

۔ اور دل من است و دل من بدست اوست

چوں آئینہ بدست من و من در آئینہ

”وہ محبوبِ حقیقی میرے دل کے اندر ہے اور میرا دل اس کے ہاتھ میں
ہے۔ جس طرح سے آئینہ میرے ہاتھ میں، اور میں آئینے کے اندر (نظر
آتا) ہوں۔“

خدا بندے میں اور بندہ خدا میں عجب نسبت ہے بندے اور خدا کی

واہ سبحان اللہ!

یار نزدیک ترا زمن بہ من است دین عجب تر کہ من از دے دورم

چہ کنم با کہ تو ان گفت کہ او در کنار من و من مجبورم

”وہ میرا دوست مجھ سے بھی زیادہ میرے نزدیک ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ

میں اس سے دور ہوں۔ میں کیا کروں۔“

اور یہ بات کس سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ محبوب تو میری بغل میں ہی ہے۔ اور

میں اس سے مجبور ہوں۔ (یعنی میں اس کی حقیقی قربت سے دور ہوں۔“

۔ مجھ میں اس میں ربط ہے اے ذوقِ مثلِ گل

وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوئی کہ وہ ذاتِ انسان میں مخفی و مستور ہے۔ بلکہ ہر

جگہ اس کا ظہور ہے۔ کہ اس کے بغیر کوئی شے ”شے“ کے نام سے نامزد نہیں

ہو سکتی — لیکن میری غرض تو یہ ہے کہ دید کے بغیر حمد و ثنا قابل پذیرائی نہیں، جبکہ

دید امر محال ہے۔ مولانا روم نے فرمایا:

تن زجان و جان زتن مستور نیست لیک کس را دید جان دستور نیست
جان ز پیدائی و نزدیکی است گم چوں شکم پر آب و لب خشکے چو خم
”جسم جان اور جان جسم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن کسی کا جان کو دیکھنے کا
دستور ہی نہیں ہے۔ اور جان کا پیدا ہونا (ظاہر ہونا) اور اس کی نزدیکی
(اہل ظاہر) کی نظروں سے اس طرح پوشیدہ ہے۔ جیسے کہ پیٹ پانی سے
بھرا ہوا ہو، اور ہونٹ خشک ہوں۔ جیسے پانی کا مٹکے۔ کہ اندر تو پانی
ہے اور باہر سے خشک ہے۔“

ارشاد باری ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ
”اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں (نہ ظاہری نہ باطنی) الا ماشاء اللہ! —
اور وہ آنکھوں کو (یعنی آنکھوں کی بینائی کو) دیکھتا ہے۔ اور وہ لطیف خبردار
رہے۔“ (پ ۶، ع ۱۸)

جب اس کو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تو پھر ایسی سنی سنائی حمد و ثناء کا کیا اعتبار
ہے! — آنکھیں بندہ — تو گوئی — زبان گویا اندھی — اور حامد یعنی
مشکلم اندھا اور محمود بے نام و نشان وہی و خیالی، تو اب فرمائیے کہ ایسی حمد و ثناء سوائے
خیالی پلاؤ کے کیا نتیجہ رکھتی ہے۔

☆ — مرتبہ احدیت میں تو نہ کوئی حامد ہے نہ محمود نہ حمد،

☆ — مرتبہ وحدت میں خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود، خود ہی حمد

☆ — مرتبہ واحدیت میں اس کا کچھ کھوج اور نشان ملتا نہیں کہ وہ کہاں ہے، اور
کیسا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ انسان میں ہے — کوئی کہتا ہے کہ سب میں ہے، اور سب
جگہ ہے — اور کوئی کہتا ہے کہ کہیں بھی نہیں — بہر حال بے دیکھے بھالے حمد و
ثناء وہم و سواس پر دلالت کرتا ہے۔

شارع علیہ السلام کا حکم ناطق ہے کہ:

”غیب پر ایمان لاؤ، اور یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے گروہ میں شامل ہو کر غیبت میں حمد و ثناء کرتے رہو۔۔۔ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تم کو دیکھتا ہے، اور تمہاری سب باتیں سنتا ہے اور سب کو جانتا ہے۔“

پس حکم حاکم منظور و قبول کر کے بے دیکھے بھالے حمد و ثنا کرنے پر مجبور ہیں۔۔۔ اس کا نام حمد و ثنا شرعی ہے نہ حقیقی، اور جن کو عرفان نفس و معرفت الہی حاصل ہو جاتی ہے۔۔۔ وہ تَوَلَّوْا اُخْصٰی ثناء علیک کما اثنت علیٰ نفسک کہہ کر دیدار میں مستغرق و فنا ہو جاتے ہیں۔ کہاں کی حمد اور کون حامد اور کیسا محمود۔

۔ سورج کے سامنے نہیں شبنم کو کچھ قرار

ہم پاس تم جو آئے تو پھر ہم کہاں رہے

انسوس صدانسوس!

۔ اسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

پھر وہی تکرار کہ ”انسان کیا ہے“؟

۔ ڈھونڈا کرے کوئی لاکھ کیا ملتا ہے دن کا کہیں رات کو پتہ ملتا ہے

جب تک کہ ہے بندگی خدائی کا حجاب بندے کو بھلا کہیں خدا ملتا ہے

جب یہ ثابت ہوا کہ اس ذات بے نام و نشان کو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اور دیکھے

بغیر حمد و ثنا بھی قابل و ثوق نہیں۔ لیکن انسان جس کی عالم میں دھوم دھام ہو رہی ہے۔

اس کا کچھ بھید نہ کھولا کہ یہ کیا شے ہے؟ — آیا انسان جسم ہے یا جان — یا جسم و

جان دونوں مل کر انسان ہے — اس میں یہ بولتا کیا چیز ہے، جو ہمیشہ کہتا رہتا ہے کہ:

”میں ہی ہوں — میں ایسا ہوں اور میں ویسا ہوں — اور میں یہ کرتا ہوں

اور میں وہ کر ڈالتا ہوں“ — یہ کون ہے اور کیا ہے؟

جمع عقلاء و عرفائے زمانہ یہی فرماتے چلے آ رہے ہیں کہ مکان جسم فرضی ہے اور

جان یعنی روح مکین مجازی، اسی کا نام انسان ہے۔ — جو انسانی جسم میں متکلم ہے۔

یعنی روح اس کو بولتا کہتے ہیں — اس کو فحہ و نفسِ رحمانی بھی کہتے ہیں، یعنی ”اللہ

تعالیٰ کی پھونک یا آواز“ — چنانچہ کفار نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے بارے سوال کیا:
 ”روح کیسا شے ہے؟“

مولیٰ کریم نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حکم صادر فرمایا:
 قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا
 ”(اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا حکم (یعنی آواز یا پھونک) ہے — اور تم کو بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔“
 یعنی تم اس قدر قلیل علم سے پروردگار کی کارسازی و حکمت عملی کو نہیں سمجھ سکتے — اس سرکاری حکمت عملی اور کارسازی کا حال اور آواز و پھونک کی حقیقت سنئے:

زمانہ حال میں ایک یورپین فلاسفر نے مشین الہی کے کل پرزوں کو دیکھ کر (جس کا عنقریب ذکر آتا ہے، ایک مشین ایجاد کی ہے۔ جسے فونو گراف اور گراموفون کہتے ہیں۔ — اس کا خاصہ یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی آواز یا کسی قسم کی پھونک بھری جائے، پھر اس کو کتنے ہی دور دراز فاصلہ پر لے جا کر اس کو کوک دیا جائے تو اس میں سے بعینہ اس شخص کی اور اسی قسم کی آواز آنے لگتی ہے — ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہی شخص اس کے اندر بول رہا ہے۔ یا قرآن شریف پڑھ رہا ہے، یا غزل شہری وغیرہ گا جا رہا ہے — حالانکہ وہ بولتا یعنی بولنے والا مکہ، مدینہ یا کلکتہ، دہلی، آگرہ، لندن یا امریکہ بیٹھا ہے، اور یہاں بول رہا ہے — اگر اس مشین کو کھول کر دیکھا جائے تو پیٹ خالی، فقط لوہے پیتل وغیرہ کے چند پرزے، اور کچھ بھی نہیں — اب فرمائیے کہ وہ بولتا کیسا شے ہے؟ — صرف اس میں بولنے والے کی آواز بھری ہوئی تھی، اور کچھ بھی نہ تھا۔ یہ تو نقلی مشین کا حال ہے۔ اب اصلی مشین الہی کی حقیقت سنئے:

حکیم مطلق نے روز اول میں جسم انسانی کی مشین یعنی بانسری بنائی، اور اس کو کل پرزوں سے درست کیا — اس میں عظیم الشان طلسم قائم کر کے اپنی روح یعنی ”آواز اور پھونک“ بھری۔ چنانچہ حکیم قدیم ملائکہ کو حکم فرماتا ہے:

فَإِذْ سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتَ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَوْلَهُ سَجِدِينَ

”جب میں اس کو ٹھیک بنا چکوں (یعنی جسم انسان کی طلسمی مشین کو) اور پھونکوں اس میں اپنی روح (یعنی اس میں اپنی پھونک اور آواز بھردوں) تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔“

یعنی میری اس حیرت انگیز کارسازی و حکمت عملی کو دیکھ کر کہ ”بنایا کچھ اور دکھایا کچھ“ — پھر اس مشین کی کوک چڑھا کر اس کو عالم ناموس میں بھیج دیا — یہاں آتے ہی وہی بولی بولنے لگے جو حکیم مطلق نے اس میں بھردی تھی۔
مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بشوازِ نے چون حکایت سے کند
دو دھان دارم گویا ہم چونے
یک دھان نالاں شدہ سوئے شا
دمدہ این نالے از دمِ هائے اوست
سز پنہاں است اندر زیر و بم
آں چہ نے سے گوید اندر ایں دو باب
لیک داند ہر کہ اورا منظر است
برماع راست ہر تن چیر نیست
در نیابد حال پختہ پیچ خام
”تو نے (بانسری) سے سنا کہ وہ کیسی حکایت بیان کرتی ہے۔ اور (یہ تو) جدائی کی شکایت کرتی ہے — اسی طرح ہم بھی گویا دو منہ رکھتے ہیں، بانسری کی طرح — اور ہمارا ایک منہ جو ظاہر نہیں ہے، وہ اس کے ہونٹوں میں ہے۔ (پس جو وہ کہتا ہے، وہی اس ظاہری منہ سے آواز نکلتی ہے۔)

ایک منہ تو تمہاری طرف نالہ زاری کرتا ہے اور ہائے ہو کی آوازیں آسمان تک بلند کرتا ہے — یہ تمام دمدہ اور شور اسی کے دم سے ہے۔ ہماری روح کی تمام آواز اور شور و غل اسی کی آواز سے ہے — اسی زیر و بم (ہلکی اور مدہم آوازوں) میں ایک ایسا راز پوشیدہ ہے کہ اگر میں اس کو کھلم کھلا بیان کر دوں تو سارا جہان درہم برہم ہو

جائے۔

جو کچھ اس بانسری سے ان دوسوراخوں کے ذریعے بیان ہوتا ہے اگر میں اس کو بر ملا کہہ دوں تو یہ جہان خراب اور تباہ ہو جائے۔

لیکن بس وہ بخوبی جانتا ہے جس کا یہ مشاہدہ ہے کہ یہ تمام آواز و فغان جو اس سر سے نکلتی ہے وہ اس سر سے ہے۔ یعنی جو آواز اس بانسری کے دوسرے سوراخ سے نکلتی ہے۔ وہ اوپر والے پہلے سوراخ سے آتی ہے۔ پس اسی طرح تمام کائنات کی آوازوں کی اصل و حقیقت صوت سرمدی کا کرشمہ ہے۔ اس ذات وحدت نے ایک لفظ کسن (ہو جا) کہا، اور یہ سارا عالم بے شمار صداؤں (نغمہ و آواز) سے بھر گیا۔

راز حقیقت کو سمجھنے اور سننے کی ہر ایک میں اہلیت نہیں ہے۔ جس طرح ہر پرندے کی غذا انجیر نہیں ہوتا۔ (ہر ایک کی عقل و سمجھ جدا اور ہر ایک کی غذا بھی جدا ہوتی ہے۔)

پختہ حال (اہل عرفان) لوگوں کی کیفیت خام (کچے) مزا جوں یعنی ناسمجھ عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ اس لیے بس بات کو ختم ہی کرنا چاہئے۔ سب کو سلام ہو۔“

سبحان اللہ! حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

در بر آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند

انچہ استاد ازل گفت ہمان مے گویم

”ہم آئینے کے ایک طرف (پہلو) میں کسی طوطی کی طرح بٹھائے گئے ہیں۔ اور جو کچھ وہ ”استاد ازل“ (خالق کل کائنات) فرماتا ہے، وہی ہم کہتے ہیں۔“

اگر اس مشین کو کھول کر دیکھو تو نوشت پوست، خون و استخوان، رگ و پے وغیرہ

کے سوا اور کچھ بھی نہیں پاؤ گے۔ بانسری کی طرح پیٹ خالی ہے۔

اب خود ہی غور کر کے فیصلہ کر سکتے ہو کہ:

☆ — یہ آواز کس کی ہے؟

☆ — اس جسم میں جان یعنی روح کی شے ہے؟

☆ — یہ گفت و شنید کون کرتا ہے؟

یہ اسی ظلم ساز کبیر الشان کی ظلم سازی ہے کہ اس ننھے سے انسانی جسم میں عالم کبیر کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا بھر کر ملائکہ کو چکر میں ڈال دیا ہے — اور وہ پکارا اٹھے:

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

(پ ۱ ع ۴) وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى

مولانا عطار علیہ الرحمہ کے کلام پر خاتمہ کتاب:

چونیکو بنگری خود جملہ ذات است	صفتاش ذات و ذآش چون صفات است
کہ التوحید اسقاط الاضافات	نکوگوئی نکوگفته است در صفات
بیاید او بقدر خویش اسرار	چو طالب را طلب آید پدیدار
نماند عقل را از هیچ سو راه	چو آید لشکر عشق از کین گاہ
ہر آن عاشق کہ مراد را خطاب است	عذاب ایں جادوں جاد حساب است
کہ در ماندہ بخود بس ناتوانی	نورم عاشقان ہرگز ندانی
حقیقت بت پرستی ہم چو کفار	بخود ہستی ز بہر دین گرفتار
یقین ایں جائگہ نامحری تو	برسوائی قدم زن ہر دے تو
رہاکن مسجد و زہد و مناجات	خراباتی شو ایں جا در خرابات
کہ لعنت را شود رحمت خریدار	چومن در عشق کے آید پدیدار
منم در عشق جاناں شاد و خرم	ملامت سے کشم در ہر دو عالم
نیندی شم دی از لعنت یار	ملامت می کشم در عشق دلدار
چرا با عاشقان ایں جا ستیزی	چرا از لعنت حق سے گریزی
ز لعنت در نمود عشق مہر اس	چو ابلیس ار تو مردی حق بشناس
قدم در کفر لعنت پہ پیری تو	اگر مانند شیطان رہبری تو
عنان عشق از کلی ربود او	غلط ایں بد کہ خود بینی نمودار
نکردہ سجدہ او لعنت گزیدہ	یقین ایں بد کہ سر او بدیدہ

کہ دائم اندرین سر پائیدار است
یقین در عشق بر خور دار آمد
کہ دائم اندرین سر پائیدار است
نمودے لعنت آید پدیدار
دلت از کفر روحانی خبر کن
نمودے عشق ہم از عشق بنی
ز بودے چرخ و انجم بہ گزری تو
ولے گفتن چنین ہر جائے نتوان
کنون بشنوز من شرح دیبانے
ہم اندر کافری صادق نبودم
ز کفران روئے خویش خوب دیدم
نمودے جزو و کل دلداری دارم
ہم اندر کافری من دیدہ ام یار
شدم کافر چنین در روئے دلداری
من این لعنت گزیدم در نہانے
چہ باشد لعنت این جامرد ہشیار
بجز رحمت دگر لعنت نداند
کہ ایں جاحق شناسد عین شیطان
کہ ایں معنی نکر دستی تو حاصل
مگر تا چند باشی در پئے سر
نمودم عشق و مردم در عبارات
ولیکن تا نہ بینم من خریدار
کہ ہر کس نیست خود آگاہ اسرار
دگر داند بخود حیران بماند

حقیقت عاشق چاہک سوار است
چنان کا اندر جهان او خوار آمد
کہ در لعنت چنان او استوار است
تو چون عاشق شدی در آخر کار
شو اندر آخر کارت نظر کن
اگر در کفر آئی عشق بنی
اگر از کافری بوے بری تو
اگر کافر شوی باشی مسلمان
اگر از کافری خواہی نشانے
من اندر کافری عاشق نبودم
چو کافر گشتم و کفران گزیدم
من اندر کافری اسرار دارم
من اندر کافری بگریہ ام یار
ہمہ کفر جهان دارم بیک بار
چو جانان رخ نمودم رایگانے
حقیقت نیست جز ذات در اسرار
زہے آن کس کہ ایں جاحق بداند
دم تو ہست عین نفع رحمان
ازاں نامحرمی و ماندہ غافل
مسلمانی رہا کن گرد کافر
دے بگر تو ایں رمز و اشارات
ہنوزم ایں بیان ماند است بسیار
عناں را باز کش از راہ اسرار
بجز من هیچ کس رازم نداند

کے باید کہ اوچون من شناسد
 کہ باشد ہم چومن اندرمیاں فرد
 نمود خویشتن در عین احوال
 نخواہم چون ہم آوازے ندیم
 ہرآن کو خواند این حیراں بماند
 بمعنی و بصوت بے نشان حاں
 بخاک ما فرد گریند بسیار
 ز ہر چیز سے دل خود رامترساں
 بہ بینی ناگہاں انجام و آغاز
 ری اندر خدا این رہ ترا بس
 شود اسرار باطن جملہ ظاہر
 عیاں فاش است چندینی چہ پری
 نہ کفر است و نہ دین و نہ طریقت
 نے محمد درین جانگ و بدنام
 حقیقت شمس اورخشاں مگرد
 براین صورت جزاین آسان نباشد
 یکے باشند چہ نقطہ چہ پرکار
 کہ ہر یک گوہرے دارند درچنگ
 دردن جملہ جانا نیم بگر
 یکے نوراست چندینی حجاب است
 کہ درحق البقین غیراز یکے نیست
 کہ او مے سنگرد جز عین تقلید
 اگر خواہی چو مردان خدا جست
 کہ تا معنی بیابے مرد درویش

بجز من کس من چون شناسد
 بے جستم درین جا صاحب درد
 کہ تا با او گویم سر احوال
 کجا گویم چو ہرازے ندیم
 بیان من بجز من کس نداند
 بریں گفتار من جان برفشان حاں
 کہ بعد از ما وفا داران ہوشیار
 تو لرزاں مانی اندر راہ ترساں
 اگر خود را نترسانی دریں راز
 اگر خود را نترسانی زہر کس
 اگر خود را نترسانی درین سر
 اگر خود را نترسانی نہ ترسی
 ہمہ یک ذات دان این جا حقیقت
 نے محمد درین جا کفر و اسلام
 ہرآں عاشق کہ او جاناں مگرد
 ہمہ من باشم و جاناں نباشد
 دوئی چون نیست این جا آخر کار
 درین دریا چہ مای و چہ خرچنگ
 من و تو جملہ یکسانم بگر
 یکے حرف است چندینی کتاب است
 ازیں معنی کہ می گویم شکے نیست
 نداند بے خبر اسرار توحید
 حجاب خویش این جا صورت تست
 حجاب صورتت بردار از پیش

چرا چندین شدی مانند سیماب
 چو نیکو بنگری خود جملہ اوئی
 ز صورت جملہ اعداد حساب است
 جاب اکنون ز پیش خویش بردار
 ترا برخیزد از ہر نقش چہرا
 بخود از خود تو مغروری درین کار
 نموده گم دلے دردے رسیدم
 چو دیدم جملگی من بودہ ام بس
 چو مردان خدا تو پیش بین باش
 یقین بنمایدت جانان رخ خویش
 ازاں اسرار من این جا ندانی
 نہ نقصانی کہ دائم در کمالی
 چرا انگندہ خود را درد بالی
 کہ تا بے شک کیے بنی عیان را
 ازاں پنہاں شدستی تو ز مقصود
 بہ معنی برتر از کون و مکانی
 ہمہ ذرات منشورے تو دارد
 دریں معنی تو چون نادان روئی
 چہادر جتن و جوئی ہمیشہ
 چو او این جاست با تو تو چہ جوئی
 طلب کن در بر خود دلبر خویش
 در آخر جزو کل خواہی شدن تو
 عجائب می کنی از خود جدائی
 خدائے آشکارا و نہانی

غبار صورتت چون رفت حق یاب
 تو برداری حجاب ترک گوئی
 تو ہستی دولے صورت حجاب است
 تو ہستی او و او در تو نمودار
 ز صورت چون بروں آئی بیک بار
 رعت نزدیک تو دوری ز خود یار
 طلب می کردمش تا باز دیدم
 وصالش را طلب کردم ز ہر کس
 گمان بگوار دنبال یقین باش
 تو اوئی گر گمان برداری از پیش
 ہمہ درست تو اندر گمانی
 ہمہ درست تو اندر وصالی
 ہمہ درست در عین وصالی
 ہمہ درست بردار این گمان را
 تو از ذاتی و ذات اندر تو موجود
 توئی سلطان سر لا مکانی
 زمین و آسمان نور تو دارد
 خدایا تست و تو در جستجوی
 تو با اوئی وا دباست ہمیشہ
 چو بودی تست او را می چہ چوئی
 دلائق بین کہ حق داری تو در خویش
 دلائق بین کہ حق خواہی شدن تو
 حقیقت حق عیاں و تو خدائی
 نمی یابی چہ گویم گر بدانی

کہ ایں جاگہ توئی جبار اکبر
 خدائے اولین و آخرین دان
 کہ بہ نمود است رخ از کاف و از نون
 عجائب می کنی از خود جدائی
 نے یابی زخود انجام و آغاز
 حقیقت جز خدایم بے شکے نیست
 وگر غیر است از داز دے جدا گرد
 براہ فقر صد سیراست دریاب
 بجز یک کے حقیقت بگرداد
 ولے ہرگز نباشد ہم چو عطار
 کہ می گفتم ترا من بے کما ہی
 ہمیں ترسم چنین غافل بمانی
 نہ ہر سر لائق دیدار گردد
 شود کلی زخود ادا پدیدار
 کہ مے گویم ترا اسرار دیگر
 انا الحق با من این جادم بدم زن
 چو این معنی ز تو گشت است ظاہر
 نہ باطل باش الا جنگلی حق
 مترس از دو جہان چوں شیر بیشہ
 ہم اندر حق حقیقت عین حق بین
 کہ در حق مے گلچند کفر باکیش
 کہ بہر تست اسرار معانی
 یقین گفتم ترا اسرار مطلق
 جو گفتم راز کلی روشن ایں جا

ز جملہ فارغ ایں جا باش و بنگر
 کہ تو ہستی خدا این راییقین دان
 وجودت ایں جائین بے چون
 ہمہ بازار تست و تو خدائی
 بہر معنی کہ مے گویم ترا باز
 یکے دید است ایں جا بجز یکے نیست
 خدا دان و خدا بین و خدا گرد
 حقیقت جز خدا غیر است دریاب
 خدا شد این کہ ایں سر پے برداد
 بے اسرار گویا نندہ اسرار
 دما دم فہم کن سر الہی
 بہر شرح کہ مے گویم خدائی
 نہ ہر کس صاحب اسرار گردد
 کہ ہم چوں مصطفیٰ در سر اسرار
 زمن ایں راز بشنو بار دیگر
 یقین در عشق کل ایں جا قدم زن
 چو مردان زن انا الحق گرد کافر
 یقین بر کافری بر گوانا الحق
 چو مردان زن انا الحق تو ہمیشہ
 انا الحق گوئے و بگذر کل از دین
 چو مردان زن انا الحق تو میندیش
 انا الحق زن چو مردان تا توانی
 انا الحق گوو جز از حق مبین حق
 دما دم زن انا الحق با من ایں جا

انا الحق در ہمہ آفاق زن تو
 درون حق مگر انجام و آغاز
 کہ آجے زنت این جابر سردار
 شدہ فاش اندریں جا راز مطلق
 سز دگر چون زمان عذرے نخواہی
 انا الحق گر کنندت پارا پارا
 شود در عافیت اندر سردار
 یقین در کشتن او حیران بماند
 نخواہد سر بریدن زود و باچار
 حقیقت در خدا مطلق تو باشی
 تو باشی نقطہ اسرار پر کار
 ترا بر خیز دو از ہر نقش پندار
 فنا شو تا بیابی راز این جا
 کہ چون عطا راز خود سر بریدت
 وصال خویش در خود باز دیدن
 کہ جان آید ز گفت من پدیدار
 کہ بتواں کردنم او را بیانی
 کہ دریا بدہماں ز انسان کہ باید
 کے مہاید کہ باشد مرد کامل
 تو مانندستی ہنوز اندر طبیعت
 نمودم با تو ہر کارے کہ دارم
 ولکن مردے جوید یقین را
 کہ در خوابند جملہ نیست ہشیار
 یقین میدان کہ بر گام نخی

دامد زن انا الحق ہم چومن تو
 دامد زن انا الحق در ہمہ راز
 انا الحق گوئے بر مانند عطار
 دامد زن انا الحق چوں توئی حق
 دامد زن انا الحق چون الہی
 بگو ایں جا حقیقت آشکارا
 ہر آن کو راز بین باشد دریں کار
 ہر آن کو سز نداند سز فشانند
 کہ مے بینی کہ چوں منصور و عطار
 چو سرایں جا بریدی حق تو باشی
 چو سرایں جا بریدی ہم چو عطار
 چو سرایں جا بریدی ہم چو عطار
 نے گویم کہ جان در باز این جا
 کے این جام معنی در کشیدت
 حقیقت چست ایں جا سر بریدن
 نہ چندان است ایں جا سز اسرار
 نہ چندان است ایں جا کہ معانی
 و نلے ایں راز را محرم بشاید
 کہ ایں داند نہ ہر ناچیز جاہل
 ہزاراں شرح گفتم از حقیقت
 بگفتم با تو اسرارے کہ دارم
 اگرچہ شرح بسیار است ایں را
 گرامی گوئے ایں اسرار عطار
 عیاں است اندریں جا آل چہ جستی

چو گم چیزے کھردی سے چہ جوئی
گلندہ جمع ہر نیک و بد را
نہ کس آمد نہ کس خواہ شدن باز
جو بت بہ شکست یابی گنج پنہاں
شدہ فاش اندریں جا راز مطلق
کہ تاجے شک ری در دیدن دید
کہ ابر گویم این اسرار پنہاں
حقیقت نقطہ در عین پرکار
چرا اکنون توئی اندر دوئی تو
ہمہ با جان و دل بے جان و بیدل
ز خود بگوشتن و باخویش بودن
وجود خویش را اندر ہمہ باز
کہ سرگرداں شوی مانند پرکار
کہ ویرانی پذیر و نقش پرکار
زا عیان و ز دید و دید گفشی
کہ دل ہر لحظہ خون بر جائے بگریست
نہ کس گفتہ نہ کس ہرگز شنیدہ
نہ گفتہ است این معانی تادریں آدم
حقیقت و اصلی اندر جہان کو

کھردستی تو چیزے گم چہ جوئی
گمان بردار اے بہ نمودہ خود را
ہمہ از تست و درتست این ہمہ راز
بجز خود ہر چہ بینی بت بود آن
تو خود شناس چون حقی تو در حق
گزر کن ہم زجان و جسم تھلید
نہ جان است و نہ جسم است نہ جانان
تو ہم ہستی بخود خود را طلب گار
بخود از خود نظر کن ہم توئی تو
ہمہ اندر طلب مطلوب حاصل
حقیقت چیست پیش اندیش بودن
حقیقت بین و بگذر از ہمہ باز
بدان این و چنان گم شودرین کار
چنین خواہی شدن در آخر کار
خن این باز بے تھلید گفشی
کہ می دانند کہ این اسرار حاصلست
چنین اسرار ہائے برگزیدہ
کہ از در فلک تا دور آدم
زہر اسرار ہا اسرار دان کو

بزن کوس معانی ہم چو عطار

بر آنگن پردہ از دے اسرار

”اس کی صفات ذات ہیں۔ اس کی ذات صفات کی طرح ہے، اور اگر تو بالکل ٹھیک طرح سے دیکھے تو خود تمام ذات — ہی ذات ہیں۔ (کیونکہ شان وحدت میں بس یکتائی ہی یکتائی ہے، وہاں بھلا دوئی کا کیا

کام ہے۔)

اگر توجہ کے تو یہ بات (کسی بزرگ نے) بالکل سچ کہی ہے کہ ذاتِ حق میں تمام

اضافات اور تعلقات کا ساقط اور دور کرنا ہی حقیقی توحید ہے۔

اس لیے جب طالبِ حق کو طلبِ صادق پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی قدر و حوصلہ کے موافق اسرار معلوم کرتا ہے۔ لشکرِ عشق اپنی خفیہ کمین گاہ سے نکل کر جب حملہ آور ہوتا ہے تو پھر عقل کو کسی طرف جانے کی راہ نہیں ملتی۔ عشاق کے لیے تو اس جگہ (دنیا میں) عذاب ہے۔ اہل ظاہر (دنیا داروں کے لیے وہاں) عاقبت (میں) حساب و کتاب ہے۔ یہ حالت ہر اس عاشق کی ہے جس سے خطاب ہوتا ہے۔ یعنی وہ فراقی محبوب میں دنیا ہی میں سخت عذاب سے دوچار ہوتا ہے۔ تو ان عاشقوں کی رسم و راہ کیا جانے، کہ تو خود سخت ناتوانی میں پڑا ہوا ہے۔ (تجھ سے بھلا یہ سخت منزل کب طے ہوگی۔)

اپنے خیالِ خام میں تو دنیا و مذہب میں گرفتار ہے۔ مگر درحقیقت تو کفار کی

طرح بت پرستی میں مبتلا ہے۔

تو یہاں ہر دم رسوائی کے ساتھ قدم مار۔ یقیناً اس جگہ تو بالکل نامحرم ہی ہے۔ یعنی تو حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ تو اس جگہ خرابات میں خراباتی ہو جا۔ تو اس ظاہری مسجد اور اس دریائی زہد و مناجات کو چھوڑ دے۔

بھلا میری طرح سے کب کوئی عشقِ حقیقی میں نمودار ہوگا۔ کہ وہ رحمت ہی کی طرح لعنت کا بھی خریدار ہو۔۔۔ میں دونوں عالم میں (اس کی خاطر) ملامت و محرومی حاصل کرتا ہوں۔۔۔ میں تو صرف اس۔۔۔ ”محبوبِ حقیقی“ ہی کے عشق میں شاد و خرم ہوں۔

میں عشقِ دوست میں خوب ملامت اٹھاتا ہوں۔ ایک دم کو بھی دوست کی لعنت کا فکر و اندیشہ نہیں کرتا۔ پھر تو کس واسطے حق کی لعنت سے بچتا ہے۔ اور کس لیے عشاق سے اس معاملے میں تیار نہ و جھگڑا کرتا ہے۔ اگر تو ابلیس کی طرح سے مرد میدان ہے، تو حق کو پہچان!۔۔۔

عشق میں اس لعنت و ملامت سے ہی نام ہوتا ہے۔ تو اس سے مت ڈر۔ یعنی عشق میں اپنی جان کی بازی لگا کر اہل ظاہر کی ملامت سے بے پرواہ ہو جا۔ خواہ تجھے لوگ شیطان کی طرح برا بھلا کہیں۔ مگر تو منزل عشق و محبت میں ہمیشہ گامزن رہے۔

اگر تو شیطان کی طرح (بے باکی) سے اس دشوار راہ کو طے کرے تو اپنے قدم کو کفر و لعنت کے سپرد کر۔ (یہاں کفر کا مطلب عام کفر نہیں ہے جو اہل دنیا کافروں کا مذہب و شعار ہے)۔ بلکہ یہ کفر، کفر عشق ہے جو نعمت دارین کو ترک کر کے صرف ذات مولیٰ کی محبت میں ”فنائی البقا“ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام کے مردان محبت کی نظروں میں سوائے ”حق“ کے اور ہر شے معدوم ہو جاتی ہے۔

یہ بات بھی غلط ہے کہ اس کی نمود خود بینی سے ہوتی ہے۔ بلکہ یہ تو ترک خودی و ہستی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے عشق کی باگ (لگام) کلی طور پر اسے کھو چکی ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس نے راز حقیقت کو دیکھا، تو اس نے سجدہ نہیں کیا، اور لعنت و ملامت حاصل کی۔ حقیقت میں وہ ایک عاشق شہوار ہے کہ وہ ہمیشہ اس راز کے ساتھ ثابت و قائم ہے۔

جس طرح وہ تمام جہان میں ذلیل و خوار ہوا ہے، یقیناً عشق میں برخوردار و کامیاب ہوا ہے۔ بھلا اس کی طرح سے لعنت و ملامت میں کون استوار (مضبوط) ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اس راز سے پائیدار رکھتا ہے۔ تو بھی جب عاشق ہوگا تو آخر کار تجھ پر بھی لعنت و ملامت ظاہر ہوگی۔

تو اپنے آخر اور انجام کار پر نظر کر، اور اپنے دل کو کفر روحانی سے خبردار کر۔

اگر تو کفر میں آئے گا تو مقام عشق کو ملاحظہ کرے گا۔ یعنی محبوب حقیقی کے سوا سب کو چھوڑ دے گا، تو پھر تو کامیاب عشق ہوگا۔

اگر تو اس کفر عشق کی خوشبو حاصل کرے گا تو پھر تو ان آسمانوں اور ستاروں کی بلند یوں سے بھی گزر جائے گا۔

اگر تو ایسا ”کافر عشق“ ہو جائے گا تو پھر صحیح معنوں میں تو مسلمان ہوگا۔ مگر

اس طرح ہر ایک سے اور ہر جگہ نہیں کہا جاسکتا۔ یعنی جو اس کا اہل ہو یہ بات اسی سے کہی جائے گی۔ یہ بھید ہر ایک کو نہیں بتایا جاتا۔ اگر تو اس کافری کا کچھ نشان و پتہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ تو تو مجھ سے اس کی شرح و بیان سن لے۔

میں اس کافری میں عاشق نہیں تھا۔ اور اس کافری میں صادق و سچا بھی نہیں تھا۔ مگر جب میں کافر ہو گیا اور کفران کو حاصل کیا تو پھر میں نے اس کفر کی وجہ سے اپنا چہرہ خوب دیکھا۔ میں اس کافری میں ایک اسرار رکھتا ہوں۔ جس کی وجہ سے تمام جزوکل مجھ کو دلدار (محبوب) ہی نظر آتا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں مجھ کو اور کچھ نظر نہیں آتا۔

میں نے اس کافری میں اپنے دوست کو بھی چھوڑ دیا۔ یعنی جذبہ عشق کی شدت سے اسے بھی فراموش کر دیا۔ کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ پھر میں نے اس کافری میں یار حقیقی کو دیکھ بھی لیا۔

ایک مرتبہ تو میں نے سارے جہان کا کفر اکٹھا کر لیا تھا۔ جب میں اپنے دلدار کے سامنے کافر ہوا۔ تو گویا اس محبوب نے مجھے اپنا جلوہ بیکار دکھایا۔ اور میں نے اس لعنت و ملامت کو پوشیدہ طور سے اختیار کیا۔ یعنی میں جو ”راز حقیقت“ سمجھ کر سب سے بے نیاز ہو گیا۔ تو اس میں یہ راز مخفی تھا کہ درحقیقت (میں کون اور میرا وجود ہی کب تھا۔) کوئی حقیقت (اور) نہیں ہے، مگر صرف اس کی ذات واحد کی ذات پر درہ اسرار میں ہے۔ تو اس مقام پر لعنت و ملامت مرد ہوشیار و باخبر کے لیے کیا وقعت رکھتی ہے۔

بس یہ حقیقت بھی سمجھ لے کہ (جب) کہ تیرا سانس بالکل نفع رحمان (سانس پھونکنا) ہی ہے، تو پھر اس جگہ شیطان کی اصل و حقیقت کو بھی حق ہی سمجھ۔

بس اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے تو محرم راز اور درماندہ و غافل ہے۔ کیونکہ تو ان معنوں و نہیں سمجھ سکتا، اور مطلب کو حاصل نہیں کر سکتا۔

تو اس ظاہری مسلمانی کو چھوڑ دے اور کافر (عشق) ہو جا۔ مگر تو کہاں تک اس راز حقیقت کے پیچھے پڑا رہے گا۔ تو یکدم کو ان رموز و اشارات کو دیکھ۔ میں

تجھ کو ان عبارات میں عشق اور مردان عشق سے آگاہ کرتا ہوں۔

ابھی تو میرا یہ بیان بہت کچھ باقی رہ گیا ہے۔ لیکن میں اس وقت تک بیان نہیں کروں گا جب تک میں کسی خریدار (طالبِ صادق) نہیں دیکھوں گا۔ تو اس اسرار کی راہ سے اپنی باگ پھیر لے۔ کیونکہ ہر کوئی اس راہ حقیقت کا خبردار اور اہل نہیں ہوتا۔ میرا یہ راز میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اگر کوئی جانے گا بھی تو وہ حیران رہ جائے گا۔

کوئی میری طرح سے مجھے جب پہچانے گا کہ وہ مجھ کو میری ہی طرح سے پہچانے۔ میں نے اس جگہ کسی صاحبِ درد کو بہت ڈھونڈا (جو اس راز کے سمجھنے کا اہل ہو)۔ اور وہ میری طرح سے اس راہ عشق و محبت میں فرد و یکتا ہو۔

تاکہ میں اسے ان احوال کا اسرار بیان کروں، اور اپنی یہ نمود عین (اصل) احوال میں سمجھاؤں۔ پھر میں کہاں بیان کروں جبکہ میں کوئی ہمزاد ہی نہ دیکھوں۔ میں اس کو کہنا نہیں چاہتا۔ جبکہ میں نے اپنا ہم آواز بھی کوئی نہیں دیکھا۔ میرا بیان میرے سوا کسی نے بھی نہیں جانا، اور نہ سمجھا۔ جس نے بھی اسے پڑھا، وہ بس حیران رہ گیا۔

مگر ہاں اگر تو چاہے تو میری اس پر اسرار گفتگو پر سخت جانفشانی کر، ان معنوں اور ان الفاظ و صورت پر بے نشان ہو۔ کیونکہ میرے اور بہت سے وفادارانِ ہوشیار (اہلِ درد و محبت) میری خاک پر (عقیدت و محبت) سے گریں گے۔

تو اس راہ محبت و حقیقت میں اگر لرزاں و ترساں ہو تو (حوصلہ رکھ) اور ہر چیز سے اپنے دل کو ترسا دہرا ساں نہ کر۔ اگر تو خوف و ڈر نہیں رکھے گا تو یہ راز انجام و آغاز سے تمام تر ناگہاں تجھے معلوم ہو جائے گا۔

اگر تو اپنے آپ کو ہر ایک سے خوف زدہ نہ کرے تو بس اس راہ حقیقت میں تو خدا تعالیٰ تک پہنچ جائے گا۔

اگر تو اس راز حقیقت میں اپنے آپ کو نہیں ڈرائے گا تو پھر تجھ کو تمام "اسرارِ باطن" کا انکشاف ہو جائے گا۔ اگر تو اس مقام پر خود کو نہیں ڈرائے گا تو ہرگز نہیں ڈرے گا۔ تو اس طرح سے کیا پوچھتا ہے، یہ سارا معاملہ عیاں اور بالکل فاش ہے۔

یہاں تو سب کو ایک ہی حقیقت جان۔ اور ایک ہی ذات سمجھ۔ درحقیقت اس مقام پر نہ تو کفر ہے نہ طریقت ہے۔ نہ کوئی دین و مذہب ہی ہے۔ اس مقام یکنائی میں کفر و اسلام نہیں ساتے اونہ اس جگہ ننگ و نام کی گنجائش ہے۔ پر وہ عاشق ہے جو محبوب نہ ہو جائے، اور اس کے آفتاب کی حقیقت روشن نہ ہو جائے۔

اسی طرح یہاں سب کچھ میں خود ہو گیا ہوں۔ اب کوئی اور محبوب نہیں ہے۔ مگر اس صورت سے ہو جانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ جب اس مقام پر مطلق دوئی نہیں ہے۔ تو اس حالت میں آخر کار کیا نقطہ و پرکار سب ایک ہی ہوں گے۔

یہ وہ دریائے حقیقت ہے کہ یہاں کیا مچھلی اور کیا کیکڑا، ہر ایک ہی اپنے چنگل میں ایک گوہر تاب دار رکھتا ہے۔ میں اور تو بھی حقیقت میں ایک ہی ہیں اور یکساں ہیں۔ تو دیکھ تو سہمی، اندر سے تمام عالم جاناں ہی ہیں۔ بس ایک حرف ہے اور بہت سی کتابیں ہیں۔ بس ایک ”نور حقیقت“ او بہت سے جبابات ہیں۔ ان معنوں میں تجھ سے میں بیان کرتا ہوں۔ بالکل شک نہیں ہے کہ درحقیقت ایک کے سوا (حق الیقین) کے لحاظ سے کوئی اور (دوسرا) موجود ہی نہیں ہے۔

بے خبر لوگ ”توحید“ کے اسرار نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ تقلید کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ اس مقام پر تیرا حجاب تیری صورت ہی ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو تو بھی مردانِ خدا کی طرح حقیقت ہی تلاش کر۔

خود اپنی صورت کا حجاب اپنے سامنے سے اٹھا دے۔ اے مرد درویش! تو حقیقی معنی و مطلب (مراد اصلی) حاصل کر لے۔

جب تیری اس صورت (ظاہری) کا غبار سامنے سے ہٹ جائے گا تو پھر تو حق تعالیٰ کو پالے گا۔ تو اس طرح سے بیکار و بے وجہ پارے کی طرح مضطر ہوتا ہے۔

اگر حقیقت میں تو یہ حجاب (پردہ ظاہری) اٹھا دے گا تو پھر تو بخوبی یہ دیکھے گا کہ وہ تمام تر تو ہی ہے۔ یعنی تجھ کو سب کچھ اپنے اندر ہی نظر آئے گا۔

تو ہے تو مگر تیری صورت ہی حجاب ہے۔ اس ظاہری صورت کی وجہ سے یہ تمام

اعداد و شمار اور حساب و کتاب (کثرت کا مظاہرہ) ہے۔

تو وہ ہوگا اور وہ تجھ میں نمودار ہوگا۔ اب تو اپنے سامنے سے حجاب اٹھالے۔
جب تو ایک بار صورت سے باہر آئے گا تو تیرے تمام جھوٹے نقوش پندار (وہم و خیال) ہٹ جائیں گے۔ حقیقت میں تیری راہ تیرے قریب ہے۔ مگر تو اپنے خیالِ باطل کی وجہ سے اپنے محبوبِ حقیقی سے دور ہے۔ اس کام میں تو خود بخود مفرور بنا ہوا ہے۔
میں اس کو طلب کرتا ہوں تاکہ اسے مکرر دیکھوں۔ اگرچہ وہ بظاہر نظر نہیں آتا۔ مگر میں اپنی طلبِ صادق سے اس تک پہنچ جاتا ہوں۔

میں ہر ایک سے اس کا وصال طلب کرتا ہوں۔ مگر جب نظرِ حقیقت سے دیکھتا ہوں تو سب کچھ میں ہی ہوں۔ بس تو اپنے اس گمان و قیاس کو چھوڑ دے، اور صرف یقین ہی کے پیچھے لگ جا۔ جس طرح سے مردانِ خدا تجھ سے پہلے ہوئے ہیں تو بھی انہی کی پیروی کر۔

اگر تو اپنے سامنے سے گمان کو اٹھالے تو تو حقیقت میں وہی ہے (یعنی بس اس کا وجود ہے، تیری حقیقت کچھ نہیں ہے۔) تو یقین کر کہ جاناں (محبوبِ حقیقی) تیرے چہرے میں تجھے نظر آئے گا۔

سب کچھ دراصل تیرے ہی اندر ہے۔ مگر تو وہم و گمان میں مبتلا ہے۔ اور اسی وجہ سے تو تیری ان اسرار کی باتوں کو نہیں جانتا۔ بس سب تیرے ہی اندر ہے۔ اور تو دراصل عالم وصال میں ہے۔ پھر تو نے کس وجہ سے اپنے آپ کو ایک وبال میں ڈال لیا ہے۔ جبکہ سب کچھ تیرے ہی اندر ہے تو تو اُس غلط گمان و وہم کو اٹھالے۔ تاکہ تو بے شک ظاہری طور سے (کھلم کھلا) صرف ایک ہی دیکھے، اور یہ دو بینی دور ہو جائے۔

تو اصل میں ایک ذات سے ہے، اور وہ ذات تیرے اندر موجود ہے۔ اسی وہم و گمان ہی کی وجہ سے تجھ سے تیرا گوہر مقصود پوشیدہ ہے، ورنہ حقیقت میں تو ہی سرِ لامکان کا سلطان ہے۔ اپنے معنی و حقیقت کے لحاظ سے تو تمام کون و مکان سے برتر ہے۔

یہ تمام زمین و آسمان تیرا ہی نور رکھتے ہیں۔ اور تمام ذرات تیرا ہی منشور رکھتے ہیں۔ وہ خدائے قدوس (ہر وقت) تیرے ساتھ ہے۔ مگر تو ادھر ادھر جتو میں ہے۔ ان

معنوں میں تو بالکل نادانی ہی میں پڑا ہوا ہے۔

تو اس کے ساتھ اور وہ ہمیشہ تیرے ساتھ ہے۔ تو پھر کس لیے اس کی تلاش (باہر) کرتا ہے۔

پھر جب کہ وہ تیرے ہی ساتھ ہے تو پھر تو اس کو کیا ڈھونڈتا ہے۔ جبکہ وہ یہاں تیرے ساتھ ہے۔ تو پھر تو کیوں ڈھونڈتا ہے۔

اے دل تو حق کو دیکھ! کیونکہ تو اپنے اندر ہی حق رکھتا ہے۔ لہذا تو اپنے دلبر و محبوب کو اپنے اندر ہی طلب کر۔

اے دل تو حق کو دیکھ! تجھی کو تہی ہونا ہے۔ اور آخر کار تمام جز و کل میں تجھی کو ہونا ہے۔ (یعنی جبکہ اس واحد حقیقی کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اس پردہ ظاہر کے دور ہونے کے بعد بھی بس وہی ہوگا۔ کیونکہ جزوں کی اصل ”کل“ ہی ہے۔

در اصل حقیقت حق غیاں ہے، اور تو خدا ہے۔ یعنی تیرا وجود اصلی نہیں ہے۔ بلکہ ہر شے میں وجود اصلی خدا ہی کا ہے۔ کیونکہ سوائے اس کے کوئی شے اپنے حقیقی وجود نہیں رکھتی۔ اس لیے یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے رب سے اپنی (اصل و حقیقت سے) جدائی رکھتا ہے۔

تو اس کو نہیں پاتا، میں کیا بیان کروں۔ اگر تو جانے تو تو خدائے آشکار و نہاں ہے۔ تو سب سے فارغ اور بے نیاز ہو جا۔ بس تو اسی مقام (وحدت) میں رہ، اور دیکھ کہ اس جگہ تو کبھی جبار اکبر ہوگا۔ بس تو یہ یقین کر کہ تو خدا ہے، اور خود کو خدائے اولین و آخرین جان!

اس مقام پر تیرا وجود عین بے چون (بے مثال) کہ اس نے اپنا چہرہ (پردہ) کاف و نون (کن) میں دکھایا ہے۔

یہ تمام بازار عالم تیرا ہی ہے اور تو خدا ہے تو یہ عجیب بات کرتا ہے کہ خود سے جدا ہے۔ میں ان تمام معنوں سے، جو تجھ سے مکرر بیان کرتا ہوں۔ کیا تو اپنا آغاز و انجام نہیں پاتا۔

یہاں بس ایک ہی کی دید ہے۔ اور یہاں ایک کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حقیقت

اس کے سوا کہ میں ”خدا“ ہوں، بے شک نہیں ہے۔

بس تو خدا کو جان اور خدا کو دیکھ اور خدا ہو جا — اور اگر اس سے غیر ہے تو اس سے جدا ہو جا — حقیقت سوائے خدا کے نہیں ہے تو اس کو پا۔ فکر کے لیے یہاں سینکڑوں سیریں ہیں، تو معلوم کر۔

خدا یہ ہے کہ یہ راز اس سے تعلق رکھتا ہے۔ سوائے ایک (واحد حقیقی) کے وہ اور حقیقت نہیں دیکھتا — یوں تو بہت سے اسرار کی باتیں بیان کرنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن ہرگز کوئی عطار جیسا نہیں ہوگا — بس تو مسلسل اسرار الہی کی باتیں سمجھ، کیونکہ میں تجھ سے بے کم و کاست (پوری طرح، تمام) یعنی تمام تر حقائق بیان کر رہا ہوں۔ میں ہر ایک شرح سے بیان کرتا ہوں۔ مگر تو اس کو نہیں جانتا، پس میں یہی ڈرتا ہوں کہ کہیں تو غافل ہو کر محروم نہ رہ جائے۔

دنیا میں ہر ایک سر صاحب اسرار نہیں ہوتا، اور نہ ہر ایک آنکھ لائق دیدار ہوتی ہے کہ جو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرح سے ”سرائار“ حاصل کر کے — اپنے آپ خود کلی طور سے وہی (خدا) ہو کر (فنائی اللہ) غائب ہو جائے — یعنی حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرح سے ہر ایک خدائے عزوجل کا مظہر تام نہیں ہو سکتا۔

تو مجھ سے یہ راز ایک مرتبہ اور (دوبارہ) سن لے! — کیونکہ میں تجھ سے ایک اور راز بیان کرتا ہوں۔

تو کامل یقین کے ساتھ اس جگہ ”عشق کل“ میں قدم رکھ۔ اور میرے ساتھ دم بدم انا الحق کے نعرے لگا۔

جب تو مردوں کی طرح سے انا الحق کہہ کر کافر ہوگا تو پھر تجھ پر یہ معنی ظاہر ہوں گے — یقیناً تو کافری کے اوپر ہی انا الحق کہہ — تو بالکل باطل (غلط اور جھوٹ) نہ ہو، بلکہ پوری طرح سے حق ہو جا۔ جب تو مردوں کی طرح سے انا الحق ہمیشہ کہے تو پھر تو شیر کی طرح ہو، بلیوں سے مت ڈر

تو انا الحق کہہ اور پوری طرح (ظاہری، ریائی) دنیا کو چھوڑ دے۔ اور حق کے

اندرونی حقیقت کو اچھی طرح (حقیقی) سے دیکھ —

تو مردوں کی طرح سے انا الحق کہہ دے تاکہ تجھے تمام اسرار معانی حاصل ہو سکیں — تو انا الحق کہہ اور سوائے حق کے حق کو مت دیکھ، پھر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تجھ کو اسرار مطلق حاصل ہوگا — یہاں میرے ساتھ تو مسلسل انا الحق کہے جا۔ جبکہ میں نے تجھ سے یہاں اسرار کلی کھلم کھلا بیان کر دیئے ہیں — پس تو میری ہی طرح دمام (برابر لگاتار) انا الحق کہہ اور تمام عالم میں انا الحق کا نعرہ لگا۔ تو دمام انا الحق کہہ — اور تمام راز کو سمجھ، انجام و آغاز کو حق میں دیکھ۔

تو عطار — کی طرح انا الحق کہہ۔ کیونکہ یہاں پر سردار (سولی پر) تیری زندگی کا پانی ہے — یعنی تجھے داہ پر چڑھ کر جو شہادتِ عشق حاصل ہوگی تو اس سے ہمیشہ کی زندگی (دوام) مل جائے گی۔

جب کہ تو ہی حق ہے۔ تو برابر انا الحق ہی کہے جا — اس مقام پر حقیقی راز بالکل عیاں ہو گیا ہے۔

تو متواتر انا الحق کہہ جبکہ تو الہی ہے۔ اگر تو عورتوں کی طرح سے عذر نہ کرے گا تو یہ بات تیرے لائق ہوگی۔

تو یہاں اس حقیقت کا آشکارا کر دے، اور انا الحق کہہ دے۔ چاہے تجھ کو یہ کہنے سے پارا پارا کر دیا جائے، ہر وہ شخص اس معاملے میں جو راز دار ہو، اس کی آرام و عافیت داری ہوگی۔

جو شخص سرکنڈانے کا راز نہیں جانتا، وہ یقیناً اس کے کشتہ ہونے میں حیران ہوگا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ منصور و عطار کی طرح سے آخر کار مجبوراً سرکنڈانا ہی ہوتا ہے — جب تو اس جگہ اپنا سرکنڈا دے گا تو پھر تو حق ہو جائے گا۔ حقیقت میں تو پھر اللہ تعالیٰ میں مطلق (واصل) ہو جائے گا۔

اگر یہاں تو عطار کی طرح سے سرکنڈا دے تو پھر تو پرکار کے اسرار کا نقطہ ہو جائے گا۔ اگر اس جگہ تو عطار کی طرح سے اپنا سرکنڈا دے گا تو تیرا ہر نقش وہمی و خیالی مٹ جائے گا — میں تجھے یہ نہیں کہتا کہ تو اس جگہ اپنی جان کی بازی لگا دے — میں

تو یہ کہتا ہوں کہ تو فنا ہو جاتا کہ تو اس مقام پر اسرار حقیقت کو پالے۔
جو بھی یہ جام معنی (حقیقی مطلب کا پیالہ) نوش کرتا ہے، وہ عطار ہی کی طرح سے
خود بخود اپنا سر کٹاتا ہے۔ حقیقت کیا ہے:

☆ — اس جگہ سر کٹانا،

☆ — اپنا وصال اپنے آپ میں پھر دیکھنا یعنی فنا ہو کر اپنی حقیقت میں مل جانا۔
کیا یہاں اس قدر اسرار نہیں ہیں کہ میری گفتار سے دوبارہ جان پیدا ہو جائے۔
کیا اس جگہ اس قدر (کثرت سے) مطلب و معانی نہیں ہیں کہ میں ان کا تمام و
کمال بیان کروں۔

لیکن اس راز حقیقت کے لیے کوئی محرم چاہئے — کہ وہ راز کی باتیں انسان
سے معلوم کرے۔ جیسا کہ چاہئے۔ کیونکہ ان باتوں کو ہر ناچیز جاہل نہیں جان
سکتا۔ بس کوئی ایسا چاہئے جو مرد کامل ہو اور ان حقائق سے واقفیت حاصل کرے۔
میں حقیقت کے متعلق تجھ سے ہزاروں شرحیں بیان کر چکا ہوں مگر تو (افسوس)
ابھی فلسفہ و طبیعات (علوم عقلی و قیاسی) ہی میں پڑا، ہوا ہے — یعنی حقیقت و مشاہدہ
کی باتیں نہیں سمجھتا۔

وہ تمام اسرار جو میں جانتا تھا میں نے تجھ سے بیان کر دیئے ہیں۔ اور ہر وہ کام جو
مجھے آتا تھا، میں نے تجھے بتا دیا ہے — اگرچہ اس کی شرحیں بہت سی ہیں، لیکن مرد
حق شناس اپنے یقین سے ڈھونڈ لیتا ہے۔

یہ اسرار جو عطار نے بیان کئے ہیں نہایت اعلیٰ اور گرامی قدر ہیں — مگر یہ کس
سے کہے کہ تمام اہل دنیا سوائے ہوئے ہیں۔ ہوشیار نہیں ہیں — اس مقام پر ہر شے
عیان و ظاہر ہے۔ جو کچھ بھی تو ڈھونڈتا ہے وہ یہاں موجود ہے مگر تو یقین جان کہ ابھی یہ
تیرا پہلا قدم ہے، اور تو ابھی ناواقف اور مبتدی ہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ تو نے یہاں کوئی چیز کھوئی ہی نہیں — پھر جبکہ تو نے کوئی
شے کھوئی ہی نہیں تو ڈھونڈتا کیا ہے؟ (یعنی یہاں مطلوبہ شے موجود ہے مگر تجھ کو نظر نہیں آتی)
تو اپنا یہ گمان اٹھالے (یعنی تو غلط فہمی میں نہ پڑ) — اے وہ ہستی! جس نے

اپنے آپ کو خود نمایاں اور ظاہر کیا ہے۔۔۔ تو بے وجہ یہاں ہر ایک نیک و بد پر تہمت دھرتا ہے۔

درحقیقت یہ سب تجھ ہی سے ہے۔ اور یہ تمام راز تیرے ہی اندر ہیں۔ نہ یہاں کوئی (غیر) آیا اور نہ پھر کوئی جائے گا۔ (یعنی اصل میں بس وہی حقیقت ہے جو ازلی و ابدی ہے۔)

اپنے سوا جو کچھ بھی تو یہاں دیکھے گا، وہ بت (تصویر و معدوم) ہوگا۔۔۔ جب تو اس ظاہر کے سنگین بت (غیر حقیقی مجسمے) کو توڑ دے گا تو پھر تجھے خفیہ خزانہ مل جائے گا۔ تو اپنے آپ کو (اپنی حقیقت) کو پہچان۔ جبکہ حق درحقیقت تو ہے۔ بس اس جگہ راز مطلق، حقیقی راز فاش ہوا ہے۔ بس تو اپنی جان و جسم اور اس ظاہری تقلید سے علیحدگی اختیار کرتا کہ پھر تو بلاشبہ مقام حقیقت کے مشاہدہ کو حاصل کرے۔

اصل میں نہ تو جان ہے نہ جسم ہے اور نہ ہی جاناں ہے۔۔۔ مگر یہ اسرار پنہاں کس سے کہوں۔

تو خود ہی اصل میں ہے، اور خود ہی اپنا طلب گار بھی ہے۔ حقیقت میں تو اصل پر کار کا نقطہ ہے۔ تو اپنے آپ پر خود نظر کر۔ بس (سب کچھ) تو ہی تو ہے۔۔۔ پھر کس لیے تیرے اندر تیرے سوا دوئی ہے۔ (یعنی تو اپنے اندر سے دوئی کا خیال نکال دے۔ ہستی غیر تو اصل میں موجود ہی نہیں ہے۔ حقیقت میں جو کچھ ہے، وحدت ہی وحدت ہے۔)

سب کے سب طلب و تلاش میں ہیں اور مطلوب (حقیقت میں) حاصل و موجود ہے۔۔۔ اور سب کے سب (اپنی غلط فہمی سے) جان و دل رکھنے کے باوجود بے جان اور بے دل بنے ہوئے ہیں۔

اگر وہ اصل حقیقت کو جان لیں تو خود ان کے اندر ہی مطلوب و محبوب پوشیدہ ہے۔

پس اصل حقیقت کیا ہے۔۔۔ اپنے سامنے ہی دیکھتا ہے:

☆۔۔۔ اپنے آپ سے کھوجانا اور گزر جانا،

☆۔۔۔ پھر اپنے ساتھ واصل ہو جانا ہے۔

تو حقیقت کو دیکھ اور پھر سب سے گزر جا۔ اور پھر خود (فنا فی اللہ) ہو کر اپنے وجود حقیقی کو تمام میں مشاہدہ اور حاصل کر۔

بس تو اس کو جان اور اس کام میں اس قدر گم ہو جا کہ تو پرکار کی طرح سر کے بل گھومنا شروع کر دے۔ جب تو اس طرح سے ہوگا تو آخر کار تو پرکار کے نقش قبول نہیں کریگا، یعنی خود نقطہ و مرکز ہو جائے گا۔ یہ کلام تو نے پھر بغیر تہلید کے کہا ہے۔ اور یہ سب حقیقت و مشاہدہ کی بات کما ہے۔

انسوس کون جانے کہ یہ اسرار کیا ہیں؟ اور یہ کہ ہر لحظہ میرا دل خون روتا ہے۔ بلاشبہ ایسے ہرگز یدۃ اسرار نہ کسی نے بیان کئے، اور نہ کسی سے سنے ہیں۔ اس گردش زمانہ سے لے کر دور آدم تک آج تک کسی نے ہرگز نہیں کہے ہیں۔ ہر ایک اسرار کے جاننے والا اسرار دان کون ہے۔ اور حقیقت واصل کو سمجھنے والا جہان میں کون ہے۔

(ہاں اگر تو جانے) تو تو عطار علیہ الرحمہ کی طرح ناقوس معانی بجا اور اسرار کے چہرے سے یہ پردہ و نقاب اٹھا دے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى رَسُوْلِهِ خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُوْرٍ عَرْشِهِ
وَزَيْنَةِ فَرْشِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمِيْنَ بِرَّ
خَمَّتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ . اٰمِيْنَ —

آمین — آمین!

